يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اے ایمان والو! جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن، تو لپکو ذکر الٰہی کی طرف اور چھوڑ دو خرید و فروخت۔ یہی بات بہتر ہے تمھارے لیے، اگر تم علم رکھتے ہو۔

(سورۃ الجمعہ۔ رکوع ۲۔ آیت ۹)

6

رُوحِ اِسلام

کتاب و سُنّت کے مُطابق
دینی، اخلاقی، معاشرتی اور ثقافتی موضوعات پر
بصیرت افروز مقالات

فیروز سنز ٹرسٹ

۶۰ دی مال، لاہور

ترتیب

حرفِ آغاز

اسلامی معاشرے میں مسجد و منبر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عہدِ مبارک سے لے کر اب تک ہر زمانے اور ہر دور میں یہ مقدس مقامات مسلمانانِ عالم کے لیے رُشد و ہدایت کا سرچشمہ رہے ہیں۔ اسلامی اقدارِ حیات کی تبلیغ، معاشرے اور ماحول کی اصلاح، مُلک و ملّت کی خدمت اور مسلمانوں کے کردار و اخلاق کی تہذیب کا بہترین ذریعہ مساجد کے خطبات و مواعظ ہی ہیں۔

آج اُمّتِ مُسلمہ کو نئے نئے معاشرتی اور اخلاقی مسائل درپیش ہیں۔ اس سلسلے میں پُرانے خطبات مشکل زبان و بیان اور محدود موضوعات کے باعث مؤثر ثابت نہیں ہوتے، کیونکہ وہ قدیم حالات کے مطابق تھے۔ اس لیے عرصے سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ مساجد میں ایسے خطبات پڑھے جائیں جو سلیس اور عام فہم ہوں اور موجودہ اخلاقی و معاشرتی مسائل کا حل قرآنِ کریم اور احادیثِ رسولِ کریمؐ کی روشنی میں پیش کرتے ہوں۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر فیروزسنز ٹرسٹ نے "شعبۂ خطبات" قائم کیا تھا۔

فیروزسنز ٹرسٹ کی بنیاد پاک و ہند کے مشہور مخیّر بزرگ اور صنعت کار حضرت مولوی فیروزالدین صاحبؒ نے ۱۸ سال قبل وقفِ خیریہ کی صورت میں ڈالی تھی۔ اس کا مقصد اسلامی فکر و ثقافت اور دینی تعلیمات کی اشاعت کے علاوہ عامّۃ المسلمین کے لیے رفاہی ادارے قائم کرنا تھا۔ ٹرسٹ کے جزوی منافع سے قرآنِ حکیم کے لاکھوں ارزاں اور صحیح ایڈیشن شائع ہوئے اور لاہور، کراچی اور پشاور میں خیراتی شفاخانے کھولے گئے۔

۱۹۵۸ء میں ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام ایک نیا "شعبۂ خطبات" قائم کیا گیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ علمائے اُمّت کو ایک ہی سلک میں منسلک کرنے اور مساجد کو صحیح معنوں میں مراکزِ تبلیغ و ہدایت بنانے کے لیے دینی، معاشرتی، ثقافتی اور سیاسی موضوعات پر خطبات شائع کیے جائیں۔ شروع میں یہ خطبات کتابچے کی صورت میں وقتاً فوقتاً شائع کیے جاتے تھے لیکن پھر بڑھتی ہوئی مانگ کے پیشِ نظر پندرہ روزہ

مجلّے کی صورت میں شائع ہونے لگے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ٹرسٹ کی یہ سکیم توقع سے بڑھ کر کامیاب ہوئی اور اُس کے شائع کردہ خطبات اتنے مقبول ہوئے کہ ملک کے کونے کونے سے اُن کی مانگ آنے لگی۔ علمائے کرام نے انھیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور ملک کے سرکردہ اخبارات نے اپنے کالموں میں نقل کر کے ان کے حلقۂ اشاعت کو وسیع تر کرنے میں ٹرسٹ کے ساتھ دل کھول کر تعاون کیا۔

لیکن کثیر الاشاعت ہونے کے باوجود بیشتر مساجد کے خطیب حضرات تک یہ خطبات نہ پہنچ سکے۔ جُوں جُوں ان کی اشاعت بڑھتی گئی، توں توں مانگ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اکثر خطیب حضرات شروع سے لے کر موجودہ اشاعت تک کے تمام خطبے طلب فرماتے تھے، جن کا مہیا کرنا ہمارے لیے ممکن نہ تھا، کیونکہ حالت یہ تھی کہ مانگ سے زیادہ چھپوانے کے باوجود دفتر میں ایک کاپی بھی فالتو نہ بچتی تھی۔

اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے خطیب حضرات نے تجویز پیش کی کہ سلسلۂ خطبات کی تکمیل کے بعد تمام خطبے یکجا کتابی صورت میں شائع کر دیے جائیں۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ یہ گنجِ گراں مایہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے گا، دُوسرے وُہ حضرات بھی ان سے مستفید ہو سکیں گے جن کو اِن سے فائدہ اُٹھانے کا موقع نہ مل سکا۔

اس تجویز کو عملی جامہ پہناتے وقت ضروری معلوم ہُوا کہ موجودہ خطبات نظرِ ثانی کے بعد چھاپے جائیں۔ چُنانچہ تمام خطبات پر نظرِ ثانی کی گئی اور اکثر خطبے از سرِ نو لکھے گئے۔ قرآنی آیات و احادیث اور اقوال و ارشادات کے اضافوں اور حوالوں سے ان کی جامعیت کو اور زیادہ وسیع کیا گیا۔ نیز چند ایسے موضوعات کا اضافہ کیا گیا جن کے ذریعے موقع و محل کے مطابق ائمۂ کرام یا تو متعلقہ خطبہ کتاب میں سے پڑھ کر سنا سکتے ہیں یا اس کے مندرجات سے استفادہ کر کے خود کوئی خطبہ تیار کر سکتے ہیں۔ علاوہ بریں زبان و مطالب بھی پہلے سے زیادہ سلیس اور عام فہم کر دیے گئے ہیں تاکہ دیہات کے معمولی پڑھے لکھے خطیب حضرات کو بھی پڑھنے اور سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے۔ اس طرح ۵۲ خطبات کا یہ مجموعہ پہلے سے کہیں زیادہ افادیت کا حامل ہو گیا ہے۔

یہ خطبات عارضی اور ہنگامی نوعیت کے نہیں بلکہ مستقل اور دیرپا ہیں اور عصرِ حاضر کی جملہ ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ ان کی تالیف و تدوین میں یہ امر شدت سے مدِّنظر رکھا گیا ہے کہ فروعی اختلافات سے پاک اور اصولی اُمورِ دین پر مشتمل ہوں تاکہ ہر مسلک و عقیدے کے خطیب ان سے

استفادہ کرسکیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ ائمۂ کرام ان خطبات سے بیش از بیش فائدہ اُٹھائیں گے اور دین، معاشرہ اور سیاست کی اُس تفریق کو جو عیسائی دُنیا میں رہبانیت و قیصریت پر منتج ہوئی، اسلامی نظامِ زندگی میں سرایت نہ ہونے دیں گے۔

اسلامی تعلیمات و نظریات کی اشاعت فیروز سنز ٹرسٹ کا مقصدِ وحید ہے۔ اس سلسلے میں اُس نے مُلک و ملت کی جو خدمات سرانجام دی ہیں، اُن کی بنا پر ہمارا قلم و زبان وقفِ شکر ہیں۔ ہم دست بدعا ہیں کہ خدائے قدوس ہمیں اسلام اور مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری صلاحیتوں کو پیغمبرِ حق کے مسلک کے احیاء اور اپنی مشیّت کی تکمیل کا ذریعہ بنائے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

(ڈاکٹر) عبدالوحید
(ٹرسٹی فیروز سنز ٹرسٹ)

دیباچہ طبع ثانی

خطبات کا یہ مجموعہ ائمۂ مساجد اور خطیب حضرات کے لیے شائع کیا گیا تھا۔ ہمیں خوشی ہے کہ دینی حلقوں نے ہماری کوشش کو سراہا اور پہلا ایڈیشن قلیل مدت میں ختم ہوگیا۔ کتاب کی اشاعت کے بعد بعض اہلِ علم کی جانب سے ہمیں یہ مفید مشورہ دیا گیا کہ ان بصیرت افروز مقالات کی افادیت صرف ایک مخصوص حلقے تک محدود نہ کی جائے۔ بلکہ عامۃ المسلمین کو بھی ان سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا جانا چاہیئے۔ چنانچہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن "رُوحِ اسلام" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

(ڈاکٹر) عبدالوحید

بار اوّل ——————— فروری ۱۹۶۴ء

تعداد ——————— ۵۰۰

مطبوعہ ——————— فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور

طابع ——————— محمد جاوید خاں

ناشر ——————— ڈاکٹر عبدالوحید (ٹرسٹی) فیروز سنز ٹرسٹ لاہور

قیمت ——————— دس روپے

دینِ فطرت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ـــ فَاَقِمْ وَجْہَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ مُنِیْبِیْنَ اِلَیْہِ وَاتَّقُوْہُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۙ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا ؕ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْہِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (الروم ۳۰ - ۳۱)

ترجمہ : سوتم یکسو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی طرف قائم کرو جو عین فطرت الٰہی ہے - جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ـــــ فطرت الٰہی میں کوئی رد و بدل نہیں - یہی ہے دین سیدھا - لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے - رجوع کرتے ہوئے اسی کی طرف ـــــ اور اُس سے ڈرو - اور نماز کی پابندی کرو ، اور شرک کرنے والوں میں سے مت بنو ـــــ یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے اور بہت سے گروہ بن کر رہ گئے ہیں (اور پھر) تمام کے تمام گروہ اسی پر خوش ہیں جو وہ لئے بیٹھے ہیں -

ـــ وَمَنْ یُّسْلِمْ وَجْہَہٗۤ اِلَی اللّٰہِ وَہُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی ؕ وَاِلَی اللّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ۝ (لقمان - ۲۲)

ـــ ترجمہ : اور جو شخص اپنا رُخ اللہ کی طرف جھکا دے اور مخلص بھی ہو تو اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا - اور آخر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف ہے -

قرآنِ مجید کی اِن آیاتِ کریمہ کے ذریعے خالقِ کائنات نے یہ امر واضح کیا ہے کہ اُس نے انسانوں کی فطرت کو خود اپنی فطرت کے سانچے میں ڈھالا ہے اور یہ فطرت خود ایک ایسی ابدی حقیقت ہے - جس میں کوئی ردّ و بدل نہیں اور پھر اسی فطرت کو ہمارے لئے دین قرار دیا ہے - اِس طرح اِسلام گویا دینِ فطرت ہے -

دین ہی وہ سبھاؤ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اِنسان کی ساخت تیار کی - اِسی سبھاؤ ، اِسی صفتِ طبعی اِسی استعدادِ اصلی کا ذکر حضورؐ کی اس مشہور حدیث میں بھی ہوا ہے -

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ - الخ

ہر ایک بچہ فطرت انسانی پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس کی فطرت کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اگر والدین یہودی ہیں تو اس کو یہودی بنالیتے ہیں۔ اگر نصرانی ہیں تو نصرانی اور اگر مجوسی ہیں تو مجوسی —— الخ

انسانوں کو اسی دینِ فطرت پر قائم رہنے کی تاکید فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ:-

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ

جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا۔ وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

دین کو فطرت کا دوسرا نام دیتے ہوئے اسے خالص اور فقط اسلام کے نام سے تعبیر کیا ہے اور تاکید فرمایا ہے کہ جو مسلک یا طریقہ اس کے خلاف ہوگا وہ دین نہیں ہوسکتا یعنی فطرت ہی کا دوسرا نام اسلام ہے۔ اسی ارشاد کی مزید وضاحت یوں فرمائی ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ٥

ترجمہ : پھر کیا اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین تلاش کر رہے ہیں۔ حالانکہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین (القرآن) میں ہے سب کچھ چار و ناچار اسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔

یہ حال صرف زمین والوں کا ہی نہیں۔ اہلِ آسمان بھی اسی دینِ فطرت کے پابند ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:-

وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ٥ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ٥ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِىْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ٥ (سورہ یٰس - ۳۸ - ۴۰)

ترجمہ : اور سورج اپنے ایک جمے طریق پر چل رہا ہے۔ یہ جاننے والے زبردست خدا کا اچھا ٹلا آئین ہے اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کردی ہیں۔ یہاں تک کہ ہر پھر کر خمیدہ شاخ کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔ نہ تو سورج کی یہ مجال کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات کے بس کی بات کہ دن سے آگے بڑھ جائے۔ ہر کوئی ایک چکر میں تیر رہا ہے

محولا بالا آیات سے یہ امر واضح ہے کہ اگر ہمیں اسلام کو صحیح معنوں میں سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے تو ہمیں فطرت کو سمجھنا چاہیئے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہیئے۔ فطرت کا عام فہم مفہوم یہ ہے کہ وہ ایک ایسی قدرتی، پیدائشی اور طبعی خداداد صلاحیت ہے۔ جو بیک وقت سادہ، معصوم، پاک، آلودگیوں سے معرّیٰ ہوتے ہوئے رُوح کی کھلی اور آشکار ترجمان بھی ہیں۔ وہ تمام انسانی افعال جن پر کسی قسم کی حرف گیری نہ ہو سکے اور بنیادی طور پر انصاف اور صدق کی اٹل حقیقتوں پر مبنی ہوں فطرت کے مطابق ہیں اور عین اسلام ہیں دینِ فطرت کی حیثیت سے اسلام ایک ایسا متوازن نظریہ فکر و عمل ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر

حاوی ہے۔ اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ نہ صرف زندگی کے رُوحانی پہلوؤں پر زور دیتا ہے بلکہ ملت کا بھی پورا پورا خیال رکھتا ہے اور اس اعتبار سے ہماری دینی اور دنیوی خارجی اور داخلی سبھی ضرورتوں کے درمیان ایک توازن برقرار رکھتا ہے۔

ہمارے سیاسی اقتصادی اور ثقافتی افکار و نظریات کو بھی اسی دین فطرت کے ابدی اور بنیادی اصولوں کو تسلیم کرنا پڑے گا اور ہمیں انہی کی روشنی میں آئے دن کے مسائل کو حل کرنا ہوگا۔

دین فطرت یعنی اسلام کی اساس عقل انصاف اور اعتدال کے اصولوں پر استوار ہے۔ ہمارے قومی معاشی اور دیگر مسائل (جن کا قرآن وسنت میں صراحتاً ذکر نہیں) کے تمام ایسے حل جو عدل و انصاف، عقل سلیم اور فطرت کے اصولوں کے مطابق ہوں حقیقت میں عین اسلام ہیں۔ اسلامی عقائد سراسر ترقی پسندانہ ہیں اور بنیادی طور پر ایک متحرک، توانا اور جاندار سلسلۂ فکر وعمل ہیں اور ان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ ہر بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ بنا لیں، اور ہر لحظہ زندگی کی نئی طاقتوں سے اُمتِ مسلمہ کے لئے حیاتِ نو حاصل کریں۔ دین فطرت کے انہی عقاید کے احیاء اور ان پر عمل پیرا ہونے سے ہم ترقی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں اور خوش حالی اور امن و اطمینان سے بہرہ ور۔

اسلام کے دین فطرت کے تصور ہی کے ذریعے پاکستانی قوم مادی آرام و آسائش حاصل کر سکتی ہیں اور ترقی کے منازل طے کر سکتی ہے اور ایک منظم متحد اور طاقتور ملت بن سکتی ہے۔

اقتصادی پس ماندگی۔ جہالت اور دوسری تمام معاشرتی کمزوریاں جو آج ہمارے معاشرے کا روگ بنی ہوئی ہیں وہ اسلام کو غلط طور پر ایک جامد اور فرسودہ نظام حیات تصور کر لینے ہی کی وجہ سے ہیں۔ حالانکہ دینِ فطرت کی حیثیت سے وہ انتہائی صحت مند اور معقول اور عام فہم مذہب اور ایک عظیم اخلاقی قوت ہے جس سے زندگی میں خود اعتمادی اور کامرانی کے حصول کے لئے ایک عزم صمیم پیدا ہوتا ہے۔

دین فطرت کی حیثیت سے اسلامی نظریات و تصورات ہر قسم کی تنگ نظری اور تعصب سے بالاتر ہیں اور اپنی معقولیت، جذبہ رواداری اور انسانی مساوات کے اصولوں کے حامل ہونے کی وجہ سے انتہائی طور پر قابل عمل ہیں۔

آج اگر ہمیں پاکستان میں معاشرے کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا ہے تو ہمیں اپنے انفرادی اور قومی کردار کو اسی فطری سانچے میں ڈھالنا ہوگا اور ہمیں اخلاق کی ان اقدار کو اپنی زندگی کا جزو بنانا پڑے گا۔ جو ہمیں حقیقی معنوں میں تمام قسم کی آلودگیوں اور ذہنی غلامیوں سے آزاد کرا سکیں اور ہمارے اندر نفاست، احتیاط، پاکیزگی پاک دامنی، عصمت اور راست بازی کے جذبات کو بیدار کر کے ہمارے روزمرہ کے معمولات اور کردار کے

ذریعے انھیں ایک ٹھوس حقیقت بنا دیں۔ یُوں معلوم ہو کہ یہ اخلاقی اقدار ہماری گھٹی ہی میں پڑے ہوئے تھے اور ہمارے جزوِ ایمان ہیں۔

اِنہی اقدار کی بُنیادوں پر ہم اپنے معاشرے کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے اُلجھے ہوئے اور پیچیدہ مسائل کے تمام ایسے حل جو عقل اور ذوقِ سلیم کے معیار پر پُورے اُتریں اور جنھیں بے کم و کاست فطری قرار دیا جا سکے۔ عین اسلامی ہیں۔ اور ہمیں ان کے قبُول کرنے میں کوئی پس و پیش نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ ترقی کے میدان میں ہمیں انہی انسانی فطری صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے میں دُوسروں سے سبقت لے جانا چاہیئے۔ ہماری موجودہ پس ماندگی حقیقت میں انہی اقدار کے قبُول کرنے سے گریز کے باعث ہے۔ گویا دُوسرے معنوں میں ہماری موجودہ روش حقیقتاً غیر اسلامی ہے اور اگر ہم نے فوراً ہی اپنے آپ کو فطرت کے سانچے میں نہ ڈھال لیا تو ہم ایک طرف تو اسلام کے عملی پہلو کی تردید کر رہے ہوں گے، اور دوسری طرف اپنی ہستی کو خود اپنے ہاتھوں ہی برباد کرنے کا سامان کر رہے ہوں گے۔

یہاں ایک اور بات ضرور پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ مذہب کسی چیز کو ناپسند نہیں کرتا۔ بلکہ اُس کے طریق استعمال پر اس وقت ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ جب وُہ خدا کی مخلوق کے لئے اذیّت مصائب اور بربادی کا باعث ہو جائے۔ کیا ایٹم، کوبالٹ اور ہائیڈروجن کی ان عظیم الشان توانائیوں کی دریافت اِسلام کی نگاہ میں کوئی بُری چیز ہو سکتی ہے۔ جو انسان کے تمدن کو سریع السیر بنانے کے لئے آج وہ حیرت انگیز کارنامے انجام دے رہی ہیں جو انسان نے نہ کبھی دیکھے تھے اور نہ کبھی سُنے۔ نہیں اور ہرگز نہیں! ایسی مُفید اور کارآمد چیزوں کو وُہ کیسے بُرا کہہ سکتا ہے، اور وُہ کیسے اِن کوششوں کو مذموم قرار دے سکتا ہے۔ جو انسانی راحتوں میں اس درجہ اضافہ کر سکتی ہیں؟ مگر ہاں، جب وہ دیکھے گا کہ یہی ایٹم، کوبالٹ اور ہائیڈروجن اِنسانی بربادی اور ہلاکت کے لئے اِستعمال میں لائے جا رہے ہیں۔ تو وہ سب سے پہلے ان توانائیوں کی ان ہلاکت باریوں کے خلاف پُوری قوت سے مدافعت کے لئے آمادہ نظر آئے گا۔ اور دُنیا کی تمام زندہ اور حساس قوتوں کو اپنی حمایت پر آمادہ کرنا چاہے گا۔ اب یہ مخالفت اور مدافعت سائنس اور اس کی ایجادوں کی مخالفت تو نہیں ہو سکتی بلکہ ان ایجادات کے محلِ استعمال اور طریقِ استعمال کی مخالفت ہے۔ جو ہر حالت میں مناسب اور دُرست ہے۔

اِسلام جو دینِ فطرت ہے، کبھی اور کسی حالت میں نہیں بدل سکتا۔ اگر فطرت بدل سکتی ہے تو اسلام بھی بدل سکتا ہے۔ کیونکہ وہ فطرت اللہ ہے، وہ سُنّت اللہ ہے۔ جب وُہ اللہ کی بنائی ہُوئی فطرت ہے اور اللہ کی سُنّت ہے تو وُہ کیسے بدل سکتی ہے۔ جب اللہ نہیں بدل سکتا تو اس کی سُنت جو یہی فطرت ہے کیسے بدل سکتی ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ

پاکستانی معاشرے کی اِصلاح، بقا اور استحکام صرف اِسی طرح ممکن ہے کہ اس کی تشکیل فطرت کے مطابق ہو، اور ہمارا ضابطۂ حیات، فلسفۂ زندگی اور نصب العین خالصتہً اِسلامی ہو۔

اِسلام کا اخلاقی نظریہ :

اِسلام کے اخلاقی نظریہ کی بنیاد توحید پر ہے۔ اللہ کی ذات کو اپنا آقا، مولا اور مالک تسلیم کر کے بنی نوعِ انسان کو اس کا کُنبہ (الخلق عیال اللہ) سمجھنا رُوحِ اِسلام ہے۔ اسلام نے جس کامل انداز میں توحید کو اپنایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اِنسانی اخلاق میں زندگی کے ہر پہلو میں خدا کی وحدت کا عکس نظر آئے۔ اور سورۃ فاتحہ میں جو غایت زندگی بیان ہُوئی ہے —— اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں) وُہ پُوری ہو جائے۔

اسلام نے صرف اِنسان کی نفسیاتی اور نظریاتی راہ نمائی تک ہی اپنے آپ کو محدود نہیں کیا بلکہ اُسے مستقل اور پائیدار بنانے کے لئے عملی اقدامات بھی ضروری قرار دیئے —— روزانہ عبادت اسی لئے ہے سرورِ کونین کا اسوۂ حسنہ اور اس کی پیروی اسی لئے ہے۔

آپؐ کی بعثت کا مقصد یہ قرار دیا گیا ہے :-

بُعِثۡتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الۡاَخۡلَاقِ

میں بُزرگ ترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہُوں —————— (صحیح بخاری)

صحیحین کی دُوسری روایت ہے :-

خِیَارُکُمۡ اَحَاسِنُکُمۡ اَخۡلَاقًا

تم میں سے نیک اور بہتر وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں —— (رحمۃ للعالمین صفحہ ۳۹۶)

ترمذی اور ابُوداؤد میں ہے :-

مَا مِنۡ شَیۡءٍ اَثۡقَلُ فِیۡ مِیۡزَانِ الۡمُؤۡمِنِ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ مِنۡ خُلُقٍ حَسَنٍ

قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے وزن دار شے اچھا خلق ہوگا

اخلاقِ حسنہ کے سلسلہ میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس کا تعلق اِنسان کی خود اپنی ذات سے بھی ہے۔ ابنائے جنس سے بھی اور ربّ العالمین سے بھی۔

خود اپنی ذات کے متعلق یہ ہے کہ اِنسان اپنے آپ کو ناقص سمجھے اور سمجھ لے کہ ناقص کے افعال بھی ناقص ہوتے ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اِنسان تہذیب اخلاق میں ہمیشہ کوشاں رہے گا۔

ابنائے جنس کے متعلق یہ کہ دُوسروں کی ایذا دہی کی برداشت کرے۔ مگر خود انھیں ایذا رسانی کا اِرادہ بھی

نہ کرے ——— رَبُّ الْعٰلَمِیْن کے ساتھ حُسنِ خلق کے معنی یہ ہیں کہ جو معاملہ اِنسان اور ربُّ العالمین کے درمیان ہے اسے موجبِ شکر قرار دے اور کبھی دل اور زبان پہ اَدب اور شکر کے سوا کوئی لفظ جاری نہ ہو۔

اِسلام کا معاشی نظام :

دینِ فطرت اِسلام نے معاشی نظریات کو جب قانون کی شکل دی تو اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بنی نوعِ اِنسان میں اِمدادِ باہمی کی ایسی صُورت پیدا ہو گئی کہ امیر و غریب مالک و مملوک کا فرق نہ رہا ——— اِس کے ساتھ ہی اماننداری کے عقیدہ نے امر و نہی (مثبت و منفی) کے دونوں پہلوؤں کو اس طرح متوازن کر دیا کہ اِنسانی فطرت کے لئے اس سے بہتر ترقّی اور کامیابی کا کوئی راستہ نہ تھا۔

وہ احکام جن کی بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے یہ ہیں :-

۱ - زکوٰۃ —— یعنی ہر سال اپنے سرمایہ کا کچھ مقررہ حصّہ ضرورت مندوں کے لئے خرچ کرنا۔

۲ - انفاق یا خیرات ——— اس کا عمل زکوٰۃ سے وسیع پیمانے پر ہے۔ کیونکہ یہ سرمایہ کا وُہ حصّہ ہے جو خوشی سے خُدا کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے اور سماجی و قومی فلاح و بہبود پر لگایا جاتا ہے۔

۳ - سرمایہ کو کارآمد بنانا ——— یعنی قومی دولت میں اضافے کے لئے اور خود نفع حاصل کرنے کے لئے سرمایہ کو کام میں لانا۔ اِسلام سرمایہ کو دبا کر رکھنے اور حصُولِ دولت میں اس سے کام نہ لینے کے سخت خلاف ہے اور قانُون کی رُو سے ایسا سرمایہ ضبط کئے جانے کے قابل ہے۔

——— وُہ کام جنھیں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہ ہیں :-

۱ - اجارہ داری ——— اِسلام اِس سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ کیونکہ اِس کا مطلب سرمایہ کو قوم اور سماج کو نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کرنا ہے

۲ - استحصالِ زر ——— اِسلام سرمایہ دارانہ لُوٹ کھسوٹ کے بھی خلاف ہے۔

۳ - تعیش و کنجوسی ——— عیش پہ حد سے زیادہ خرچ کرنا یا کنجوسی سے کام لینا یا سرمایہ کو غیر ضروری طور پر جمع کرنا ناجائز ہے۔

اِسلام ایسی محنت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اپنے اور قوم کے لئے حصولِ دولت پر صرف ہوتی ہے، اور اِس کاہلی اور مُفت خوری کو ناپسند کرتا ہے جو اِنسان کو دُوسروں کا محتاج بنا دے۔ حلال روزی اور بنی نوعِ اِنسان کی خدمت کے کام کرنا عبادت ہے۔

اِسلام کا سیاسی نظام :

اخلاق اور معاش کے بعد مملکت کے ڈھانچے کے لئے اِسلام سیاسی تنظیم کے ہرگز خلاف نہیں بلکہ ہر

قوم میں ایسی تنظیم کو ضروری سمجھتا ہے اور تمام بنی نوعِ انسان کے لئے امتِ مسلمہ کو ایسی تنظیم کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم ایک بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لئے متقرر کیا گیا ہے)۔
اِس تنظیم کا فریضہ ـــــ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ـــــ سچائی اور نیکی کو رائج کرنا ـــ اور تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ـــــ لوگوں کو بُرائی سے روکنا ہے۔

عربی اصطلاح المعروف اپنے اندر وسیع معانی رکھتی ہے۔ اِس میں وہ تمام اسلامی قوانین اپنی جزئیات سمیت شامل ہیں جو سماج کی بھلائی کے لئے بنائے گئے ہیں اور اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں ـــــ اَلْمُنْکَرِ میں وہ تمام امُور آجاتے ہیں جنھیں اسلام ناجائز قرار دیتا ہے اور اِسے معاشرہ کی اصلاح، بھلائی اور ترقی کے لئے مضر سمجھتا ہے۔
منتظمین کی جماعت کے لئے اسلام ایک عالم گیر اصُول پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے ۔
اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ اپنے معاملات میں باہمی مشورہ کر لیا کرو
عوام کا اعتماد اور رائے ہر حال میں ضروری ہے۔ خواہ اس کا تعلق حاکم کے اِنتخاب سے ہو یا حکومت کی تنظیم، مملکت کی تعمیر یا اِن سے وابستہ اغراض و مقاصد سے ہو۔
حاکم مطلق العنان نہیں ہو سکتا۔ مغربی دُنیا کے مفہوم میں وُہ عوام کے سیاہ و سفید کا مالک نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ سب کا حقیقی حاکم صرف خُدا ہے ـــــ قوم کا فرد خواہ اس کا تعلق رعیّت سے ہو یا حکومت سے ایک جیسا رُتبہ رکھتا ہے اور دونوں پر ایک جیسی اور برابر کی ذمّہ داری عائد ہوتی ہے ـــــ جو گروہ یا قوم اپنی رائے سے حکمرانوں کا اِنتخاب کرتی ہے۔ اس کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ حکّام کے احکام کو جائز یا ناجائز قرار دیں۔ وہ اور حکومت کے تمام محکمے جب تک انھیں اسلام کے بنیادی اصُولوں کے مطابق خیال کر کے صحیح قرار نہ دیں اس وقت تک ان احکام پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا۔ اس طرح پوری اُمت کو احساس ہو جاتا ہے کہ حقیقی حاکم صرف خدا ہی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو اللہ کے رسُول کی اور اُن کی جو تم میں سے صاحب امر ہیں) کی زندہ تصویر ہوتا ہے اور عملاً وہ حکّام کا حکم مانتے ہوئے گویا کہ خُدا کا حکم بجا لاتا ہے۔
دینِ فطرت کی صحیح تشکیل یہ ہے کہ
۱ ۔ اِسلام کے اخلاقی، معاشی اور سیاسی اصولوں کا اتحاد قائم رہے۔
۲ ۔ اِسلام کی عالم گیر اخوت اور مساوات کے اخلاقی اصول اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مختلف ملکوں، قوموں یا مملکتوں کو قومیت یا جغرافیائی حدود کی بُنیاد پر استوار کیا جائے اور صرف اِختلافِ قومیت کی

وجہ سے کسی ملک کو تاخت و تاراج کیا جائے یا نسلی امتیازات کی آڑ میں دوسری نسلوں کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا جائے یا ایک ملک یا قوم ذاتی فائدے کے لئے دوسرے ملک یا دوسری قوم کو ہڑپ کر جائے۔

دین فطرت نے انسانوں پر واضح کر دیا ہے کہ خدا نے انسان کو تخلیق کیا اور زمین میں اپنا نائب بنایا تو اُس نے کسی ایسے امتیاز کو روا نہ رکھا جس سے انسان اور انسان میں، ملک اور ملک میں یا نسل اور نسل میں فرق ہو ــــــ ارشادِ باری ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ

"ہم نے انسان کو قابلِ عزت بنایا"

انسان سے مراد کسی مخصوص علاقے کا انسان نہیں۔ لہذا تمام دنیا کے انسان بھائی بھائی ہیں اور ان پر بحیثیت نوعِ خدا کا نائب ہونے کے فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

دورِ حاضر کی تاریخ میں پاکستان پہلا ملک ہے جس نے دینِ فطرت کے اس تصور کو زندہ حقیقت بنانے کا اعلان کیا ہے، اور چونکہ اسلام عالمگیر اخوت اور پُرامن تعلقات کا علمبردار ہے اس لئے اس کی اشد ضرورت ہے کہ کم از کم اسلامی ممالک جو ایک ہی عقیدہ اور تقریباً ایک ہی جیسا طرزِ زندگی رکھتے ہیں ایک دوسرے سے تعاون کریں اور دینِ فطرت (اسلام) کے ابدی اور دائمی اصولوں کو اس طرح اپنانے کی کوشش کریں کہ ان کی مصنوعی حدبندیاں ختم ہو جائیں اور ان کی خارجہ پالیسی ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جائے اور ایک ایسی تنظیم کی شکل اختیار کرے جس سے دینِ حق کے غلبہ کی عملی صورت پیدا ہو سکے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (سورۂ نور ۵۵)

ترجمہ: کیا وعدہ اللہ نے اُن لوگوں سے جو مومن ہیں تم میں سے اور انھوں نے عمل کئے نیک کہ وہ خلافت عطا کرے گا انھیں زمین میں۔

اسلامی عقائد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ روم - ۴)

ترجمہ: خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے، جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی بناوٹ میں اَدل بدل نہیں ہوتا ——— یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے ———

اسلامی عقائد ہی وہ بنیادی اصول ہیں جن پر انسانی زندگی کی عمارت کھڑی ہو سکتی ہے۔ موجودہ زمانے میں نئے علوم اور نئی نئی ایجادات نے عقل، دلیل، تجربہ اور مشاہدہ کی نئی دُنیا میں قوموں کو نظریہ اور عقیدہ کی بنیاد پر مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور وہ اپنے عقائد کے لئے ایک دوسرے سے لڑنے پر تیار ہیں۔

وقت کی ضرورت اور حالات کے تقاضوں نے ثابت کر دیا ہے کہ عقیدہ کی پختگی ہی انسانی زندگی کی کامیابی و ترقی کا ذریعہ ہے۔

انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو عقائد سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا پہلو اعمال سے۔ پہلے دل و دماغ میں آرزوئیں، اُمیدیں، احساسات، خیالات اور ارادے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر انسان اپنے اِن ہی ارادوں کے مطابق عمل کرنے لگتا ہے۔ ہادیِ اسلامؐ کی زبان میں پہلی چیز کا نام نیت ہے اور دوسری چیز کا نام عمل۔

نیّت وہ خیالی، ارادی یا اعتقادی تصویر ہے۔ جس کا نقشہ صرف دماغ کے پردہ پر کھنچتا ہے عمل اس تصویر کا وہ صحیح صحیح عکس ہے جو بیرونی دُنیا میں تغیّر و انقلاب کے ہنگامے پیدا کرتا ہے۔

سرورِ کونین نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ——— "اعمال کی بنیاد نیتوں پر ہے"۔

لہذا تربیتِ انسانی کا پہلا کام یہ ہے کہ انسان کی نیّت اور ارادے کو دُرست کیا جائے نیّت اور ارادے کو دُرست کرنے کے لئے ہادیِ اسلامؑ نے جو بُنیادی اصول مقرر فرمائے ہیں، اُن کو اِسلامی عقائد کا نام دیا گیا ہے۔

اگر اِن اصُولوں کو انسانی دل و دماغ کا مقصودِ زندگی بنا لیا جائے تو اِنسانی دماغ میں کوئی غلط اور کھوٹی نیّت نشو و نما نہیں پاسکتی۔ گویا کہ یہ اصول پہرہ دار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جہاں بھی دماغ میں کوئی خراب اِرادہ یا کھوٹی نیّت پیدا ہوتی ہے۔ یہ پہرہ دار اُسے پکڑ کر وہیں دبا دیتے ہیں۔

اِن بُنیادی اصُولوں کو سمجھنا ضروری ہے۔

اِبتداء سے اِنسانی معاشرہ کو سفرِ حیات میں جن منزلوں سے گذرنا پڑا، اِس میں اُسے سماوی و ارضی (آسمانی و زمینی) آفتوں کے علاوہ خود باہمی واسطوں اور انسان سے انسان کے تعلق سے پیدا شدہ مُشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ایک انسان کو دُوسرے اِنسان سے، ایک قبیلہ کو دُوسرے قبیلہ سے، ایک قوم کو دُوسری قوم سے دُشمنی رہی ہے۔ بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ——— پھر ایسا بھی ہوتا رہا کہ باہمی مَفاد کے لئے چند افراد یا خاندان اور قبیلے ایک طرف ہو گئے۔ اِس طرح گروہ بندیوں اور فتنہ سازیوں نے جنم لیا ——— اِنسانی تاریخ میں اِس قسم کے دھڑے ہمیشہ بنتے رہے۔ مُقابلے ہوتے رہے اور اِنسانی خُون سے تاریخ کے اوراق لکھے جاتے رہے۔ ہابیل و قابیل سے لے کر آج تک یہی معاملہ درپیش ہے۔

خُون، رنگ، نسل۔ وطن۔ زبان اور مادی یعنی اقتصادی فائدے اِن گروہ بندیوں اور فرقہ سازیوں کے سبب بنتے ہیں اور اِنسان انسان کا دُشمن ہو جاتا ہے۔ آج بھی علم و سائنس کے ذریعے حاصل کردہ قوّت کے باوجود اِنسانی برادری گروہوں میں بٹ کر اِس بُری طرح دست و گریباں ہے کہ امنِ عالم کو اِس فرقہ بندی کی بناء پر مہلک اور ہولناک خطرات کا سامنا ہے۔ اِنسان کو اِس پستی سے رہائی دلانے کے لئے خالقِ کائنات نے راضی برضا رہنے اور زندگی اور موت کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دے کر اور دین و دُنیا میں ابدی سُرخروئی کا وسیلہ بنا کر اسلام کے نام سے ایک ایسا نظامِ حیات مقرر فرمایا جس کی تلقین کے لئے ہر دَور میں اپنے برگزیدہ بندے بھیجے۔ اسی ابدی نظریہ حیات کا اعادہ آج سے چودہ سو سال قبل سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک ایسی تحریک میں فرمایا جس سے انسانی برادری کے لئے ایک نہایت مستحکم بُنیاد قائم ہو گئی ——— اور مصنوعی حد بندیوں کی بجائے عالمگیر اِنسانی اُخوت نظری و فکری وحدت اور بندہ و خدا کے تعلق کو ایک عالمگیر برادری کی بُنیاد قرار دیا گیا۔

اِس نئے تصوّر کے تحت سرزمینِ حجاز میں ایک مِلّت وجود میں آئی۔ جو ملّتِ اسلامیہ کے نام سے مشہور ہوئی اور جن اصُولوں پر یہ اخوّت قائم ہوئی اُن کا نام اسلامی عقائد رکھا گیا۔ اور ان اصُولوں پر جو مختلف اجزاء اکٹھے ہوئے اُس کی مثال دُنیا میں نہ پہلے کبھی تھی اور نہ اب مل سکتی ہے۔

حبشہ کے بلال، روم کے صہیب، فارس کے سلمان، عرب کے ابوبکر۔ غرض، رنگ، نسل، زبان اور وطن کی حد بندیوں کو توڑ کر اِس نئی ملّت کے رُکن بنے جس کی رُکنیت کی بُنیاد صرف وحدتِ ایمان تھی۔

اس کے برعکس خود مکّہ کے قریش جو اِس وحدتِ ایمان میں شامل نہ تھے قریب ترین رشتہ دار ہونے کے باوجود غیر قوم کے افراد سمجھے گئے، اور اِس نئی برادری کے مدِ مخالف قرار دیئے گئے۔ دُنیا کی تاریخ میں ان عقائد کی بنا پر قائم شدہ برادری اور اس رشتے کی پختگی کی نظیر ڈھونڈھے سے نہیں ملتی۔ بدر کے معرکہ حق و باطل میں جسے قرآن حکیم یَومُ الفُرقان (حق و باطل میں فرق کر دینے والا) کے نام سے یاد کرتا ہے۔ دُنیا نے مِلّت کے اِس نئے فرق کو نمایاں طور پر دیکھ لیا کیفیت یہ تھی کہ باپ ایک طرف تھا اور بیٹا دُوسری طرف۔ ایک بھائی ایک طرف تھا تو دُوسرا بھائی دوسری طرف اگر ماموں اُدھر تھا تو بھانجہ اِدھر۔ چچا اِدھر تھا تو بھتیجا اُدھر۔ داماد ایک طرف تھا تو خسر دُوسری طرف۔ یہ ایک ایسا عجیب و غریب نظارہ تھا جسے دُنیا دیکھ کر حیران تھی۔ یہ اسلامی عقائد کا ہی کرشمہ تھا۔ اسلام کے **اولیں فرائض** (عقائد) یعنی توحید۔ رسالت۔ ملائکہ۔ کتب قیامت اور حشر نشر وغیرہ پر ایمان لانے کے متعلق مکّہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں اکثر آیات نازل ہوئیں۔ شرک و بُت پرستی کی بُرائی۔ خُدا کی عظمت و جلال کا اظہار۔ قیامت کا ہولناک سماں۔ جنّت و دوزخ کا پُر اثر بیان۔ رسالت کے خواص اور اس کی ضرورت کے دلائل یہ تمام امور ان آیات میں بیان ہوئے عقائد کا مسلسل بیان سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں ہے اور یہ سُورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ مکّی سُورتوں میں زیادہ تر زور توحید۔ قیامت کے اعتقاد اور رسُولؐ کی صداقت پر صرف ہوا ہے۔ لیکن مدینہ میں آ کر اسلام کے تمام عقائد اور اصُولِ اوّلین کی مجموعی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ ایمان اور اسلام کے اصُولِ اوّلین کے متعلق سورۂ بقر کی سب سے پہلی آیت میں بیان ہُوا۔

عبد القیس کے وفد نے ۵ ہجری میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم دُشمنوں کی مزاحمت کے سبب سے ہمیشہ حاضر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ایسے احکام بتا دیئے جائیں جو اِن لوگوں کو بھی سُنا دیئے جائیں جو شرفِ حضوری حاصل نہیں کر سکتے۔ آپؐ نے فرمایا

شہادۃُ اَن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللہِ وَاِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَاِیۡتَاءُ الزَّکٰوۃِ وَصِیَامُ رَمَضَانَ وَاَنۡ تُعۡطُوۡا مِنَ الۡمَغۡنَمِ الۡخُمُسَ ۔

ترجمہ : اس بات کی شہادت کہ خدا ایک ہی ہے۔ محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں۔ نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا رمضان کے روزے رکھنا اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصّہ دینا۔

ایک دفعہ حضورؐ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ اِس اثناء میں ایک شخص نے آکر سوال کیا ایمان کیا چیز ہے؟

حضورؐ نے فرمایا —— ایمان یہ ہے کہ خدا پر، فرشتوں پر، خدا کی ملاقات پر، اُس کے پیغمبروں پر اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر یقین ہو" اُس نے پوچھا اور اِسلام کیا ہے۔ فرمایا ——

اِسلام یہ ہے کہ صرف خدا کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو —— اُس نے پھر دریافت کیا :

احسان کس کو کہتے ہیں —— حضورؐ نے فرمایا :

کہ خدا کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیوں کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وُہ تم کو دیکھ رہا ہے —— یہ سوال و جواب فتح مکہ یعنی ۸ھ سے پہلے کا واقعہ ہے کیوں کہ اس میں حج کا ذکر نہیں ہے۔

اِسلام کے تمام اصول و فروع کی تعلیم بتدریج مکمل ہوئی اور ذی الحجہ ۱۰ھ جمعہ کے روز وہ گھڑی آئی جب خُدا نے فرمایا :

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ —الخ (المائدہ-۳)

آج کے دن ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی

اسلامی عقائد کی اِس حیرت انگیز اثر پذیری کا راز اِسلامی عقائد کی بنیادی بات عقیدۂ توحید میں مضمر ہے۔ یعنی اِس بات پر ایمان کہ کائنات کو پیدا کرنے والا، زندگی کا سرچشمہ اور تمام قوتوں کا مالک اور حاکمِ اعلیٰ صرف ایک خُدا ہے۔

ایک مالک صاحبِ اختیار اور رازقِ خُدا پر ایمان لے آنے سے وحدتِ مخلوق (ایک برادری) کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ یعنی یہ عقیدہ کہ جب زندگی کا سرچشمہ ایک ہے تو زندگی کے اظہار کی صورتوں کو بھی اپنی اصل اور بنیاد کے اعتبار سے برابر ہونا ضروری ہے۔ اِسی سے مساواتِ انسانی اور احترامِ آدمیت کی بُنیاد پڑتی ہے اور اسی پر دُنیا کی امن و سلامتی کا دارومدار ہے۔ قرآن عزیز نے جو خالص توحیدِ الٰہی کا نظریہ

پیش کیا ہے اور حسن عجیب انداز سے اس کو بیان اور فطری و عقلی دلائل سے اِس کو ثابت کیا ہے، دنیا کی مزعومہ الہامی کتب میں اِس کی نظیر نہیں ملتی ——————

چند آیات ملاحظہ ہوں :

۱ - وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ (البقرۃ)

ترجمہ : اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر وہی بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۲ - اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ (النساء ۱۷۱)

ترجمہ : اللہ تو معبود اکیلا ہے۔ پاک ہے اِس سے کہ ہو اِس کی کوئی اولاد۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ ہی کارساز

۳ - لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (المائدۃ)

ترجمہ : بلاشبہ کافر ہو چکے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تو ایک تیسرا ہے تین میں سے حالانکہ نہیں کوئی معبود سوائے ایک معبود کے۔ اور اگر وہ باز نہ آئے اُس بات سے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور پہنچے گا اُن کو جو کافر ہیں اُن میں سے عذاب دردناک۔

۴ - قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ (الانعام ۱۹)

ترجمہ : پوچھیے کونسی چیز سب سے بڑی ہے شہادت میں۔ کہہ دیجئے اللہ ہی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ذریعے سے اور اُن کو جنھیں یہ پہنچے۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی معبود اور بھی ہیں؟

کہہ دیجئے وُہی تو معبود ہے ایک اور میں بیزار ہوں اُن سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو ——————

۵ - اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (التوبۃ ۳۱)

ترجمہ : بنا لیا انھوں نے اپنے علما اور پادریوں کو رب اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح ابن مریم کو بھی اور نہیں حکم دیا گیا۔ ان کو

مگر یہی کہ عبادت کریں ایک اللہ کی کہ نہیں کوئی معبود سوا اُس کے۔ وہ پاک ہے اِس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

۶ - یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: اے میرے دونوں جیل کے ساتھیو! کیا معبود مختلف بہتر ہیں یا اللہ ایک زبردست۔ نہیں پوجتے تم اُس کے سوا، مگر چند ناموں کو جو رکھ لیے خود تم نے اور تمھارے باپ داداؤں نے نہیں نازل کی اللہ نے کوئی دلیل۔ نہیں ہے حکم کسی کا سوا اللہ کے۔ اس نے حکم دیا کہ نہ عبادت کرو کسی کی سوا اس کے یہی ہے دین برحق لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (سُورۃ یوسف - ۴۰)

۷ - قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰہُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَمْ ھَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْھِمْ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ۝ ۱۲۴۷۶ (سُورۃ الرعد - ۱۶)

ترجمہ: پوچھیے کون ہے رب آسمانوں اور زمین کا۔ کہہ دیجیے اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے پس کیا بنا رکھے ہیں تم نے اس کے سوا اور کارساز۔ نہیں اختیار انھیں اپنی ذات کے لئے نفع اور نقصان کا بھی۔ کہہ دیجیے کیا برابر ہے اندھا اور بینا؟ یا کیا برابر ہے اندھیرا اور اجالا؟ یا ٹھہرا رکھے ہیں انھوں نے اللہ کے لیے شریک کہ انھوں نے پیدا کیا جیسے کہ پیدا کیا اللہ نے پھر مشتبہ ہوگئی پیدائش اُن پر۔ کہہ دیجیے اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہ ایک ہی ہے زبردست

۸ - ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِہٖ وَلِیَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (سُورۃ ابراھیم - ۵۲)

ترجمہ: یہ (قرآن) تو حکم پہنچا دینا ہے لوگوں کو اور تاکہ انھیں اسکے ذریعے سے ڈرایا جائے اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہی معبود ہے ایک اور تاکہ نصیحت پکڑیں اہل عقل

۹ - اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مُّنْکِرَۃٌ وَّھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ ۝ (سُورۃ النحل - ۲۲)

ترجمہ: تمھارا معبود تو معبود اکیلا ہے پس جو لوگ یقین نہیں رکھتے آخرت کا ان کے دل ہی منکر ہیں اور وہ

تکبر کرتے ہیں۔

۱۰- قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝ (سورۃ الکھف - ۱۱۰)

ترجمہ: کہہ دیجئے بے شک میں تو ایک انسان ہوں۔ تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے۔ میری طرف کہ بے شک تمہارا معبود معبود ہے ایک ہی۔ پس جسے ہو امید ملنے کی اپنے رب سے سو اُس کو کرنا چاہئیے عمل نیک اور وُہ نہ شریک ٹھہرائے عبادت میں اپنے رب کی کسی کو۔

رسالت:

انسانی راہ نمائی اور ہدایت کے لئے اور ملت یا قوم کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے یعنی یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ خالقِ کائنات (خُدا) نے اپنی مخلوق کے لئے پیامبر بھیجے اور اِس سلسلۂ رسالت کے آخری نبی سرورِ کونین محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں حضورؐ کی تعلیمات (قرآن) اور حضورؐ کی زندگی کا نمونۂ عمل (اسوۂ حسنہ) ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسانیت کے لئے روشنی کے وُہ مینار ہیں جن سے بنی نوعِ انسان سفرِ حیات میں راہ نمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

ملٰئکتہٖ وکُتُبِہٖ:

اِسی عقیدہ کے ساتھ ملائکہ اور کُتب کا تعلق ہے اور وُہ توحید و رسالت پر ایمان لانے کا لازمی جُزو اِن معنوں میں ہیں کہ خُدا کی ذات اور رسولِ خُدا کی تعلیمات سے اِنسانیت کو روشناس کرانے اور اِن کی ہدایت اور راہ نمائی میں بنی نوعِ انسان کو چلانے اور قانونِ ہدایت کو پہنچانے اور اس کی حفاظت کے لئے جن ذرائع کی ضرورت تھی وُہ یہی ہیں۔ لہٰذا اِن پر ایمان لانا لازمی ہے۔

تقدیر اور ایمان بالآخرت:

اِسلام کے نزدیک زندگی کا خُدائی نظام کے ماتحت ایک ایسا پروگرام ہے جس کا اندازہ خود پیدا کرنے والے نے واضح کر دیا ہے۔ اسی کا نام تقدیر ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ محض زندہ رہنا ہی مقصدِ زندگی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اخلاق کے تمام وُہ اصول جو اسلام نے پیش کئے اور جن کو سمجھانے اور عمل کرنے کو آسان بنانے کے لئے سرورِ کونین کو اِنسانی پیکر میں دُنیا میں بھیجا، قطعاً ضروری نہ تھے۔ ــــ ایسی صورت میں "کھاؤ پیو اور خوش رہو" کے اصول پر عمل کیا جاتا اور جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کا قانون رائج ہوتا۔

اِس کے برعکس اِسلام نے اس زندگی کو ایک منزل قرار دیا ہے اور ایمان بالآخرت کو عقیدہ قرار دے

کر یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ زندگی ساکن و جامد نہیں بلکہ حرکت و عمل کا نمونہ ہے۔ زندگی فساد و فتنہ نہیں بلکہ امانت و سلامتی کا راستہ ہے۔ جس پر چلنا اور چلتے رہنا انسانی زندگی کا ثبوت اور اس کی ترقی کی ضمانت ہے۔

ہر آنے والا زمانہ گزرے ہوئے زمانے کی اچھائی یا بُرائی کا نتیجہ ہے۔ یہاں تک کہ جسم خاکی ختم ہو جائے تو زندگی رُوح کی اگلی منزلوں میں پہنچ کر خدا کی ملاقات اور اس کی دوستی کی شاہراہوں پر جاری و ساری رہتی ہے۔ زندگی کے قافلے کا قدم کبھی نہیں رُکتا اور یہ نہ رُکنا ہی رُوح کو قائم رکھنے اور زندگی کی ہمیشگی کا ذریعہ ہے۔

توحید اور رسالت، کتابوں، فرشتوں، رسُولوں اور قیامت پر ایمان لانے کے متعلق قرآن کے واضح احکام موجود ہیں۔ چند آیات یہ ہیں۔

۱ ۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ

(البقرۃ ۔ ۱۷۷)

ترجمہ: یہ نیکی نہیں کہ پھیر دو اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف لیکن نیکی تو یہ ہے جو ایمان لائے اللہ اور یوم قیامت اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر

۲ ۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝

(البقرۃ ۔ ۲۸۵)

ترجمہ: ایمان لایا رسُول اُس پر جو نازل کیا گیا اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے اور سب مومن بھی۔ ہر ایک ایمان لایا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اُس کے رسُولوں پر کہ فرق نہیں کرتے ایک میں بھی اسکے رسولوں میں۔ اور کہا انہوں نے ہم نے سُن لیا اور مان لیا ہم تیری بخشش مانگتے ہیں۔ اے ہمارے رب! بعد تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۳ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝

(سُورۃ النساء ۔ ۱۳۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسُول پر اور اِس کتاب پر جو اُس نے نازل کی اپنے رسُول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے اور جو کوئی انکار کرے اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسُولوں اور روزِ قیامت کا تو وہ بھٹک گیا راہِ حق سے بہت دُور۔

موجودہ صورتِ حال :

مادی ترقی کے باوجود اگر انسانیت حیوانی زندگی بسر کر رہی ہے اور پستی کے گڑھے میں گرتی جا رہی ہے تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ زندگی کا مقصد غلط سمجھ لیا گیا ہے۔

دین اور دنیا کے الگ الگ دائرے بنا کر زندگی کی وحدت اور ترقی کے توازن کو ختم کر دیا گیا ہے۔ پیغمبروں کی سیرت نظروں سے اوجھل ہے۔ دین و دنیا کی مکمل علمی، ذہنی، روحانی اور انتظامی خوبیوں اور حلال کی روزی کی صفتوں کا اثر اور خواہش نظر نہیں آتی ـــــ وہ لوگ جو اخلاقی اور ذہنی لحاظ سے سخت ناقص، اعمال کے اعتبار سے بے حد پست، علم و ایمان سے محروم۔ عامی اور گھٹیا درجہ کے انسان ہیں اور صرف مادی ضروریات اور کھانے۔ پینے۔ لباس کو مقصد حیات سمجھتے ہیں۔ راہ نما اور لیڈر بنا لیے گئے ہیں۔ عبادت، دینی فرائض کی ادائیگی اور روحانی فرائض کی طرف توجہ کرنے کی ہمارے روزمرہ کے معمول میں گنجائش ہی نہیں۔ ترقی یافتہ مگر ذہنی طور پر مایوس دنیا آج پھر ایک ایسے نظریہ حیات کی تلاش میں ہے جس سے انسانی زندگی میں وہ توازن پیدا ہو سکے اور جس کے ذریعے انسان اپنا صحیح مقام حاصل کر سکے۔

ایسا نظریہ حیات صرف اسلامی عقائد ہیں جو آسمانی ہدایت کا وہ خزانہ اور سرمایہ ہے جو ماضی اور حال کو ملائے ہوئے ہے، اور جس سے اچھا اور ہمہ گیر اور کوئی نظریہ حیات نہیں، کیونکہ ذوقِ سلیم نے اس کو پسند کیا ہے۔ فطرت کی سلامت روی نے اس کو پسند کیا ہے۔ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ یعنی جو شخص اسلام کے سوا اور کوئی دین تلاش کرے گا وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت۔ صحابہ کرام کی زندگی کا سرمایہ جس میں پوری اُمت کی تخلیق کی قوت ہے۔ ہمارے پاس موجود ہے اور اس کے بعد ہر زمانہ میں اللہ والوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اور اصلاح و انقلاب کی دینی دعوت کا ایسا تسلسل موجود ہے۔ جس نے اس اُمت کو کسی دور میں اور کبھی جاہلیت کی تاریکی میں گم ہو جانے کا موقع نہیں دیا۔

مگر موجودہ زمانے کے نئے تقاضوں۔ نئی طاقتوں۔ نئی آفتوں۔ نئی ترغیبوں اور نئی عادتوں میں کمزور ایمان۔ غلط عقیدے اور محض رسوم و عادات سے ہمارا کامیابی اور نیک بختی کی منزل تک پہنچنا ہرگز ممکن نہیں۔

مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کا بیج اور اسلامی عقائد کا یقین دوبارہ بونے اور پیدا کرنے کی ضرورت ہے ـــــ آج ضرورت ہے کہ گھر گھر میں، خاندان خاندان میں اور بستی بستی میں ایسے صاحب ایمان

نوجوان پیدا ہوں جن کی تعریف قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ۝ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَٰهًا لَّقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا (الکہف ۱۳-۱۴)

ترجمہ: وُہ لوگ چند نوجوان تھے، جو اپنے رب پر ایمان لائے، اور ہم نے اُن کی ہدایت میں اور ترقی کر دی تھی اور ہم نے اُن کے دل مضبوط کر دیتے۔ جب کہ وُہ (دین میں) پختہ ہو کر کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وُہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔ ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے کیوں کہ اس صُورت میں ہم نے یقیناً بڑی ہی بے جا بات کہی۔

اگر ایسے پختہ عقائد اور ایسے مضبوط ایمان کے نوجوان پیدا ہو جائیں تو دُنیا میں ایک بار پھر جوشِ ایمان، محبتِ رسُول اور قربانی کے وُہ نمونے پیدا ہوں — جن کی مثال دُنیا میں موجود نہیں۔

"اسلامی عقائد کی پختگی میں وُہ زندگی بخش اور رُوح پرور کیفیت موجود ہے جو انسان کو صحیح معنوں میں اللہ کا نائب بنا سکتی ہے۔ جو غفلت، سستی، جہالت اور نا امیدی کے روگ ختم کر کے انسانوں کو ذاتی اور جماعتی حیثیت میں مُستعد، مشکل پسند، صاحبِ علم اور صاحبِ یقین انسان کی صُورت میں نئی زندگی کا ذریعہ بن سکتی ہے"

اِس دَور کی بے یقینی اور شک و شبہات کی فضا میں زندگی کی نئی دعوت اور نیا پیغام وُہی ہے جو اسلامی عقائد کی شکل میں ۱۴ سو سال قبل سرورِ کونین کی وساطت سے انسانیت کو ملا تھا۔ یہ ایک بڑا طاقتور، واضح اور روشن پیغام ہے جس سے زیادہ منصفانہ، برتر اور مبارک پیغام اِس پورے عرصے میں دُنیا نے کسی زبان سے نہیں سُنا۔ یہ بعینہٖ وُہی پیغام ہے۔ جس کو لے کر مسلمان مدینہ طیبہ سے نکلے اور تمام دُنیا میں پھیل گئے اور جس کو ایک مسلمان سفیر نے شاہِ ایران کے اِس سوال پر کہ تم ہمارے ملک میں کیسے آئے اِس طرح بیان کیا تھا

"اللہ نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ ہم اس کی مشیت سے لوگوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اس وحدہٗ لاشریک کی بندگی میں —— دُنیا کی تنگی سے اس کی وسعت میں اور مذاہب کے ظلم و ناانصافی سے اسلام کے عدل و انصاف میں داخل کریں"۔ اِس پیغام میں آج بھی ایک حرف کی کمی بیشی کی ضرورت نہیں۔ آج کی بیسویں صدی کی دُنیا کے لئے بھی وُہ پیغام ایسا ہی نیا، تازہ اور مناسبِ حال ہے۔ جیسا چھٹی صدی مسیحی کی دُنیا کے لئے تھا۔

ہمارے معاشرے کی اِصلاح بھی انہی اِسلامی عقائد پر کاربند ہونے سے ممکن ہے محض معاشی تدابیر

رنت نئے قانون وضع کرنے اور لودے اِنسانی فکر کے مجوزہ پروگراموں کے دلکش اور حسین خوابوں کی دُنیا آباد کرنے سے ہم اِس مِلّت کے افراد متصوّر نہیں ہو سکتے جس کی اِسلام کے انقلاب آفرین نام سے حضور سرورِ کائنات نے ابنائے آدم کو دعوت دی تھی اور جس کی بُنیاد توحید، رسالت، ملائکہ اور کُتب، تقدیر اور آخرت کے ایمان پر رکھی گئی ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اسلامی معاشرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ - فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ -

فطرت اور ضرورت دونوں اِنسان کو اجتماعی زندگی اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں - مادی ضرورتوں کے علاوہ انسان کی کچھ اور ضرورتیں بھی ہیں - اِنسان اپنی اور اپنی نوع کی بقا کا آرزومند ہوتا ہے وہ اخلاقی اور رُوحانی ترقی کی خواہش رکھتا ہے۔ اِن میں سے کوئی بات بھی اجتماعی زندگی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی - اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑی بڑی صلاحیتیں ودیعت کر رکھی ہیں - لیکن اِن صلاحیتوں کا نشوونما اور ان کا بروئے کار آنا معاشرے کی موجودگی کے بغیر ممکن نہیں - ہمدردی، سخاوت، فیاضی، محبت ایثار، قربانی اور عدل و انصاف ایسے اوصاف ہیں جو معاشرے کے اندر رہ کر ہی ظہور پذیر ہو سکتے ہیں

اِسلامی معاشرے کا بُنیادی نظریہ یہ ہے کہ تمام دُنیا کے اِنسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور ایک دُوسرے کے بھائی - اِنسان ہونے کی حیثیت سے وہ سب برابر ہیں، اور ان کے درمیان نسل رنگ، زبان، قومیت اور وطنیت کی بناء پر جو تعصبات پیدا ہو گئے ہیں اسلام ان سب کو غلط اور جاہلیت قرار دیتا ہے - اِسلام رنگ نسل، زبان اور وطن کی حد بندیوں کو توڑ کر ایک عالمگیر معاشرے کے قیام کا متقاضی ہے اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ انسانوں کے اندر فکری اور مقصدی وحدت پیدا ہو - اس عالمی وحدت کے پیدا کرنے کے لئے اسلام نے زندگی بسر کرنے کا ایک سیدھا اور کامیاب راستہ بتایا ہے اور وُہ یہ ہے کہ اپنی اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی بجائے ایک واحد خُدا کی اطاعت قبول کر لی جائے۔

خاندان، رشتہ دار اور ہمسایہ کے قریبی رابطوں کے علاوہ اِنسان کے تعلقات کا ایک وسیع دائرہ ہے جو پُورے کرۂ ارض پر پھیلا ہُوا ہے - ان تعلقات کے قائم کرنے کے لئے اِسلام نے جو موٹے موٹے اصول وضع کر دیئے ہیں، ان کا ماحصل یہ ہے کہ (۱) اِنسانی جان اور خون محترم ہیں اور اِن کو ناحق ضائع کرنا اِنسانی تمدّن کے خلاف جرم ہے (۲) عورت، بچے، بُوڑھے، بیمار اور زخمی

پر دست درازی کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ (۳) بھوکا آدمی روٹی کا، ننگا کپڑے کا، بے گھر گھر کا زخمی اور بیمار علاج اور تیمارداری کا بہر حال مستحق ہے۔ چاہے وہ دشمن قوم ہی سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو (۴) بندگانِ خُدا کے درمیان رنگ، نسل، زبان، پیشہ، قومیت، وطنیت وغیرہ کی بناء پر امتیاز برتنا ناجائز ہے (۵) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تعاون اور بدی اور ظلم کے کاموں کے خلاف جہادِ انسانی فرائض میں شامل ہے۔ یہی وُہ زریں اصول ہیں جن پر عمل کرنے سے ایک عالم گیر انسانی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

اِنسان کو اشرف المخلوقات بنادیا گیا ہے اور اسے انہی صلاحیتوں اور قوتوں کی بنا پر نائب خُدا بھی قرار دیا گیا ہے۔ اس سے انسان کی معاشرتی ذمہ داریاں بھی انتہائی وسیع ہوگئی ہیں اور انسانی میل ملاپ کے علاوہ اس پر دیگر جانداروں حتّٰی کہ بے جان اشیاء کی دیکھ بھال اور ان کے صحیح اور جائز استعمال کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ کسی قسم کی فکری وحدت اور مقاصد کا اشتراک ایک ایسے عالم گیر معاشرے کا نظام وجود میں لاسکتا ہے جس سے مختلف انسانی گروہوں کی باہمی کشمکش کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور دُنیا میں امن و سلامتی کا دَور دورہ۔

معاشرے کا یہ اسلامی نظام بالکل فطری اور قدرتی ہے اور تمام دُوسرے نظریئے جنھیں انسان نے زندگی کی مختلف ضروریات کی تکمیل کیلئے خود وضع کر رکھا ہے اور وُہ اِسی وجہ سے مصنوعی اور بیکار ہیں اور اُن کی بدولت اِنسانی تہذیب اور تمدن حقیقی ترقی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ خاندان، قبیلہ، قوم، اور نسل جغرافیائی جمعیتیں، معاشی جمعیتیں، سیاسی اور مدنی جمعیتیں سب غیر فطری اور مصنوعی دھڑے بندیاں ہیں جو ایک اِسلامی عالمگیر انسانی اخوت کے قدرتی تصور کے سامنے آتے ہی ماند پڑ جاتی ہیں۔ معاشرے کا اِسلامی تصور سب کی دوسری وفاداریوں اور اطاعتوں کو ٹھکرا کر انسان کو سب سے مقدم اللہ کی وفاداری اور اس کے قانون کی اطاعت سکھاتا ہے۔ اور بقول علامہ اقبالؒ ؎

یہ ایک سجدہ جو تُم کو گراں گذرتا ہے
ھزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

خُدا کی فرمانبرداری، اطاعت اور خوشنودی کے حصول کے لئے قرآن اور سُنت ہی ایسے بُنیادی ستون ہیں جو خُدا کے قانون اور اس کی ہدایت کے مطابق انسان کو کامیاب زندگی بسر کرنے اور معاشرے کی تنظیم میں ممد ہوسکتے ہیں۔

اِسلامی نظریے کے مُطابق انسان کو اِس دُنیا میں نائب خدا کا درجہ حاصل ہے۔ قرآنِ پاک میں

اسی خلافتِ الٰہیہ کو ذیل کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط (البقرہ ۳۰)

ترجمہ : اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی نظریہ حیات کے مطابق انسان کو اللہ تعالیٰ نے تمام قسم کی صلاحیتیں عطا فرما دی ہیں، اور علم کی طاقت بھی عطا کر دی ہے۔ جس سے کام لے کر وہ خدائی طاقتوں کا صحیح استعمال کر سکتا ہے۔ اور اس طرح انسانیت کی تعمیر اور معاشرے کی فلاح و بہبود کا موجب بن سکتا ہے۔

اِس سے یہ امر بھی واضح ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اِس دُنیا میں بادشاہت اور جبر و قوت کے استعمال کے لئے نہیں بھیجا۔ بلکہ حاکمیت کا مقام صرف اپنے ہی لئے مخصوص فرمایا ہے۔ اور انسان کو نائب اور خلیفہ کا مقام عطا فرما کر اُسے اِس امر کی ضمانت دی ہے کہ اگر لوگ اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اس کے رسول کے ذریعے سے بھیجے ہوئے قانون (یعنی کتاب و سنت پر عمل کریں تو اُسے خلافت عطا فرمائی جائے گی۔ ارشادِ ربانی ہے :۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ (سورہ نور)

ترجمہ : اللہ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جنھوں نے تم سے ایمان قبول کیا اور صالح عمل کئے کہ وُہ ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا

دوسری جگہ فرمایا ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (سوائے خُدا کے حکم کسی کا نہیں)

ایک اور آیت میں مزید وضاحت فرماتے ہوئے بتایا ہے کہ کن لوگوں کو خلافتِ الٰہیہ کا مستحق سمجھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ - (الحج ۴۱)

ترجمہ : یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر دُنیا میں ہم انھیں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں۔ نیک کام کرنے کا حکم دیں، اور بُرے کاموں سے روکیں۔ اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ذیل کی آیات میں ایسے لوگوں کے اوصاف بیان کر کے مزید نشاندہی کی ہے جنھیں خلافتِ الٰہیہ کا منصب حاصل ہو سکتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِؕ (النساء — ۵۸)

ترجمہ : بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اہلِ حقوق کو ان کے حقوق پہنچایا کرو اور جب لوگوں کے درمیان تصفیہ کرنے لگو تو عدل و انصاف کے ساتھ کیا کرو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔ (المائدہ ۱)

ترجمہ : اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان کو پورا کیا کرو۔

وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ۔

ترجمہ : اور وہ لوگ امانتوں اور وعدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِۙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْؕ ۔ (الحشر ۷)

ترجمہ : جو کچھ اللہ اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے دلوا دیتے وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور غریبوں اور مسافروں کا تاکہ دولت صرف تم میں سے امیروں کے ہاتھ ہی میں نہ رہ جائے۔

اسلامی نظامِ اطاعت :

اسلام نے جس طرح اللہ کی اطاعت کیلئے رسُول کی متابعت لازم کی ہے، اسی طرح رسُول کی اطاعت کے لئے اس کے خلفا یا نائبوں یعنی اولی الامر کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ قرآنِ کریم میں اطاعت کا مندرجہ ذیل واضح فرمان موجود ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹)

ترجمہ : اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت کرو اور تم میں جو اولی الامر ہیں اُن کی بھی اطاعت کرو!۔

اس آیہ کریمہ کے مطابق اطاعت و وفاداری کی وابستگی خود اسلام کے ساتھ وفاداری اور وابستگی ہے۔ خود اولی الامر کے ساتھ بھی یہ بنیادی شرط لازم قرار دی گئی ہے۔ کہ وہ اہلِ اسلام میں سے ہوں ورنہ اولی الامر کے جماعت اسلام سے علیحدہ ہونے کے بعد جماعت کے ساتھ اس کی وابستگی قائم نہیں رہ سکتی احکامِ الٰہی کی پیروی اور حضور صلعم کے قول و عمل کی متابعت وہ اوّلیں شرائط ہیں جن کے بغیر اولی الامر اہلِ اسلام سے اطاعت کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

قومی تنظیم کو اسلام نے بنیادی درجہ دیا ہے اور اسی لئے اسلامی نظام میں صاحبِ امر کی اطاعت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے کہ جس نے اس کی اطاعت سے انحراف کیا اس کے دین و دنیا دونوں خطرے میں پڑ گئے۔ لیکن ساتھ ہی امیر کے لئے بھی یہی کڑی شرط لازمی قرار دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کا قائم کرنے والا، رسولوں کی سنّت پر چلنے والا، معروف کا حکم دینے والا اور منکر سے روکنے والا، نماز اور دوسرے ارکان اور شعائرِ اسلام کو برپا کرنے والا ہو۔ اگر صاحبِ امر ان اوصاف سے خالی ہو تو اس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب نہیں۔

اجتماعی زندگی کو متمدن اور شائستہ طریق پر بسر کرنے کے لئے یہ جان لینا بھی ضروری ہے۔ کہ معاشرے کے افراد کے درمیان زندگی کے عام معاشرتی، معاشی، مذہبی اور سیاسی مقاصد میں ایک گونہ ہم آہنگی ہونی چاہیئے تاکہ افراد ایک دوسرے کے تعاون سے ان مقاصد کی تکمیل کر سکیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ رسم و رواج اور روایات کا بھی افراد پر رائے عامہ کے ذریعے اتنا تسلط ہو کہ معاشرے کا نظام اور اس کی شیرازہ بندی کا وہ ایک مؤثر ذریعہ بن سکیں۔

اسلامی قومیت :

قومیت ایک روحانی جذبہ یا اصول ہے جو بالعموم لوگوں کی ایک ایسی تعداد کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔ جو ایک ہی نسل کے ہوتے ہیں، ایک ہی جغرافیائی قطعہ ارضی پر رہتے ہیں۔ ایک ہی زبان و مذہب، یکساں تاریخی روایات، مشترکہ اغراض و مقاصد، اور مشترکہ سیاسی اتحاد کے حامل ہوتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک قومیت کے یہ عناصر سراسر غیر فطری اور مصنوعی ہیں اور وہ ایامِ جاہلیت کی یادگار ہیں۔ نسل، وطن اور سیاسی نظام اسلامی نقطۂ نگاہ سے محدود نظریے ہیں اور اسلام کے آفاقی نظریے کے سراسر منافی ——— اسلام نے نسل مرزو بوم و وطنیت کی تفریق کو قطعی مٹا دیا ہے چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے :-

ا ـ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً ـ (سورہ النساء ۱)

ترجمہ : خدا نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو (دنیا میں) پھیلا دیا۔

ب ـ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ـ (الانعام ۹۸)

ترجمہ : اور وہی جس نے ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر سب کا ایک ہی ٹھکانا ہے اور ایک ہی

جگہ سپردِ خاک ہونے کی ہے۔

ج ۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔

ترجمہ : اے لوگوں ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل بنا دیا تاکہ تم آپس میں پہچانے جاؤ۔ مگر درحقیقت معزز تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسلامی قومیت رنگ، نسل، زبان، معیشت وسیاست کی مصنوعی تفریقوں کو مٹا کر تمام انسانوں کو برابر کا درجہ دیتی ہے۔ اسلامی نظریے کے ماتحت سب لوگ ایک قوم ہیں جو حکومتِ الٰہیہ کے وفادار ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے ؎

اپنی ملت کا قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے مُلک ونسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

اسلامی قومیت کی تعریف خداوند تعالیٰ نے خود ذیل کی آیات قرآن میں فرمائی ہے :۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۔ (آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ : تم بہترین اُمت ہو، جسے نوعِ انسان کے لئے پیدا کیا گیا۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو، اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا ط ۔ (البقرہ ۱۴۳)

ترجمہ : اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک اُمت وسطیٰ بنایا ہے تاکہ تم نوعِ انسان پر نگراں ہو اور رسول تم پر نگراں ہے۔

پاکستانی قومیت :

پاکستانی قومیت کی بنیاد انہی اسلامی نظریات (جن کا اوپر ذکر آچکا ہے) پر استوار کی گئی ہے۔ اور اسی نظامِ عقائد کی بنیاد پر ہماری قومیت کی لازوال تعمیر عمل میں آسکتی ہے۔ ایک متحد اور مضبوط پاکستانی قوم بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے سیاسی۔ اقتصادی، معاشی اور ثقافتی مسائل کا

حل انہی اسلامی عقاید اور نظریات کی روشنی میں تلاش کریں۔

اسلامی نظامِ فکر و عمل ایک متوازن نظام ہے۔ ہمارے روزمرہ کے مسائلِ زندگی کا صحیح اور عقلی حل اُن اسلامی عقاید کی بنیاد پر ہمیں ضرور میسر آسکتا ہے جو عقلِ سلیم، فطرت، انصاف اور اعتدال پر مبنی ہو ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات، اور تجرباتِ زندگی ہمارے لئے اُسوہ حسنہ کی صورت میں مشعلِ راہ ہیں ۔ مومن کے لیے خدا کی دی ہوئی عقلِ سلیم اور فراست کی روشنی میں یہ امر یقینی ہونا چاہیئے کہ ہم بنی نوعِ انسان کے تجربے کی ہمہ گیر وسعتوں سے فائدہ اُٹھائیں اور اپنے قومی اور معاشی معاملات میں عقلی اور سائنٹیفک حل ڈھونڈیں۔ ہماری اقتصادی بدحالی اور پسماندگی کی ذمہ داری خود ہمارے اپنے تساہل اور غفلت کے سر ہے اور اس حالت کو اسلامی عقائد کے سر تھوپنا اسلام کی رُوح اور اس کے صحت مند معقول اور عام فہم عقائد کے سراسر منافی ہے۔

پاکستانی قومیت کی شیرازہ بندی اسی طرح عمل میں آسکتی ہے کہ ہم اسلامی عقائد کو مجلسی، اخلاقی اور سیاسی امور کی سرانجام دہی میں اپنا دستور العمل بنالیں اور اپنے قومی کردار اور شعار کے لئے انہی اسلامی عقائد کو عملاً راہنما مان لیں۔ پاکستان کی آبادی کی اکثریت کا ہم مذہب ہونا، ہمارے ہموطنوں کی تاریخ کا ایک ہونا ہماری باہمی ثقافتی مجلسی زندگی اور اقتصادی تقاضوں اور ضرورتوں کا اشتراک نیز ہماری یہ مشترک خواہش اور آرزو کہ ہم سب لوگ خطوں اور علاقوں کے امتیاز کے باوجود مل جل کر پاکستانی ہموطنوں کی طرح رہیں۔ ہماری قومیت کے اہم بنیادی اصول ہیں۔

ہمیں ہر طرح کے انتشار اور ذہنی خلفشار کو ٹھکرا کر ایک منظم قوم ہونے کا عزم بالجزم کر لینا چاہیئے۔ علاقوں، قبیلوں اور نسلوں کی خصوصیات کو ہماری قومی زندگی کے تنوع اور رنگارنگی کا موجب تو ضرور بننا چاہیئے۔ لیکن ہمیں قوم کی متحدہ اور منظم قوت اور اُسے یک جان قوم بنانے کی خاطر ان سب عصبیات کو ملی عصبیت کے اندر جذب کرنا پڑے گا۔ اسی جذبے سے ہم اپنے قومی اتحاد کو بڑھا سکتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی مجموعی قومی ذمہ داریوں کا عوام کے اندر احساس بھی بیدار کر سکتے ہیں۔ ملک کی وحدت کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی زبان، قومی ثقافت، طرز ماند و بود، قومی لباس اور قومی روایات کا بھی احترام کرنا پڑے گا اور ساری قوم کو ایک ہی رنگ میں رنگنا پڑے گا۔

اسلامی افکار و عقائد کی میانہ روی کے ذریعے ہمیں اپنی قومی زندگی کی بقا اور سلامتی کو ایک

پیہم اور مستقل جدوجہد کے ذریعے برقرار رکھنا پڑے گا جس میں ہر لحظہ شعور اور تدبر کی بنا پر ہم حالات کو اپنے قومی مفاد کے لئے سازگار بناتے جائیں گے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے ہم عصرِ حاضر کی مسلح قوتوں اور معاشی جکڑبندیوں کے دباؤ کا مقابلہ کامیابی سے کر سکتے ہیں، اور ایسے ہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

ترجمہ : وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو مومن ہیں تم میں سے، اور انھوں نے عمل کئے نیک کہ وہ خلافت عطا کرے گا انھیں زمین میں۔ (پارہ ۱۸ - سورۃ نور)

اسلامی زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ - فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

● کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (آلِ عمران ۱۱۰)

ترجمہ: اے اُمّتِ محمدیہ! تم افضل اُمّت ہو۔ تم کو لوگوں (کی رہنمائی اور مدد) کے لئے بھیجا گیا ہے۔ (تاکہ) تم معروف (نیک باتوں) کا لوگوں کو حکم کرو اور منکر (بُری باتوں) سے اُن کو روکتے رہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھو۔

●● اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۵-۳)

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے تمہارے لئے پسند کیا

●●● وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا (البقرہ ۱۴۳)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمّت وسطیٰ بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (تمہارے) رسول تم پر گواہ بنے۔

دُنیا کی پیدائش کا مقصدِ حقیقی خدائے واحدہٗ لاشریک کی ذات وصفات کی معرفت ہے اور یہ اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک بنی نوعِ انسان کو بُرائیوں اور گندگیوں سے پاک کر کے بھلائیوں اور خوبیوں کے ساتھ آراستہ نہ کیا جائے، اسی مقصد کے لئے ہزاروں نبی اور رسول بھیجے گئے اور آخر میں اس مقصد کی تکمیل کے لئے سید الانبیاء والمرسلین کو مبعوث فرمایا گیا ___ اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کا مژدہ سُنایا گیا۔ اب چونکہ مقصد کی تکمیل ہو چکی ہے۔ ہر بھلائی اور بُرائی کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے ___ ایک مکمل نظامِ عمل دیا جا چکا ہے۔ اِس لئے رسالت و نبوت تو ختم ہے۔ مگر اسلامی زندگی کو واضح کرنے اور عملاً دُنیا کے سامنے پیش کرنے کا کام ہمیشہ کے لئے باقی رہے گا۔ یہ کام اب اُمّتِ محمدیہ کے سپرد کیا گیا ہے اور اس کو خیرِ اُمّت کا لقب دیا گیا ہے۔

اُمتِ محمدیہ، خیرِ اُمت اور اسلام کامل دین ہے۔ یہ اُمت اس دین کی اشاعت پر مامور ہے اور اسی فرض کو ادا کرنا اسلامی زندگی کی غایت اور انسانیت کی معراج ہے۔

اسلام وُہ دین ہے جو اپنے اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہُوا اور وُہ عہد بعہد دُنیا کی عمر کے ساتھ مختلف پیغمبروں کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچتا رہا۔ یہاں تک کہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کی تکمیل پر وُہ اپنے معراجِ کمال کو پہنچ کر کامل ہو گیا۔

حضوؐر نے اِسلام کی تکمیلِ دین کی تشریح ایک تمثیل میں یُوں فرمائی ہے:-

"میری اور دُوسرے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی۔ لوگ اس کے اندر جاتے ہیں اور اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ لیکن دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو میں وہ آخری اینٹ ہوں" (صحیح بخاری)

عمارت سے یہاں مُراد دین و نبوت ہے اُس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک پیغمبر کا وجُود اور اُس کا دین و شریعت ہے اور اس کی تکمیل کا آخری پتھر نبی اُمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجودِ اقدس ہے۔

قرآنِ پاک نے عہدِ نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلانِ عام کیا:-

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (مائدہ ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا۔

یہ آیت ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ کو نازل ہُوئی اور یہ بات واضح ہو گئی کہ اب اسلامی زندگی کا لائحہ عمل مکمل محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اسوۂ حسنہ محمدیؐ کو اس لائحہ عمل کی زندہ تصویر بنا کر ہمارے لئے نمونہ بنا دیا گیا۔ اِسلامی زندگی کے تمام شعبے اب ہمارے سامنے ہیں اور ہم ان کو قرآنِ عزیز اور اسوۂ حسنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں مکمل کر سکتے ہیں۔

انسانی زندگی کے دو رُخ ہیں۔ ایک روشن اور دوسرا تاریک۔ رُخِ روشن وہ ہے جو خالقِ کائنات کے منشاء کے مطابق بسر ہونے والی زندگی سے ہمارے سامنے آتا ہے اور رُخِ تاریک وہ جو اِس کے برعکس ہے۔ مذہب کی اصطلاح میں ہم پہلی زندگی کو اسلامی زندگی اور دوسری زندگی کو غیر اسلامی زندگی کہہ سکتے ہیں۔

اسلامی زندگی کے تین پہلو ہیں :-

عقائد و عبادات ۔ اخلاق ۔ معاملات و اعمال ۔

۱۔ عقائد و عبادات کے سلسلہ میں ایک مسلمان ان بنیادی حقیقتوں پر ایمان لے آتا ہے۔ جو اس کو اپنے خالق و مالک اور رازق و مربی پروردگار کی طرف سے بتائی گئی ہیں۔ عقائد کا تعلق انسان کے دل سے ہے اور عبادات کا تعلق دل اور جسم دونوں سے ۔

اسلام نے عقائد اور عبادات کے متعلق واضح اور مفصل ہدایات دی ہیں۔ نماز ، روزہ ، حج ، ان کے آداب و شرائط ، عبادت کے طریقے ، خدا کے ذکر اور یاد کی دعائیں اور موثر دعائیں ، نماز کے اوقات روزے کے اوقات ، حج کے اوقات ، ہر ایک کے احکام اور خدا کے حضور میں بندوں کے عجز و زاری ، دعا و مناجات ، گناہ کے اقرار اور توبہ و ندامت اور بندہ و خدا کے باہمی راز و نیاز کی وہ تعلیم دی گئی ہے۔ جو روح کی غذا ہے جو دلوں کی گرہیں کھولتی ہے۔ جو انسانوں کو خدا تک پہنچاتی ہے اور مذہب کی روح کو مجسم کر دیتی ہے۔

۲۔ اخلاق کے سلسلہ میں پہلی شریعتوں میں سے صرف توراۃ میں چند احکام پائے جاتے ہیں۔ ان میں اصولی کام سات ہیں ۔ والدین کی فرمانبرداری کی ایجابی تعلیم کے سوا چھ سلبی تعلیمیں تھیں۔ (۱) تو خون مت کر (۲) تو چوری نہ کر (۳) تو زنا نہ کر (۴) تو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے (۵) تو اپنے ہمسائے کی طرف بدنظری سے نہ دیکھ (۶) تو اپنے ہمسائے کے مال کا لالچ نہ کر ۔۔۔ انجیل میں ان احکام کو دہرایا گیا ہے۔ لیکن اسلامی زندگی کے شعبۂ اخلاق میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قطرہ کو دریا کر دیا ہے اسلامی اخلاق کے متعلق تعلیماتِ محمدیؐ میں ایک گراں بہا ذخیرہ موجود ہے حضورؐ کا ارشاد ہے

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ ۔ میں اخلاقِ انسانی کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں

ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔۔۔ (القرآن) (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً آپ خلق عظیم کا نمونہ ہیں)

توراۃ اور انجیل کے مقابلہ میں اگر قرآنی تعلیمات کو سامنے رکھیں تو نبوت کے سلسلہ کی تکمیل کے علاوہ اخلاقِ نبویؐ کی عظمت اور اسلامی تعلیمات کی برتری کی روشن تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے ۔

ارشاداتِ ربانی ہیں :-

۱۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۔ وَاخْفِضْ

لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۝

ترجمہ : اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر اُن میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہو۔ اور نہ ان کو جھڑکو (بلکہ) اُن سے ادب سے بات کرو اور عجز و نیاز سے ان کے سامنے جھکے رہو، اور ان کے حق میں دعا کرتے رہو کہ اے پروردگار جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں (شفقت) سے پرورش کیا ہے تو بھی (اُن کے حال پر رحمت فرما۔

۲ - وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝

ترجمہ : اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو، اور فضول خرچی کے طور پر مال نہ اُڑاؤ۔ کیونکہ فضول خرچ لوگ تو شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کی (نعمتوں) کا کفران کرنے والا ہے۔

۳ - وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝

ترجمہ : اور اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت (یعنی فراخ دستی) کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو، مستحقین کی طرف توجہ نہ دے سکو، تو اُن سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو۔

۴ - وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝

ترجمہ : اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو۔ (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو) کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ بیشک تمھارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے اور (اُن کو) دیکھ رہا ہے۔

۵ - وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ۝

ترجمہ : اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ (کیونکہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔

۶ - وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝

ترجمہ : اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکنا کہ وہ بے حیائی اور بُری راہ ہے۔

۷ - وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝

ترجمہ : اور جس شخص کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرنا۔ مگر جائز طور پر (یعنی دلیل اور شرعی قانون کے فتویٰ کے مطابق) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے۔ ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے تو اس کو چاہیئے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے کہ وہ منصور و فتحیاب ہے۔

۸ - وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ ص

ترجمہ : اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ مگر ایسے طریق سے کہ جو بہت بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ (یتیم) جوانی کو پہنچ جائے۔

۹ - وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

ترجمہ : اور عہد کو پورا کرو، کہ عہد کے بارے میں ضرور پرستش ہوگی۔ اور جب کوئی چیز ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو۔ اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔

۱۰ - وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــُٔوْلًا ۝

ترجمہ : اور اے بندے جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل۔ ان (جوارح) سے ضرور بازپرس ہوگی

۱۱ - وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝

ترجمہ : اور زمین پر اکڑ کر اور تن کر نہ چل کہ تو زمین پھاڑ تو ڈالے گا ہی نہیں اور نہ اونچا ہو کر پہاڑوں (کی چوٹی) تک پہنچ جائے گا۔

نتیجہ و عبر : كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝

(بنی اسرائیل - رکوع ۴)

ترجمہ : اِن سب عادتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک نہایت ناپسند ہے۔ اور (اے پیغمبر) یہ ان (ہدایتوں) میں سے ہیں جو خدا نے دانائی کی باتیں تمھاری طرف وحی کی ہیں۔ اور خدا کے ساتھ اور کوئی معبود نہ بنانا کہ (ایسا کرنے سے) ملامت زدہ اور (درگاہ خدا سے) راندہ بنا کو جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا آیات میں ایک توحید کے متعلق اور گیارہ اِنسانی اخلاق کے متعلق، جن میں سے پانچ ایجابی۔ پانچ سلبی اور ایک ایجابی وسلبی کا مجموعہ ہے۔ صفات بیان ہوئی ہیں ان کا خوب صورت خلاصہ یہ ہے :-

(۱) ماں باپ کی عزّت اور فرمانبرداری کر (۲) جن کا تجھ پر حق ہے ان کا حق ادا کر (۳) یتیم سے اچھا برتاؤ کر (۴) ناپ، تول، ترازو اور پیمانہ ٹھیک کر (۵) اپنا وعدہ پُورا کر کہ تجھ سے اِس کی پوچھ گچھ ہوگی ــــ یہ پانچ ایجابی باتیں ہیں۔

(۱) تو اپنی اولاد کو قتل نہ کر (۲) تو ناحق کسی کی جان نہ لے (۳) زنا کے قریب نہ جا (۴) اَنجان بات کے پیچھے نہ چل (۵) زمین پر غرور نہ کر۔ یہ پانچ سلبی باتیں ہیں۔

اور فضول خرچی نہ کر بلکہ اعتدال اور بیچ کی راہ اختیار کر ـــ یہ ایجابی اور سلبی صفات کا مجموعہ

اِسلامی زندگی کا یہ نقشۂ اخلاقی لحاظ سے کتنا مکمل اور جامع ہے۔ اخلاق کی ایک ایک گرہ کھول کر ان ہی اوصاف کا صحیح مصرف بتا دیا گیا ہے۔ ایک ایک کمزوری کو ظاہر کیا ہے۔ رُوح کی ایک ایک بیماری کی تشخیص کی ہے اور اُس کا علاج بھی بتا دیا ہے۔

اِسلامی زندگی کا تیسرا پہلو ـــــ معاملات اور اعمال یعنی معاشرت اور مملکت کے قوانین کا ہے۔ یہ پہلو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی شریعت میں تفصیل سے موجود ہے اور سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اِس کو بڑی حد تک قائم رکھا ہے۔ مگر ان قوانین کی سختی کم کر دی ہے اور اِن کو ایک قومی قانون کے تنگ دائرہ سے نکال کر عالمگیر قانون کی حیثیت دے دی ہے۔ اِن میں جن تکمیلی اجزاء کی ضرورت تھی۔ اس کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔

اِسلامی تعلیمات کے وسیع دفتر کو اگر ہم دو مختصر لفظوں میں ادا کرنا چاہیں تو اُسے ایمان اور عمل صالح کہہ سکتے ہیں۔ قرآنِ عزیز نے اِن ہی دونوں پر انسانی نجات کا مدار رکھا ہے ـــــ ایمان پاک اور مستحکم ہو ـــ عمل نیک اور صالح ہو تو یہ اِسلامی زندگی کا کمال ہے۔

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔۔۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے

قرآن میں بیسیوں جگہ آیا ہے اور ہر جگہ صاف کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ فلاح اور کامیابی صرف ایمان اور عملِ صالح پر موقوف ہے۔

معاملات اور اعمال میں پاکیزگی کا اسلامی تصوّر یہ ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ (نائبِ حق تعالیٰ) سمجھا جائے۔ اسلامی زندگی کے خلاف دُوسرے مذاہب میں انسان کو اکثر دُوسری مخلوقِ الٰہی سے کم تر سمجھا جاتا تھا۔ وُہ سخت پتھر، اُونچے پہاڑ، بہتے دریا، سرسبز درخت برستے پانی، دہکتی آگ، ڈراؤنے جنگل، زہریلے سانپ، دھاڑتے شیر، دُودھ دیتی گائے، چمکتے سُورج، درخشاں تاروں، کالی راتوں، بھیانک صورتوں، غرض دُنیا کی ہر اُس چیز کو جس سے وُہ ڈرتا تھا یا جس سے نفع کا خواہشمند تھا، پُوجتا تھا اور اُس کے آگے جھک جاتا تھا۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اسلامی زندگی کی بُنیاد توحید پر رکھی اور فرمایا :-

"اے لوگو! یہ تمام چیزیں تمہاری آقا نہیں، بلکہ تم اِن کے آقا ہو۔ وہ تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ تم اِن کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔ وُہ تمہارے آگے جُھکی ہیں۔ تم اِن کے آگے کیوں جھکتے ہو۔ انسانو! تم اُس ساری کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ ہو۔ اس لئے یہ ساری مخلوقات اور کائنات تمہارے زیرِ فرمان ہے۔ تم اس کے زیرِ فرمان نہیں ہو۔ وُہ تمہارے لئے ہے تم اس کے لئے نہیں ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

● وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔

ترجمہ : یاد کرو۔ جب تیرے خُدا نے فرشتوں سے کہا تھا۔ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہُوں۔ اور اسی خدا نے تم کو اپنا نائب بنایا ہے (بقرہ - ۳۰)

●● وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ۔

ترجمہ : اور اسی خدا نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔ (انعام - ۱۶۵)

اسلامی زندگی نے انسان کو عزت اور بزرگی بخشی ہے اور اس کا اعلان کیا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ ——— اور ہم نے آدمؑ کی اولاد کو بزرگ بنایا اور اس بُزرگ انسان کے لئے ساری دُنیا بنائی ہے۔

● هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (بقرہ - ۲۹)

ترجمہ : اُس (اللہ) نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے پیدا کیا۔

●● وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ٥ (نحل - ۵)

ترجمہ: اور چارپائے اس نے پیدا کیا انہیں تمہارے لئے ان میں سردی سے بچاؤ اور کئی فائدے ہیں اور ان میں بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (النحل ۱۰-۱۱)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اُتارا آسمان کی طرف سے پانی تمہارے لئے۔ اس میں سے پینے کا ہے اور اس سے پرورش پاتی ہے نباتات جس میں تم مویشی چراتے ہو۔ وہ اگاتا ہے تمہارے لئے اس پانی کے ذریعہ سے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ

ترجمہ: اور تابع کر دیا اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند اور ستارے بھی تابع ہیں اس کے حکم سے بلاشبہ ——— (النحل - ۱۲)

عارفِ شیراز نے اِن آیاتِ قرآنی کے مطلب کو یوں ادا کیا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

اِسلامی زندگی میں اِنسان کے اِس مقام کو سمجھ لینے کے بعد حقوق و فرائض کا تعین بھی اس مقام بلند کے مطابق ہی ہوگا۔ اِنسانی اعمال کی دو بڑی تقسیمیں ہیں ——— ایک خیر اور دوسرا شر۔ یا یوں کہیئے کہ ایک اچھی اور دوسری بُری۔ اِس خیر اور شر کا تعین اور اس کے مطابق زندگی کے اعمال پر ہر بات کا اِنحصار ہے۔ اسلام کے خلاف زردشتیوں اور بعض دوسرے مذاہب نے خیر اور شر کے لئے الگ الگ خدا تجویز کر لئے اور اُن کی باہمی کشمکش کو اس دُنیا کا معرکہ ٹھہرایا۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسلامی زندگی کے تصورِ خیر و شر (نیکی اور بُرائی) سے آگاہ نہ تھے۔

اِسلام نے خیر و شر کو ئی ذاتہٖ کوئی چیز نہیں قرار دیا۔ کوئی چیز نہ خیر ہے اور نہ شر۔ یہ تو خُدا کے تاثب اور انسان کا اِستعمال ہے جس سے ہمارے کام نیک یا بد ہو جاتے ہیں ——— فرض کیجیئے آگ ہے ——— آپ اِس سے کھانا پکائیں، اِنجن چلائیں یا اِس سے گرمی اور حرارت حاصل کریں تو یہ خیر ہے۔ اب اِسی آگ سے آپ کسی غریب کا گھر جلا دیں تو یہ شر ہے ——— تلوار اور طاقت خود نہ خیر ہے نہ شر۔ اس کو جس طرح استعمال کرو ایسی ہی ہوگی ——— تاریکی کو اگر لوگوں کے گھروں

میں چوری کا ذریعہ بنایا جائے تو شر ہے اور اگر اپنی ذات کو چھپا کر نیکی کرنے یا حواس کے لئے آرام و سکون اور راحت کا ذریعہ بنایا جائے تو خیر ہے۔

اسلامی زندگی میں اعمال کی بنیاد انسانی سطح پر اُخوت ہے۔ اسلام نے تمام انسانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا ہے۔ قرآن کا اعلان ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ـــــــــــ تمام مومن بھائی بھائی ہیں!

سرورِ کونینؐ نے حجۃ الوداع میں ایک لاکھ انسانوں کے سامنے یہ اعلان کیا:۔

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ ـــ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے

اس برابری اور برادری نے کالے، گورے، عربی، عجمی، ترکی، تاتاری، زنگی اور فرنگی سب کا فرق اٹھا دیا اور خدا نے اپنے بندوں پر یہ احسان جتایا:۔

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ـ خدا کے فضل سے تم سب کے سب اب بھائی ہو گئے ہو

خدا کے گھر میں کوئی فرق نہیں۔ حسب و نسب کا کوئی فرق نہیں۔ غربت اور امارت کا کوئی فرق نہیں۔ خدا کے سامنے سب برابر ہیں۔ قرآن سب کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی۔ رشتہ ناطہ ہر ایک کا ہو سکتا ہے علم ہر ایک کا حق ہے۔ اور حقوق سب کے یکساں ہیں۔ یہاں تک کہ خون بھی سب کا برابر ہے۔

اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ـ جان کے بدلے جان

؎ تیرے دربار میں آئے تو سبھی ایک ہوئے۔

اسلامی زندگی کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس نے دنیا کی اس سب سے بڑی غلطی کا ازالہ کر دیا کہ دین کا کام الگ ہے۔ دنیا کا کام الگ۔ خدا کا حکم الگ ہے اور قیصر کا حکم الگ دین حاصل کرنے کا طریقہ الگ اور دنیا کمانے کا راستہ الگ۔

یہ گمراہی تھی جس نے انسانوں کو فطرت سے برگشتہ کر کے ایک مصنوعی مخلوق بنا دیا تھا۔ اسلام کی نور افگن شعاعوں نے اس پردہ کو چاک کر دیا۔ اس نے بتایا کہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اسی دنیا کے کاموں کو خدا کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق انجام دینا ہی دین ہے۔ یعنی اسلامی زندگی میں دنیا داری ہی دینداری ہے۔ شرط صرف احکام خداوندی کی تعمیل ہے ــــــ لوگ سمجھتے تھے کہ ذکر و فکر، گوشہ نشینی و عزلت گیری، کسی غار اور پہاڑ کے کھوہ میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنا دینداری ہے اور دوست و احباب، آل و اولاد، ماں باپ، قوم و ملک اور خود اپنی آپ مدد، فکر معاش اور

پرورشِ اولاد دُنیا داری ہے اِسلام نے اِس غلطی کو مٹایا اور بتایا کہ خُدا کے احکام کے مطابق ان حقوق اور فرائض کو بخوبی ادا کرنا بھی دینداری ہے۔

اِسلامی زندگی سرتاپا جہاد اور مجاہدہ ہے۔ لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں، میدان میں نکل کر۔ اِس زندگی کا کامل نمونہ اسوہ حسنہ، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اِس کے بعد خلفائے راشدین کی زندگی اور اس کے بعد سلف صالحین اور مومنوں کی زندگی ہے۔

اِس زندگی میں بُودھ کی طرح ترکِ خواہش نہیں تصحیحِ خواہش کمالِ حیات ہے۔ دولت اور قوت کی تحقیر اور ممانعت اسلامی زندگی نہیں بلکہ ان کے حصول اور خرچ کے طریقوں کی دُرستی اور اِس کے صحیح استعمال اور مصرف کی تعیین ہے۔

خاتمہ کلام:

ایمان اور عملِ صالح یہی اسلامی زندگی ہے۔ اِسلامی زندگی عمل ہے ترکِ عمل نہیں۔ ادائے واجبات اور ادائے حقوق و فرائض ہے۔ ترکِ واجبات اور ترکِ فرائض نہیں۔ سرورِ کونین ﷺ اور حضورؐ کے یارانِ باصفا کی زندگیاں اِسلامی زندگی کا کامل نمونہ اور کامل تقلید کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

● مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (فتح - ۲۹)

ترجمہ: محمدؐ خدا کے رسُول اور جو لوگ اِن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بھاری، آپس میں رحم دل ہیں اِن کو دیکھو گے کہ وہ رکوع اور سجدہ میں ہیں۔ وہ خدا کی مہربانی اور خوشنودی ڈھونڈ رہے ہیں۔

کافرانِ حق کے ساتھ جہاد بھی قائم ہے۔ آپس میں برادرانہ اُلفت کے جذبات ہیں۔ خُدا کے سامنے رکوع میں جھکتے اور سجدہ میں گرتے بھی ہیں اور پھر دُنیا میں خُدا کی مہربانی اور رضا کے طالب بھی ہیں ـــــ اِسلامی زندگی میں محنت اور حلال کی دولت کو فضل (مہربانی) کہا گیا ہے۔ تجارت خرید و فروخت اور کاروبار بھی جاری رکھنا اور اللہ کی یاد بھی قائم رہنا یہ ہے اسلامی زندگی کا اعتدال

مُسلمانوں اور رُومیوں میں جنگ تھی۔ صحابہؓ فوج کے سپاہی تھے۔ رُومیوں نے اِسلامی کیمپ میں چند جاسُوس بھیجے۔ انھوں نے واپس آکر کہا۔

هُمْ بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَّبِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ وہ راتوں کے راہب اور دن کے شہسوار ہیں

یہ ہے ——— اِسلام کی اصلی زندگی ۔

اِسلامی زندگی سرتاپا جہاد و مجاہدہ ہے لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں، میدان میں نکل کر۔ اِس زندگی میں ترکِ خواہش کی بجائے تصحیحِ خواہش اور دولت قوت کی تحقیر و ممانعت کی بجائے ان کے حصول اور خرچ کے طریقوں کی دُرستی ہے۔

اِسلامی زندگی عمل ہے، ترکِ عمل نہیں، ادائے واجبات ہے، ترکِ فرائض نہیں ؎

درکفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق

مسجد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِہَا ؕ اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَہُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْہَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ؕ لَہُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (سورۃ البقرۃ - ۱۱۴ - ۱۱۵)

ترجمہ: اور کون بڑھ کر ظالم ہے اِس سے جو منع کرے اللہ کی مسجدوں میں ذکر کرنے سے اس کا نام اور کوشش کرے اُس کی ویرانی میں۔ ایسے لوگوں کا حق نہیں تھا کہ داخل ہوں مسجدوں میں۔ مگر (اللہ سے) ڈرتے ہوئے ___ اُن لوگوں کے لئے دُنیا میں رُسوائی ہے اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ___ اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب۔ پس جدھر بھی تم رُخ کرو، اُدھر ہی ہے رُخ اللہ کا ___ بے شک اللہ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

زندگی کے اِسلامی تصوّر میں وحدتِ اِنسانیت اور عظمتِ خالق کا مضمون کچھ اِس طرح سمو دیا گیا ہے کہ ہم اُس کے بغیر دین یا دُنیا کا کوئی مسئلہ حل نہیں کرسکتے۔ اِسلام زندگی کو ناقابلِ تقسیم وحدت قرار دیتا ہے۔ یہاں بعض اُمور کو دینداری اور بعض کو دُنیا داری کے دو متضاد رویّوں کے اختیار سے زندگی ایک تضاد اور تصادم کی نذر ہوجاتی ہے۔ سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اُسوۂ حسنہ اور قرآنِ عزیز کا ضابطۂ حیات ہمیں صرف ایک اطاعت کا پابند کرکے دُوسری تمام اطاعتوں سے آزاد کردیتا ہے اور یہ آزادی اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ انسانی زندگی کا نظم کائناتی زندگی سے ہم آہنگ ہو۔ خالقِ کائنات کی حاکمیت کا انسانوں کو احساس ہو اور اس کے اٹل قوانین کے سامنے وہ سرِ تسلیم خم کرنے کے خوگر ہوجائیں۔

اِس مادی دُنیا میں سب سے پہلے خانۂ کعبہ (اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ) اور اِس کے بعد وہ

مراکز جو اسلامی شریعت میں مساجد کے نام سے موسوم ہوئے اور قرآنِ عزیز نے اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ کہہ کر اُن کی مرکزیت کو قائم کر دیا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دین اور دُنیا دونوں کے مسائل کو حل کرنے اور انسان کو اپنے خالق سے وابستہ کر دینے کا ذریعہ بن گئے۔

اسلامی زندگی اور اسلامی عبادات میں مسجد کے نام سے ہر مسلمان پیدا ہوتے ہی روشناس ہو جاتا ہے۔ یہی سجدہ گاہِ مومن ہے۔ اور اس اعتراف کا مقام کہ انسان از خود نہ پیدا ہوا ہے اور نہ وہ اپنی قسمت کا خود مالک ہے ۔۔۔۔ بلکہ انسان کو پیدا کرنے والا خالق، آقا اور مالک کوئی اور ہے اور اس آقا کی شان، عظمت، کبریائی، بندگی اور آقائی ہے۔ اس کے مقابلہ میں انسانیت کی شان یہ ہے کہ انسان اِس شان اور عظمت والے آقا کے منشاء اور ارادہ کو پورا کرے۔ کمالِ بندگی اور کمالِ انسانیت یہ ہے کہ تمام کائنات میں خدا کا بندہ خدا کے ساتھ قریب ترین تعلق اور محبت کی بنا پر اُن صفات سے بہرہ ور ہو جو اُسے اپنے آقا کی نیابت کا اہل بنا دیں اِسی حقیقت کو قرآن نے

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں

اور جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ۔۔۔۔ اور ہم نے (اے انسانو!) تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے ۔۔۔۔ کے الفاظ میں واضح کیا ہے۔

اسلام نے فرد کی تکمیل کے لئے اِسی مقامِ نیابت کو معیار بنایا اور پھر اُمتِ مسلمہ کی اجتماعی زندگی کے لئے کچھ فرائض اور ذمہ داریوں کی نشان دہی کی۔ مسجد اصل میں ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی زندگی میں ایک مرکزی مقام کی حیثیت رکھتی ہے۔ جہاں نہ صرف خدا کے بندے اپنے خالق کے انعام و احسانات پر اُس کے سامنے سجدہ ریز نظر آتے ہیں۔ بلکہ جہاں سے اِسلامی زندگی کی گوناگوں مصروفیتیں ہر قسم کی مادی، اخلاقی اور رُوحانی ہدایتیں حاصل کرتی رہتی ہیں "مسجد" کی یہ ازلی حیثیت نبیوں کے ابتدائی سلسلہ سے ہی قائم ہو گئی تھی چنانچہ خانہ کعبہ کو اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ۔۔۔۔ (وہ پہلا گھر جسے لوگوں (کے اجتماع اور عبادت) کے لئے بنایا گیا) کہہ کر مسجد کے اوّلین تصوّر کو واضح کیا گیا ہے ۔۔۔۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکّہ کی آزمائشوں کے بعد ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی زندگی کی بُنیاد قائم کی تو سب سے پہلے مسجدِ نبوی کی بُنیاد رکھی ۔۔۔۔ قرآنِ عزیز میں مسجد کے آداب و احکام کے متعلق کئی آیات موجود ہیں ۔۔۔۔ چند آیات کا ترجمہ یہ ہے:-

۱ - اور جب بنایا ہم نے کعبہ کو عبادت گاہ لوگوں کے لئے اور امن کی جگہ تو بناؤ مقامِ ابراہیم کو جائے نماز ـــــ اور ہم نے حکم دیا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو کہ تم پاک رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے ـــــ اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے ـــــ (البقرہ : ۱۲۵)

۲ - اور جہاں سے آپ نکلیں، پھیر لیا کریں اپنا منہ کعبہ کی طرف ـــــ اور جہاں کہیں تم سب ہوا کرو پھیر لیا کرو اپنے منہ اسی کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کے لئے تم پر کوئی حجت سوائے ان کے جو ان میں ظالم ہیں ـــــ تو ایسے لوگوں سے تم نہ ڈرو۔ اور مجھی سے ڈرو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ ـــــ جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا۔ جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے اور تم کو کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور وہ جو تم نہیں جانتے تھے۔ پس مجھے یاد کرو، میں تم کو یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرتے رہو، اور ناشکری نہ کرو ـــــ (البقرہ : ۱۴۹-۱۵۲)

اِن آیات میں مسجدوں کا رُخ کعبہ کی جانب کرنے، اجتماعی زندگی کے لئے جماعت کے قیام اور اللہ کے بغیر کسی غیر کا خوف دل میں نہ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ مسجدوں میں قرآنِ عزیز کی تلاوت، تبلیغ و تزکیہ، حکمت و دانائی کی تعلیم اور اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے ـــــ

۳ - اور اگر نہ مدافعت کرتا اللہ لوگوں کی بعض کی بعض سے تو گرا دیئے جاتے صوامع (تکیے) گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں ـــــ جن میں ذکر کیا جاتا ہے اللہ کے نام کا اور البتہ اللہ مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کے دین کی۔ بے شک اللہ بڑا طاقتور اور غالب ہے ـــــ اور اگر ہم قوت دیں ان کو زمین میں تو وہ قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور حکم دیں نیک کاموں کا اور روکیں بُرے کاموں سے اور اللہ ہی کے قبضے میں ہے انجام سب امور کا۔ (سورۃ الحج - ۴۰-۴۱)

اِن آیات میں مسجد اور عبادت گاہوں کے بقاء اور استحکام کے لئے خدائی تدبیر کا ذکر ہے اور یہ بات بتائی گئی ہے کہ مساجد کی آبادی اور برکت کا دارومدار اللہ کی مدد پر ہے۔ اللہ کی مدد اُن لوگوں کے شاملِ حال ہوتی ہے جو خود اللہ کے دین کے حامی بن جاتے ہیں۔ اور اُس کی یاد میں لگے رہتے ہیں۔ قوی اور غالب خدا کو یاد کرنے والے اور اللہ کی زمین پر اختیار حاصل کر لینے کے بعد نماز کو قائم کرنے زکوٰۃ دینے اور نیکی کا حکم جاری کرنے اور بدی سے روکنے کا فرض ادا کرنے والے ہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی مساجد کے صحیح معنوں میں محافظ ہیں اور یہی وہ پاک باز ہیں جو مسجد کی حفاظت اور

اس کی رونق قائم رکھنے کے صحیح معنوں میں اہل ہیں۔

۴ - اُن گھروں (مساجد) میں کہ حکم دیا ہے اللہ نے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ذکر کیا جائے ان میں اللہ کے نام کا، تسبیح کرتے ہیں اللہ کے نام کی ان میں صبح و شام ایسے لوگ کہ نہیں غافل کرتی ان کو تجارت اور نہ خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے اور وہ ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اُلٹ جائیں گے اس میں دل اور آنکھیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کی بہتر جزا دے اپنے فضل سے اور اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے (سورۃ النور ۲۴ آیات ۳۶ تا ۳۸)

اِن آیات میں مساجد کی تعظیم۔ ان میں اللہ کی یاد اور صبح و شام تسبیح خداوندی کے احکام دیئے گئے ہیں ——— دُنیا کی اُلجھنیں، کاروبار، مصروفیت اپنی جگہ مگر مسجد وہ مقام ہے کہ جہاں مومن کشمکشِ حیات کے لئے اللہ کی یاد سے بہتر قوّت اور رُوحانی مدد حاصل کرتا ہے۔ مومن اللہ کے گھر میں اللہ کے جلال اور اس کی ہیبت سے کانپتا ہے اور زندگی کا نیا دور (قیامت اور حشر) اس کے سامنے ایک حقیقت بن کر آجاتا ہے۔ اس کی زبانِ حال یہی ہوتی ہے کہ خدایا تو ہی بہتر بدلہ دینے والا اور بغیر حساب کے رزق دینے والا ہے۔

قرآن کی اِن تصریحات کے بعد ہمیں دیکھنا ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلّم نے ملّتِ اسلامیہ کی اجتماعی زندگی اور تربیت کے لئے مسجد سے کیا کام لیا۔ اِس سلسلہ میں ہمارے لئے مدینہ میں حضورؐ کی تشریف آوری، مسجدِ نبوی کی تعمیر اور اس کے بعد تمام مساجد کے سلسلہ تدریس و تبلیغ کی تفصیلات کا جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں سُنّتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے ہم آگاہ ہوجائیں اور مسجد کا مقام اور اس کے متعلق احکام و آداب سے واقف ہوسکیں

تاریخی پس منظر :

مسجدِ نبوی جس جگہ بنائی گئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ناقہ خود بخود اس جگہ آکر بیٹھ گیا تھا یہ جگہ دو یتیم لڑکوں کی تھی، جو اسعد بن زرارہ (نقیبِ محمدی) کی تربیت و نگرانی میں تھے۔ اسعد نے پہلے سے یہاں نماز کی مختصر سی جگہ بنا رکھی تھی۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسجد کے لئے اس جگہ کو پسند فرمایا تو ان یتیم لڑکوں نے قیمت لینے سے انکار کردیا اور قبیلہ بنو نجار نے چاہا کہ اس کی قیمت ادا کرنے کی اجازت انھیں مل جائے۔ حضورؐ نے دونوں باتیں منظور نہ فرمائیں۔ زمین کی قیمت دس دینار طے ہوئی اور آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ قیمت دِلا دی اور پھر زمین کو ہموار کرکے مسجد بنائی گئی۔ جس کا طول ۱۰۰ گز تھا ——— مسجد کی تعمیر میں نبی صلعم اینٹ

پتھر اُٹھا کر خود بھی لاتے تھے اور زبانِ مُبارک سے فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃ

اے اللہ زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اینٹ گارا لاتے تھے اور یہ شعر رجز میں پڑھتے تھے:۔

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالرَّسُوْلُ یَعْمَلُ لَذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ

رسولِ خدا کام کریں اور ہم بیٹھے رہیں یہ بڑی گمراہی کا کام ہے

مسجد کی دیواریں جو کچی اینٹوں کی تھیں، تین گز بلند تھیں۔ کھجور کے تنے ستون کی جگہ اور کھجور کے لٹھے کڑی اور شہتیر کی جگہ ڈالے گئے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا، چھت ڈال لیں تو اچھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں موسیٰ علیہ السلام جیسا عریش ہی خوب ہے۔ (المعارج ۱۔ص ۳۰۸)

یہ عریش (چھت ایسی تھی کہ اگر بارش ہو جاتی تو پانی ٹپکتا، مٹی گرتی۔ فرش کیچڑ ہو کر رہ جاتا۔ حضورؐ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبویؐ میں کچھ تبدیلی نہیں کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اِس مسجد میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کو شامل کیا جو انھوں نے مسجد کے لئے ہبہ فرمایا تھا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی کی سنگین دیواریں بنائیں اور پتھر کے ستون لگائے اور ساگوان کی چھت ڈالی اور فرش پر عقیق کی کنکریاں بچھا دیں ——— (صحیح بخاری باب بیان المساجد)

مروان بن الحکم نے اپنے عہدِ حکومت میں ایک مقصورہ محراب کی جانب بڑھایا اور اِس پر پچی کاری کا کام کرایا۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے عہدِ سلطنت اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ امارت میں روم و قبط کے ۸۰ انجینیئر منتخب کر کے اس کی نگرانی کے لئے بھیجے گئے۔ یہ عمارت سنگِ مرمر کی تھی، اور پہلی عمارت سے کچھ زیادہ بھی تھی۔ ۸۷ھ یا ۸۸ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ مہدی عباسی نے اپنے عہدِ سلطنت میں پھر کچھ اضافہ کیا۔ پچھلی طرف سے سو گز زمین اور شامل کی گئی۔ مکمل ہونے کے بعد مسجد کا طول ۳۰۰ گز اور عرض ۲۰۰ گز ہو گیا۔ یہ تعمیر ۱۶۲ھ میں ختم ہوئی۔ خلیفہ متوکل نے اس عمارت کی مرمت ۲۴۷ھ میں کرائی تھی ——— (فتوح البلدان ص ۱۴)

حالیہ عمارت سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی تعمیر کردہ ہے اور اب عالمِ اسلام کے ماہرین نے از سرِ نو مسجدِ نبویؐ میں اس کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق بناتے ہوئے بہت سی عجیب و غریب اور دلکش تبدیلیوں کے ساتھ اس کی وسعتوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔

تعمیرِ مساجد:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ جاہ پرستی اور ظاہری شکوہ کے خلاف تھے اور اس لئے اینٹ اور مٹی پر صرفِ زر ناپسند فرماتے تھے۔ تاہم چونکہ اسلام کی تمام تحریکات کا مقصد صرف رفع ذکر اور تسبیح و تقدیسِ الٰہی تھا۔ اِس بناء پر ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسجدیں صرف نماز ہی پڑھنے کے کام میں نہیں آتی تھیں بلکہ درحقیقت یہ تمام قریہ یا اہلِ محلہ کو دن میں پانچ بار ایک جگہ جمع کر کے ان کی اجتماعی اور اتحادی قوت کو روز بروز اور زیادہ ترقی دینے کا ذریعہ بھی بنتی تھیں۔ اِس لئے آپؐ باجماعت نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ مدینۃ النبیؐ کے اندر بہت سے قبائل آباد تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ الگ محلہ تھا اور ہر محلہ میں ایک ایک مسجد تھی ——— ابُو داوٗد نے کتاب المراسیل میں بسند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر حضورؐ کے زمانہ میں ۹ مسجدیں تھیں جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں۔ ان مساجد کے علاوہ متفرق روایات میں مختلف قبائل کی مسجدوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔

روائتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اشاعتِ اسلام کے ساتھ مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ گوشہ میں مسجدیں بنتی جاتی تھیں۔ جہاں دن میں پانچ بار خُدا کا نام پکارا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ تھا کہ جہاں دُشمنانِ اسلام سے غزوات کے دوران میں آپ تشریف لے جاتے تو رات بھر انتظار فرماتے۔ اگر صبح کو اذان کی آواز آتی تو وہاں حملہ نہ فرماتے ——— حضورؐ نے ایک بار مجاہدینِ اسلام کو روانہ فرماتے ہوئے یہ وصیت فرمائی:-

اِذَا رَأَیْتُمْ مَسْجِدًا اَوْ سَمِعْتُمْ صَوْتًا فَلَا تَقْتُلُوْا اَحَدًا ——— (ابُو داؤد کتاب الجہاد)

ترجمہ: اگر تم کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سُنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرو۔

جو قبائل اِسلام لاتے وہ اپنی اپنی مسجدیں تعمیر کرتے جاتے۔ جہاں پانچ وقت نماز ہوتی۔ قبائل کی ضروریات کے علاوہ مسجدوں کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں نماز پڑھتے تھے وہاں صحابہ تبرکاً مسجد تعمیر کر لیتے۔

مسجد ضرار:

قرآن پاک میں مسجدِ ضرار کا بھی ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں مسجد نیک مُسلمانوں کے لئے ایک مرکز اشاعتِ دین اور ملت کی اجتماعی ضروریات کا سامان بہم پہنچاتی وہاں مُنافق اور بُرے لوگ اس سے اپنی شرارت اور فتنہ کا راستہ بھی تلاش کرتے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ وہ مسجد جو

مسلمانوں میں تفریق اور ملی اتحاد کو نقصان پہنچانے کے لئے بنائی جائے وہ مسجدِ ضرار ہے
ارشادِ ربانی ہے :-

"کچھ وہ لوگ ہیں جنھوں نے بنائی ایک مسجد ضرر دینے ، کفر پھیلانے اور تفرقہ ڈالنے کیلئے مسلمانوں میں - اور ایک گھات لگانے کی جگہ اس شخص کے لئے جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتا رہا - اس سے پہلے یہ (منافق) ضرور قسمیں کھائیں گے - کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے کچھ سوائے بھلائی کے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں
(سورۃ توبہ — ۱۰۷)

اِن آیات میں ایک مسجد کا ذکر ہے جسے ابو عامر راہب کے قیام کے لئے جو اسلام کے خلاف لڑتا رہا مسجد قبا کے پاس تعمیر کرایا گیا تھا غزوۂ تبوک سے واپسی پر حضورؐ نے اِس مسجد میں نماز پڑھانے کا وعدہ کیا - مگر اطلاعِ خداوندی پر حضورؐ کے حکم سے اِس مسجد کو آگ لگادی گئی اور اسے مسجدِ ضرار کہا گیا -

احکاماتِ نبوی کی روشنی میں مسجد اللہ کا گھر - جائے عبادت و ذکرِ الٰہی اور مرکزِ اتحادِ اسلامی ہے - اِس کی صفائی ، اس کی دیکھ بھال اور اس کی رونق کو قائم رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے - یہی وہ جگہ ہے جہاں مسلمانوں کے تمام تبلیغی ، جماعتی اور قومی مسائل اللہ کے احکام کی روشنی میں طے ہوتے ہیں - اگر کوئی مسجد ان مقاصد کو پورا نہیں کرتی اور اِس سے مسلمانوں میں باہمی نفاق یا اسلامی مقاصد کی تکمیل کی بجائے ان کو نقصان پہنچتا ہے ، تو ایسی مساجد گویا کہ مساجدِ ضرار ہیں اور حکم یہی ہے کہ ان کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے -

عصرِ حاضر میں مادی ترقی اور فنِ تعمیر کے فروغ کی وجہ سے مسلمانانِ عالم بڑی بڑی علیشان عمارات بنانے کے عادی ہیں —— نئی علمی تحقیقات اور سائنسی ایجادات کی وجہ سے آلات اور برقی مصنوعات مہیا کی جاسکتی ہیں جو مساجد کو ظاہری لحاظ سے بڑا خوب صورت اور آرام دہ بنا دیتے ہیں - اگر ان سہولتوں کو اشاعتِ دین اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو بہتر اور استوار کرنے کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح شکر ہے - مگر ظاہریت کو اپنا کر روحِ تقویٰ کو ختم کر دینا اور مسجد کے نام پر ان مقاصد کو پورا کرنے کا سامان بہم پہنچانا جو دینِ حق کی سربلندی کے منافی ہیں ، مسلمانوں کی ایسی بے راہ روی ہوگی جس کا انجام تعمیر نہیں ، تخریب ہوگا اور ملتِ اسلامیہ اُن برکتوں سے بہرہ ور نہ ہوگی جو اس کے لئے مقدر ہیں -

---

آدابِ مساجد :

۱ - آدابِ مساجد کے سلسلے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث ہیں۔ مسلم میں روایت ہے کہ حضور نے فرمایا میرے قریب وہ لوگ رہیں جو بالغ اور عقلمند ہوں۔ پھر عقل و بلوغت میں اُن کے قریب اور پھر اُن کے قریب اور بچاؤ تم اپنے آپ کو اِس طرح شور کرنے سے جیسے کہ بازار میں ہوتا ہے۔ (مُسلم)

۲ - صف بندی کا طریقہ بتاتے ہوئے۔ حضور صلعم نے فرمایا :-
آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو ، اور تمھاری اِقتدا وہ کریں جو تمھارے بعد آئیں۔ (مُسلم)

۳ - ایک اور مرتبہ حضور صلعم نے فرمایا :-
تم نماز میں ایسی صفیں کیوں نہیں بناتے جیسی کہ فرشتے اپنے پروردگار کے حضور میں بناتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے اپنے رب کے حضور میں کس طرح صفیں قائم کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ، پہلے صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ (مُسلم)

۴ - ابُوداوٗد سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملا ہوا رکھو صفوں کو اور قریب قریب رکھو اور برابر رکھو گردنوں کو (ابوداؤد)

۵ - ابُوداوٗد سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا :-
پورا کرو پہلی صف کو ، پھر اس سے قریب والی کو اور اگر کچھ کمی یا خرابی ہو تو آخری صف میں ہونی چاہیئے۔
اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں جن میں صف بندی کی تاکید ملتی ہے۔
مسجد میں داخل ہونے پر یہ دعا پڑھی جاتے۔

۶ - اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ
ترجمہ : اے اللہ اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے۔
مسجد سے باہر آتے ہوئے یہ دُعا پڑھنا چاہیئے۔

۷ - اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ
ترجمہ : اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل چاہتا ہوں۔
جب نماز سے فارغ ہو جائیں تو یہ دُعا پڑھنا چاہیئے :-

۸ - اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ فِعۡلَ الۡخَیۡرَاتِ وَتَرۡكَ الۡمُنۡكَرَاتِ وَحُبَّ الۡمَسَاكِیۡنِ۔

ترجمہ : اے اللہ میں تجھ سے نیک اعمال کی توفیق چاہتا ہوں اور بُرے کاموں کے چھوڑنے کی، اور مسکینوں کو دوست رکھنے کی۔

مسجد کے تقدس اور پاکیزگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہاں سے ہر قسم کی پلیدی اور ناپاکی کو دور کر دینا چاہیئے، اور نہ صرف ظاہری پلیدی بلکہ معنوی پلیدی بھی جو نفاق وریا، کبر و غرور، غیبت اور چغلی، عیب چینی و دشنام طرازی، جنگ وجدل اور ٹھٹھا مخول پر مشتمل ہے۔ مسجد کے حدود میں نہ ہونے دینا چاہیئے۔ یہاں تک کہ مسجد کے اندر اونچی آواز سے بولنا بھی ایک ناپسندیدہ فعل سمجھا جائے۔

لاؤڈ سپیکر کا استعمال گو حالاتِ حاضرہ میں زندگی کی اہم ضروریات میں داخل ہو گیا ہے۔ اور اسے مسجد میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس طرح نہیں کہ اس کی افادی حیثیت تو ضائع ہو جائے اور یہ اہلِ محلّہ کے لیئے ایک دردِ سر بن کر رہ جائے۔

عبادت ہی کے لیئے مسجدیں بنائی جاتی ہیں۔ مگر اس عبادت کو بھی ایسے باوقار و پُرتمکین انداز میں ادا کیا جانا چاہیئے کہ دیکھنے اور سُننے والوں پر اس کی روحانی عظمت و تقدیس ہی قائم نہ ہو جائے بلکہ وہ اس کی بے پناہ کشش سے متاثر بھی ہوں اور یہ چیز کسی ہنگامہ یا شور کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ خاموش گویائی ہی اس کے لیئے ایک حسین گویائی ہے جسے ہر حالت میں قائم رکھنا مناسب ہے۔ اور اسی لیئے مذہب نے مسجد میں اونچی آواز سے ذکر کرنے سے بھی منع کر دیا ہے۔

وہ تمام اعمال و افعال جن کے لیئے محرک ہماری نفسانی خواہشات ہوتی ہیں۔ اگر مسجد سے دور رکھے جائیں تو بہت مناسب ہے۔ کیونکہ مسجد کسی ایسے ماحول کو چاہتی ہے جہاں جسم، لباس، جگہ زبان اور دل کی پاکیزگی کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ جہاں کی ہر چیز سے خدا کی عظمت و کبریائی اور انسان کی عبودیت اور بیچارگی ظاہر ہو اور بس۔

اسلامی تنظیم کی بُنیاد مسجد ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو متحد اور منظم کرنے کے لیئے انھیں توحید و خدا پرستی، جمہوریت و مساوات اور اخلاص و روحانیت کے راستہ پر ڈال کر ان کے دلوں میں اتحاد و محبت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے —— موجودہ زمانے کے حالات کو تاریخ کی روشنی میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں قومی زندگی کی بُنیاد پانچ طاقتوں پر استوار ہوتی ہے :-

اول اتحاد، دوم تعلیم، سوم دولت، چہارم سیاسیانہ زندگی اور پنجم تبلیغ۔

ان پانچوں چیزوں کی قوت اور زندگی کا اصل سرچشمہ قومی اتحاد ہے۔ باقی چاروں چیزیں

اِسی جڑ کی شاخیں ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا کی مسجد میں اسلامی نظامِ زندگی کی بنیاد رکھی، اور ملتِ اسلامیہ کے سامنے ایک لائحہ عمل (پروگرام) پیش کیا۔ یہ لائحہ عمل ان ہی پانچوں طاقتوں کے حاصل کرنے کی منزل کا راستہ ہے۔

موجودہ دنیا کے لوگ اِن چیزوں کو تکلف سے حاصل کرتے ہیں۔ مگر اسلام نے مسجد کی مرکزیت قائم کر کے ان پانچوں طاقتوں کو ایک ہی بار حاصل کرنے کا حل بتا دیا ہے۔

اسلامی نظام میں محلہ وار اتحاد کا مرکز محلہ کی مسجد ہے۔ مختلف دیہات کا مرکزِ اتحاد کسی بڑے قصبہ کی جامع مسجد اور شہر کے مختلف محلوں کا مرکز شہر کی جامع مسجد ہے۔ سالانہ اجتماع کے اتحاد کا مرکز عید گاہ اور پوری اُمت کے اتحاد کا مرکز حج ہے (یعنی خانہ کعبہ)

اِس کی تفصیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک ایک مسجد کو ایک ایک محلہ کے شرعی وارڈ کا مرکز اور سات سال سے زائد عمر کے ہر مسلمان کو اپنے حلقے کا گویا ووٹر قرار دے کر حکم فرمایا ہے کہ تمام ووٹر ایک دن میں پانچ مرتبہ اپنے اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھیں اور اتفاق و اتحاد سے زندگی بسر کریں محلہ وار تنظیم کے بعد شہر کی تنظیم کے لئے جامع مسجد ہے۔ اس غرض کے لئے شریعت نے تصریح کر دی ہے کہ ایک شہر میں ایک ہی جامع مسجد ہو تاکہ محلہ وار تنظیمیں ایک ہی منزل پہ پہنچ کر ختم ہوں ——— پانچ وقت کی نماز میں صرف عبادت، تلاوتِ قرآن یا مشورہ و ملاقات کا موقع دیا گیا ہے۔ لیکن جمعہ میں اِن چیزوں کے ساتھ خطبہ اور تقریر کا حصہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ تاکہ مختلف محلوں کی جماعتیں جامع مسجد میں پہنچ کر اتحادِ خیال اور اتحادِ عمل کی نعمت حاصل کر لیں علاقہ یا شہر کی تنظیم کے لئے عیدین کے دو اجتماع ہیں۔ اگر ہر علاقہ کے مسلمان اپنی اپنی جگہ پر متفق ہوں تو مقامی آبادیوں کی زندگی کے فرائض اور حقوق کا مسئلہ طے ہو سکتا ہے۔

حج بیت اللہ تمام اُمت کے اتحادِ عقائد، اتحادِ لباس، اتحادِ رفتار اور اتحادِ معاشرت کا مظاہرہ ہے اور عالمگیر انسانی برادری کے لئے ایسا نمونہ جو سرورِ کونین کے پیش کردہ عالم گیر پروگرام کا مقصد تھا۔

مسئلہ تعلیم کا حل بھی مسجد ہے۔ کیونکہ تعلیم و تبلیغ کا سب سے پہلا کالج جہاں اصحابِ صفہ نے تعلیم حاصل کی مسجدِ نبوی ہی میں کھولا گیا تھا۔ آپ اپنی حکومت کی جدوجہد کا نتیجہ دیکھیں آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کتنی کوششیں ہوئی ہیں۔ مگر ابھی تک ہمارے ملک میں ۱۸ فیصدی آبادی بھی خواندہ نہیں ہو سکی۔ اِس کا سبب ظاہر ہے۔ اگر حکومت اس ملک میں ۲ لاکھ مدارس قائم

کمرے تو اس کو تین لاکھ مدرسین کی، ۳ لاکھ عمارتوں کی اور کروڑوں روپے سالانہ کے ساز و سامان کی ضرورت ہوگی۔ لیکن ہر جگہ اپنے اپنے محلہ میں مسجد کو ابتدائی تعلیم کا مکتب بنا دیا جائے تو ایک مدرس کے تقرر اور ایک عمارت کی تعمیر کے بغیر صبح سے شام تک ۳ لاکھ مدرسے کھل سکتے ہیں۔

قومی دولت کے جمع و خرچ کا شرعی مرکز بھی مسجد ہے حضورؐ کے زمانہ میں صدقات و زکوٰۃ کا روپیہ مسجد نبویؐ میں جمع ہوتا تھا اور یہیں سے تقسیم کیا جاتا تھا مسلمان اگرچہ بہت غریب ہیں لیکن آج بھی ـــــ عید، رمضان، قربانی، محرم، صدقہ فطر، زکوٰۃ، صدقات و خیرات اور نذر و نیاز کا تمام روپیہ اگر کسی نظام کے تحت ایک جگہ جمع ہو سکے تو وہ ۵ء۶۰ کروڑ سالانہ سے کم نہ ہوگا ـــــ سرورِ کونین کی سُنّت یہی ہے کہ اس مقصد کے لئے اجتماعی بیت المال مسجدی نظام سے ہی وابستہ ہو۔ ضرورت ہے کہ کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے جس سے یہ نظام زندہ ہو سکے۔ گورنمنٹ یا قومی جماعتیں مسجد کو اس لحاظ سے مرکزی حیثیت دے کر قومی دولت کو محفوظ طریق پر جمع اور خرچ کرنے کے لئے کوئی طریقہ کار تجویز کریں۔

حضور سیدِ عالمؐ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں نماز اور جہاد کی امامت ہمیشہ ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ جب لڑائی کا زمانہ آتا، تو نمازیوں کی قطاریں نمازیوں کی فوجیں بن جاتیں مسلمان مسجدوں سے نکلتے اور اپنے اپنے ہتھیار اور اپنی اپنی رسد لے کر میدانوں میں ڈیرے ڈال دیتے۔ اس وقت پاکستان کی کئی لاکھ مساجد ہیں۔ اگر ہماری ۲۰ فی صدی مسجدیں صرف چند ایسے رضاکار مہیا کر دیں جو کھلے میدان میں کھڑے ہو کر اللہ کی راہ میں حفاظتِ وطن اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جانیں پیش کر دیں۔ اہلِ محلہ ان کے سفر اور رسد کے اخراجات کے علاوہ اِن کے پس ماندگان کی حفاظت اور نگہداشت کا ذمہ لے لیں تو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی باقاعدہ فوج کے علاوہ دینی، سیاسی اور حفاظتی مورچوں کو ہر وقت کئی لاکھ رضاکاروں کی فوج مل سکتی ہے۔

طاقت کی آخری بنیاد جو اِس زمانہ میں دولت اور ہتھیاروں سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔ اور بین الاقوامی حالات اور معاہدات کی صورت میں کوئی قوم اس طاقت کا مقابلہ ہتھیاروں سے نہیں کر سکتی۔ وہ تبلیغ ہے ـــــ اس کی کئی صورتیں ہیں تقریر، تحریر، لٹریچر، جلسہ، جلوس وغیرہ اگر پاکستان کی تین لاکھ مساجد ایک تنظیم کے ماتحت اِس ہتھیار سے مسلح ہو جائیں۔ خطیب صاحبان قومی ضرورت اور دینی اہمیت کے پیشِ نظر اپنے خطبوں کو تبلیغ یا اُمتِ مسلمہ کی بہتری اور اجتماعی مسائل کی وضاحت کے لئے وقف کر سکیں تو بغیر کسی منادی اور اشتہار کے

۱۵ لاکھ جلسے اور اجتماع روزانہ ہو سکتے ہیں۔

اس مقصد کے لئے ضرورت ہے کہ ہم مساجد کو زندگی کے مسائل کو سمجھنے اور ان کے حل تلاش کرنے کا ذریعہ بنائیں۔ مسجدیں نبوی تنظیم کے دفاتر ہیں۔ ان کو آباد کرنے کی ضرورت ہے ان سے وُہ کام لیا جانا چاہیئے جو سرورِ کونین اور ان کے اصحاب لیا کرتے تھے۔

آج اسلام کی اور پاکستان کی سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ مسلمان متحد اور یک جان ہو کر اللہ کے گھروں کو آباد کریں۔ مساجد کو آباد کرنے کا خیال کبھی بار آور نہیں ہو سکتا جب تک اسلامی نماز میں امام کی حیثیت اِن نمازیوں پر واضح نہ کی جاتے جو اس کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہ کسے معلوم نہیں کہ سب سے پہلے امام خود سرورِ کونین تھے۔ اس کے بعد ہر امیر المومنین امام بھی ہوتا تھا۔ امامت اور دنیوی اقتدار کی تقسیم ایک غیر اسلامی تصور تھا جو بعد میں بطور بدعت مسلمانوں میں رواج پذیر ہوا۔ آج ہمیں اس رواج کو ختم کر کے آئمہ مساجد کو اُن کا صحیح مقام دینا ہوگا۔ اور انھیں کتاب و سنت کی تدریس و تبلیغ کا منبع بنانا پڑے گا۔

مسجد یعنی سجدہ گاہِ مومن انسان کے عجز اور خالق کائنات کی عظمت کبریائی اور آقائی کا اقرار اور مسلمانوں کی باہمی اتحادی قوتوں کو روز بروز ترقی دینے کا ذریعہ ہے۔ مساجد ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کا ایک وسیلہ اور اشاعتِ دین کے مراکز ہیں۔

مساجد کی فضیلت میں بہت سی احادیث ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

ا ۔ خدا کے نزدیک تمام آبادیوں میں محبوب ترین مقامات مساجد ہیں۔ (مسلم)

ب ۔ جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔ (مسلم و بخاری)

غرض مسجد ایک نہایت اہم اور مفید اسلامی ادارہ ہے جو معاشری زندگی کے لئے عوام کو بہترین اور صحیح تربیت دینے کا ایک مسلّمہ ذریعہ بلکہ اجتماعی زندگی کے لئے تعلیم اور عملی تربیت کا ایک دائمی منبع اور مرکز ہے۔

دن میں پانچ مرتبہ نماز کی ادائیگی ملتِ اسلامیہ کو ایک تو اس امر کی بار بار یاد دہانی کراتی ہے کہ وُہ اِس فریضہ کا احساس کریں جو ان پر خلیفہ فی الارض کی حیثیت سے عاید ہوتا ہے پھر اسی احساس کی بناء پر وُہ فرض شناسی کا ثبوت دیں اور احکاماتِ الٰہی کی پیروی میں مصروف ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ احساس یقیناً ایسی صفتیں پیدا کرنے کا موجب ہوگا جس سے عوام ایک بے نظیر اور بلند سیرت اور کردار کے حامل کہلا سکیں گے نظم، اتحاد اور یقین محکم ایسے کردار کے لازمی

ترجمہ : اے ایمان والو! اللہ کے لئے شہادت دینے والے بنو اور کسی قوم کی مخالفت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف سے ہٹ جاؤ۔

دُنیا کے تمام رشتوں سے بڑھ کر اللہ کا رشتہ ہے اس لئے اِس معاملہ میں بے لوث رہنے کی تعلیم یُوں دی گئی ہے :-

● یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (النساء ۱۳۵)

ترجمہ : اے ایمان والو! حق کو انصاف کے ساتھ قائم کرو اور اللہ کے لئے گواہ بنو۔ اگرچہ تمہارے اور تمہارے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

پنجم۔ تبلیغ اسلام کے لئے اللہ کے سوا ہر چیز کا ڈر دل سے نکال دینا ضروری ہے کسی ملامت یا مخالفت کے اندیشہ سے نہ تو ذاتی زندگی میں اور نہ ہی جماعتی زندگی میں نیکی راستبازی اور سچائی کو چھوڑنا چاہیئے۔ رسالت کا مقام یہ ہے کہ ہر حالت میں اور ہر قیمت پر حق کی شہادت دی جائے اُس حق کی جو اللہ کی طرف سے اُترا ہے۔

اُمّتِ محمدیہ چونکہ سرورِ کونین کی قائم مقام ہے اِس لئے اُسے اپنے پاک اور پیارے نبی کی نیابت میں اسی جرأت ہمّت اور خدا پر بھروسہ کے ساتھ تبلیغ کا فرض ادا کرنا ہوگا جو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی سُنّت تھی۔

اِس سُنّتِ نبوی کے سلسلہ میں خُدائی احکام یہ ہیں :-

● یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ - ٦٧)

ترجمہ : اے رسُول! جو (حق) تم پر تمہارے رب کی جانب سے اُتارا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو — اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کے فرضِ رسالت کو ہی ادا نہ کیا (مخالفوں کی پرواہ نہ کرو) اللہ تعالیٰ لوگوں کے شر سے تمہاری حفاظت کرے گا۔

● اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ (الاحزاب ۳۹)

ترجمہ : جو اللہ کے حکموں کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی اور کا ڈر اُن کے دل میں راہ نہیں پاتا۔

پھر حکم ہوتا ہے :-

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ (احزاب - ۴۸)

ترجمہ : اور نہ کہا مانئے کفار اور منافقین کا، اور پرواہ نہ کیجیے ان کی ایذا رسانی کی، اور بھروسہ کیجیے اللہ پر، اور کافی ہے اللہ کارساز۔

اور حکم ہوتا ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ (الشوریٰ - ۱۵)

ترجمہ : پس اسی دین کی طرف بلایئے اور قائم رہیئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور نہ چلیئے ان کی خواہشوں پر اور کہہ دیجیئے کہ میں تو یقین لایا اس پر جو نازل کی اللہ نے کتاب۔

تبلیغ اسلام کا طریقہ :

تبلیغ اسلام کا کام نہ تو ایک مورخ کی طرح واقعات بیان کرنے کا ہے، نہ ایک قانون دان کی طرح دفعات قانون کی تشریح کا، نہ ایک فلسفی کی طرح سوچ کا اور نہ مدرس کی طرح سبق پڑھانے کا۔ یہ ان سب سے مختلف ہے۔ مبلغ اسلام کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس کی بحث میں ساری زندگی آجاتی ہے۔ مخاطبین طبیعت و مزاج کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں سمجھ بوجھ کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مخالفین کا ہر وقت کا ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے مبلغ اسلام کے لیئے اس کا مشن زندگی اور موت کا معاملہ ہوتا ہے اور اس کی تکمیل میں اُسے جان کی بازی لگانا پڑتی ہے۔ اُسے صرف اس پر صبر نہیں آتا کہ اُس نے بات کہہ دی ہے۔ وہ لوگوں سے بار بار کہتا ہے۔ اس خوبی اور وضاحت سے کہتا ہے کہ اس کا کوئی پہلو بھی گنجلک نہ رہ جائے اور ایسے موثر اور دلنشین انداز میں کہتا ہے کہ دلوں میں اُتر جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسی جذبہ کے ماتحت یہ دُعا فرمائی تھی۔

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۔

ترجمہ : اے میرے پروردگار! میرے سینے کو کھول دے میرے (تبلیغ کے) کام کو آسان کر دے میرے زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ (القرآن)

تبلیغ اسلام کے لئے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ وہ زبان استعمال کی جائے جو سننے والوں کی اپنی زبان ہو یا عام فہم اور آسان ہو تاکہ سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں اور مقصد تبلیغ پورا ہو۔ اسی اصول کو

قرآنِ عزیز نے اِس طرح بیان کیا ہے -

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ -

ترجمہ : اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ وہ ان پر اچھی طرح حق کو واضح کر سکے۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ تبلیغ کے لئے مبلغ اسلام کا کام "کلام مبین" یعنی واضح اور جامع ہو، نہ غیر ضروری طویل ہو نہ رنگین اور مشکل ہو، نہ عقلی اور بوجھل ہو۔ الفاظ غیر مانوس نہ ہوں غصہ نام کو نہ ہو۔ اس کی بجائے نرمی اور دلسوزی ہو۔ روانی اور سادگی کے ساتھ جب یقین اور دردمندی کی مٹھاس مل جائے تو بات دل میں اُتر جاتی ہے۔

تبلیغ و ہدایت کا ثواب :

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَيْئًا -

(مسلم)

ترجمہ : ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص ہدایت کی دعوت دے یعنی کسی کو دین کے راستے پر بلائے، اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا کہ اس کو جو اس کی پیروی کرے اور اس اطاعت گزار کے اجر میں سے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ اور جو گمراہی کی طرف بلائے اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا۔ جتنا کہ اس کو جو اس کی اطاعت کریں اور اُن کے گناہ میں سے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔

تیسری بات یہ ضروری ہے کہ مبلغ اسلام ایک مقصد کی طرف دعوت دے اور اس منزل کی طرف ہزار راہوں سے آئے مگر اس کی نظر ایک لمحہ کے لئے اپنے مقصد سے نہ ہٹے۔ قرآنِ پاک کی اِصطلاح میں اِسے تصریفِ آیات کہا گیا ہے۔

آدمیوں کے رُجحان، مذاق اور حالات کے مطابق مبلغ اسلام اپنا اندازِ بیان بدلتا ہے۔ مگر مقصد کبھی نہیں بدلتا۔ الفاظ اور دلائل میں لچک ہوتی ہے۔ مگر موقف اور مقام اٹل ہوتا ہے۔

قرآنِ عزیز نے اِس حقیقت کو یوں واضح کیا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ : اسی طرح ہم اپنے دلائل مختلف ڈھنگ سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ جائیں۔

اور پکار اُٹھیں کہ ہم نے سُنانے کا حق ادا کر دیا اور تاکہ ان لوگوں کے لئے جو علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ہم پُوری طرح اُس کو واضح کر دیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مبلغ اسلام دلیل اور وضاحت کے ساتھ جوش اور جذبہ سے بھی کام لیتا ہے۔ وہ خشک فلسفہ یا عقلی باتوں کی بجائے دانائی کے ساتھ اعلیٰ انسانی جذبات سے اپیل کرتا ہے۔ جذبات سے اپیل کرنا کوئی بُری بات نہیں۔ بُرائی اگر ہے تو انسان کے حیوانی جذبات سے سے اپیل کرنے میں ہے۔ اِس سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔ انسان کے اندر اصل محرک طاقت عقل نہیں، جذبات ہیں اور وہ جذبات جب خلوص اور انسانی محبت کی روشنی سے منور ہوں تو وہ توفیق کا مظہر ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ جب حضوؐر خطبہ دیتے تو آنکھیں سُرخ ہو جاتیں۔ آواز بھاری ہو جاتی۔ جوش تیز ہو جاتا۔ یہاں تک کہ معلوم ہوتا کہ آپؐ کسی دشمن فوج کے آپڑنے سے آگاہ کر رہے ہیں۔ گویا کہ صبح کو آپڑے یا شام کو۔"

ظاہر ہے کہ آپ کے کلام میں یہ گرمی آپؐ کے یقین اور قوم کے ساتھ ہمدردی کی شدت کے جذبہ سے پیدا ہوتی تھی — ہر سچے مبلغ اسلام پر یہ شدت طاری ہو جاتی ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ مبلغ اسلام کو ہر اُس بات سے بچنا چاہیئے جو مخاطب کے اندر ضد اور مخالفت کا جذبہ پیدا کر دے۔ یہ بات اصل مقصد کے خلاف ہے۔

مخاطب پر نہ تو اپنی برتری کا اظہار کیا جائے نہ اس کی غلط زندگی پر توہین آمیز نکتہ چینی کی جائے جو کچھ بھی کہا جائے، نرمی اور ہمدردی سے کہا جائے۔ نصیحت کی جائے تو مختصر ہو، اِس میں نفرت یا غصّہ نہ ہو۔ بلکہ خوشخبری اور محبت ہو۔

اِس سلسلہ میں قرآن و احادیث میں بے شمار نمونے موجود ہیں۔ واضح ہدایات دی گئی ہیں اس خطبہ کو ہم چند ایسی آیات اور احادیث پر ختم کرتے ہیں جن سے مبلغ اسلام کو روشنی ملے گی۔

موسیٰ علیہ السّلام اور ہارون علیہ السّلام فرعون جیسے سرکش کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے جاتے ہیں تو حکم ہوتا ہے :۔

● اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ (طٰہٰ ۴۴)

ترجمہ : تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے اور اُسے نرمی سے سمجھاؤ تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے :-

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰہَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰہَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ ۔ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ ہُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔

ترجمہ : بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہو سکتیں - برائی کو بھلائی سے دفع کرو تو تم دیکھو گے کہ جو تمہارا دشمن تھا - اب وہ تمہارا دلی دوست بن گیا ہے اور حکمت صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہوتے ہیں - اور اگر تمہارے دل میں شیطان کی طرف سے کوئی دغدغہ پیدا ہو جائے تو اللہ کی پناہ ڈھونڈو وہ سننے والا اور جاننے والا ہے -

پھر ارشاد ہوتا ہے :-

وَلَا تُجَادِلُوْا اَہْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْہُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰہُنَا وَاِلٰہُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ۔

ترجمہ : اور نہ جھگڑو اہلِ کتاب سے ، مگر ایسے طریق سے جو بہتر ہو - مگر ان لوگوں سے جو ظالم ہیں ان میں سے اور کہو ہم ایمان لائے اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو نازل کیا گیا تمہاری طرف اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں - (العنکبوت - ۴۶)

سرورِ کونینؐ نے فرمایا - بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً (مجھ سے لوگوں تک (حق کو) پہنچا دو - خواہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو) (الحدیث)

یقول ان طول الصلوۃ الرجل وقصر خطبتہ علامۃ من فقھہ فاطیلوا الصلوۃ واقصروا الخطبۃ وان من البیان لسحرا - (الحدیث)

ترجمہ : فرماتے تھے آدمی کی نماز کا طویل ہونا اور خطبہ کا مختصر ہونا اس کی سوجھ بوجھ کی علامت ہے تو نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر اور بعض بیان جادو ہوتے ہیں -

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا تَکَلَّمَ بِکَلِمَۃٍ اَعَادَہَا ثَلَاثًا حَتّٰی تُفْہَمَ عَنْہُ ۔

ترجمہ : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی بات فرماتے تھے تو اُسے تین بار دُہراتے تھے تاکہ خوب سمجھ میں آجائے - (الحدیث)

ارکانِ اسلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰہِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ط ـــــ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ ط ـــــ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ٥

ترجمہ : مقرر کیا اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ جس کا حکم دیا اس نے نوحؑ کو اور جو وحی کیا ہم نے آپ کی طرف اور جس کا حکم دیا ہم نے ابراہیمؑ ـ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کہ قائم رکھو اس دین کو اور اختلاف نہ کرو اس میں ـــــ گراں گذرتی ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں ـ اللہ چُن لیتا ہے اپنی طرف جسے چاہے اور راہ دکھاتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے (القرآن)

اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے ـ ایک مسلمان کا جینا اور مرنا اللہ کے لئے ہے اور اس کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنے مالک خالق اور آقا کی مرضی کو پورا کرے اور اپنا فرض ادا کرتے ہوئے جان دے ـــــ اسلام کے معنی ہیں سرِ تسلیم خم کر دینا یعنی اللہ کی مرضی کے سامنے اپنی خواہشوں اور اپنی ضرورتوں کو قربان کر دینا ـ جب نیت اور ارادہ یہ ہو تو ضرورت ہے کہ اس کی تکمیل کے لئے ایک ضابطۂ حیات بھی ہو جس پر چل کر اللہ کی مرضی کے پورا ہونے کا ثبوت مل سکے ـ یہ ضابطۂ حیات ارکانِ اسلام ہیں ـ یعنی زندگی کے وہ عملی اصول جو عقائد کی بنیادوں پر اسلامی زندگی کی عمارت کو قائم کر دیتے ہیں ـ

عَنْ طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ نَجْدٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَائِرَ الرَّاْسِ نَسْمَعُ دَوِیَّ صَوْتِہٖ وَلَا نَفْقَہُ مَا یَقُوْلُ حَتّٰی دَنَا فَاِذَا ھُوَ یَسْاَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلٰوۃٍ فِی الْیَوْمِ

وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ (بخاری)

ترجمہ : طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نجد کا رہنے والا پراگندہ مُو رسولِ خدا صلعم کے پاس آیا۔ ہم اس کی گنگناہٹ تو سُنتے تھے مگر یہ نہ سمجھتے تھے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ اسلام کی بابت آپ سے پُوچھتا ہے۔ اس پر رسُولِ خدا نے فرمایا۔ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ وہ بولا کیا ان کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے، آپؐ نے فرمایا نہیں۔ مگر یہ کہ جو اپنی خوشی سے پڑھے۔ پھر رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اور رمضان کے روزے۔ اس نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ اور روزے بھی مجھ پر فرض ہیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے رکھے۔ طلحہؓ کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا۔ پوچھا اس کے علاوہ اور کوئی صدقہ بھی مجھ پر فرض ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے دے۔ طلحہؓ کہتے ہیں۔ پھر وہ شخص یہ کہتا ہوا پیچھے ہٹا کہ اللہ کی قسم میں اس سے زیادہ عبادت نہیں کروں گا۔ اور نہ اس سے کم کروں گا۔ رسُول اللہ نے فرمایا اگر یہ سچ کہہ رہا ہے تو کامیاب ہو گیا۔ (بخاری)

ارکانِ اسلام کی پابندی اصل میں وہ لائحہ عمل ہے جو ایک مسلمان کو اس راستہ پر چلاتا ہے جو اس کے خالق نے تجویز فرمایا ہے اور جس پر چلنے کو آسان بنانے کے لئے سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو نمونۂ زندگی (اسوۂ حسنہ) بنا کر بھیجا گیا۔

قرآنِ پاک میں جگہ جگہ اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ انسان کی پیدائش اور کائنات کا وجود میں لانا محض اتفاقی حادثہ نہیں۔ (مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا) اس پیدائش اور اس کی تدریجی نشو ونما میں ایک حکمت ہے، ایک مقصد ہے، ایک منشا ہے اور اس خدائی سکیم کی تکمیل ہو نہیں سکتی جب تک اس ارادہ اور اس قانون کے مطابق انسان ذاتی اور جماعتی زندگی بسر کرنے پر تیار نہ ہو جائیں گویا کہ اسلام کی بُنیاد ہی اس سکیم خداوندی کے تحت ارکانِ اسلام پر عمل پیرا ہونے میں رکھی گئی ہے۔

رسُولِ پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے :۔

بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

وَاِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءُ الزَّکٰوۃِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَحَجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا۔

ترجمہ : اِس کی بنیاد پانچ اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اوّل توحید و رسالت یعنی اِس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ دوم صلوٰۃ (نماز) کی باقاعدہ ادائیگی سوم سال میں ایک مرتبہ قانونِ شریعت کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی چہارم سال بھر میں ایک مرتبہ ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔ پنجم صاحبِ توفیق آدمی کا بیت اللہ شریف کا ایک مرتبہ حج کرنا۔

اِن فرائض کا مقصد یہ ہے کہ عملی زندگی میں نیک خیالات اور پاکیزہ اِرادوں پر عمل پیرا ہونا آسان ہو جائے۔

اِن پانچ ارکان کو پنج بنائے اِسلام اور ارکانِ خمسہ بھی کہتے ہیں۔ اِن پانچوں ارکان کی مختصر تشریح یہ ہے :-

کلمہ طیّبہ —— دل اور زبان سے اِس بات کے اقرار کرنے کا نام ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اِس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے سچّے رسول ہیں جو اس کے بندوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ —— کے الفاظ اصل میں خُدا اور زندگی کے مقاصد سے حلف وفاداری ہے —— جب کوئی شخص کسی کام پر مامور کیا جائے تو عملی کام شروع کرنے کی پہلی شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ وفادار رہنے کا حلف اُٹھائے اور عوام کے رُوبرو اعتراف کرے کہ اسے جس قدر بھی اختیارات دیئے گئے ہیں وُہ انھیں دیانتداری کے ساتھ استعمال کرے گا۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دینی سلطنت بھی اسی قانون پر قائم ہے۔ آپؐ نے ہر انسان کے لئے جو اسلامی سوسائٹی کا ممبر بننا چاہے۔ یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اور تمام کاموں سے پہلے رَسُوْلِ خُدَاؐ یا اُن کے کسی خلیفہ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ سے وفادار رہنے کا حلف اُٹھائے اور وعدہ کرے کہ وہ قانونِ الٰہی کے اندر رہ کر اپنی زندگی کے اختیارات صحیح طور پر استعمال کرے گا۔ اس حلف نامے کے سات الفاظ انسانی زندگی کے پروگرام کا عنوان ہیں اِن میں دو باتیں واضح کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ زندگی کا واحد فرمانروا صرف اللہ ہے۔ اِس کے سوا دُوسرا کوئی حاکم نہیں۔

دُوسرے یہ کہ حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خُدا کے پیغام رساں ہیں اور اُن کا اُسوۂ حسنہ (عملی مثال) زندگی میں ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔

صلوٰۃ (نمازِ پنجگانہ) :

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ ظَنَنْتُ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ اَنْ لَا یَسْئَلَنِیْ عَنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ اَحَدٌ اَوَّلَ مِنْکَ لِمَا رَاَیْتُ مِنْ حِرْصِکَ عَلَی الْحَدِیْثِ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِہٖ اَوْ نَفْسِہٖ

ترجمہ : ابُوہریرہؓ کہتے ہیں۔ میں نے ایک دفعہ عرض کیا۔ "یا رسُول اللہؐ! قیامت کے دن آپؐ کی شفاعت سے کون زیادہ بہرہ مند ہوگا؟" آپؐ نے فرمایا۔ "بیشک مجھے خیال تھا اے ابوہریرہؓ! کہ تم سے پہلے مجھ سے یہ بات کوئی نہ پوچھے گا۔ کیونکہ میں نے تمھاری حرص حدیث کے دریافت کرنے پر دیکھ لی ہے۔ قیامت کے دن میری شفاعت سے سب سے زیادہ بہرہ مند وہ شخص ہوگا جو خلوص دل سے یا جان کے اخلاص سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے۔"

مکّہ میں معراج کی رات مسلمانوں پر نماز فرض ہوئی یہ خُدائے واحد کے دربار میں پانچ وقت کی حاضری ہے بسفر ہو یا حضر، صحرا ہو یا کوہسار، گوشۂ عافیت ہو یا میدانِ کارزار، جب وقت آجائے، ہر مسلم اور مسلمہ، تنہا ہو یا جماعت کے ساتھ اللہ کے حضور میں بے روک ٹوک بغیر کسی پروہت یا راہب کی وساطت کے حاضر ہوتے ہیں۔

اللہ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ پسندیدہ ہے؟

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ؟" قَالَ "اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِھَا" قَالَ "ثُمَّ اَیٌّ؟" قَالَ "بِرُّ الْوَالِدَیْنِ" قَالَ "ثُمَّ اَیٌّ؟" قَالَ "اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" قَالَ "حَدَّثَنِیْ بِھِنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّہٗ لَزَادَنِیْ۔" (بخاری)

ترجمہ : ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے پوچھا کہ "یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کونسا عمل اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نماز جو وقت پر ادا کی گئی ہو"۔ پوچھا کہ اس کے بعد کونسا عمل؟ آپؐ نے فرمایا "والدین سے نیکی کرنا"۔ پھر کونسا عمل؟ آپ نے فرمایا "اللہ کی راہ میں جہاد" ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ "آپؐ نے مجھ سے اسی قدر بیان فرمایا۔ اگر میں

آپ سے اور پوچھتا تو آپ شاید زیادہ بیان فرماتے"۔

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رض اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَھْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَغْتَسِلُ فِیْہِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا مَا تَقُوْلُ ذٰلِکَ یُبْقِیْ مِنْ دَرَنِہٖ؟" قَالُوْا "لَا یُبْقِیْ مِنْ دَرَنِہٖ شَیْئًا" قَالَ فَذٰلِکَ مَثَلُ الصَّلٰوۃِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللّٰہُ بِھَا الْخَطَایَا"

(بخاری)

ترجمہ : ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ آپ فرماتے تھے کہ "اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو جس میں وہ ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا تم کہہ سکتے ہو کہ اس نہانے کے بعد بھی اس کے بدن پر میل باقی رہے گا؟" صحابہؓ نے عرض کیا۔ "اس کے بعد اس کے بدن پر میل نہیں رہے گا"۔ آپؐ نے فرمایا "پانچوں نمازوں کی یہی مثال ہے اللہ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتا ہے"۔

ہر مُسلمان کو حکم ہے کہ وہ ہر وقت اپنا جسم، لباس اور نماز پڑھنے کی جگہ پاک رکھیں اور اذان سُنتے ہی مسجد میں جمع ہو جائیں۔ وضو کریں یعنی جسم کے وُہ تمام اعضا جو غلیظ ہو سکتے ہیں یا ننگے اور گرد آلود رہتے ہیں یا جن کا نا صاف رہنا صحت پر بُرا اثر ڈال سکتا ہے۔ انھیں پانی کے ساتھ اچھی طرح دھوئیں ـــ کہنیوں تک ہاتھ دھوئیں۔ گردن، کان اور بالوں سے گرد و غبار اُتاریں اور تمام امیر و غریب پاک صاف ہو کر سیدھی قطاروں میں بیٹھتے جائیں۔ اس کے بعد اب نماز شروع ہوگی یعنی عام لوگ قبلہ کی طرف مُنہ کر کے اور کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر سیدھی قطاروں میں کھڑے ہو جائیں گے۔ محلّہ کا ایک دانشمند آدمی بطورِ امام انھیں نماز پڑھائے گا۔ نماز میں تمام نمازیوں کی حرکات ایک ہوں گی۔ اُن کا اُٹھنا بیٹھنا، جُھکنا اور سجدہ کرنا ایک ہوگا۔ یکبارگی ان کے ہاتھ بندھیں گے اور یکبارگی کھلیں گے ـــ چہرے ایک طرف ہوں گے۔ دُعائیں ایک ہوں گی۔ دلوں کی کیفیت اور دماغوں کی حالت ایک ہوگی ـــ نگاہوں کا مرکز ایک ہوگا یعنی یہ کہ ہمارا خُدا ایک ہے ہمارا رسُول ایک ہے۔ ہمارا امام ایک ہے اور ہم سب اہلِ محلّہ ہر لحاظ سے ایک جسم ہیں اور ایک قانون کے تابع ہیں۔

ـــ امام نماز کے اندر قرآن کی ایسی آیتیں پڑھتا ہے جن میں توحید اور اللہ کی تعریف و توصیف ہوتی ہے۔ دُعائیں ہوتی ہیں۔ سیدھے راستے پر چلنے بُرائیوں سے بچنے اور اللہ کے مقبول بندوں کی طرح زندگی بسر کرنے کی ترغیب ہوتی ہے ـــ

حکم یہ ہے کہ ۲۴ گھنٹوں میں پانچ مرتبہ اِسی طرح تمام اہلِ محلّہ اپنی اپنی مسجد میں جمع ہوں۔ ایک صف میں ایک امام کے پیچھے خُدا کے حضور میں حاضر ہوں۔ یہ روزانہ عبادت ہے۔ آٹھویں دن حکم ہے کہ شہر کی تمام مسجدوں کے تمام نمازی ایک جامع مسجد میں جمع ہوں اور مل کر نماز پڑھیں اور اس غرض سے محلّہ محلّہ کے نمازی ایک خیال اور ایک عمل پر متحد ہو جائیں۔

جمعہ کی نماز میں ایک اہم ترین ترمیم کر دی گئی۔ یعنی یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تمام نمازی وضو کر کے بیٹھ جائیں تو امام منبر پر کھڑا ہو کر تقریر کرے اور حاضرین کو ضروریاتِ وقت کے مطابق اتفاق و اتحاد، اصلاح و تنظیم اور خیر و ثواب کی زبردست ترغیب دے اور اس کے بعد حسبِ معمول نماز پڑھی جائے۔

سال میں دو دفعہ یہ انتظام کیا گیا ہے کہ تمام علاقے کے مسلمان شہر سے باہر کسی کھُلے میدان میں جمع ہو کر نماز ادا کریں ـــــ اِسے عید کی نماز کہا جاتا ہے۔ اِس نماز میں ایک اور ترمیم کر دی گئی ہے۔ یعنی روزانہ نماز میں صرف دُعائیں اور آیات پڑھی جاتی ہیں۔ جمعہ میں اس کے علاوہ تقریر بھی کی جاتی ہے، اور عید کی نماز میں تقریر کے علاوہ یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ ہر شخص سوا دو سیر غلّہ (فطرہ) فی کس کے حساب سے لازمی طور پر خیرات کرے ـــــ دوسری عید (قربان) میں جانوروں کی قربانی کر کے گوشت غریبوں اور احباب میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

نماز کا پہلا سبق یہ ہے کہ ہر ایک اِنسان اپنے خُدا کو یاد رکھے۔ اور اِس کی حمد و ثنا کے چشمے سے دل و دماغ کی کدورتوں کو ہر وقت دھوتا اور پاک و صاف کرتا ہے۔

نماز کا دوسرا سبق یہ ہے کہ تمام اہلِ محلّہ ایک فوجی دستہ کی طرح ہر وقت سپاہیانہ زندگی بسر کریں۔ ایک امام کے تابع ہوں۔ دن میں پانچ مرتبہ ایک دُوسرے کے حالات سے باخبر رہیں ہر وقت مستعد رہیں۔ وقت کے پابند ہوں۔ دن میں پانچ مرتبہ جسمانی صفائی کا اہتمام کریں اور اپنی اپنی شخصی زندگیوں کو ایک اجتماعی قالب میں ڈھال لیں۔

زکوٰۃ

پیغمبرِ اسلام کے اِس پروگرام میں اِنسان کا تیسرا فرض یہ ہے کہ وہ سال کے بعد اپنے ایسے مال کا جو ضروریات سے زائد ہو مقررہ حصّہ اللہ کی راہ میں بطور زکوٰۃ دیا کرے ـــــ نماز کا مقصد یہ تھا کہ اِنسانی وجود کے اندر زندگی کی جو مختلف طاقتیں اور قابلیتیں پیدا کی گئی ہیں وُہ ایک دُوسرے کے کام آتی رہیں اور زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ اِنسانی وجود سے باہر نقدی، زمین، مویشی، پیداوار

مکانات اور تجارت وغیرہ کی شکل میں انسان کو جو مختلف طاقتیں حاصل ہیں وہ ایک دوسرے کے کام آئیں۔

زکوٰۃ کا اصل منشا یہ ہے کہ ہر شہر میں رفاہِ عام کے لئے ایک پبلک خزانہ موجود ہے جس میں امیروں سے مقررہ شرح کے مطابق روپیہ وصول کر کے جمع کیا جائے اور پھر اس رقم سے باہمی مشورہ کے ذریعہ محتاجوں اور ضرورت مندوں کو اپنے قدموں پہ کھڑا کیا جائے۔ غریب طلباء کو کتابیں، فیس اور کپڑے دیئے جائیں۔ غریب اہلِ حرفہ کو اوزار اور سامان خرید کر دیا جائے۔ کسانوں کو بیج وغیرہ سے امداد دی جائے۔ غریب قومی کارکنوں کا ہاتھ بٹایا جائے۔ مسافروں کے لئے آرام کا انتظام کیا جائے۔ مختصر یہ کہ جماعت کے ہر ایک فرد کو جو کسی وجہ سے کمزور ہو گیا ہو۔ آرام و راحت اور ضروریات میں برادرانہ حصّہ دے کر کام کے قابل بنا دیا جائے۔ اس نظام کا نتیجہ یہ ہو گا کہ غریب امیروں کے ہمدرد بن جائیں گے۔ امیر غریبوں کے محافظ ہوں گے۔ نہ بخل رہیگا نہ فضول خرچی ہو گی۔ مصیبت زدہ لوگ خاص خاص لوگوں کے ممنونِ احسان ہونے کی بجائے ملت کے خزانہ سے امداد پائیں گے اور اس طرح دینے والے بغیر دکھاوے اور غرور کے دے سکیں گے۔ اور لینے والے بھی شرم اور بے عزتی کے احساس کے بغیر امداد حاصل کر سکیں گے۔

زکوٰۃ شرطِ اسلام ہے :

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَؓ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُدْخِلُنِیْ الْجَنَّۃَ قَالَ مَالَہٗ ؟ مَالَہٗ ؟ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَبٌ مَالَہٗ تَعْبُدُ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِی الزَّکٰوۃَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ ۔ (بخاری)

ترجمہ : حضرت ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "آپؐ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ اگر میں کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں" اس شخص نے اس درجہ گھبراہٹ سے سوال کیا کہ آپؐ نے متعجب ہو کر فرمایا کہ "اسے کیا ہو گیا؟ اسے کیا ہو گیا؟ پھر آپؐ نے خود ہی فرمایا۔ صاحب ضرورت ہے، اور اسے کیا ہو گیا ہے! (اچھا سن) تو خدا کی عبادت کر، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر، نماز پڑھا کر، زکوٰۃ دیا کر اور صلہ رحمی کر!"

روزہ :

پیغمبرِ اسلام کے تعمیری پروگرام میں چوتھا فرض یہ ہے کہ تمام دنیا کے انسان، وہ امیر ہوں یا فقیر

سال کے بعد ایک مہینہ مسلسل روزے رکھیں اور کھانے پینے کے شخصی طور طریقوں اور ذاتی عادتوں کو ترک کر کے نہایت پابندی کے ساتھ فاقہ کشی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کریں۔

روزہ داری کی اہم شرائط دو ہیں اول یہ کہ ہر شخص پو پھٹنے سے پہلے کھانا کھا کر روزہ داری کا عہد کرے، اور پھر غروب آفتاب تک خواہ کیسی بھی شدید بھوک اور پیاس ہو۔ اناج، پانی حقہ، سگریٹ وغیرہ سے بالکل باز رہے۔

دوم یہ کہ دل کو ہر قسم کی بری نیت سے دماغ کو گناہ، خودغرضی اور برائی کے خیالات سے زبان کو جھوٹ، چغلی بدزبانی اور نفرت و حقارت کے الفاظ سے، آنکھ کو بدنظری سے، ہاتھ کو ظلم و فساد سے اور بری راہ میں حرکت سے قطعی طور پر باز رکھے اور مہینہ بھر تک ہر عضو بدن کی اس قدر شدید نگرانی کرے کہ جسم کا کوئی حصہ بھی حکم خدا کی نافرمانی نہ کر سکے۔ قوم کی قوم کو مہینہ بھر کے لئے صبح سے شام تک کھانے اور پینے کے خیال سے فارغ کر دینے کا اصل مقصد یہ ہے کہ تمام لوگ یکسوئی کے ساتھ اس مہینہ میں خدا کے کلام کا مطالعہ کریں۔ اس پر عمل پیرا ہوں اور منشائے الٰہی کے مطابق زندگی کی مشینری کو از سر نو درست اور آراستہ کر دیں۔

نظم و ضبط کا احساس پیدا کرنے کے لئے یہ مہینہ مقرر فرمایا ہے تاکہ سال کے بعد اس مہینہ میں انسانی زندگی کی تمام مشینری کو از سر نو صاف اور درست بنایا جا سکے۔

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا رَمَضَانُ شَهْرُ اللّٰہِ، رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ اللہ کا مہینہ اس لئے مقرر کیا گیا کہ اللہ کے بندے اپنی شخصی اور جماعتی زندگی کا نظام درست کریں۔

روزہ عذاب الٰہی کے لئے بمنزلہ ڈھال کے ہے :

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ وَاِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهٗ اَوْ شَاتَمَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ مَرَّتَيْنِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ يَتْرُكُ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَ شَهْوَتَهٗ مِنْ اَجْلِیْ، اَلصِّيَامُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا۔ (بخاری)

ترجمہ : ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " روزہ (عذاب الٰہی کے لئے) ڈھال ہے۔ اس لئے روزہ دار کو چاہیئے کہ فحش بات نہ کہے۔ جہالت نہ کرے۔ اور اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اُسے گالی دے تو وہ دو مرتبہ کہہ دے میں روزہ دار ہوں۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں مری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کے نزدیک مشک کی

خوشبو سے اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ دار اپنا کھانا پیا اور اپنی خواہش میرے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے (لیکن روزے میں اس سے زیادہ ملے گا)۔"

روزہ دار کے لئے دوہری خوشی ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الحدیث متقدم کُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّیَامَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ وَقَالَ فِی آخِرِهٖ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ یَفْرَحُ بِهِمَا اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ وَاِذَا لَقِیَ رَبَّهٗ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ابنِ آدم کے تمام اعمال اس کے لئے ہوتے ہیں سوائے روزے کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔ پہلے گذر چکی ہے۔ اس روایت میں اس کے آگے یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں جن سے وہ خوش ہوتا ہے۔ ایک تو افطار کے وقت اور دوسرے جب وہ اپنے پروردگار سے ملے گا اور اپنے روزے کا اجر پاکر خوش ہوگا۔

حج ـــــ ۸ھ میں فرض ہوا۔ ہر مسلمان پر جو سفر کی طاقت اور اس قدر مال رکھتا ہو کہ اس کے مکہ آنے جانے اور واپسی تک اس کے اہل و عیال کے خرچ کے لئے کافی ہو۔ زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ بلا عذر حج نہ کرنا گناہ بلکہ کفر ہے۔ حج بیت اللہ کی زیارت کرنے اور نویں ذوالحجہ کو میدانِ عرفات میں حاضر ہونے اور اس کے متعلقہ فرائض بجا لانے کا نام ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ اَلْاِیْمَانُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ۔ (بخاری)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ "کونسا عمل افضل ہے؟" آپ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ کہا گیا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پوچھا گیا کہ "اس کے بعد" آپ نے فرمایا حج مبرور۔ یعنی وہ حج جس میں برائی کی ملاوٹ نہ ہو۔

حج اسلام کے تعمیری پروگرام کا پانچواں رکن ہے اور تعمیرِ انسانیت کی آخری منزل۔ پہلے چار فرائض نے انسانی زندگی کو چار مختلف پہلوؤں سے متاثر کیا ہے کلمہ شہادت

حلفِ وفاداری ہے۔ **نماز** انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی کی ابتدائی بنیادوں کو مضبوط کرتی ہے زکوٰۃ انسانی زندگی کے مالی پہلو کو درست کرتی ہے روزہ انسان کو بے شمار قسم کی بداعتدالیوں اور بیماریوں سے نکال کر شخصی اور اجتماعی حیثیت میں جسمانی اور روحانی انقلاب کی طرف بلاتا ہے۔

ان چار مختلف سمتوں میں جو تعمیری تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں حج ان سب کو ایک جگہ جمع کرتا ہے اور عالم انسانی کو عالمگیر امن و راحت، عالمگیر دانش مندی، مشورہ باہمی اور بین الاقوامی اصلاح و اخوت کے مدارجِ کمال تک پہنچاتا ہے۔

حج کا مقصد یہ ہے کہ تمام **اولادِ آدم** کو عالمگیر امن و راحت، محبت و رحمت، اخوت اور ہمدردی اور باہمی تعلقات اور واقفیت کو ایک ایسے قطعی حقیقی اور آخری مرکزِ اتحاد پر قائم کر دیا جائے جہاں سال کے بعد کائناتِ ارضی کے ہر گوشہ سے ذی استطاعت لوگ جمع ہوں اور وہ سب کے سب رنگ و نسل، قوم و ملک اور وطن و زبان کے تنگ حلقوں سے نکل کر اپنے اندر ایک عالم گیر انسانی اخوت کا جذبہ اور احساس پیدا کریں اور پھر اسی روشنی میں اپنے بین الاقوامی جھگڑوں اور تفرقوں کو وہیں بیٹھ کر مٹا لیں۔

نوعِ انسانی کی سب سے پہلی عبادت گاہ اور سب سے آخری نبیؐ کی آرام گاہ کے حضور میں بیٹھ کر اس قرار داد پر متفق ہو جائیں کہ خدا کی زمین، خدا کے تمام بندوں کا مشترک صحن ہے اور ہماری ترقی کا منتہا یہ ہے کہ ہم گورے اور کالے، اچھوت اور برہمن، مشرقی اور مغربی ہندی اور جاپانی، پاکستانی اور افغانی بننے کی بجائے صرف انسانی بننے پر راضی ہو جائیں اور تمام جہانوں کے رب کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

کتاب وسُنّت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ـ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ـ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ وَ الْحُکْمَ وَ النُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ؕ

قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ ــــــ (آل عمران ۷۹-۸۲)

ترجمہ : نہیں حق کسی بشر کا کہ اللہ اس کو کتاب دے۔ حکم اور پیغمبری عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم (خدا کو چھوڑ کر) میرے بندے بن جاؤ وہ تو یہی کہے گا کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔ اس لئے کہ (نبی) تم لوگوں کو کتاب سکھاتے تھے اور خود بھی پڑھتے تھے۔ وہ (نبی) یہ حکم بھی نہ دیں گے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو"

کیا مسلمان ہو جانے کے بعد تم کو کفر کا حکم دیں گے ؟ (ہرگز نہیں!) اور جب اللہ نے نبیوں سے یہ عہد لیا کہ کتاب وحکمت میں سے جو کچھ میں تم کو دوں اور پھر تمہارے پاس رسول آ کر اس کی تصدیق کرے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ــــــ (اقرار لینے کے لئے پھر کہا) کیا تم نے اقرار کیا اور قبول کیا اور قبول کیا اس پر میرا عہد ؟

وہ بولے ہم نے اقرار کیا ــــــ پھر فرمایا : تو اب گواہ رہو اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں ــــــــــــــــــــــ (القرآن)

اِن آیات میں کتاب اور عہد کا ذکر ہے۔ پھر اس بات کا ذکر ہے کہ کتاب عطا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اللہ والے بن جائیں۔
عہد لینے کا منشا یہ تھا کہ لوگ اپنے نبیوں کی تعلیمات کو سمجھیں، سمجھائیں اور خدا کا پیغام لانے والوں کی مدد کریں۔

قرآن کی حفاظت :

خدا کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اس کی تعلیمات اَلکِتَاب کی شکل میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں۔ تمام انسان بحیثیت بندگانِ خدا اِن تعلیمات کے ہمیشہ محتاج ہوں گے۔ اب اصل کام یہ ہے کہ توحید پر ایمان لانے اور "الکتاب" کی نعمت حاصل کر لینے کے بعد ہم اس کی تعلیمات کو دنیا میں عام کریں۔
آج پہلی الہامی کتابوں کے متعلق تو یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ وہ اصل صورت میں دنیا میں موجود ہیں بھی یا نہیں۔ مگر جہاں تک قرآن عزیز کا تعلق ہے وہ ایک لفظے اور ایک شوشے کی تبدیلی کے بغیر ہم تک پہنچا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :-

● ـــــ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ (القیمۃ - ۱۷)

ترجمہ : یقیناً اس قرآن کا جمع کرنا اور اس کو سکھانا ہمارا ذمہ ہے۔

●● ـــــ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر - ۹)

ترجمہ : یقیناً ہم نے اَلذِّکْر (قرآن مجید) نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

جس کتاب کی حفاظت خود اللہ کے ذمہ ہو۔ جس کی تعلیم کا انتظام خود وہی ذات پاک کرے اس کی عظمت صحت اور نفع رسانی سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔
اب الکتاب یعنی قرآن ہمیشہ کے لئے انسانوں کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے ایک منشور ہے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جتنے انبیاء آئے اُن کی تعلیمات کا نچوڑ اور اُن کی لائی ہوئی کتابوں کا خلاصہ اس میں موجود ہے اور یہ ہمیشہ کے لئے ایک کتابِ ہدایت اور نورِ مبین (ظاہر و باہر) کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور رہے گا۔ اِس کتاب کا تجربہ ہو چکا ہے۔ یہ تاریخی کسوٹی پر پرکھی جا چکی ہے۔ اس کتاب نے آج سے تیرہ سو سال قبل عرب کے وحشی بدّوؤں کو دنیا میں سب سے زیادہ شائستہ، تہذیب یافتہ

اور نوعِ انسان کا ہمدرد بنایا ــــ ان کو صحرا نوردی اور آوارگی کی زندگی کے اندھیروں سے نکال کر ایک وسیع اور عالمگیر سلطنت کا مالک بنا دیا اور ان سلطنتوں کے تخت جو فرعون، نمرود اور شداد کا نمونہ تھیں۔ ان ہی عاجز اور بے سر و سامان بدوؤں کے پاؤں تلے روندے گئے اِس طاقت اور اس رُوحانیت کی بُنیاد قرآن پاک کی تعلیم تھی۔ یہ ایمان کی مضبوطی۔ ارادوں کی بلندی اور دینی و دنیوی ترقی اس نسخۂ کیمیا کا معجزہ تھا۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کو الکتاب کی صورت میں اپنے ساتھ لائے حالیؔ نے اس کتاب اور اِس کی تعلیم کے اثر کو یوُں بیان کیا ہے ؎

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ۔۔۔ اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مِسِ خام کو جس نے کندن بنایا ۔۔۔ کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا ۔۔۔ پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

قرآن کے خُدائی احکام اور ہمیشہ کے لئے ایک اٹل قانون ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے قوانین میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا ــــ وہ جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے قابلِ عمل تھے۔ اسی طرح آج بھی ہیں بخلاف دُوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے کہ وہ قوموں، ملکوں اور زمانے کے حالات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

عالمگیر دعوت :

قرآن مجید سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء و مرسلین گزرے ہیں ان کی دعوت ایک محدُود رقبے اور کسی خاص قوم کے لئے ہوتی تھی مگر قرآنِ پاک کی دعوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت و رسالت مشرق و مغرب اور شمال و جنوب تک تمام قوموں کے لئے اور قیامت تک کیلئے یکساں ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں اس کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ : آپؐ کی بعثت کا مقصد یہ ہے نہ صرف عرب بلکہ تمام دُنیا کے لوگوں کو خوش خبری سُنا دی جائے اور قوانینِ الٰہی کی مخالفت سے ڈرا دیا جائے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (سبا ۲۸)

قرآن مجید میں اس کا ذکر بھی ہے کہ اس کتاب کی آیات سن کر جن بھی ایمان لے آتے اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت انسانوں تک ہی نہیں جنوں تک بھی پہنچی قرآن پاک میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (احقاف - ۲۹-۳۲)

ترجمہ: " اور جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا جب کہ وہ آپ کی قرأت سن رہے تھے۔ جب وہ (جن) وہاں آگئے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ رہے تھے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش ہو کر سنو اور جب صبح کے وقت آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس لوٹے اور انھیں عذاب الٰہی سے ڈرا کر دعوت الی الاسلام دینے لگے۔ چنانچہ کہنے لگے۔

اے ہماری قوم! ہم نے آج وہ کتاب الٰہی سنی ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہے۔

وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور دین حق کی راہ دکھاتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے نبی برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول مان کر اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمھارے سابقہ گناہ معاف کر کے تمھیں دوزخ کے دردناک عذاب سے نجات دے گا۔ اور جو کوئی اس نبی برحق کو نہیں مانے گا تو وہ نہ تو زمین میں بھاگ کر اللہ کے عذاب سے خود ہی بچ سکے گا اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا۔ اللہ کے سوا۔ یہی لوگ ہیں کھلی گمراہی میں"

قرآنی تعلیمات

قرآن نے برسوں کی گمراہی اور توہم پرستی کے پردے کو چاک کر ڈالا اس نے لوگوں کو ایک خدا سے روشناس کرایا۔ اس خدا سے جس کو بندوں نے بھلا دیا تھا مسلمانوں نے جس وقت قرآن مجید کی مشعل کو ہاتھ میں لے کر ترقی کرنے کا ارادہ کیا تو دنیا میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ تمام قوموں اور ملکوں کو پستی نے گھیر رکھا تھا۔ خیالات فرسودہ تھے دماغ کاہل انسان کو خود اپنی طاقت کا علم

نہیں تھا۔ وُہ اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بُتوں کے آگے سر جھکاتا تھا۔ اور اُس نے اپنے آپ کو حد سے زیادہ ذلیل کر لیا تھا۔

قرآن مجید نے آکر حقیقت کے چہرے سے پردہ ہٹایا اور صاف صاف کہا :۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝

ترجمہ : بلاشبہ زمین و آسمان کے بنانے اور رات دن کے بدل کر لانے میں عقل والوں کے لئے قدرتِ الٰہی کے نشان ہیں ـــــ (آلِ عمران : ۱۹۰)

قرآن مجید میں سیاست کے تمام گُر، تمدن کے تمام ابواب، معاشرت اور اطاعتِ الٰہی کے تمام اصُول کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ وہ امن و انصاف کا سب سے بڑا حامی ہے۔ وہ فتنہ و فساد اور کفر و شرک کو قتل سے زیادہ خطرناک قرار دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک سب سے بڑا جرم خُدا کو فراموش کر دینا ہے۔ کیوں کہ جب انسان خدا کو فراموش کر دیتا ہے تو دُنیا میں قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ اور بے حیائی کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔

قرآن نے مروّت و اخلاق کا معیار بہت بلند قائم کیا ہے۔ اُس نے سود کو حرام قرار دے کر غریبوں پر رحم کیا ہے ـــــ اس نے عورتوں پر سے زمانہ جہالت کی سختی اور ناروا سلوک کا خاتمہ کر دیا ـــــ اس نے طلاق اور خُلع کے مسائل وضع کر کے عورتوں کو ان کے جائز حقوق دلوائے ـــــ اُس نے عورت کو گھر کی زینت قرار دیا۔ اُس نے اکلِ حلال کو لازم قرار دیا۔ قرض دار کے لیے سہولتیں بہم پہنچائیں۔ جہانداری اور جہاں بانی کے اصُول سکھائے۔ محکوم قوموں کے ساتھ انصاف کے سلوک کی تاکید کی۔ یتیموں سے پیار و محبت کرنا سکھایا۔ جائداد میں عورت کو حصہ دار ٹھہرایا ـــــ وصیت کی ایک حد قائم کی۔ ہمسائے کے حقوق کو وضاحت سے بیان کیا۔ غیبت سے نفرت دلائی۔ ایک دُوسرے کا نام دھرنے کی ممانعت کی۔ گالی گلوچ کو ممنوع قرار دیا ـــــ وعدہ کو پُورا کرنے اور سچ بات کہنے کی تاکید کی۔ چوری، ڈاکہ اور زنا کی سزائیں مقرر کیں۔

ہر امر میں خُدا سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی۔ والدین کے حقوق کی وضاحت کی۔ اُن کے ادب و احترام کی یہاں تک تاکید کی کہ اُن کو اُف تک کہنا بھی ممنوع قرار دیا۔ سخاوت اور بُخل کا معیار قائم کیا۔ غرض قرآن کی تعلیم نے اخلاقِ انسانی کو وہ جِلا دی کہ انسان کو فرشتوں سے بڑھا دیا ـــــ ایسی عجیب و غریب تعلیم دُنیا کی کسی کتاب میں ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی ـــــ مُسلمانوں نے

اسس دورِ جہالت کو مٹا کر ایسا جہان بسایا جس کی بنیاد خدا ترسی، خدا پرستی، امن، انصاف اور راحت و سکون پر تھی۔

ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کی کامیابی اور دینی اور دنیوی فلاح اسی میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے الکتاب یعنی قرآن مجید میں جو ضابطہ حیات ہمارے لئے وضع فرما دیا ہے اِسس کی پابندی کریں۔

قرآن حکیم

مسلمانوں کے لئے قرآن ہی سرچشمۂ ہدایت ہے، اِسی کی پیروی سے مسلمان صراطِ مستقیم پر چل سکتے ہیں۔ قرآن پر عمل کرنے کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ انسان اسے سمجھے اور پھر اس پر عمل کرے۔ قرآن حکیم کو قصص انبیاء کی کتاب سمجھ لینا اور حکمت کی جو بلیغ باتیں اس میں درج ہیں ان سے آنکھیں بند کر لینا اس کی صحیح اہمیت اور حقیقت سے انکار کر دینا ہے ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمانوں کا عمل قرآن پر ہو۔ ہماری اخلاقی اور معاشرتی اِصلاح بھی انہی اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے ممکن ہے جو قرآن حکیم میں درج ہیں۔ جن کی وجہ سے عرب کے اکھڑ اور جاہل بدوؤں کو دُنیا کی قوموں میں امتیاز حاصل ہوا۔ جس کی تاریخ شاہد ہے۔ انہی اصولو کی پیروی اور توسیع ہماری دُنیوی ترقی اور دینی نجات کا موجب بن سکتی ہے۔ ہمیں الفاظ کے ساتھ ارشاداتِ قرآنی کی رُوح کا احترام بھی کرنا ہے۔ جو نزولِ قرآنی کا اصل مقصد ہے۔ قرآن ایک کتاب ہدایت ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ صاف اور واضح ہے۔ ہمیں اِس سے اسرارِ حیات اخذ کرنے چاہئیں۔ قرآن ایک مکمل اور جامع حقیقت کا بیان ہے۔ اِنسان کی ترقی کے لئے جس اصلاحِ باطن اور ظاہری اعمال کی دُرستی ضروری ہے وہ سب اِس میں موجود ہے

قرآن دُنیا میں سب سے زیادہ اُمید افزا مذہبی کتاب ہے۔ مومنوں کو بار بار تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ کوئی فکر نہ کریں۔ اللہ مومنوں کو دین و دنیا کی نعمتیں دے گا اور وہ اپنے وعدوں کو ضرور پُورا کرے گا۔ یہ رجائیت خالص اسلامی ہے۔ اور تعلیمات قرآنی پر مبنی ہے۔ جو ہمیں اُمید، ہمت اور جرأت کا راستہ اختیار کرنے پر آمادہ کرتی رہتی ہیں۔ قرآن کا پیغام اِنتہائی حیات افزا ہے۔ جو عمل کی قوتوں کو اُبھارتا ہے اور صبر و استقلال کو مومن کی خاص علامات قرار دیتا ہے۔ ■ اسلام کو خدا کا آخری پیغام بتاتا ہے جس کی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور خدا نے اپنے وعدوں کے متعلق اصرار سے فرمایا ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو

ضرور پورا کرے گا۔ قرآن کو سمجھنے اور اُس کے ارشادات پر عمل کرنے سے ہی دُنیا میں مسلمانوں کا بول بالا ہو سکتا ہے اور دُنیا ئے اسلام صحیح طور پر ترقی کی منازل طے کر سکتی ہے۔
مسلمانوں کی روحانی اور اخلاقی ترقی اور دینی اور دُنیوی فلاح قرآن کے بُنیادی اصولوں کو محکم طریق پر پکڑنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور وُہ دنیوی خوبیوں سے بہرہ ور ہو کر ہی خلیفہ الٰہی کے ممتاز لقب سے سرفراز ہونے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔
قرآن حکیم کی تعلیمات تمام نوعِ انسانی کے لئے ہیں۔ جو جماعت اِن حقائق ابدی پر عمل کرتی ہے۔ جو قرآن نے پیش کیے ہیں تو ناممکن ہے کہ وہ جہاں تک ان پر عمل پیرا ہو۔ وہاں تک وہ کامیاب نہ ہو۔ اسی طرح وہ قومیں جو اپنے تئیں مسلم کہتی ہیں مگر تعلیمات قرآن کو پس پشت ڈال کر اُن کی خلاف ورزی کرتی ہیں تو ناممکن ہے کہ وُہ ذلیل و خوار نہ ہوں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے جس جس شعبہ زندگی میں قرآن حکیم کے اصولوں پر عمل کیا ہے۔ اُس اُس شعبہ زندگی میں ان کی ترقی نمایاں رہی ہے۔ اگر حضور صلعم اور خلفاء کے زمانے میں مسلمانوں نے قرآن کی لاانتہائی فلاح و سعادت اور دنیوی ترقی اور عالم کی خلافت حاصل کی تھی تو اب بھی انہی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہم ضرور فلاح و بہبود سے اسی طرح ہمکنار ہو سکتے ہیں۔
سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی مطابقت میں بہ حیثیت ایک سچے مسلمان کے جس طرح زندگی بسر کی وہ نہ صرف مثالی ہے۔ بلکہ حضورؐ کو انسانِ کامل کا درجہ دیتی ہے جس کا اتباع ہم سب پر فرض ہے۔

سُنّت :

سُنّت کے معنی راستہ کے ہیں۔ یعنی عمل کا وہ راستہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا ہے سُنّت کہتے ہیں۔ حضورؐ نے اِس دُنیا سے رُخصت ہوتے ہوئے فرمایا تھا

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا۔ کِتٰبَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ

ترجمہ : میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب (قرآن مجید) دوسرے اپنی سُنّت۔ (حدیث نبویؐ) جب تک تم ان دونوں پر قائم رہو گے، دین و دنیا میں کامیاب ہو گے۔ اور جب ان کو چھوڑ دو گے تو بھٹک جاؤ گے۔ موطا امام مالکؒ

لفظ سُنّت کا اطلاق ہر اس قول و فعل یا تقریر پر ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طرف منسوب ہو یا آپ سے ہم تک پہنچی ہو۔ سُنّت اصطلاح میں تقریر کا ہم معنی ہے اور

تقریر سے اصطلاح میں مُراد وُہ کام بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا اور آپ نے کرنے والے کو اس سے منع نہ فرمایا ہو۔

سُنّت کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہے اور وُہ ہے حضور کی وُہ روش اور آپ کا وہ عملی طریقہ جس پر عہدِ نبوی سے مسلسل عمل رہا ہو۔

تاہم سُنّت یا حدیث قرآنِ مجید کے تابع ہے۔ کیونکہ وہ قرآنِ مجید کا بیان اور تفسیر ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآنِ پاک کو سمجھنے کے لیے سُنّت ایک انتہائی ضروری شے ہے اور اس سے بے نیاز ہو کر قرآنِ پاک کا سمجھنا ممکن نہیں۔ فہم قرآن کو سُنّت پر موقوف نہ بھی قرار دیں تو بھی یہ بات صاف ہے کہ اس سے الگ ہو کر قرآن فہمی یا اجتہاد کا راستہ نہ صرف خطرناک ہے بلکہ اس سے وہ فتنے پیدا ہو سکتے ہیں جن سے اُمت کی اجتماعیت خطرہ میں پڑ جاتی ہے اور ہر شخص اپنے اجتہاد کی وجہ سے شتر بے مہار کی طرح شیرازۂ اُمت کو برباد کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔

تقاضائے وقت:

آج ہم انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر خُدا تک پہنچنے یا دُنیا میں کامیاب ہونے کے لیے سیدھا راستہ تلاش کرنا چاہیں تو وہ ایک ہی راستہ ہے جسے قرآنِ عزیز صراطِ مستقیم کہتا ہے اور ہمیں اس پر چلنے کی ہدایت طلب کرنے کا حکم اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (ہم کو سیدھا راستہ دکھا) کہہ کر دیا گیا ہے۔ اور وہ راستہ یہ ہے کہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دستک دیں ـــــ اللہ کا کلام اور سرورِ کونینؐ کی سُنّت (کتاب و سُنّت) ہمارے لیے وہ روشن چراغ ہیں جو ہر تاریکی اور ہر گمراہی سے ہمیں بچا کر لے جا سکتے ہیں ـــــ اس صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) کی علمی اور اصولی تصویر قرآن مجید ہے اور عملی نمونہ سیرت سردارِ دوجہاں فخر الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہے گویا کہ قرآن علمِ صراطِ مستقیم ہے اور سُنّت نبی کریمؐ علیہ الصلوٰۃ والسّلام عملِ صراطِ مستقیم ہے ـــــ قرآن مجید کو اگر صُورت کہا جائے تو سُنّت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسّلام اس کی سیرت ہے۔ قرآنِ مجید کو اگر صراطِ مستقیم کا قال کہا جائے تو سُنّت نبویؐ اس کا حال ہے۔ اگر صراطِ مستقیم کا عملی چہرہ دیکھنا ہو تو نقوش و حروف کی صُورت میں قرآن ہے اور اگر اسے چلتا، پھرتا، بولتا، ہوا دیکھنا ہو تو وہ وجودِ مسعود سردارِ دوجہاں فخرِ انسان امام الانبیاء علیہم السّلام ہے۔

کتاب وسنّت کو زندگی کے عمل میں اس انداز پر سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ جیسے سرورِ کونینؐ کا انداز تھا، جس کا نتیجہ دِل کا اطمینان و اللہ کی رضا پر راضی ہونا مجسمۂ عمل پیہم بن جانا اور اجتماعی دینی مقاصد کے لئے ذاتی اور انفرادی راحت و عیش کی قربانی کرنا ہے کتاب وسنّت انہی معنوں میں ہمارے لئے موجبِ ہدایت ہیں۔ کتاب وسنّت پر عمل پیرا ہونے کی حرارتِ ایمانی ہی سے شرک سے نفرت، توحید سے عشق۔ کفر سے دُوری۔ اِسلام سے محبت، خواہشات کی غلامی سے نجات اور راہِ حق میں سب کچھ دے دینے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔

رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات اور اُن کی اپنی عملی زندگی سے بہ ظاہر ہے کہ رسالت محمدیہ کا مقصد دُنیا میں حریت، اخوت اور مساوات قائم کرنا تھا۔ حضور صلعم کی تعلیم سے وہ انقلاب برپا ہُوا جس سے ظلم و استبداد جڑ سے اُکھیڑ پھینکے گئے اور غلام و آقا کا امتیاز اُٹھ گیا۔ حضور صلعم کی زندگی ایک معجزہ، ملت اسلامیہ کے لئے اسوۂ حسنہ اور بنی نوعِ انسان کے لئے مشعلِ ہدایت ہے۔ خداوند تعالیٰ نے بھی قرآنِ مجید میں آپ کی زندگی کو اُمتِ مسلمہ کے لئے ایک بہترین نمونہ قرار دیا۔ اِنسانی زندگی میں آپ نے جو انقلاب پیدا کیا۔ کوئی ایک شخص تن تنہا دُنیا کی تاریخ میں پیدا نہ کرسکا۔ مصائب کے آگے کبھی آپ نے سر نہ جھکایا اور اعلائے کلمۂ حق میں ہمیشہ سینہ سپر رہے دُشمن کی عداوت اور مخالفت کے باوجود ہمیشہ اپنے دلکو رحمت کا سرچشمہ بنائے رکھا۔ ایمانِ کامل، حوصلہ، تدبر، اخلاقی اور روحانی عظمت ہی حضورؐ کی سیرت کے وہ درخشاں پہلو ہیں جن کا تتبع ہمارے لئے قومی اور مذہبی شعار کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اخلاق محمدیہ کی پیروی کے بغیر دینی اور دنیوی عظمت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ حالیؔ نے اپنی مشہور مناجات میں رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ جن کی پیروی ہمارے لئے ضروری ہے۔ حضور صلعم سے خطاب کرتے ہوئے حالیؔ نے لکھا ہے۔

اے چشمۂ رحمت بابی انت و امی
دنیا پہ ترا لطف صدا عام رہا ہے

جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھڑایا
جب تو نے کیا نیک سلوک اِن سے کیا ہے

صدمہ دُرِ دنداں کو ترے جن سے کہ پہنچا
کی اِن کے لئے تو نے بھلائی کی دعا ہے

کی تو نے خطا عفو ہے ان کینہ کشوں کی
کھانے میں جنھوں نے کہ تجھے زہر دیا ہے

سو بار ترا دیکھ کے عفو اور ترحم
ہر باغی و سرکش کا سر عجز جھکا ہے

اخلاق نبویؐ کی وضاحت مسدس حالی کے ذیل کے دو مشہور بند خوب کر رہے ہیں ۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مُرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے در گذر کرنے والا　　بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا　　قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

لباس وضع قطع اور امور ظاہری میں شعار نبویؐ اتباع رسولؐ کی محبت کا نشان ہے اور ملت کے شیرازہ کو قائم رکھنے کے لئے بھی ضروری ہے۔ مگر مسلمانوں کو جن رُوحانی اور اخلاقی خوبیوں کا تتبع اپنے لئے جزوِ زندگی بنانا چاہیئے۔ وہ قول، فعل، گفتار و کردار میں رسولِ اکرم کا ایمانِ کامل، تدبر، حلم، حوصلہ استقلال، جد و جہد اور انصاف پسندی کے فضائل ہیں۔

توحید و رسالت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ○ ـــ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ ـــ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (الحشر: ۲۱-۲۴)

یہ آیات سورۂ حشر میں ہیں اور ان میں توحید خداوندی کو بڑے واضح اور دلنشیں انداز میں بیان کیا گیا ہے ـــ خدا کی چند وہ صفات بھی بیان ہوئی ہیں جن میں انسان کی پیدائش، اس کی پیدائش کی غرض وغائت، اس کا اپنے پیدا کرنے والے سے تعلق اور پیدا کرنے والے کا اونچا مقام اس طرح سمجھایا گیا ہے کہ اس کی بزرگی اور عظمت دل میں اتر جاتی ہے۔

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے :-

وُہی اللہ ہے کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے ـــ جاننے والا ہے سب چھپی کھلی کا۔ وُہی ہے بڑا مہربان نہایت رحم والا ـــ وُہی اللہ ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس کے۔ وہ بادشاہ ہے پاک ذات عیبوں سے بری، امن دینے والا، محافظ، غالب، بڑا زبردست، کبریائی والا۔ پاک ہے اللہ، اس سے جو اس کے شریک ٹھہراتے ہیں ـــ وُہی اللہ ہے پیدا کرنے والا۔ سب کا موجد، صورت بنانے والا اسی کے ہیں سب نام اچھے۔ تسبیح کرتی ہے اس کی جو مخلوقات ہے آسمانوں اور زمین میں اور وُہی ہے غالب حکمت والا۔ (۲۱ - ۲۴ آیات - تسہیل القرآن)

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

ـــ وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ○

ترجمہ : اور تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ نہیں عبادت کے لائق مگر وہی بڑا مہربان

نہایت رحم والا

پھر دیکھیں سورہ آل عمران (آیات ۲ - ۶ - ۱۸)

○ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ (آیۃ - ۲)

ترجمہ: اللہ ہی ہے، کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، ہمیشہ زندہ رہنے والا اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔

○○ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

ترجمہ: وہی ہے جو تمہاری صورتیں ارحام میں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ زبردست حکمت والا۔ (آل عمران - ۶)

○○○ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (آل عمران - ۱۸)

ترجمہ: گواہی دے دی اللہ نے کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے اور فرشتوں اور علم والوں نے بھی کہ وہ قائم ہے انصاف پر، نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے جو زبردست حکمت والا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے :-

○ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (الحدید : ۱-۳)

ترجمہ: جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اسی کے لئے ہے حکومت زمین اور آسمانوں کی، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی اول اور آخر، ظاہر اور باطن ہے اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اور سورہ اخلاص کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ پورے کلام مجید کو معنوں اور مفہوم کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جس کے ایک حصے میں اگر احکام ہیں، تو دوسرے حصے میں انبیا اور گذشتہ اقوام کے قصے ہیں اور تیسرے حصے میں خالص توحید ہے اور وہ سورۃ اخلاص ہے۔

○ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ڏ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

ترجمہ : کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے ۔ اللہ بے نیاز ہے ۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے ۔ نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہیں ہے اس کی برابر کا کوئی ۔

محولہ بالا آیات میں توحید الٰہی کا جو تصور پیش کیا گیا ہے ۔ اس کو سامنے رکھیں اور پھر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے اس تصور کے ذریعے دنیا میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہے کہ اس کی مثال ڈھونڈے نہیں ملتی ۔ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو توحید کا نام و نشان مٹ چکا تھا ۔ آدمؑ کی اولاد ، نوحؑ اور ابراہیمؑ کی نسل اور دوسرے نبیوں کی اُمتیں نور توحید سے نا آشنا اور اندھیروں میں بھٹکنے کے سوا کچھ نہ جانتی تھیں ۔۔۔ حالت یہ تھی کہ بعض انسانوں نے پتھر اور اُونچے درختوں کو خدا بنا رکھا تھا ۔ ہر گھنی جھاڑی ، ہر سنسان مقام ، ہر بہتا دریا ، ہر اُونچا پہاڑ ، ہر نقصان دینے والی طاقت کے سامنے انسان کا سر جھک جاتا ۔ اس کو اپنی ذات کو ذلیل کرنے میں کوئی عار نہ تھی ۔۔۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر غیروں کے سامنے جھکنے کا عادی ہو گیا تھا ۔

غیر اللہ کی بندگی انسان کو صرف ذلیل ہی نہیں کرتی اس کی پوری زندگی پر اثر ڈالتی ہے انسان مقام انسانیت سے گر کر ان چیزوں کا غلام ہو جاتا ہے ۔ جو خود اس کی غلامی کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس گراوٹ کا ذکر یوں فرمایا ہے :۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ○

ترجمہ : اور وہ شخص جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے ۔ اس طرح ہو جاتا ہے کہ گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر اسے پرندہ اچک لے جائے یا ہوا کسی دور جگہ لے جا کر پھینک دے ۔

توحید (اللہ کو ایک ماننے) کا عقیدہ اس لئے دین کی بنیاد ہے کہ انسان کو اس ذلیل اور کمزور حیثیت سے بلند کر دیتا ہے ۔ توحید کی اہمیت یہ ہے کہ دنیا میں جتنے نبی آئے سب نے اپنی تبلیغ اور دعوت کا آغاز توحید ہی سے کیا ۔۔۔ وہ جانتے تھے کہ جب تک غیر اللہ سے انسان کٹ نہ جائے ۔ ایک اللہ سے اس کا رشتہ بندھ نہیں سکتا ۔ تمام انبیاء اس نقطۂ توحید پر اس طرح جم گئے کہ سب کچھ گوارا کیا مگر توحید سے بال برابر ہٹنے پر راضی نہ ہوئے ۔ ابراہیم علیہ السلام نے باپ کو چھوڑا ۔ نوحؑ نے بیٹے کو اپنے سے جدا کر دیا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے پیارے چچا کی ایک نہ مانی صرف اِس بات پر کہ وہ اللہ کی وحدت میں ان کا ساتھ نہ دے سکے۔

مخالفوں نے لاکھ کوشش کی کہ نبیؐ توحید کے معاملہ میں ذراسی رعایت گوارا کرلیں اپنا رویّہ ہی نرم کرلیں۔ کم از کم بتوں کو بُرا بھلا کہنے سے باز آجائیں تو وُہ ان کے ساتھ سمجھوتہ کرلیں گے۔ مگر نبیؐ پاک نے برملا کہا کہ:-

تم میرے دائیں ہاتھ پر سُورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لاکر رکھ دو تو بھی میں توحید کے اعلان سے باز نہ آؤں گا۔

اِس کے بعد دُنیا کی ہر ترغیب دی گئی اور رشوت کا ہر پھندا ڈالا گیا اور وہ سب کچھ پیش کیا گیا جو وہ پیش کر سکتے تھے۔ مگر نبیؐ کو رام نہ کر سکے ——— انتہا یہ کہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو شاہی مطلوب ہے تو تختِ سرداری حاضر ہے۔ اگر آپ عرب کی حسین ترین خاتون سے شادی کے خواہشمند ہیں تو بڑے سے بڑا عرب سردار آپؐ کی اِس خواہش کو پُورا کرنے میں اپنی عزت سمجھے گا ——— اگر دولت مطلوب ہے تو سونے چاندی کے ڈھیر آپؐ کے قدموں میں موجود ہوں گے ——— آپؐ نے ایک ہی جواب دیا ——— میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے باز نہیں آسکتا اور اِس پیغام کو دُنیا کے کونے کونے تک پھیلا کر رہُوں گا ———"

ہر زمانے کے مخالفین نے اپنی تدبیروں کی ناکامی کے بعد مخالفت، تکلیف اور دُکھ دینے کا راستہ اختیار کیا۔ پیغمبروں اور اُن کے ساتھیوں کو مجبُور کر دیا کہ وہ اپنے گھر، اپنے عزیزوں، اپنے خاندان، اپنی جائداد، اپنے ملک و وطن اور اپنی ہر پیاری چیز کو چھوڑ دیں ——— خدا کے ہر نبی نے اِس کو بھی گوارا کیا۔ مگر توحید کا دامن نہ چھوڑا ——— قرآن عزیز میں اکثر انبیاء کی ہجرتوں کا ذکر ہے۔ پُوری کی پُوری قوم ایک طرف ہے اور انبیاء اور ان کے چند مخلص ساتھی دوسری طرف مگر سب کچھ چھوڑتے وقت بھی جو آخری کلمہ ان کی زبان پر ہوتا ہے وہ کلمۂ توحید ہی ہوتا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ ——— جنگِ بدر میں باپ نے بیٹے پر، چچا نے بھتیجے پر، ماموں نے بھانجے پر، بھائی نے بھائی پر توحید کی خاطر تلوار چلائی ——— اِسی توحید کے لئے بیویوں نے شوہروں سے اور شوہروں نے بیویوں سے جدائی اختیار کرلی۔

عزیز سے عزیز رشتہ کٹ گیا، اور یہ سب کچھ اُن لوگوں نے کیا جو انسانیت کے بہترین نمونے تھے۔ جو رحم و محبت اور اخلاق و وفا کے مجسمے تھے۔ اور ان سے بڑھ کر اپنی قوم سے، اپنے قبیلہ سے

اپنے عزیزوں سے اور عام انسانوں سے محبت کرنے والا دوسرا کوئی انسان نہ تھا۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ توحید کی اس عظمت کی وجہ یہ ہے کہ توحید دین اور دنیا کے سب سے بڑے حق یعنی خدا کے حق کا اقرار ہے۔ یہی انصاف اور عدل کی بنیاد ہے۔ جو شخص اس حق کو نہیں پہچانتا۔ اس سے ہر طرح کی ناانصافیاں اور ظلم ظہور میں آئیں گے ــــ جب توحید تمام حقوق کی بنیاد ہے تو ظاہر ہے کہ اس بنیاد کو قائم کرنے کے لئے کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلہ میں جو بھی اس حق کی ادائیگی میں روک بنے وہ ایک پتھر ہے اور اس پتھر کو راہ سے ہٹانا ضروری ہے نبیوں کی ساری جدوجہد کا مقصد توحید خالص قائم کرنا ہے۔ وہ دنیا میں اس لئے آتے ہیں کہ خدا کے بندوں کو دوسروں کی بندگی سے چھڑا کر خالص خدا کا بندہ بنا دیں۔ وہ اسی کو خالق مانیں۔ اسی کو بادشاہ کہیں۔ اسی کی بندگی کریں۔ اسی کی اطاعت کریں۔ اسی پر اعتماد و توکل کریں۔ اسی سے مدد طلب کریں نعمت ملے تو اسی کا شکریہ ادا کریں۔ مصیبت آئے تو اسی سے فریاد کریں۔ طمع ہو یا خوف، امید ہو یا ڈر، ہر حال میں ان کی نظر اسی کی طرف ہو ــــ وہ اپنے آپ کو پوری طرح اللہ کے سپرد کر دیں ان کی محبت خدا کی محبت کے تابع ہو، ان کی پسند خدا کی پسند کے تحت ہو۔

وہ خدا کی ذات میں، اس کی صفات میں اور اس کے حقوق میں اس کو بے مثل تسلیم کریں اور کسی پہلو سے ان چیزوں میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

توحید، دین کا صرف ایک جزو ہی نہیں ہے بلکہ یہ سارے دین پر حاوی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے معنی یہ ہیں کہ توحید سے باہر دین کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید بھی توحید سے شروع ہوتا ہے۔ اور توحید ہی پر ختم ہوتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل شعر میں ہے

فَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَّهٗ اٰیَةٌ ــ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

ترجمہ: پس ہر چیز میں اس کی ایک نہ ایک نشانی ہے۔ جو اس کے ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

کلمہ توحید:

جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے تو سب سے پہلے یہ سات الفاظ دہراتا ہے۔ جسے کلمہ توحید کہا گیا ہے ـــــ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر ہم اقرار کرتے ہیں کہ دنیا نہ تو بے خدا کے بنی ہے اور نہ ایسا ہے کہ اس کے

بہت سے خدا ہوں، بلکہ اس کا خدا ایک ہی ہے اور ایک ذات کے سوا خدائی کسی کی نہیں۔
دوسری بات جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہی ہم تسلیم کرتے ہیں یہ ہے کہ دُنیا کی ہر چیز اور ہر شئے اللہ کی ہے ـــــ وُہ خالق ہے ـــــ وہ رازق ہے۔ موت اور زندگی اس کی طرف سے ہے جو کچھ کسی کو ملتا ہے۔ اس کا دینے والا حقیقت میں وُہی ہے۔ جو کچھ کسی سے چھیننا چاہتا ہے وہ اُس کے حکم سے ہے ـــــ ڈرنا چاہیئے تو اس سے، مانگنا چاہیئے تو اس سے، سر جھکانا چاہیئے تو اُسی کے سامنے ـــــ عبادت اور بندگی کی جائے تو اس کی ـــــ اس کے سوا ہم کسی کے بندے اور غُلام نہیں اور اس کے سوا کوئی ہمارا آقا اور حاکم نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کا حکم مانیں اور اسی کی پیروی کریں۔
یہ اعلان انسانی زندگی میں ایسا انقلاب پیدا کر دیتا ہے کہ انسان ساری کائنات میں صرف خدا سے کم تر مخلوق قرار پاتا ہے اور باقی تمام مخلوق اس کی زیرِ نگیں ہو جاتی ہے ـــــ اب انسان خدا کا نائب ہے۔ زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے۔ خُدا کی خدائی اسی انسان کے ذریعے قائم ہوتی ہے۔ اور تسخیر کائنات اس کا منصب قرار پاتا ہے۔ کیونکہ وُہی زمین پر خدا کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اِس کی لا انتہا قوتیں اِس کائنات کو پوری کی پوری کائنات کو تسخیر کر چکی ہیں اور کر سکتی ہیں اور اب تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کی علمی تسخیر بھی آہستہ آہستہ زمین، ہوا، پانی، آسمان، سُورج، چاند اور ستاروں تک پہنچ رہی ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی اور فتح و حکمرانی صرف اِس عقیدۂ توحید کی برکت سے ہی حاصل ہوتی ہے ـــــ بات یہی ہے اور طوعاً یا کرہاً اِس کا اقرار کرنا ہی پڑتا ہے کہ غیر اللہ سے بے خوف ہو کر اور غیر اللہ کی قوتوں پر فتح حاصل کر کے ہی ہم ایک خدا کی خدائی کو قائم کر سکتے ہیں اور عقیدۂ توحید کا یہی منشاء ہے۔
مگر توحید کا اثر اِس سے بھی زیادہ دور رس یہ ہے کہ جب ہم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر خُدا سے عہد کرتے ہیں تو ہماری زبان ـــــ ہمارے ہاتھ پاؤں، ہمارے تمام اعضاء بلکہ اِس دُنیا کی ہر چیز اور آسمان و زمین کا ذرہ ذرہ ہمارے اس عہد کے گواہ ہو جاتے ہیں۔ توحید کا اقرار ہمیں قیامت اور وہاں کی پرسش سے عہدہ برآ ہونے کے لئے پوری طرح تیار کر دیتا ہے۔
انسان جب ایک خدا کا ہو کر اُس کی ذات اور صفات میں غور کرتا ہے اور اپنے آپ کو اُس کا نائب سمجھ کر اپنی زندگی کے فرائض کو پُورا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے خدا رب ہے۔ رحمان ہے۔ رحیم ہے۔ مالک ہے۔ عزیز (غالب) ہے جمیل ہے۔

حمید ہے۔ مجید ہے۔ قہار ہے۔ غفار ہے۔ اور اسی طرح ننانوے صفاتی نام اس کے سامنے آتے ہیں تو ان دیکھے خدا کا ایک تصور قائم ہو جاتا ہے۔ پھر خدا کا یہ حکم سامنے آتا ہے:۔

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ — تم اللہ کی صفات اپنے اندر پیدا کرو (الحدیث)

اب وہی مٹی کا پتلا توحید کی ایک ہی تابش کے ساتھ اللہ کو ایک سمجھ لیتا ہے۔ اور غیر اللہ کے ڈر۔ خوف۔ اطاعت اور حاجت سے یکسر بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ تمام کائنات اسی کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ اور اب اسے خدائی صفات کا مظہر بن کر اس کائنات میں خدا کی نیابت کرنا ہے ــــ یہ احساس اس کو اتنا بلند کر دیتا ہے کہ خدا کے سوا ہر چیز اس کے قدموں میں آگرتی ہے اس تبدیلی کی بہترین مثال قرآنِ مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور ان کے ساتھ مقابلہ کرنے والے جادوگروں کی سرگذشت میں بیان کی ہے۔ وہ جادوگر جن کو فرعون نے موسیٰ علیہ السّلام کے مقابلہ کے لئے تیار کیا تھا۔ جب میدانِ مقابلہ میں پہنچتے ہیں چونکہ توحید سے ناآشنا ہوتے ہیں تو فرعون سے اپنی مزدوری کھری کرنے کے لئے اس طرح ذلیل خوشامد کرتے نظر آتے ہیں:۔

ءَاِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ○ (الشعراء : ۴۱)

ترجمہ : سرکار! اگر ہم غالب رہے تو ہمارا معاوضہ تو پورا ملے گا۔

لیکن جب ایمانِ موسوی کی برکت سے توحید کا پرتو پڑتا ہے تو ان کی طبیعت میں انقلابِ عظیم آجاتا ہے۔ اب وہ ایک خدا کے بندے بن کر فرعون کیا ساری دنیا کے خوف سے بے پروا اور ایمانی قوت سے سرشار ہو کر پکار اٹھتے ہیں۔ "ہم تو اب اللہ کے ہو چکے ــــ" فرعون سخت سے سخت دھمکی دیتا ہے یہاں تک کہ وہ کہتا ہے:۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ (الشعراء : ۴۹)

ترجمہ : "میں تمہارے ہاتھ پاؤں اسی طرح کاٹ کر سولی پر لٹکا دوں گا"

لیکن ان پر اس دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوتا ــــ وہ بے دھڑک جواب دیتے ہیں ــــ "کچھ پرواہ نہیں۔ ہم اپنے رب کے پاس جائیں گے ــــ تمہیں جو کرنا ہے کر لو، تمہارا بس زیادہ سے زیادہ اسی دنیا تک چل سکتا ہے"

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ○

ترجمہ : تم صرف اس لئے انتقام لے رہے ہو کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔ اے

ہمارے رب! ہمیں صبر کی دولت سے مالامال کر اور فرماں بردار بندوں کے ساتھ ہمیں وفات دے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ توحید پر ایمان لے آنے کے بعد یہ انقلاب کیوں کر پیدا ہو جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ایک خدا کے ہو جانے اور غیروں سے کٹ جانے کی وجہ سے توحید پرست انسان پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ دُکھ ہو یا سُکھ زندگی ہو یا موت صرف ایک غالب، دانا، حکیم اور قادرِ مطلق کے حکم سے ہے جو دُنیا کا کارخانہ چلا رہا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کی مرضی کے خلاف اِس دُنیا کے معاملات میں کوئی ایک ذرّہ برابر بھی دخل دے سکے ـــــ گویا کہ راہِ توحید کی پہلی منزل یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور غیر اللہ کی بندگیوں سے رہا ہو کر اپنے آپ کو اللہ کی بندگی اور اطاعت میں دے دیتا ہے۔ دوسری منزل یہ ہے کہ قوم، ملک، وطن اور تمام رسوم و قیود سے آزاد ہو کر خدا کی طرف بھاگتا ہے۔ اور آخری درجہ یہ ہے کہ خوشی خوشی اِس زندگی پر اللہ کے قرب اور اِس کی محبت کو ترجیح دیتا ہے۔ اِس کی زبانِ حال یہ ہوتی ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

ترجمہ: یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے تو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں (القرآن)

عقیدۂ توحید کے اجتماعی اثر کی صورت قرآن کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

ترجمہ: وہ ہے اللہ تمہارا رب۔ اُسی کی بادشاہی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔

انسانی معاشرت کی بُنیاد انصاف اور مساوات پر قائم ہے اور یہ انصاف و مساوات ایک خدا اور ایک انسانیت کے خیال پر قائم ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں۔ دُنیا کی موجودہ ابتری اور تباہی کا اصل سبب یہ ہے۔ کہ جس رفتار سے دُنیا میں سائنس نے ترقی کی ہے اسی رفتار سے انسان کے باہمی مل جل کر رہنے کی سمجھ بوجھ نے ترقی نہیں کی ـــــ سائنس کی ترقی کی حالت یہ ہے کہ انسان نے ساری جغرافیائی حد بندیاں توڑ ڈالی ہیں اور اپنی ایجادوں اور مشینوں کے زور سے اِس وسیع زمین کو ایک مکان کے صحن کی طرح بنا دیا ہے۔ لیکن دلوں اور دماغوں کی تنگی کا یہ حال ہے کہ ساری دُنیا کا امن برباد ہو گیا ہے۔

انسانوں کا قدِ عقل، سائنس اور علم کے لحاظ سے بہت بڑھ گیا ہے۔ قوموں کی افراتفری کی یہ حالت ہے کہ ہر ایک کا خدا الگ نسل الگ ۔ تہذیب الگ۔ عقیدہ الگ اور نتیجہ یہ کہ اخلاق الگ اور اس پر طرّہ یہ کہ ہر قوم اپنی تہذیب اور طور طریقوں کو دوسروں پر زبردستی مسلط کرنے کی خواہشمند ہے —— ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں اتحاد اور محبت کے لئے کوئی رشتہ موجود نہیں ہو سکتا —— اگر کوئی صورت ہے تو وہ یہ کہ تمام انسان ایک ہی خدا کو اپنا مانیں اسی کے قانون کو اپنا قانون سمجھیں اور ایک ہی آدم کا اپنے آپ کو مشترک گھرانا خیال کریں اسی طرح بلاشبہ ایک عالمگیر برادری اور عالمگیر سیاسی تنظیم پیدا ہو سکتی ہے اور دنیا کی موجودہ مشکلات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

توحید کا عقیدہ دنیا کی اجتماعی مشکلات کا واحد حل ہے۔ ایک خدا اور ایک آدم کی نسل دنیا میں نئے نظام کی بنیاد بن سکتے ہیں۔

انسانیت رحم اور امن کے لئے پکار رہی ہے —— رحمتِ عالم (سرورِ کونین) نے جس توحید کا جھنڈا بلند کر کے آج سے تیرہ سو سال قبل تڑپتی اور بلکتی انسانیت کو جس محبت اور نجات کا راستہ دکھایا تھا آج پھر ضرورت ہے کہ اس جھنڈے کو بلند کیا جائے —— ایک اللہ کا نام لے کر دنیا کی ساری طاقتوں کو سرنگوں کر کے صرف محبت، شفقت، پیار اور مساوات کی فضا پیدا کر دی جائے۔

توحید کا صحیح اسلامی تصور :

توحید اسلامی عقائد کی جان ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ میں ہر جگہ اس کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ کسی ایک مذہب میں عقیدۂ توحید پر اتنا زور نہیں دیا گیا جتنا کہ اسلام میں۔ اکثر مذاہب نے اخلاقی احکام۔ مثلاً کوئی جھوٹ نہ بولے اور چوری نہ کرے، تسلیم کئے۔ لیکن کہیں بھی توحید کو کسی مذہب کے بنیادی عقیدے میں وہ حیثیت حاصل نہیں جو اسے اسلام میں حاصل ہے۔ توحید ہی فلسفۂ اخلاق اور اسلامی مذہب کی جان ہے۔ قرآن کی نظروں میں توحید محض ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک ایسا زندہ احساس ہے جو جان و دل پر ہر وقت طاری رہتا ہے۔ اسی احساس کی بدولت علمبردارانِ توحید نے انسانی زندگیوں میں وہ عظیم انقلاب برپا کیا جس کی تاریخ آج تک شاہد ہے۔ جب توحید کے نور سے غریب، بدحال، فاقہ کش اور جاہل انسانوں کے دل و جان منور ہو گئے تو انھوں نے جبر و استبداد کی بنیادیں اکھیڑ ڈالیں۔ وہ سوائے خدا کے کسی

سے نہ ڈرے اور نہ کسی کے آگے جھکے۔ توحید کا وسیع مفہوم اُن کے عقاید پر ہی نہیں بلکہ کردار پر بھی حاوی رہا۔

توحید مومن کو نہ صرف نا اُمیدی، فکر، غم اور خوف سے پیدا ہونے والے تمام عیوب مثلاً خوشامد، مکاری، دروغ گوئی، ریاکاری اور دوسری برائیوں سے بچاتی ہے۔ بلکہ جو شخص توحید کے جذبے سے سرشار ہو کر خدا کو ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتا ہے اور اس کی خوشنودی کا طالب رہتا ہے۔ ضرور ہے کہ وہ اپنے تمام افعال و اعمال بلکہ خیالات کو بھی ایسا قابو میں رکھتا ہے کہ اُس سے کوئی فعل بھی احکامِ خداوندی کے خلاف صادر نہ ہو۔ یہی وہ شرفِ انسانیت کا معراج ہے جو صحیح مومن کی ان صفات کا حامل ہے جنھیں علامہ اقبالؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن ۔۔۔ گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت ۔۔۔ یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ہمسایۂ جبریلِ امیں، بندۂ خاکی ۔۔۔ ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن ۔۔۔ قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے ۔۔۔ دُنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

توحید ہی وہ عقیدہ اور احساس ہے جس کے ذریعے مسلمان وہ اخلاقی اور روحانی معراج حاصل کر سکتے ہیں جو اُنھیں "خیر الامم" کے ممتاز خطاب کا مستحق بنا سکتا ہے۔ توحید ہی انسان کی صحیح راہنمائی کر کے اسے یہ سمجھا سکتی ہے کہ جُوں جُوں اس کا عمل خدا کے حکم اور مشیت کا تابع ہوتا جائے گا، اُتنی ہی اُس کی قوت اور اختیار بڑھتا جائے گا اور وہ محسوس کرے گا کہ اس کا ارادہ اور اختیار کس مقصد کے لئے ہے۔ اسے سب انسان ہم رتبہ اور ہمپایہ دکھائی دیں گے اور اس کی ہمدردی، رفاقت اور عزت و احترام کے مستحق اور توحید ہی کی اساس پر وہ ایک برتر اور عالمگیر وحدتِ انسانی کے تصور کو عملی شکل دے سکے گا۔ توحید نہ صرف اُسے خالقِ کائنات اور معبودِ حقیقی کے صحیح مقام سے روشناس کرائے گی۔ بلکہ انسان کو خود اُس کی اپنی قدر و قیمت اور نائبِ خدا ہونے کی حیثیت سے بھی آگاہ کر دے گی۔

نماز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۭ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ۭ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ٥ (العنکبوت۔ ۴۵)

ترجمہ : پڑھیے جو کچھ آپ کی طرف الکتاب میں سے وحی کیا گیا اور نماز کو قائم کیجیے بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (القرآن)

• وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ٥ (البقرہ : ۴۳)

ترجمہ : اور قائم کرو تم لوگ نماز کو (یعنی مسلمان ہو کر) اور دو زکوٰۃ ، اور جھکنے والوں کیساتھ جھک جاؤ

•• حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ۭ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ٥ (البقرہ : ۲۳۸)

ترجمہ : محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً) اور کھڑے ہوا کرو ، اللہ کے سامنے عاجزی سے۔

••• وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ٥

ترجمہ : اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تمھارے لئے یہ کوئی گناہ کی بات نہیں کہ تم نماز قصر کر کے ادا کرو۔ اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ تمھیں کفار تنگ کریں گے۔ بلا شبہ کافر تمھارے کھلے دشمن ہیں

•••• یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ۭ (المائدہ۔ ۶)

ترجمہ : اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے اُٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھو ؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور دھوؤ اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ (ہود - ۱۱۴)

ترجمہ : اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نماز کی پابندی رکھئے - دن کے دونوں سروں پر (یعنی اول اور آخر میں) اور رات کے کچھ حصوں میں بے شک نیک کام مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو - یہ بات ایک (جامع) نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے -

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل - ۷۹)

ترجمہ : اور کسی قدر رات کے حصے میں سو اس میں تہجد پڑھا کیجیے جو کہ آپ کے لئے زائد چیز ہے - امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا -

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل - ۷۸)

ترجمہ : آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیا کیجئے اور صبح کی نماز بھی - بے شک صبح کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

ترجمہ : اور اے مسلمانوں نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور باقی احکام میں بھی رسول کی اطاعت کیا کرو، تاکہ تم پر (کامل) رحم کیا جائے -

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الجمعة - ۹)

ترجمہ : اے ایمان والو! جس وقت جمعہ کے روز (جمعہ کی نماز کے لئے) اذان دی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو وہاں جانے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو - یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، اگر تمھیں کچھ سمجھ ہے -

خدا کے حکموں کو دل سے صحیح یقین کر کے ان پر پورے طور پر عمل کرنے کا نام اسلام ہے۔ یہی سچا دین ہے - توحید و رسالت - نماز - روزہ - زکوٰۃ اور حج، دین اسلام کی پانچ بنیادیں ہیں - شریعت کی اصطلاح میں خاص پابندی اور پوری شرائط کے ساتھ خدا کو یاد کرنے کا نام

صلوٰۃ ہے۔ خُدا اور اُس کے رسُول ؐ نے تمام اعمال سے زیادہ نماز کی تاکید فرمائی ہے۔ قرآن کی سات سو آیتوں میں اس کا ذکر ہے۔ کہیں اسے ایمان بتایا گیا ہے۔ کہیں اس کو چھوڑنے پر سخت سزا کا اعلان ہے۔ کہیں اس کو قائم کرنے پر خُدا کی مدد کا وعدہ ہے۔ کہیں ترکِ نماز کو قوموں کی بربادی قرار دیا ہے۔ کہیں اسے ایمان اور کفر کی حد کہا گیا ہے۔ غرض کہ قرآنِ پاک اور احادیث میں سب سے زیادہ جس فرض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ صلوٰۃ۔ (نماز) ہے لفظ صلوٰۃ کے ایک معنی آگ جلانا اور آگ میں داخل ہونا ہے۔ صلوٰۃ کے معنی دُعا و برکت کے بھی ہیں۔ یہ وُہ فریضہ ہے جو گناہوں کو جلاتا ہے اور نمازی کا کھوٹ نکال کر کندن بنا دیتا ہے نماز سب سے پہلا اور سب سے اہم خدائی حق ہے۔ یہ بندے کو اپنے آقا اور مالک کے حضور میں پیش ہو کر زندگی کو اس کے اشارے اور حکم پر بسر کرنے کا اقرار ہے۔ صلوٰۃ (نماز) میں بندہ اپنی مرضی اور اپنی خواہش کو مٹا کر اپنے آقا کے سامنے اس کی مرضی کو سمجھنے، اس کی پسند کے کلمات ادا کرنے اور اس کی کبریائی، بزرگی اور بے نیازی کا اعتراف کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔

نماز کی شرائط

نماز کی ادائیگی کی کچھ شرطیں ہیں۔ حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے ان شرائط کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:۔

پہلی ان میں سے جسم کی طہارۃ ظاہر میں نجاست سے اور باطن میں خواہشِ نفسانی سے۔

دُوسری لباس کی طہارۃ ظاہر میں نجاست سے اور باطن میں مالِ حرام سے۔

تیسری مکان کی طہارۃ ظاہر میں نجاست اور گندگیوں سے اور باطن میں فساد اور گناہ سے۔

چوتھی قبلہ کی طرف رُخ کرنا۔ اور قبلہ ظاہر کا کعبہ شریف ہے اور باطن کا عرشِ معلیٰ۔

پانچویں شرط قیام ہے۔ ظاہراً طاقت کی حالت میں اور باطن میں قربِ حق۔ قیام ظاہر کی شرط یہ ہے کہ نماز کا وقت دُرست ہو، اور قیام باطن کی شرط یہ ہے کہ حقیقت کے درجے میں اس کا وقت ہمیشہ ہے۔

چھٹی شرط حق تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے خالص اُسی کے لئے نیت کرنا۔

ساتویں شرط ہیبتِ الٰہی اور تکبیر پڑھنا اور نہایت ترتیل کے ساتھ قرأت کرنا اور گڑگڑا کر رکوع اور عاجزی سے سجود اور دلجمعی کے ساتھ تشہد اور صفت کے فنا ہونے کے ساتھ

سلام پھیرنا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا میں جتنے پیغمبر مختلف زمانوں میں آئے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں ان سب کے ذریعے بندوں کو عبادت کا حکم دیا گیا ـــــ زمانے کے حالات اور امتوں کے احوال کے مطابق اگرچہ شکل اور نظام میں اختلاف رہا ہے۔ مگر قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ (یعنی اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات) ہر شریعت کے اہم اجزاء رہے ہیں

سورۂ انبیاء میں بہت سے پہلے نبیوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے :۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ (الانبیاء: ۷۳)

ترجمہ : اور ہم نے بنایا ان کو رہبر اور وہ رہنمائی کرتے تھے (اپنی امتوں کی) ہمارے حکم سے اور ہم نے پیغام دیا ان کو نیکیوں کے کرنے کا (اور خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

سورۂ مائدہ ع۳ میں بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ (مائدہ - ع ۳)

ترجمہ : اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (ان سے) کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نے قائم رکھی نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے (جو بعد میں میری طرف سے آئیں گے) اور ان کی جد و جہد میں) تم ان کی مدد کرتے رہے اور خدا کے کام میں اپنی دولت اچھی طرح خرچ کرتے رہے تو تمہارے گناہوں کو ضرور بالضرور مٹا دوں گا۔ (یعنی وہ صاف کر دیئے جائیں گے) اور تم کو ان جنتوں میں بساؤں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

سُورۃ البیّنہ میں اہل کتاب کا اختلاف ذکر کر کے فرمایا :۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ؕ

ترجمہ : اور ان کو صرف یہی حکم تو دیا گیا تھا کہ عبادت اور بندگی کریں اللہ کی پورے اخلاص کے ساتھ صرف اُسی کے بندے ہو کر، اور قائم کریں نماز، اور ادا کریں زکوٰۃ اور (وہ بھی جانتے ہیں کہ) یہی دین

قیم ہے ______

اِن احکام کے علاوہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، زکریاؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، لوطؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، لقمانؑ شعیبؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے لئے سورۃ البقرہ : ۱۲۵ سورۃ مریم : ۵۵ ۔ سورۃ آل عمران : ۳۷ سورۃ طٰہٰ : ۱۵ ۔ سورۃ لقمان : ۱۸ ۔ سورۃ ہود : ۱۹۸ ۔ سورۃ مریم : ۱۳ میں نماز کے احکام موجود ہیں ۔

الغرض نماز و زکوٰۃ (اہم عبادات) کا حکم پہلے نبیوں اور امّتوں کو بھی دیا گیا اور ہم کو بھی دیا گیا تاکہ ان کے ذریعے بندوں کی روحوں کو پاکیزگی حاصل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا مقام حاصل کرنے کے قابل بنیں ۔

اب قرآن مجید کی چند وہ آیتیں ملاحظہ ہوں جن میں اُمّتِ محمدیہؐ کو نماز کا حکم دیا گیا ہے ۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے :۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (بقرہ : ۴۳)

ترجمہ : اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ۔

پھر اسی سورۃ میں ارشاد ہے :۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ (البقرہ : ۱۱۰)

ترجمہ : اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیکی بھی اپنے لئے آگے بھیجو گے اُس کو خدا کے پاس پاؤ گے ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے ۔

یہی مضمون قریب قریب اِن ہی الفاظ میں سورۃ مزمل اور کئی دوسری سورتوں میں بھی ہے اور سورۃ ابراہیمؑ رع ۵ میں ہے :۔

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ (سورۃ ابراہیم : ۳۱)

ترجمہ : اے پیغمبر میرے بندے جو ایمان لے آئے ہیں ان کو پیغام دیجئے کہ وہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ طور پر یا علانیہ جیسا موقع ہو ہماری راہ میں خرچ کریں ۔ اس دن کے آنے سے پہلے جس دن میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ۔

عبادت گزار بندوں کو بشارتیں

اب ان سینکڑوں آیات میں سے چند وہ آیتیں سُنئے جن میں عبادت کرنے والوں کو بشارتیں دی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے پیار و محبت سے ان کا ذکر فرمایا ہے۔

سورۂ حج میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (الحج : ۳۴-۳۵)

ترجمہ : اور اے پیغمبرؐ ! بشارت دیجئے اور خوشخبری سُنایئے۔ ہمارے ان نیاز شعار اور عبادت گزار بندوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب ذکر کیا جائے اللہ کا تو وہ خوف زدہ ہو جاتے ہیں اُن کے دل اور جو صبر کرتے ہیں۔ اس پر جو ان پر پڑتی ہے اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کے اور ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے۔

سُورت رعد میں ہے :-

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ ——— الخ

ترجمہ : اور ہمارے جن بندوں نے اپنے نفس کو تھامے رکھا (اس کی بُری خواہشوں سے) اپنے رب کی رضا جوئی میں اور قائم کی اُنھوں نے نماز اور خرچ کیا انھوں نے اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا تھا (موقع کے مطابق) پوشیدہ اور علانیہ، اور کرتے ہیں بُرائی کے مقابلے میں بھلائی ——— ان بندوں کے لئے آخرت میں اچھا گھر ہے۔

اس سلسلہ میں آپ سُورۂ النور رعؐ ——— سُورۂ التوبہ رعؐ ——— سورۂ المومنون رعؐ سُورۂ الفاطر رعؐ ——— سُورۂ السجدہ رعؐ ——— سورۂ الحج رعؐ ——— سورۂ طٰہٰ رعؐ ——— سُورۂ المزمل رعؐ ——— سورۂ الدھر رعؐ اور سُورۂ الکوثر کا مُطالعہ فرمائیں۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جو نظامِ زندگی اور جو طریقہ عبادت دُنیا میں لے کر آئے تھے اس کی تکمیل کے لئے اس آبِ حیات (نماز) سے ہمیشہ اور باقاعدہ آب یاری کی جانی ضروری تھی۔ تاکہ جس طرح ایک کھیتی پانی ملنے سے تروتازہ رہتی ہے، نشوونما حاصل کرتی ہے اسی طرح انسانی زندگی کو بھی نماز کے ذریعہ ایمانی طراوت اور رُوحانی ٹھنڈک ملتی رہے ——— حضورؐ نے فرمایا ———

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ بنائی گئی ہے میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ

بندہ (مسلم) اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے ——— (مشکوٰۃ ص۵۸ بحوالہ مسلم)

ایک دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ میں وعید ہے ——— عبداللہ ابن بُریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَلْعَهْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمُ الصَّلٰوۃُ فَمَنْ تَرَکَهَا فَقَدْ کَفَرَ

(مشکوٰۃ ص۵۸ بحوالہ احمد ترمذی نسائی و ابن ماجہ)

انسؓ ابن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-

قَالَ لَیْسَ بَیْنَ الْعَبْدِ وَالشِّرْکِ اِلَّا تَرْکُ الصَّلٰوۃِ فَاِذَا تَرَکَهَا فَقَدْ اَشْرَکَ -

(ابن ماجہ - باب ماجاء فیمن ترک الصلوٰۃ)

عبداللہ ابن عمرو ابن العاص روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا - جو شخص نماز پر محافظت کرے گا تو نماز اس کے لئے قیامت میں روشنی بُرہان (ایمان کی واضح دلیل (کما فی المرقاۃ) اور ذریعہ نجات ہوگی اور جو نماز پر محافظت نہیں کرے گا - اس کے لئے روشنی نہ ہوگی، نہ دلیل (ایمان) اور نہ نجات اور قیامت کے روز وہ قارون، فرعون، ہامان اور ابیؓ ابن خلف کی معیت میں ہوگا -

(مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ ص۵۸ بحوالہ احمد و دارمی و بیہقی)

امام بغوی نے شرح السنۃ میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں عبداللہ بن شقیق کا یہ قول روایت کیا ہے جو مشکوٰۃ میں بحوالہ ترمذی منقول ہے -

وَکَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَرَوْنَ شَیْئًا مِّنَ الْاَعْمَالِ تَرْکُهٗ کُفْرٌ غَیْرَ الصَّلٰوۃِ -

(مشکوٰۃ ص۵۸)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے

اسی قبیل کے اقوال عمر فاروقؓ اور ابن مسعودؓ سے ملا علی قاری نے روایت کئے ہیں

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں :-

"جس نے عمداً نماز چھوڑی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں" ——— ابن مسعود کا قول ہے -

"نماز کا ترک کفر ہے"۔ (برحاشیہ ابن ماجہ ج ۱ ص ۷۵ - بحوالہ مرقاۃ)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو جسدِ دین کے لئے بمنزلہ سر کے قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ جس کے پاس نماز نہیں یعنی نماز نہ پڑھتا ہو اُس کے پاس دین نہیں۔
نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جو سر کو دھڑ سے (کہ سر نہ ہو تو دھڑ مُردہ ہے) اسی طرح نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں۔ (حیات المسلمین ص ۶۶ بحوالہ طبرانی اوسط صغیر)
ابنِ ماجہ نے حضرت ابو درداءؓ سے ایک روایت کی ہے جس کے پہلے دو اجزاء یہ ہیں:
اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكِ الصَّلٰوۃَ مَكْتُوْبَۃً مُّتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّۃُ
(مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ فصل ثالث)
ترجمہ: میرے دوست محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وصیت کی کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کر۔ اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تجھے جلا دیا جائے اور فرض نماز عمداً نہ چھوڑ کہ جس نے اسے چھوڑ دیا جان بوجھ کر، وہ اللہ و رسول کے ذمّہ سے نکل گیا۔
ایمان کی ظاہری نشانی توحید کے بعد پہلا حکم نماز ہی ہے جس سے انسان کی باطنی ایمانی کیفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور انسان کی زندگی کی تعمیر بھی اسی سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں اس قدر نماز کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں سو مرتبہ سے زیادہ اس کی تعریف بجا آوری اور اس کی تاکید آئی ہے ——— (سیرۃ النبی ص ۱۹ ج ۱)
اور کتب احادیث میں کتابُ الصلوٰۃ اور ابوابُ الصلوٰۃ کے عنوانات سے نماز کے متعلق لاتعداد احادیث کے ذخیرے موجود ہیں۔ نماز ہی اللہ کو سب اعمال سے زیادہ پسند ہے۔
حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:-
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ کونسا عمل پسند ہے؟
آپؐ نے فرمایا۔ "اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِهَا" ——— (اپنے وقت پر نماز) (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری مسلم ص ۵۸)
اُمّ فروہؓ انصاریہ کے جواب میں آپ نے فرمایا:-
"اوّل وقت پر نماز سب سے بہترین و افضل عمل ہے۔
(رواہ احمد و ترمذی و ابوداؤد مشکوٰۃ باب تعجیل الصلوٰۃ)

حضورؐ نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے، کہ جس نے اسے قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کیا اور جس نے اُسے ترک کیا اس نے اپنے دل کی دینداری کو برباد کیا۔

(سیرت النبیؐ ص۴۳ ج ۱۔ بحوالہ کنز العمال)

حضرت ابوہریرہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ :

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتُمْ لَوْاَنَّ نَھْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَغْتَسِلُ فِیْہِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا ھَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِہٖ شَیْءٌ قَالُوْا لَا یَبْقٰی مِنْ دَرَنِہٖ شَیْءٌ۔ قَالَ فَذٰلِکَ مَثَلُ الصَّلٰوتِ الْخَمْسِ یَمْحُوا اللّٰہُ بِھِنَّ الْخَطَایَا (مشکوٰۃ ص۵۷ بحوالہ بخاری و مسلم)

ترجمہ : حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ اگر تم لوگوں میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر بہتی ہو اور اس میں وُہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو۔ کیا اس کے بدن پر کچھ میل بھی رہ جائے گا! لوگوں نے کہا بالکل میل نہیں رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا، یہی حالت پانچوں نمازوں کی ہے۔ اللہ ان کی وجہ سے خطائیں معاف کرتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم ایک دن سردی کے ایام میں (خزاں میں) باہر نکلے۔ درختوں کے پتے از خود جھڑ رہے تھے۔ آپؐ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ اس کے پتے جھڑنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا اے ابوذر! میں نے جواب دیا "میں حاضر ہوں یا رسول اللہؐ!

آپؐ نے فرمایا جب مسلمان بندہ خالص اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔

(مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ فصل الثالث بحوالہ احمد)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ مِنْ صَلٰوتِکُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْھَا قُبُوْرًا ۝

(بخاری کتاب الصلوٰۃ)

ترجمہ : ابنِ عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کچھ نماز اپنے گھروں میں ادا کرو۔ اور انھیں قبریں نہ بناؤ۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی النِّدَآءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ یَجِدُوْا اِلَّا اَنْ یَّسْتَھِمُوْا عَلَیْہِ لَاسْتَھَمُوْا وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی التَّھْجِیْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَیْہِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی الْعَتَمَۃِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْھُمَا وَلَوْ حَبْوًا

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: ابوہریرہؓ نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اذان دینے میں کتنا ثواب ہے اور جماعت کی پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر ہے تو اُس کو نہ پانے کی صورت میں قرعہ ڈال کر اس کو حاصل کریں اور اگر یہ معلوم ہو جاتے ہ اول وقت نماز پڑھنے کا کتنا ثواب ہے تو وہ دوڑ کر جائیں اور اگر عشا اور فجر کی نماز کی فضیلت معلوم ہو جائے، تو آئیں ان نمازوں کے لئے قوت نہ ہونے کی حالت میں گھسٹتے ہوئے۔

زید ابن خالد جہنی سے روایت ہے کہ :-

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی سَجْدَتَیْنِ لَا یَسْہُوْ فِیْہِمَا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (مشکوٰۃ ص۵۸ بحوالہ احمد)

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ ان میں بالکل غافل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دے گا۔

محدث طیبیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں غافل نہ ہونے سے مراد حضورِ قلب اور عبادت کا اس طرح کرنا ہے گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ (مرقاۃ)

یہی وُہ مقام ہے جو معراج المومنین اور اسلامی زندگی کی غایت ہے۔ انسان کے لئے اللہ کے قرب اور اس کی محبت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں

"اور نیز جان لیں کہ دُنیا میں نماز کا رُتبہ آخرت میں رویت (دیدارِ الٰہی) کے رُتبہ کی طرح ہے۔ دُنیا میں نہایت قربِ نماز میں ہے۔ اور آخرت میں نہایت قرب رویتِ الٰہی کے وقت اور جان لیں کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلہ ہیں اور نماز اصلی مقصد۔

(مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۲۷۱ اہلِ علم خان)

قُربِ الٰہی کے سب سے بڑے مشتاق سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجہ سے حضرت بلالؓ کو کہا کرتے تھے ـــــــ

قُمْ یَا بِلَالُ اَرِحْنَا بِالصَّلٰوۃِ   اے بلالؓ! اٹھو اور نماز کا انتظام کر کے مجھے راحت پہنچاؤ

اِس لئے کہ آتشِ ہجر و فراق نماز ہی سے بجھ کر راحت بن سکتی ہے ـــــ حضورؐ ہی نے فرمایا۔ "انسان آگ میں جلتا رہتا ہے اور نماز سے وہ آگ بجھ جاتی ہے۔

(سیرت النبی ج ص۷۳ بحوالہ کنز العمال ج ۴)

نماز باجماعت کے فائدے:

نماز میں خدا کی بندگی کا حق ادا کرنا مقصود ہے تاکہ اُس کی نعمتوں کا شکریہ ادا ہو، اس کی عظمت کا اظہار ہو، اور اپنی لغزشوں سے توبہ کے بعد رُوحانی قربِ حاصل ہو سکے۔ نماز انفرادی فلاح کے بعد جماعتی اور قومی سطح پر ایک مکمل نظام ہے۔ یہ ایک خدا پرست منظم جماعت کی آواز ایک، مرکز ایک، مقصد ایک، قبلہ ایک، قول و فعل ایک بنانے کا ذریعہ ہے۔

اِس وحدت کے بعد خدائی طاقت نصیب ہوگی۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ (اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمھاری مدد کرے گا) کے مصداق اس جماعت کو ہر میدان میں کامیابی ہوگی۔

نماز کے مزید فائدے حسبِ ذیل ہیں:۔

١۔ مسلمانوں کا ایک مرکز پر جمع ہونا ———— مسجد

٢۔ بہترین آدمی انتخاب کر کے صدر بنانا ———— امام

٣۔ امام کے تحت چلنا ———— اقتداء

۴۔ امام کے اتباع میں ہمہ تن ادب کا مجسمہ بن جانا اور کھانا پینا، بولنا یا ضروریاتِ زندگی سے اجتناب کرنا۔ ———— اطاعت

۵۔ اپنے آپ کو منظم کر کے امام کی آواز پر نقل و حرکت کرنا ———— اِتباع

٦۔ ان ساری پابندیوں میں امام پر احسان نہ دھرنا، بلکہ اس کی تابعداری کو سب سے ضروری فرض خیال کرنا ———— احساسِ فرض

٧۔ اِس تمام فرمانبرداری میں کسی اُجرت کا خواہاں نہ ہونا بلکہ گھر سے کھا کر اطاعت کرنا۔ ———— اخلاص

٨۔ مساوات کا جذبہ پیدا کرنا تاکہ کام کے وقت شاہ و گدا ایک صف میں کھڑے ہو جائیں۔ ———— مساوات

٩۔ ایثار کی رُوح پھونکنا کہ جو پہلے آئے وہ آگے کھڑا ہو اور جو بعد میں آئے وہ پچھلی صف میں، خواہ بادشاہِ وقت ہی کیوں نہ ہو ———— ایثار

جب ایسی ایثار پیشہ جماعت ایک قائد (امام) کے حکم پر چلے تو پھر اس کی عزت، اس کی سربلندی اور اس کی سرداری کا خدا نے خود ذمہ لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ — اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے (سورۂ رُوم)

روزہ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝
شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینت من الھدی والفرقان ج فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ط ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر ط یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ما ھدکم ولعلکم تشکرون ۝ (البقرہ: ۱۸۵)

ترجمہ : مہینہ رمضان کا ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ جو لوگوں کے لئے ہدایت راہ پانے والوں کے لئے روشن دلائل اور حق کو باطل سے جدا کرنے والا (قانون) ہے۔ جو اسے پالے تو اس (مہینہ) میں پورے روزے رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا مسافر تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور نہیں چاہتا دشواری اور یہ اس لئے کہ تم اس گنتی کو پورا کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ جس طرح اس نے تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم اللہ کے شکر گذار بندے بنو۔

شریعت کی اصطلاح میں کسی شخص کا صبح کی سفیدی کے نمودار ہونے سے رات کی سیاہی کے نمودار ہونے یعنی غروب آفتاب تک ارادے سے کھانے پینے اور ہر نفسانی خواہش سے رُک جانے کا نام صوم یا روزہ ہے۔ یہ عبادت صلوٰۃ کے بعد دوسری ہجری (۲ھ) میں فرض ہوئی اور اس کے لئے رمضان کا مہینہ اس لئے تجویز ہوا کہ یہی وہ مقدس مہینہ ہے جس کی ایک رات میں سرور کونینؐ سے خدا کے پیغام کی غار حرا میں ابتدا ہوئی ۔ اس یاد میں یہ مہینہ عزت اور حرمت کا مہینہ مقرر ہوا اور اس میں اسی طرح دن گذارنے کا حکم ہوا جس طرح اللہ کے پاک نبیؐ نے اپنے دن غار حرا میں گذارے تھے یعنی دن کو کھانے پینے سے پرہیز اور رات کو خدا کی عبادت میں قیام۔
روزہ ہر اُمت کے لئے فرض تھا، ہاں اس کی صورت جداگانہ تھی۔ روایات سے معلوم

ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ہر مہینہ کی ۱۳-۱۴-۱۵ کو روزہ فرض تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام ہمیشہ روزہ دار رہتے تھے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے اور یہود پر عاشورہ اور ہر سنیچر کے علاوہ چند دن اور بھی روزے فرض تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور دو دن افطار کرتے تھے۔

نصاریٰ پر دراصل رمضان کے روزے فرض تھے۔ لیکن جب انھیں سخت گرمی اور سردی کے روزے میں دقت محسوس ہوئی تو یہ فیصلہ کیا کہ موسم ربیع میں بجائے تیس ۳۰ کے پچاس رکھا کریں گے۔

قرآن عزیز میں روزہ کا حکم ان الفاظ میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(البقرۃ - ۱۸۳)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ——— فرض کئے جاتے ہیں تم پر روزے جیسا کہ فرض کئے گئے ان لوگوں پر جو تم میں سے پہلے تھے۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

مفہوم یہ ہے کہ روزہ داری کے حکم کو سختی نہ سمجھو۔ اس سے تمہاری مشکلات حل ہوں گی اللہ تعالیٰ کا ارادہ تم کو تکلیف میں ڈالنے کا نہیں ——— روزوں کی گنتی پوری کرو اور حکم خدا کی پابندی کر کے اللہ کا نام بلند کرو۔ جب تم اس کی محبت کا شکر بجالاؤ گے تو وہ نعمت زیادہ کردے گا۔

دوسری آیت یہ ہے:-

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝

(البقرۃ: ۱۸۶)

ترجمہ: جب تجھ سے میرے بندے میرے (اللہ کے متعلق) پوچھتے ہیں تو (کہدو) یقیناً میں قریب ہوں۔ میں ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ جب وہ مجھے پکارے۔ پس چاہیئے کہ (لوگ) مجھی سے مانگا کریں اور مجھ پر ہی ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پاسکیں۔

روزوں کے ذریعے اللہ کی ذات سے جو ایک روحانی نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔ روزہ داری سے روح پاک ہو جائے گی۔ نفس پاک ہو جائے گا۔ جسم پاک ہو جائے گا۔ معاشرت اور تمدن پاک ہو جائیں گے۔ اس کے بعد جب بندہ اللہ کو پکارے گا تو وہ پکار یقیناً سنی جائے گی اور وہ مستجاب ہو گی۔

آیتوں کے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے روزہ داری کے تین مقصد بیان فرمائے ہیں۔
پہلا یہ کہ تم متقی بن جاؤ۔ یعنی تمہارے اندر بدی کی طاقتیں کمزور اور نابود ہو جائیں اور نیکی کی طاقتیں نشو و نما پائیں۔ کیونکہ انسان کی ہر ایک قوت اپنے کمال تک پہنچنے کے لئے اس بات کی محتاج ہے کہ اسے نشو و نما دی جائے ـــــ روزہ میں خدا کے حکم کی فرمانبرداری کے لئے حلال چیزوں کو بھی ترک کر دیا جاتا ہے۔ اس سے انسان اپنے نفس پر حاکم بن کر اسے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچا سکتا ہے۔ اسلام نے ہر ایک چیز کو ایک قاعدہ اور ضابطہ کے ماتحت رکھا ہے۔ وقت پر کھانا عین تعلیم اسلام کے مطابق ہے۔ روزہ میں اس ضابطہ کو توڑنا مقصود نہیں، بلکہ انسان کے اندر یہ قوت پیدا کرنا مقصود ہے کہ خواہشاتِ حیوانی کو توڑنا جو کھانے پینے اور زوج کی طرف رجوع کرنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ انسان کے قبضہ قدرت میں ہو اور ایسا نہ ہو کہ انسان ان کا محکوم اور غلام ہو کر رہ جائے ـــــ روزے نے خواہشاتِ حیوانی پر قابو پانے کی عملی راہ بتائی ہے اور اس طرح انسان کو تقویٰ (یعنی ہر مضر اور نقصان دینے والی عادت، چیز یا طاقت سے محفوظ کر دینے) کی راہ دکھائی ہے۔
دوسرا یہ کہ تم اللہ کے شکر گذار بندے بن جاؤ ـــــ شکر کے معنی ہیں خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح استعمال ـــــ مطلب یہ ہے کہ خدا کی دی ہوئی طاقتیں، اس کے عطا کردہ اعضاء و جوارح اس کی بخشش کی ہوئی تمام وہ چیزیں جو ہمارے لئے بنائی گئی ہیں اس کا حکم آجانے پر اس کے منشا کے مطابق استعمال ہوں۔
تیسرا رُشد یعنی یہ کہ انسان خطروں، بدیوں اور آزمائشوں سے بچ کر اور اللہ کی نعمتوں کا صحیح استعمال کر کے اپنی منزلِ مقصود پا لیتا ہے ـــــ روزہ دار اگر تقویٰ، شکر اور رُشد تینوں نعمتوں کو حاصل کر لے تو یہ انسانی زندگی کی معراج ہے۔
احادیث میں رمضان اور روزوں کے متعلق ارشاداتِ نبوی موجود ہیں۔ مندرجہ ذیل احادیث روزہ کی حقیقت اور فضائل واضح کرتی ہیں۔
عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ یُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِیْ اٰخِرِ لَیْلَةٍ فِیْ رَمَضَانَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِیَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا یُوَفّٰی اَجْرَهٗ اِذَا قَضٰی عَمَلَهٗ ۔ (رواہ احمد)
ترجمہ : ابوہریرہؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخشش کی جاتی ہے اُمتِ محمدیہؐ

کے لئے یعنی اُن لوگوں کے لئے جو روزہ دار ہیں رمضان کی آخری رات میں ۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ
کیا وہ شب قدر ہے ۔ آپ نے فرمایا نہیں ۔ لیکن کام کرنے والے کو یعنی روزہ دار کو اُس کے کام
کی پوری اُجرت دی جاتی ہے کہ جبکہ وہ اپنے کام کو پورا کر چکتا ہے یعنی روزوں کو ختم کر چکتا ہے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً
(متفق علیہ)

ترجمہ : انسؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سحری کھاؤ ۔ اس لئے کہ سحری
کھانے میں برکت ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا
وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَكْلَةُ السَّحَرِ
(رواہ مسلم)

ترجمہ : عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمارے اور اہل کتاب
(یہود و نصاریٰ کے روزوں کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے ۔ یہود و نصاریٰ رات کو سو
جانے کے بعد کھانا حرام سمجھتے تھے ۔ اور ابتدائے اسلام میں بھی یہی حکم تھا ۔ پھر حکم بدل گیا

عَنْ سَهْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا
عَجَّلُوا الْفِطْرَ
(متفق علیہ)

ترجمہ : سہلؓ کہتے ہیں ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ ہمیشہ بھلائی میں رہیں گے
جب تک افطار میں جلدی کریں گے ۔ یعنی آفتاب غروب ہونے کے بعد فوراً ہی افطار کریں گے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ
فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَيُّكُمْ مِثْلِيْ اِنِّيْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ
رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ
(متفق علیہ)

ترجمہ : ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ منع فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ پر روزہ رکھنے
سے یعنی اس طرح کہ درمیان میں افطار نہ کرے ۔ ایک شخص نے ممانعت کے حکم کو سُن کر کہا ۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو روزہ پر روزہ رکھتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں مجھ جیسا
کون ہے ۔ میں رات کو گذارتا ہوں اس طرح کہ میرا رب مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے ۔

عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ
قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهٗ ، رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ
وَقَفَهٗ عَلٰى حَفْصَةَ مَعْمَرٌ وَالزُّبَيْدِيُّ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَيُوْنُسُ الْاَيْلِيُّ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ

ترجمہ : حفصہؓ کہتی ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص فجر سے پہلے روزہ کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہے ——— (ترمذی۔ ابوداؤد نسائی۔ دارمی)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا ——— (رواہ الترمذی)

ترجمہ : ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے کہا ہے کہ میرے بندوں میں سب سے پیارا بندہ وہ ہے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ یُّصَلِّیَ عَلٰی رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَیْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تُمَیْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

ترجمہ : انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب سے پہلے تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کیا کرتے تھے۔ اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار کرتے اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند چلو پانی سے روزہ افطار کر لیتے تھے۔ (ترمذی ابوداؤد۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے)

عَنْ زَیْدِ ابْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْ جَهَّزَ غَازِیًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَرَوَاهُ مُحْیِ السُّنَّةِ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ صَحِیْحٌ ———

ترجمہ : زید بن خالدؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص افطار کرائے روزہ دار کو، یا سامان درست کرے کسی غازی کا۔ تو اس کو اس کے برابر ثواب ملے گا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ : ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ افطار کرتے تو فرماتے گئی پیاس تر ہوگئیں رگیں اور ثابت ہوا ثواب اگر خدا نے چاہا۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ ——— (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ : معاذ بن زید کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ افطار کرتے تو فرماتے اللّٰھمّ لک صمت وعلی رزقک افطرت یعنی اے اللہ تیرے ہی لئے روزہ رکھا میں نے اور تیرے

ہی رزق پر افطار کیا میں نے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ الدِّیْنُ ظَاهِرًا مَّا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی یُؤَخِّرُوْنَ ——— (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دین ہمیشہ غالب رہیگا جب تک کہ لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے۔ اس لئے کہ یہود و نصاریٰ روزہ افطار کرنے میں دیر کرتے ہیں۔ دو اور حدیثوں میں روزہ کے فضائل یوں بیان فرمائے گئے۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت کی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے روزہ رکھا اور آنحالیکہ اس کے دل میں ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ سے اجر پانے کے خیال سے روزہ رکھا اس کے سارے پہلے گناہ بخشے جائیں گے اور جو شخص رمضان کی راتوں میں عبادت کرے درآنحالیکہ ایماندار ہو اور ثواب پانے کا ارادہ رکھے۔ اس کے بھی پہلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس شخص نے لیلۃُ القدر کی رات کو قیام کیا۔ درآنحالیکہ ایماندار ہو اور اللہ تعالیٰ سے اجر پانے کا ارادہ رکھتا ہو، اس کے بھی پہلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

نیکی کی تشریح فرماتے ہوئے روزہ کو خاص اللہ کی طرف سے "جزاء" (اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ) کا ذریعہ بنایا گیا ہے ——— سرورِ کونینؐ فرماتے ہیں۔

ترجمہ: اللہ کی طرف سے انسان کے ہر نیک عمل کا کئی گنا اجر ملتا ہے۔ ہر نیکی کم از کم دس درجے پاتی ہے۔ اور سات سَو درجہ تک بھی اللہ تعالیٰ عمل کا اجر بڑھا کر دیتے ہیں۔ غرضیکہ ہر عمل کا اخلاص وللّٰہیت اور اس کے منافع اور نتائج کے لحاظ سے اجر ملتا ہے ——— اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سوائے روزے کے، کیوں کہ وُہ میرا ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ روزہ دار اپنی خواہشاتِ نفسانی اور کھانا میرے لئے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک روزہ افطار کرتے وقت حاصل ہوتی ہے اور دوسری اپنے ربّ کی ملاقات کے وقت حاصل ہوگی اور روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کے ہاں مُشک سے بھی بہتر ہے ——— اور روزہ ڈھال ہے۔ جب کوئی روزہ دار ہو تو نہ وہ عورتوں سے میل جول کی باتیں کرے، نہ بیہودہ شور و غُل کرے۔ اگر اُسے کوئی گالی دے یا لڑائی کرے تو کہہ دے۔ "میں روزہ دار ہوں"۔

روزے کی تکمیل کے لئے جہاں کھانا پینا ترک کر دینے کا حکم ہے۔ وہاں اِن برائیوں سے

بچنے کا بھی حکم ہے جو انسان کی اخلاقی اور جماعتی زندگی پر اثر ڈالتی ہیں ــــ ارشادِ نبوی ہے۔
مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَ شَرَابَہٗ۔

ترجمہ: جس شخص نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی پرواہ نہیں (یعنی روزے سے قربِ الٰہی اور حصولِ رضائے مولیٰ کا جو نتیجہ مرتب ہونا چاہئے وہ نہیں ہوتا۔

ایک اور روایت میں مروی ہے ــــ اَلْغِیْبَۃُ تُفْطِرُ الصَّائِمَ۔ غیبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول ہے ــــ اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ۔ (روزہ ڈھال ہے) ڈھال کے ذریعہ انسان دشمن کے وار سے بچتا ہے، اسی طرح روزہ دار شیطان اور نفس کے وار سے بچ جاتا ہے۔

عملی نتائج:

روزہ ایک اجتماعی فرض ہے اور پوری ملت پابند ہے کہ خلقِ خدا کی محبت اور اپنی اصلاح و پاکیزگی کے لئے سال میں پورا مہینہ ایک نظام اور پابندی کے ساتھ روزے رکھے۔ اس نظام کے عملی نتائج بڑے حیرت انگیز ہو سکتے ہیں اور جب تک ملی نظام قائم رہا، دنیا نے ان نتائج کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ــــ ان نتائج کے مظاہر یہ رہے، اور ہر زمانہ میں ان کا تجربہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) خدا پر کامل یقین:

روزے کے سوا جتنی دوسری عبادتیں ہیں، وہ کسی نہ کسی ظاہری حرکت سے ادا کی جاتی ہیں۔ نماز میں قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ۔ زکوٰۃ میں مال کا دینا حج میں لمبا سفر وغیرہ۔
ان عبادتوں میں لوگوں کو ضرور خبر ہو جاتی ہے۔ مگر روزہ ہی وہ عبادت ہے جس کا حال خدا اور بندے کے سوا کسی دوسرے پر نہیں کھل سکتا ــــ ایک شخص سب کے سامنے سحری کھائے اور افطار کے وقت تک ظاہر میں کچھ نہ کھائے پیئے مگر چھپ کر پانی پی لے یا چوری چھپے کھا لے تو خدا کے سوا کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ ساری دنیا یہی سمجھتی رہے گی کہ وہ روزے سے ہے۔
اب غور کیجئے کہ جو شخص روزہ رکھتا ہے سخت گرمی کی حالت میں جبکہ پیاس سے حلق چٹخا جاتا ہو پانی کا ایک قطرہ حلق سے نیچے نہیں اتارتا سخت بھوک کی حالت میں بھی جب کہ آنکھوں

یں دم آرہا ہو کوئی چیز کھانے کا ارادہ نہیں کرتا۔ اس شخص کا خدا پر کتنا ایمان ہے۔ کتنا زبردست یقین ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی کوئی حرکت چاہے ساری دُنیا سے چھپ جائے اللہ سے نہیں چھپ سکتی۔ ایسا پختہ یقین، مضبوط دل اور بن دیکھے خدا سے ڈرنے والا دُنیا میں کبھی نیچا نہیں دیکھ سکتا۔

(۲) تنومندی اور صحت :

سال بھر میں ایک مہینہ تک سحری اور افطار کے انضباط سے جسم اور معدہ کی کئی زائد رطوبتیں جل جاتی ہیں۔ دماغ، معدہ اور تمام اعضاء مختلف قسم کے فضلات سے پاک ہو جاتے ہیں اور اس طرح انسانی جسم بیماری سے محفوظ اور بد پرہیزی کے ہر روگ سے نجات حاصل کر کے تنومند اور تندرست ہو جاتا ہے۔

(۳) پرہیزگاری :

زبان کا چسکا۔ شراب خوری، سگریٹ، پان اور چائے وغیرہ کی عادات، شکم پری۔ زیادہ کھانا پینا اور اس قسم کے تمام مصنوعی اور غیر فطری تکلفات سے انسان کو رہائی مل جاتی ہے مہینہ بھر تک انضباط اور پرہیز کی مشق کر لینے سے ہر ایک انسان اس قابل ہو سکتا ہے کہ وہ از سرِ نو سادہ اور بے تکلف زندگی بسر کر سکے۔

(۴) خود ضبطی اور امنِ عامہ :

مسلسل انضباط اور پابندی سے حیوانیت کمزور ہو جائے گی۔ جرم، گناہ اور عیاشی کی طاقتیں دب جائیں گی اور خواہشات پر قابو حاصل ہو جائے گا۔ پیٹ اور شہوت کا جال ٹوٹ جائے گا۔ اور بے شمار بحثیں اور بندھن جو رُوح کی آزادی میں حائل ہیں پُرزہ پُرزہ ہو جائیں گے جب ہر ایک انسان مہینہ بھر تک بغیر کسی نگرانی کے تمام اعضاء کا روزہ رکھے گا اور صبح سے شام تک زبان، آنکھ، مُنہ اور دل و دماغ کو بد زبانی، بدنظری اور بد خیالی سے روکے گا اور اس سے ہر شخص میں دیانت داری، پابندیٔ اصول، خود اعتمادی اور ضبطِ نفس کی خوبیاں پیدا ہوں گی۔ شخصی اور قومی جھگڑے جو ہمیشہ ظلم و گُناہ سے پیدا ہوتے ہیں از خود مٹ جائیں گے اور لوگ امن، اتحاد اور محبت کے راستے پر چل پڑیں گے۔

(۵) ہمدردی و مساوات :

جب امیر و غریب مسلسل ایک مہینہ تک نظم و ضبط کی زندگی بسر کریں گے تو ان کی معاشرت

میں یکسانی پیدا ہوگی۔ امیروں کو غریبوں کے دُکھ درد کا تجربہ ہوگا۔ تمام انسانیت ایک رنگ میں رنگی جائے گی۔ سب لوگوں میں مساوات کی رُوح پیدا ہوگی اور نعمت و رزق کی قدر معلوم ہونے لگے گی

(۶) استقامت :

مسلسل روزہ داری سے آرام طلبی اور نازنینی کی جڑ کٹ جائے گی صبر اور پاک دامنی سے حوصلہ مندی، استقلال اور جفاکشی کا ذوق پیدا ہوگا۔ انسانی زندگی سر سے پاؤں تک بالکل ایک نئے سانچے میں ڈھل جائے گی اور تمام بنیادی کمزوریاں جو گذشتہ گیارہ مہینوں کی مسلسل بداعتدالیوں کے باعث انسان کی عمر، صحت، کیریکٹر اور روحانیت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر چکی ہوتی ہیں۔ روزوں کی برکت سے زائل اور نابود ہو جائیں گی۔ تمام روزہ دار، عمل، خدمت، قربانی، پرہیزگاری اور اصلاح کے لئے تیار ہوں گے۔ اور یہ انسانی زندگی کا ایک عظیم انقلاب ہے۔

میقاتِ رمضان :

رویتِ ہلال پر رمضان کی پہلی تاریخ سے روزہ رکھنا فرض ہے اور اگر چاند نظر نہ آسکتا ہو تو پھر شعبان کے ۳۰ دن گذرنے پر رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوگا ابر و غبار کی صورت میں رمضان کا ثبوت ایک مسلمان عاقل بالغ یا عادل شخص سے بھی ہو جاتا ہے (عادل سے مراد یہ ہے کہ کم از کم گناہِ کبیرہ سے بچتا ہو) خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔

نیتِ روزہ :

روزہ میں نیت ضروری ہے اِس کے بغیر روزہ نہیں ہوتا۔ اگر کسی نے دل میں روزہ کی نیت کر لی تو یہی کافی ہے۔ مگر زبان سے یُوں کہنا افضل ہے۔

نَوَیْتُ بِصَوْمِ غَدٍ مِّنْ شَہْرِ رَمَضَانَ — میں نے کل کے روزے کی نیت کی ماہِ رمضان سے

روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے ؟ :

قصداً کھانے پینے یا صحبت کرنے یا قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر بھول کر کچھ کھا پی لیا جائے یا خود بخود قے آجائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

روزے میں مسواک کرنا، تیل، خوشبو، یا سُرمہ لگانا، گرمی کی وجہ سے سر، سینہ یا پاؤں پر پانی گرانا، نہانا، کھانے کا نمک چکھنا اس طرح کہ حلق سے نیچے نہ اترے، جائز ہے۔

قضا :

۱۔ جو لوگ رمضان میں بیمار یا سفر میں ہوں ان کو اختیار ہے کہ روزے نہ رکھیں جب اچھے

ہو جائیں یا سفر ختم کر چکیں تو دوسرے رمضان تک سال بھر میں جب چاہیں اتنے روزے رکھ لیں جتنے چھوٹ گئے ہیں۔

۲۔ عورتیں جب تک پاک نہ ہوں روزے نہ رکھیں۔

۳۔ غیر فطری چیز کو قصداً کھانے سے صرف قضا لازم آتی ہے، کفارہ نہیں۔ مثلاً کسی نے کنکریاں کھا لیں یا بہت سا نمک کھا لیا۔ یا روئی، لوہا، کاغذ وغیرہ نگل گیا تو ان سب صورتوں میں روزہ کی قضا لازم آتی ہے۔

۴۔ غروب آفتاب کے قریب غروب کے شبہ میں غلطی سے روزہ کھول دیا رات کے شبہ میں کھا پی لیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو چکی تھی تو ان صورتوں میں بھی قضا لازم ہو گی۔ (ھدایہ)

کفارہ —— روزہ میں قصداً کھا پی لینے یا صحبت کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا ساٹھ پے در پے روزے رکھے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ (دونوں وقت پیٹ بھر کر)

رخصت —— اگر مریض کا مرض ایسا ہے کہ روزے سے اُس کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ روزہ نہ رکھے۔ شفا ہونے کے بعد اس کی قضا کرے۔ اگر حاملہ اور مُرضِعَہ (دودھ پلانے والی) کو یقین ہو کہ روزے سے بچے کو تکلیف ہو گی تو وہ بھی روزہ قضا کر سکتی ہے۔ مُسافر کو اگر روزے سے ناقابلِ برداشت تکلیف ہوتی ہے۔ تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے —— کمزور، بوڑھے یا ایسے لوگ جو ہمیشہ بیمار رہتے ہیں۔ اگر روزہ نہ رکھ سکیں تو اُن کے اوپر قضا نہیں —— وہ ہر روزے کے عوض فدیہ دیں یعنی ایک مسکین کو روزانہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا کریں (منہاج الطریق)

مکروہاتِ روزہ :

(۱) کسی چیز کا بلا عذر چکھنا۔
(۲) کمزوری میں فصد کھلوانا یا پچھنے لگوانا۔
(۳) جھوٹ بولنا۔
(۴) چغلی کھانا۔
(۵) غیبت کرنا۔
(۶) فضول اور بے کار باتیں کرنا۔
(۷) بات بات پر غصّہ کرنا —— اِن باتوں سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے اور ثواب کم ہو جاتا ہے۔
(عالمگیری)

افطار و سحری :

کھجور سے روزہ کھولنا باعثِ برکت ہے، یہ نہ ملے تو پانی سے کھولنا چاہیئے۔ افطار کے وقت یہ دُعا پڑھی جائے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔

ترجمہ : اے اللہ میں نے تیرے لئے ہی روزہ رکھا اور تجھ پر ہی ایمان لایا اور تیرے اُوپر ہی بھروسہ کیا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا۔

سحری کھانا سُنّت اور باعثِ ثواب ہے۔ اگر بھوک نہ ہو تو تھوڑا ہی کھالے۔ سحری میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ لیکن اتنی تاخیر نہ ہو کہ طلوعِ صبح صادق کا گمان ہونے لگے۔

اسلام نے زندگی کو پاک کرنے کے لئے سال کا ایک مہینہ (رمضان) خاص کر دیا ہے۔ اس مہینے کا پروگرام یہ ہے کہ آپ روزے رکھیں تاکہ آپ کا جسم، دِل، عقل اور جذباتِ میل سے پاک ہو جائیں۔

آپ اپنے ہمسایوں، اپنے ہم وطنوں اور ہم جنسوں کے دُکھ درد کو محسوس کریں اور اکٹھے روزے رکھیں تاکہ انسانی تمدن کی اصلاح ہو۔

رمضان شریف میں ۷، ار تاریخ کو پہلی مرتبہ اسلام کی تلوار بے نقاب ہوئی اور ۲۰ رمضان کو خانہ کعبہ تین سو ساٹھ بتوں سے پاک ہُوا، اور اسلام کی بادشاہت کا تخت بچھا۔ اس لحاظ سے یہ مہینہ تیغِ اسلام کی "نقاب کشائی، افتتاحِ جہاد، اور قیامِ خلافت کی سالگرہ ہے۔ اس مہینہ میں نزولِ قرآن کی ابتداء ہوئی اور ہر سال یہ مہینہ دُنیا میں انسانوں کو غیر الٰہی قوانین کی اطاعت سے سبکدوش کرنے کی یاددہانی ہے۔ تاکہ دُنیا میں جہاد کی تقدیر روشن ہو اور اللہ کی زمین اللہ کے بندوں کے لئے جائے امن اور مامن سکون بن جائے۔

رُوحِ روزہ

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک انسانی زندگی کا کامل نمونہ اور اپنی اُمّت کے لئے ہدایت و پیروی کا ایسا سرچشمہ ہے جس کا فیض ہمیشہ جاری ہے —— آپ نے صبر، ضبط، بے سامانی اور فاقہ کشی کی ان صورتوں کو اپنی زندگی میں عملاً پیش فرمایا۔ جو انسانی زندگی کی ہر سطح اور ہر مقام پر پیش آسکتے تھے۔ بات یہ نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا کی نعمتیں میسر نہ تھیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا کی نعمتوں کو اُخروی نعمتوں کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے تھے اور انھیں اپنے عمل سے واضح کرنا

تھا کہ وُہ دل جو اللہ سے راضی ہو، وُہ دماغ جو نورِ حق سے منوّر ہو اور وُہ اعضاء و جوارح جو محبوبِ حق کے راستے میں کمالِ محبّت کے تابع فرمان ہوں۔ ان کی اصل خوشی یہی ہوتی ہے کہ وہ ایک لمحہ اور ایک ساعت بھی اپنے فرض سے غافل نہ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے منصبِ اعلیٰ پر قائم رہتے ہوئے اُمّت اور انسانیّت کے سامنے یہ حقیقت پیش کی کہ خُدا کی محبّت اور انسانیّت کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ انسان سب کچھ ہوتے ہوئے اور ہر چیز کے میسّر آجانے کے باوجود کسی بلند نصب العین کے لئے ان کو ترک کر دے، اور اس میں اس کو بوجھ یا تکلیف کی بجائے سرور اور راحت نصیب ہو۔

جب تمام عرب حضورؐ کے زیرِ نگیں ہو چکا تھا۔ آپؐ نے فاقہ کشی، ضبط، ایثار اور فقر کے جو نمونے پیش فرمائے وُہ صرف آپؐ ہی کا حصّہ ہے۔ اور ان واقعات میں حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی سچّی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ سرورِ دو جہاںؐ کا عالمِ فقر دیکھ کر دُنیا انگشت بدنداں ہے۔

سرورِ کونینؐ کا اصل میلان زخارفِ دُنیوی سے بچنے کا تھا۔ حضورؐ فرماتے ——— فرزندِ آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں۔ رہنے کے لئے گھر، ستر پوشی کے لئے ایک کپڑا اور شکم سیری کے لئے رُوکھی سُوکھی روٹی اور پانی۔

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپؐ اور سارا گھر بھُوکا سو رہتا تھا۔ کان رسول اللہ یبیت اللیالی المتتابعۃ طاویا ھو واھلہ لا یجدون عشاء ——— ابن ماجہ۔ کتاب اللباس

ترجمہ: رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے اہل و عیال متصل کئی کئی رات بھُوکے رہ جاتے تھے۔ کیونکہ رات کا کھانا میسّر نہیں ہوتا تھا۔

پیہم دو مہینہ تک حضورؐ کے گھر آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزبیر نے پوچھا کہ آخر گزارہ کس چیز پہ تھا۔ بولیں کہ پانی اور کھجور البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دُودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق)

حضورؐ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی۔ میدہ جس کو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں۔ کبھی نظر سے نہیں گزرا۔ سہل بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہیں، اُن سے لوگوں نے پوچھا کیا آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں چھلنیاں نہ تھیں؟ بولے نہیں۔ لوگ آخر پھر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے۔ بولے مُنہ سے پھُونک کر بھُوسی اڑا دیتے تھے۔ جو رہ جاتا اُس کو گوندھ کر پکا لیتے۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپؐ نے کبھی دو وقت روٹی نہیں کھائی ——————— (صحیح مسلم - ج ۲ ص ۱۹۸ مطبوعہ مصر)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپؐ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے۔ سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے ہے۔ (صحیح مسلم ص ۱۹۳)

حضرت ابوطلحہ رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں ——— (صحیح مسلم)

اکثر بھوک کی وجہ سے آواز اس قدر کمزور ہو جاتی تھی کہ صحابہؓ آپؐ کی حالت سمجھ جاتے تھے۔ ایک دن ابوطلحہ رضؓ گھر میں آئے اور بیوی سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے ابھی رسول اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اُن کی آواز کمزور ہو گئی ہے۔

ایک دن بھوک میں ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے۔ راہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ملے۔ یہ دونوں صاحب بھی بھوک سے بے تاب تھے۔ آپ سب کو لے کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر آئے۔ ان کا معمول تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دودھ مہیا رکھتے تھے۔ آج آپؐ کے آنے میں دیر ہوئی تو انھوں نے بچوں کو کھلا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے گھر پہنچے تو وہ نخلستان میں چلے گئے۔ اُن کی بیوی کو خبر ہوئی تو باہر نکل آئیں اور عرض کی! "حضورؐ کا آنا مبارک" آپؐ نے پوچھا۔ "ابوایوب کہاں ہیں؟" نخلستان پاس ہی تھا۔ وہ آواز سن کر دوڑے آئے اور مرحبا کہہ کر عرض کی ——— یہ حضورؐ کے آنے کا وقت نہیں۔ آپؐ نے حالت بیان کی۔ وہ نخلستان میں جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور کہا۔ میں گوشت تیار کرتا ہوں۔ ایک بکری ذبح کی۔ آدھے کا سالن، آدھے کے کباب تیار کرائے۔ کھانا سامنے لا کر رکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ فاطمہ رضؓ کو بھجوا دو۔ کئی دن سے اُسے کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔ پھر خود صحابہؓ کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرمایا۔ متعدد قسم کے کھانے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ "خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعیم کے سوال ہوگا وہ یہی چیزیں ہیں" ——————— (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۰)

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے؟ وہ عرض کرتیں، نہیں۔ آپؐ فرماتے کہ اچھا میں نے روزہ رکھ لیا۔
(مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۴۹)

رمضان المبارک کے مبارک مہینہ میں دن کو روزہ رکھا جاتا ہے۔ رات کو عام مقررہ نماز سے زیادہ عبادت کی جاتی ہے۔ اس عبادت کی صورت یہ ہے کہ نمازِ تراویح میں قرآنِ عزیز کا ختم ہوتا ہے۔ عام دستور ہے کہ ۲۷ دن میں یا اس سے کم و بیش دنوں میں اور بعض صاحب ذوق حضرات "شبینہ" یعنی ایک رات میں سارا قرآن عزیز ختم کر لیتے ہیں۔

ترویحہ اصل میں بیٹھنے کا نام ہے، پھر رمضان المبارک کے مہینہ کی راتوں میں چار رکعتوں کے بعد ذرا آرام کرنے کے لئے بیٹھنے کو ترویحہ کہا گیا اور اسی کی وجہ سے ہر چار رکعتوں (نوافل) کو تراویح کہہ دیا جاتا ہے اور بیس رکعتوں کو بھی تراویح کہا جاتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں نماز تراویح اُن بیس رکعتوں کو کہتے ہیں جو رمضان المبارک میں عشاء کی نماز میں چار رکعت سنتوں چار فرضوں، دو سنتوں اور دو نفلوں کے بعد بیس رکعتیں با جماعت دو دو کر کے پڑھی جاتی ہیں۔ اِن رکعتوں میں قرآنِ حکیم دُھرایا جاتا ہے۔

نماز تراویح فہم قرآن اور اشاعتِ قرآن کی تیاری ہے۔ قرآنِ عزیز زندگی کا ضابطہ حیات ہے اور نماز تراویح میں ۲۷ دنوں یا اس سے کم و بیش وقت میں اس ضابطہ حیات کا پڑھنا اور سمجھنا اس مقصد کے لئے ہے کہ ہم زندگی کے فرائض سے واقف ہو جائیں اور اس آگہی کے بعد ہماری زندگی کا ہر قدم اس کے مطابق اُٹھے۔ نماز تراویح کی رکعتوں کے درمیان ترویحہ یعنی تھوڑا آرام یا وقفہ کر کے جو دُعا پڑھی جاتی ہے وہ خدائے قدوس کی عزت، عظمت، ہیبت، قدرت اور توحید کا اعلان ہے تاکہ قرآن عزیز (ضابطہ حیات) کے فہم کے ساتھ خالقِ کائنات کی شانِ حقیقی دلوں میں ایک نیا ولولہ عمل اور نئی رُوح حیات پیدا کر دے۔ اس دُعا کو یاد کر لینا اور اس کو سمجھ کر پڑھنا ہر مسلمان کے لئے لازمی ہے۔ وہ دُعا یہ ہے:۔

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ۔ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ ۝ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ۔ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَنَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ ۝

ترجمہ: پاک ہے وہ صاحبِ ملک و ملکوت۔ پاک ہے وہ صاحبِ عزت و عظمت اور صاحب ہیبت و قدرت اور پاک ہے وہ ذاتِ کبریا اور صاحب جبروت خدا — پاک ہے وہ شہنشاہ جو ہمیشہ زندہ ہے نہ سوتا ہے اور نہ کبھی اس پر موت آسکتی ہے۔ عبادت کے لائق۔ پاک ہمارا

پروردگار ہے۔ پروردگار ہے فرشتوں کا اور ارواح کا ـــــ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ۔
ہم اللہ سے بخشش مانگتے ہیں اور تجھ سے ہی (اے اللہ) ہم جنت کے سوالی ہیں اور آگ سے
تیری پناہ کے طلبگار ؔ۔

تراویح میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن عزیز کا ختم کرنا سُنّتِ موکدہ ہے اور اِس کا بڑا ثواب ہے۔ تراویح میں اس قدر تیز قرآن مجید پڑھنا کہ مقتدیوں کی سمجھ میں نہ آئے یا اس قدر لمبی لمبی رکعتیں کرنا کہ مقتدی پریشان ہو جائیں، سخت مکروہ ہے۔

قرآنی احکام اور ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے رکھیں تو رمضان المبارک میں ملّتِ اسلامیہ کے اجتماعی صورت میں رُوحانی اور جسمانی لحاظ سے پاک کرنے اور جہاد کی تیاری کے لیے مستعد رکھنے کی ساری صورتیں موجود ہیں ـــــ قرآن پاک نے روزہ داری کے جو مقاصد بیان فرمائے وہ تین ہیں :-

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ — تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ — تاکہ تم شکر گذار بن جاؤ

اور

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ

تاکہ وہ ہدایت پائیں

تقویٰ، شکر اور رُشد تینوں صفات انسانی زندگی کی تکمیل کے لیے بہترین وسائل ہیں۔
تقویٰ کا پھل یہ ہے کہ انسان میں اپنی عقل، سمجھ، اعضاء و جوارح اور دولت وغیرہ کے غلط استعمال کی طاقت نہیں رہتی اور ان کے جائز استعمال کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔
شکر انسان کو خطرات، برائیوں اور آزمائشوں سے بچا کر اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے عملی استعمال کا نام ہے۔ ایک شکر گزار انسان دن کو محض رضائے الٰہی حاصل کرنے اور حکمِ الٰہی کو ماننے کے خیال سے سارا دن جائز اور حلال چیزوں سے بھی بچتا ہے اور رات کو نمازِ تراویح میں خدا کے حضور میں عاجزانہ کھڑا ہو کر اُس کے احکام و ہدایات کو سُنتا ہے تاکہ دُوسرے دن اپنے اعمال کو زیادہ پاکیزہ، زیادہ پسندیدہ اور زیادہ نتیجہ خیز بنا سکے۔ اِس طرح طاقت کے پیدا ہو جانے اور پھر اِس کے صحیح استعمال سے ایک بندۂ مومن کے لیے منزل تک پہنچنا آسان ہی نہیں لازمی ہو جاتا ہے اور یہی مقام رُشد ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ضبط و برداشت اور رضائے حق کے لئے جائز چیزوں پر بھی پابندی لگا کر انسانی زندگی کی پاکیزگی کے لئے جو احکام دیئے اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم پاک۔ دل، عقل اور جذبات تابع حکم الٰہی اور دماغ روشن ہو جاتا ہے۔ تمام ملت اس پروگرام پر بیک وقت عمل کرتی ہے۔ اس لئے انسانی تمدن بھی ہر قسم کے میل کچیل سے صاف ہو جاتا ہے۔ گویا کہ اصلاحِ جسم، اصلاحِ نفس اور اصلاحِ تمدن کا بیک وقت انتظام ہو جاتا ہے۔

چونکہ قرآن عزیز اسی مہینہ میں نازل ہوا تھا۔ اس لئے یہ مہینہ جشنِ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے۔ اور نماز تراویح اس جشن کی تکمیل کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔

قیامِ قرآن، قیامِ جہاد اور قیامِ خلافتِ ربانی تین منازل ہیں جو یہ مبارک مہینہ ہمیں یاد دلاتا ہے۔

رمضان المبارک میں قرآنِ عزیز نازل ہوا اور تمام آسمانی اور انسانی قوانین منسوخ ہو گئے اور ان کی جگہ صحیفۂ ربانی نے لے لی۔

لہٰذا اسلامی دنیا کا یہ دینی فرض ہے کہ قرآن عزیز کی اشاعت و تبلیغ کا ایسا انتظام کرے کہ اس سے یہ ممکن ہو جائے کہ اللہ کے قانون کی تنفیذ ہو سکے اور غیر اللہ کے قوانین مٹ جائیں۔ نمازِ تراویح میں پورا قرآن عزیز ختم کرنے کی اصل غایت یہی تھی کہ ملتِ اسلامیہ کا ہر فرد قرآنِ پاک کے احکام کو سال میں کم از کم ایک مرتبہ سن لے، سمجھ لے اور اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

قرآنِ عزیز کی تعلیمات کو عام کرنے اور خدائی قوانین کو نافذ کرنے کے لئے زبردست جدوجہد کی ضرورت ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم باطل قوتوں کو شکست دے سکیں جب تک کہ قوانینِ خداوندی کو سمجھ لینے کے بعد ہم عملاً جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ اس لئے سب سے پہلے اسی مبارک مہینہ میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا۔ ۱۷ رمضان المبارک کو پہلی مرتبہ اسلام کی تلوار بے نیام ہو کر بدر کے میدان میں چمکی۔ ۳۱۳ قدوسیوں نے جن کی روحیں اور جن کے ایمان نماز تراویح اور تلاوتِ قرآن کی برکت سے روشن تھے ایک ہزار کفار کے مقابلے میں فتح حاصل کی اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ اصل طاقت دنیا کا ساز و سامان یا مادی قوت و وجاہت نہیں بلکہ یہ ایمان اور تعلق باللہ کا کرشمہ ہے ــــــ قرآن پاک کے قوانین کو

عملاً دنیا میں نافذ کرنے کا یہ پہلا کامیاب تجربہ تھا۔ اس کے بعد اسی مبارک مہینہ میں ۲۰ رمضان المبارک کو خانہ کعبہ کو ۳۶۰ بتوں سے پاک کر کے وہاں اسلام کی فتح کا اعلان ہوا۔ اس لئے رمضان المبارک نزولِ قرآن کی سالگرہ ہی نہیں، تبلیغ اسلام کی نقاب کشائی، افتتاحِ جہاد اور قیام خلافت کی سالگرہ بھی ہے۔ اور خدائے قدوس ہمیں اِن ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

زکوٰۃ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

● وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ○ (سورۃ البقرۃ: ۴۳)

ترجمہ: اور قائم کرو نماز، اور دیا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

● وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُھُمُ اللّٰہُ ط اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (التوبہ: ۷۱)

ترجمہ: اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں۔ ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔

● تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ۙ ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ط اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (لقمٰن: ۲-۵)

ترجمہ: یہ آیتیں ایک حکمت والی کتاب کی ہیں۔ جو کہ ہدایت اور رحمت ہے۔ نیکوکاروں کے لئے۔ جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے رب کے سیدھے راستے پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

● اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ○ (سورہ توبہ)

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ صدقات خرچ کئے جائیں۔ فقیروں کے لئے مسکینوں کے لئے (اور

زکوٰۃ پر کام کرنے والے) لوگوں پر اور وابستگیٔ قلوب کے لئے اور افراد کی آزادی کے حصول کے لئے مقروض کو قرض سے نجات دلانے کے لئے اور اللہ کے راستے میں۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر شدہ ہے۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

● لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ——— (آل عمران: ۹۲)

ترجمہ: تم ہرگز نہیں حاصل کر سکو گے نیکی جب تک تم اپنے محبوب مالوں سے خرچ نہ کرو۔

● يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (البقرہ: ۲۶۴)

ترجمہ: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے صدقات کو احسان جتانے اور تکلیف دینے سے برباد نہ کرو۔

● اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ——— (البقرہ: ۲۶۵)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی رضا کے حصول کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اپنے تئیں مضبوط کرتے ہوئے ان کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو بلندی پر ہے اور اس پر بارش ہو اور وہ اپنا پھل دگنا دے۔

● اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ——— (البقرہ: ۲۷۱)

ترجمہ: اگر صدقات اعلانیہ دو تو کیا ہی بہتر ہے۔ اور اگر حاجتمند کو خفیہ طور پر دے دو تو تمہارے لئے یہ اچھا اور بہتر ہے۔ اللہ (اس کے بدلے میں) تمہاری کمزوریاں تم سے دور کر یگا۔

● وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ——— (البقرہ: ۲۷۲)

ترجمہ: اور نہیں تم خرچ کرتے سوائے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے۔

● اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ ——— (حدید)

ترجمہ: یقیناً صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیوں کے مال اور وہ مال جو انھوں نے اللہ کو قرض دیئے، اچھا قرض بڑھائے جائیں گے اور ان کے لئے باعزت اجر ہے

زندگی کا جو منصوبہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنے بندوں کے لئے تجویز فرمایا اور جس کو اسلامی زندگی قرار دے کر دنیا اور آخرت میں ذریعۂ کامیابی قرار دیا اس میں قیامِ صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے کا بار بار ذکر ہوا ہے ـــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نماز اور

زکوٰۃ دونوں ارکان زندگی کے وہ ستون ہیں جن پر خالق و مخلوق کے حقوق کی ایک ایسی عمارت کھڑی کی گئی ہے جو مضبوط بھی ہے اور پائدار بھی ـــــ جس میں روح کی لذت بھی ہے اور جسم کی پرورش بھی ـــــ جس میں فرشتوں کی سی پاکیزگی اور انسانی تقاضوں کی تکمیل کا ہر سامان موجود ہے۔

زکوٰۃ یکم رمضان ۲ھ کو فرض ہوئی ـــــ مکی زندگی میں اجمالی حکم نازل ہو چکا تھا۔ مگر مفصل احکام مدینہ میں نازل ہوئے۔

زکوٰۃ ایک جامع اصطلاح ہے اور یہ انسانوں میں معاشی مساوات پیدا کرنے ـــــ امیروں اور غریبوں کے باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کا ایک ایسا طریقہ ہے جس سے نہ دینے والے میں غرور اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور نہ لینے والے میں ذلت اور عاجزی کا احساس ابھرتا ہے۔

دونوں طبقے اپنے اپنے دائرہ میں خدا کے حکموں کی اطاعت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی بن جاتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رح نے زکوٰۃ کے دو بڑے مقصد بیان فرمائے ہیں:۔

پہلا یہ کہ یہ وہ فرض ہے جو افراد اور اقوام میں سے بخل اور کنجوسی کو دور کر دیتا ہے، اور اپنے محنت سے کمائے ہوئے روپے میں سے خدا کے حکم کی اطاعت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے روپیہ خرچ کر کے ان روحانی بیماریوں سے بچ جاتے ہیں ـــــ اور اس طرح بلا جبر اور بغیر کسی دباؤ کے محض رضائے حق کو حاصل کرنے کے لئے روپیہ خرچ کرنا ان کی دلی کیفیت اور عملی حالت کو پرسکون اور نتیجہ خیز بناتا ہے۔

دوسرا ایسے شہری نظام کا قیام عمل میں آتا ہے جس میں نیکی ہمدردی خلوص اور باہمی تعاون کے جذبات موجود ہوتے ہیں ـــــ شاہ صاحب کے الفاظ میں ان دونوں مقاصد کے لئے ازالہ بخل و امساک اور مدینہ فاضلہ کی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔

ان آیات کے علاوہ جو اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔ قرآن عزیز اور احادیث میں زکوٰۃ دینے کے نیک ثمرات اور زکوٰۃ نہ دینے کی سزا کا ذکر ہے ـــــ ان آیات و احادیث میں سے بعض یہ ہیں:۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ‎۝ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ

أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ

(سورۃ الحج - آیات : ۴۰ - ۴۱)

ترجمہ : اور اللہ مدد کرے گا اُس کی، جو مدد کرے گا اُس کے دین کی۔ بے شک اللہ بڑا طاقتور اور غالب ہے۔ ۔ لوگ اگر ہم قوت دیں اُن کو زمین میں تو وہ قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ حکم دیں نیک کاموں کا اور روکیں بُرے کاموں سے، اور اللہ ہی کے قبضے میں ہے انجام سب کاموں کا

اِس کے بعد اگلی صورت (المومنون : ۲۳) کے آغاز میں مومنوں کی کامیابی کی صفات گنتے ہوئے فرمایا :-

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○	اپنی نماز میں عاجز ہیں
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○	بیہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○	اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں

قرآن عزیز نے زکوٰۃ کے علاوہ ایک اصطلاح صدقات بھی استعمال کی ہے اور اس کو بڑے وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے ـــــ زکوٰۃ کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے اور عمومی خیرات کے لئے بھی ـــــ

عام طور پر صدقات کے لئے قرآنِ عزیز نے جو مدات بیان کی ہیں ان کو مصارفِ زکوٰۃ کا نام دیا گیا ہے۔ مگر زکوٰۃ کا لفظ بڑا وسیع ہے اور اس کو صلوٰۃ کے ساتھ بار بار آنے کی وجہ سے ان وسیع معنوں میں ہی لینا مناسب ہوگا تاکہ شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ مقاصد پر زکوٰۃ کا نظام پورا اترے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ ـــــ (سورۃ توبہ آیت : ۶۰)

ترجمہ : صدقات کا مصرف یہ ہے کہ وہ فقراء اور مساکین کو دیئے جائیں اور اُن لوگوں کو جو تحصیل صدقات میں کام کریں اور جن کے قلوب میں محبت ڈالنی ہے۔ نیز قیدیوں یا غلاموں کے رہا کرانے میں اور تاوان زدہ (مقروض) لوگوں کا تاوان ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے۔ یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (القرآن)

اب چند وہ آیات ملاحظہ ہوں جن میں زکوٰۃ کا فریضہ ادا نہ کرنے والوں کے لئے سخت سزا کا اعلان کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○

ترجمہ : اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے پس انہیں درد دینے والے عذاب کی خوشخبری دے۔ جس دن اس سونے اور چاندی کو دوزخ کے عذاب میں گرم کیا جائے گا۔ پھر اس سے ان کے ماتھوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغ دیئے جائیں گے (اور اُن سے کہا جائے گا) ——— یہ وہ چیز ہے جسے تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع کیا تھا۔ پس جس چیز کو تم جمع کیا کرتے تھے، اِس کا مزہ چکھو۔

رُوح المعانی میں اِن آیات کی تشریح اِس طرح کی گئی ہے :-

وَاخْتَارَ بَعْضُ الْمُحَقِّقِيْنَ حَمْلَهٗ عَلَى الْعُمُوْمِ وَيَدْخُلُ فِيْهِ الْاَحْبَارُ وَالرُّهْبَانُ دُخُوْلًا اَوَّلِيًّا وَفَسَّرَ غَيْرُ وَاحِدٍ الْاِنْفَاقَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِالزَّكٰوةِ لِمَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اِنَّهٗ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ - اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ ——————— (روح المعانی)

ترجمہ : بعض محققین کا خیال ہے کہ آیت میں وہ سب لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اور اِس آیت میں علماء و صوفیا (جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے) سب سے پہلے داخل ہوں گے۔ اور بہت سے مفسرین نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے زکوٰۃ نہ دینا مراد لیا ہے۔ کیوں کہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر گراں گزری ——— (حضرت) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ میں تمہیں اس کا مطلب حل کر دیتا ہوں۔ آپ نے جا کر عرض کی۔ اے اللہ کے نبیؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے صحابہؓ پر یہ آیت گراں گزری ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے

کہ زکوٰۃ لینے کے بعد تمھارے باقی ماندہ مالوں کو پاک کر دے۔

اب چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

خلافت راشدہ کا فیصلہ :

اِنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَّكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ فَقَالَ عُمَرُ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـــــ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهٗ وَعِرْضَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّآ اَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ ـــــ

(رواہ البخاری باب وجوب الزکوٰۃ)

ترجمہ : ابوہریرہؓ نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور عرب میں سے جس نے کافر ہونا تھا ہو گیا۔ اس وقت عمرؓ نے فرمایا " آپ لوگوں سے (یعنی زکوٰۃ نہ دینے والوں سے) کیسے لڑ سکتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھے لوگوں سے جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھیں۔ (یعنی اُن لوگوں سے لڑ سکتا ہوں جو کلمہ توحید کے قائل نہ ہوں) اور جس شخص نے کلمہ توحید کا اقرار کیا اُس نے مجھ سے اپنے مال اور جان کو محفوظ کر لیا۔ مگر قانونِ اسلام اپنے کسی حق کی بنا پر اس کی جان لینا چاہے۔ (مثلاً قصاص وغیرہ تو اور بات ہے) اور کلمہ توحید کے اقرار کرنے والے کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا :-

" خدا کی قسم ہے جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا، اس کے ساتھ ضرور جہاد کروں گا کیوں کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم ہے۔ اگر مجھے بھیڑ کا چھوٹا سا بچہ (جس کی عمر ایک سال ہو) بھی زکوٰۃ میں کم کر دیں گے جیسے وہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دیا کرتے تھے اس کے نہ دینے پر بھی ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ـــ خدا کی قسم سوائے اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے سینہ میں یہ بات ڈالی ہے۔ میں بھی سمجھ گیا یہی ٹھیک ہے"

(انتہیٰ)

شرائطِ زکوٰۃ :

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں :-

آزاد ہونا۔ غلام پر زکوٰۃ نہیں۔ مسلمان ہونا۔ عاقل ہونا۔ مجنون پر زکوٰۃ نہیں۔ بالغ ہونا۔ نابالغ لڑکے پر زکوٰۃ نہیں۔ مالِ زکوٰۃ پر پورا قبضہ ہونا اور پھر قبضہ کے بعد اس مال پر پورا سال گزرنا اس مال کا اصلی حاجتوں سے زیادہ ہونا۔ رہائش کے مکانات، پہننے کے کپڑوں، گھر کے سامان اور استعمال کے ہتھیاروں پر زکوٰۃ نہ ہوگی ـــــ جواہرات اور موتیوں پر بھی اگر وہ تجارت کے لئے نہ ہوں زکوٰۃ نہ ہوگی۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مال قرض سے بری ہو۔ اگر نصاب سال کے دونوں طرف پورا ہو اور درمیان میں کم بھی ہو گیا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

نصاب :

یعنی وہ مقررہ مقدار جس سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ یہ مختلف اشیاء میں مختلف ہے۔ چاندی کا نصاب چالیس روپے ہے۔ اِس سے کم پر زکوٰۃ نہیں۔ جس کے پاس چالیس روپے یا اِس قیمت کی چاندی سال بھر تک موجود رہے تو اس کو چاہیئے کہ سال کے آخر میں ایک روپیہ زکوٰۃ نکالے اور زائد پر بھی اسی حساب سے شمار کرے۔

۲۔ سونے کا نصاب بھی قیمت کے لحاظ سے یہی ہے یعنی جس کے پاس چالیس روپے کا سونا سال کے آخر تک بچا رہے۔ وہ ایک روپیہ کی قیمت کا سونا یا نقد روپیہ دے دے۔ (وزن کے لحاظ دو سو درہم یعنی باون تولہ چاندی پر، ۵ درہم اور بیس مثقال یعنی ۷½ تولہ سونے پر آدھا مثقال زکوٰۃ ہوگی ـــــ بالعموم علماء وزن کا اعتبار کرتے ہیں قیمت کا نہیں اس لئے کہ قیمت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے)۔

مالِ تجارت ـــــ مالِ تجارت کی قیمت اگر سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا تو اسی مال کا چالیسواں حصّہ ادا کرے یا قیمت لگا کر درہم و دینار دے دے۔

جانور ـــــ چرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر وہ تجارت کی غرض سے ہوں تو مالِ تجارت کے مطابق حساب ہوگا۔ ورنہ اِن کا نصاب یہ ہے :-

اُونٹ ۵ ـــــ گائے، بیل، بھینس ۳۰ ـــــ بکریاں ۴۰ ـــــ اِس تعداد سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں۔

غلّہ ـــــ غلہ کا نصاب ۲۰ من ہے۔ اگر کسی کے پاس اس سے کم پیداوار ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ـــــ غلہ اگر بارانی زمین کی پیداوار ہے تو اس میں سے $\frac{1}{10}$ (دسواں حصہ) زکوٰۃ دینی ہوگی اور اگر نہری یا چاہی زمین کی پیداوار ہے جس میں کسان کو پانی دینا پڑتا ہے۔ تو $\frac{1}{20}$ (بیسواں حصہ)

بیتُ المال ـــــ زکوٰۃ کا روپیہ جہاں جمع کیا جاتا ہے اسے بیتُ المال کہتے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ بَیتُ مَالِ المُسلِمِین تھا۔ اس کے لفظی معنی خزانہ کے ہیں۔ مگر شرعی طور پر یہ وہ سرمایہ ہے جو زکوٰۃ اور دوسرے واجبات شرعی وصول کر کے جمع کیا جاتے اور پھر ملک و ملت کے کاموں پر خرچ ہو۔ اس کی بُنیاد خود رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی۔ اگرچہ مُسلمانوں کی غربت کی وجہ سے اُس وقت کوئی بڑا سرمایہ جمع نہ ہو سکا۔

اِبنِ سعدؒ کے بیان کے مطابق بیت المال کے لئے خاص عمارت حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں مخصوص کی گئی۔ بعد ازاں عہدِ فاروقی میں فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا تو بیت المال بڑا قومی خزانہ بن گیا۔ صرف بحرین کے عامل حضرت ابوہریرہؓ ایک سال میں ۵ لاکھ کی رقم خطیر اپنے ساتھ لائے۔ فاروقِ اعظمؓ نے مجلسِ شوریٰ کے مشورہ سے ولید ابن ہشام کی رائے پسند فرما کر یہ رقم بیت المال میں جمع کر دی اور بیت المال کی خاص عمارت بنوائی ـــــ تمام ممالک محروسہ میں بیت المال کی شاخیں کھولی گئیں مشہور مقامات پر شاندار اور خوب صورت عمارتیں تعمیر کی گئیں اور اس میں اس قدر وسیع پیمانہ پر کام کیا گیا کہ یعقوبی کے بیان کے مطابق صرف مدینۃ النبیؐ کے بیتُ المال سے تقریباً تین کروڑ روپیہ سالانہ اہل شہر پر خرچ کیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ باجماعت:

اِسلام نے نماز باجماعت کی طرح زکوٰۃ باجماعت کی رقموں کو بھی جماعتی طور پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کا عمل اور تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ زکوٰۃ کی رقمیں اجتماعی طور پر خرچ ہوتی تھیں۔ انفرادی طور پر خرچ کرنے کی بدعت خلفائے راشدین کے بعد پیدا ہوئی خلفائے بنو اُمیہ کے ابتدائی دور میں صحابہؓ کے سامنے یہ سوال پیدا ہوا کہ موجودہ خلیفہ بہت فاسق و فاجر ہے۔ زکوٰۃ کی رقمیں کیوں کر بیت المال میں بھیجی جائیں۔ تمام صحابہؓ نے اس پر اتفاق کر لیا کہ خلیفہ کے فسق و فجور سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی خلل نہیں آتا ـــــ زکوٰۃ کی رقمیں خلیفۂ وقت کو بھیجی جائیں۔ چنانچہ یہی ہُوا۔

عباسی دور میں تاتاری کافروں اور مشرکوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور خلافت کا خاتمہ

کر ڈالا۔ اُس وقت کے مسلمان اکابر نے فیصلہ کیا کہ اگر موجودہ حالات کے ماتحت حکومت نہیں بدلی جا سکتی تو حکومتِ وقت سے درخواست کی جائے کہ ہماری زکوٰۃ کی رقمیں تقسیم کرنے کے لئے قاضی اور عمال مقرر کر دے۔

قیامِ پاکستان کے بعد صُورتِ حال:

انگریزی عہد میں جو کچھ ہُوا وُہ تو یادِ غلامی ہے مگر قیامِ پاکستان کے بعد نظامِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں ابھی تک کوئی ایسی صُورت نہیں پیدا ہُوئی جو اس شرعی فریضہ کے تقاضوں کو پُورا کر سکے۔

پاکستان میں بھی تعمیر و اصلاح ملت کے نئے دَور میں دُنیا کی موجودہ قانونی اور معاشی اور مذہبی صورتوں کو سمجھ کر اور پاکستان کے حالات اور نصبُ العین کو سامنے رکھ کر ایک ایسا لائحہ عمل مرتب کرنا چاہیئے جس سے اس فریضہ کی ادائیگی سے وہ تمام مقاصد پُورے ہوں اور وہ فوائد حاصل ہوں جو خُدائی قانُون کا منشا ہے۔

اس کام میں رُوحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کارفرما ہونی چاہیئے اور صحیح اسلامی فکر مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔

زکوٰۃ کے حقائق سمجھنے کے لئے یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بندے کی حق تعالیٰ سے دلی محبت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حقیقی مومن کے دل میں دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ خدا سے محبت کا ہونا ضروری ہے۔ کوئی سچا مسلمان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ خدا سے زیادہ دُنیا کی کس چیز کو چاہتا ہے۔ دولت جو بالعموم دُنیا میں عزیز ترین چیز شمار کی جاتی ہے۔ محبّت اور خلوص کے اس امتحان کے لئے ایک کسوٹی ہے۔ اسے وُہی راہِ خدا میں لٹا سکتا ہے جو سچا مسلمان ہے اور جسے خداوند تعالیٰ سے دل لگاؤ ہے۔

زکوٰۃ مسلمانوں کو کنجوسی اور بُخل کی لعنتوں سے بچاتی ہے اور خداوند تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا ایک مقبول طریقہ ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں عجلت سے کام لینا چاہیئے اور واجب ہونے سے پہلے ہی ادا کر دینا چاہیئے۔ ایسا کرنے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ ضرورت مندوں کو بغیر کسی اُمید اور توقع کے اُن کا حصہ مل جائے تو اُن کی زیادہ خوشی کا موجب ہوتا ہے۔

زکوٰۃ دینے کے لئے یوں تو سبھی وقت اچھے ہیں مگر محرم اور رمضان کے مہینوں میں زکوٰۃ کا ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

جہاں تک ہوسکے زکوٰۃ کی ادائیگی میں خلوص نیت کو ملحوظ رکھا جائے نہ کہ ظاہر داری اور ریا کو۔ البتہ اگر دینے والے کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی زکوٰۃ دینے پر مائل ہو جائیں تو کھلم کھلا زکوٰۃ کا دینا زیادہ مناسب ہے۔ حلال ترین اور پاک مال خُدا کی راہ میں خرچ کرنا چاہیئے۔

پارسا اور متقی درویش، اور وہ لوگ جو حصول علم میں مصروف ہیں، یا وہ لوگ جو اپنی غربت کو چھپاتے ہیں اور بظاہر عزت دار ہیں، یا اہل وعیال رکھنے والے یا بیمار یا ضرورت مند یا غمزدہ لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔ اُن رشتہ داروں کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے جو غریب ہیں۔ حضور صلعم نے اپنی آل و اولاد کو زکوٰۃ اور صدقہ لینے سے منع فرما دیا ہے۔ اور زکوٰۃ غیر مسلموں پر بھی صرف نہیں کی جا سکتی۔

مال کی زکوٰۃ کے علاوہ ادائے شکرانہ الٰہی کی خاطر ہر چیز کی زکوٰۃ ہے۔ گھر کی زکوٰۃ مہمان خانہ تندرستی کی زکوٰۃ اپنے تمام اعضاء ایسے کاموں میں مشغول رکھنا ہے۔ جن سے خداوند تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو۔ حاکم کا انصاف کرنا، عالم و مفتی کا اخلاص اور رُو رعایت کے بغیر مسائل حق کا بیان کرنا بھی زکوٰۃ ہے۔

حقیقتاً بخل ہی انسان کو سال بھر دولت کو اپنے تصرف میں رکھنے پر مجبور کرتا ہے اور زکوٰۃ اُسی بخل اور زر اندوزی کے جذبے کا تدارک ہے۔ سخی تو ہر آن اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرتا رہتا ہے۔ اِسی لئے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہو سکتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ جو کسی یتیم کا ولی ہو، وُہ اس کے مال کو تجارت میں لگائے ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ ادا کرتے کرتے وہ مال ہی ختم ہو جائے اس سے یہ مصلحت واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ کا فریضہ مسلمانوں کو اس امر کا محرک ہو کہ وہ اپنا مال اور دولت تجارت میں لگائے رکھیں اور اس طرح ایک صحیح معاشی نظام قائم ہو سکے۔

حج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (حج - ۲۷، ۳۰)

ترجمہ: اور لوگوں میں حج کے لئے اعلان کر دیں تاکہ وہ آپ کے پاس پیدل آئیں اور دُبلے دُبلے اونٹوں پر سوار ہو کر۔ ہر ایک دُور کی راہ سے چلے آئیں، اور تاکہ وہ حاضر ہوں۔ اپنے تجارتی اور دینی فائدوں کے لئے اور مقررہ دنوں میں مویشیوں اور چوپایوں پہ اللہ کا نام لے کر ان کو ذبح کریں پھر (ان کے گوشت میں سے) خود بھی کھاؤ اور نڈھال بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔ اور پھر چاہیئے کہ وہ اپنے بدن کی میل کچیل دُور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر (خانہ کعبہ) کا طواف کریں ـــــ یہ تو حکم ہے اور جو بھی اللہ کی حرمات (حرمت والی چیزوں) کی تعظیم کرے سو وہ اس کے لئے اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ الخ (القرآن)

اِسلامی روایات کے بموجب جب حضرت آدمؑ و حضرت حواؑ جنت سے نکالے گئے اور ایک دُوسرے سے جُدا ہو گئے تو اُن کو دُنیا میں اللہ کا پہلا گھر یعنی خانہ کعبہ بنانے کا حکم ہُوا حضرت آدمؑ بحکمِ خُدا اس مقام پر پہنچے۔ جہاں اب مکہ معظمہ ہے، اور خانۂ کعبہ کی بُنیاد رکھی حجرِ اسود کو جو حضرت جبرئیل علیہ السلام بہشت سے لائے تھے اس میں نصب کیا۔ خانۂ کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے حضرت آدمؑ کو حج اور طواف کے طریقے سکھلائے۔ اس کے بعد انھیں ایک پہاڑی پر لے گئے اور حج ادا کرایا۔ اس وقت حضرت حواؑ بھی حضرت آدمؑ کی تلاش میں وہاں آ گئی تھیں اور حج میں شریک ہُوئی تھیں۔ چونکہ اس پہاڑی پر حضرت آدمؑ و حواؑ کی ملاقات ہُوئی تھی

اور ایک نے دوسرے کو پہچانا تھا۔ اِس وجہ سے اِس پہاڑی کا نام عرفات مشہور ہوا۔ عرفات سے چل کر حضرت آدمؑ و حواؑ ایک رات مزدلفہ میں رہے۔ اس کے بعد مقام منیٰ اور پھر مکہ معظمہ میں آئے اور خانہ کعبہ کا طواف بجالائے۔ چنانچہ اسی کے مطابق آج تک حج عمل میں آرہا ہے

حضرت آدم علیہ السّلام کا بنایا ہوا خانہ کعبہ حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانے تک رہا۔ لیکن جب طوفان آیا تو وہ صرف ایک ٹیلہ رہ گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی نویں پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام اِس دُنیا میں تشریف لائے اور انھوں نے توحید کی آواز بلند فرمائی اس وقت کے بادشاہ نمرود سے ٹکر ہوئی اور آپ نے سلطنت بابل (موجودہ عراق) سے ہجرت کی اور مصر جا پہنچے۔ یہاں مصر کے بادشاہ نے اپنی صاحبزادی جناب ہاجرہؓ آپ کی زوجیت میں دے دی۔ ان سے جناب اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ جنھیں آپ حکمِ خداوندی کی تعمیل میں وہاں چھوڑ آئے جہاں بیت اللہ شریف واقع ہے۔ یہیں آپ نے یہ دُعا فرمائی۔

رَبَّنَآ إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ فَٱجۡعَلۡ أَفۡـِٔدَةٗ مِّنَ ٱلنَّاسِ تَهۡوِيٓ إِلَيۡهِمۡ وَٱرۡزُقۡهُم مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُونَ ۝ (ابراہیم ۳۷)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار میں نے بسایا ہے اپنی اولاد (اسماعیلؑ) کو (مکہ) کی ایسی وادی میں جہاں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہوتی۔ تیرے محترم گھر (کعبہ) کے پاس تاکہ وہ لوگ نماز قائم کریں۔ پس اپنے فضل سے لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے۔ اور انھیں پھلوں سے روزی بخش کہ وہ تیرے شکر گذار رہیں

دسں ہجری میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا۔ احرام باندھنے کے بعد جب آپؐ اونٹنی پر سوار ہوئے تو پہلی مرتبہ لَبَّيۡكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيۡكَ لَبَّيۡكَ لَا شَرِيۡكَ لَكَ لَبَّيۡكَ اِنَّ الۡحَمۡدَ وَالنِّعۡمَةَ لَكَ وَالۡمُلۡكَ لَكَ لَا شَرِيۡكَ لَكَ لَبَّيۡكَ۔

ترجمہ: غلام حاضر ہے، اے اللہ غلام حاضر ہے! غلام حاضر ہے! تیرا کوئی شریک نہیں غلام حاضر ہے! سب تعریفیں تیرے لئے اور نعمتیں تیری ہیں اور بادشاہی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ غلام حاضر ہے، کا ترانہ بلند فرمایا۔

جب حضورؐ مکہ شریف میں داخل ہوئے اور آپؐ کی نظر کعبہ پر پڑی تو آپؐ نے تکبیر اور یہ دُعا پڑھی۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ط
اَللّٰهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ هٰذَا تَعْظِيْمًا وَّ تَشْرِيْفًا وَ تَكْرِيْمًا وَّتَعْظِيْمًا وَّ بِرًّا۔

ترجمہ : اے اللہ تو سلامتی کا مالک ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہوتی ہے اور سلامتی تیری ہی طرف لوٹتی ہے۔ اے ہمارے پروردگار رب ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ اور ہمیں سلامتی کے گھر میں داخل فرما دے۔ اے ہمارے رب تو بڑی برکت والا ہے اور بڑی بلندی کا مالک ہے اپنے جلال اور بزرگی کے مالک اے اللہ اپنے اس گھر کی موجودہ عظمت و شرافت اور زیادہ کر۔ اور اس کی تعظیم اور بزرگی (حج اور عمرے) سے اور زیادہ بڑھا۔

جب حجر اسود کے مقابل تشریف لائے تو سلام کیا۔ مگر ہاتھوں کو نہ اُٹھایا۔ طواف میں آپ اوّل کے تین چکروں میں جلدی جلدی چلے اور پاؤں کو نزدیک نزدیک رکھا جیسا کہ پہلوان چلا کرتے ہیں۔ داہنا کندھا کھلا رکھا اور بائیں کندھے پر احرام مبارک کا پلہ اوڑھا۔ باقی کے چار چکروں میں آہستہ آہستہ چلے اور ہر بار حجر اسود کے مقابل آکر اس کی طرف اشارہ فرماتے اور عصا کو چوم لیتے۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد مقام ابراہیمؑ پر تشریف لائے اور وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى (بنالو ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کے مقام کو مصلّیٰ) فرمانے کے بعد دو رکعت نماز ادا فرمائے۔

کعبۃ اللہ کی زیارت سے فارغ ہو کر صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر تشریف لے جاتے اور یہ کلمات پڑھتے ہوئے سعی فرماتے :-

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ○

ترجمہ : کوئی معبود نہیں سوائے ایک اللہ کے کہ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی حکومت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور دشمن جتھوں کو خود اکیلے ہی شکست دی۔

آٹھویں ذی الحجہ کو قیام گاہ مکہ سے روانہ ہو کر منیٰ میں ٹھہرے، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نمازیں منیٰ ہی میں ادا فرمائیں۔ نویں ذالحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد وادیٔ نمرہ میں اُترے دن ڈھلنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر عرفات میں تشریف لائے۔ یہیں جبل الرحمت پہاڑی

پر چڑھ کر حضور صلعم نے خطبہ فرمایا۔ یہیں آپؐ نے ظہر اور عصر کی نمازیں قصر کر کے پڑھائیں۔ پھر میدانِ عرفات میں تشریف لائے اور قبلہ رو ہو کر دعا و زاری شروع کی اور غروب آفتاب کے بعد تک دعا و زاری کا یہ مقدس سلسلہ جاری رہا۔

حضور صلعم کی یہ دُعا عاجزی و فروتنی اور خشوع و خضوع کی مُنہ بولتی تصویر اور بندے کی اپنے خالق سے مناجات کا شاہکار ہے۔

ترجمہ: اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ کے لئے سب تعریف اور اللہ کے لئے ہے سب تعریف اور اللہ کے لئے ہے سب تعریف، نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، سب ملک اور سب تعریف اسی کے لئے ہے اے اللہ مجھے ہدایت یافتہ بنا! اور مجھے گناہوں سے پاک فرما! اور مجھے مکمل پرہیزگار بنا! اور مجھے دُنیا اور آخرت میں بخش! اے خدا میرے حج کو قبول فرما! اور گناہ سے بخشا ہوا فرما دے! اے اللہ مری نماز اور عبادت اور میری زندگی اور موت تیرے ہی لئے ہے اور آخر کار میرا رجوع بھی تیری ہی طرف ہے!۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ قبر کے عذاب اور دل کے وسوسوں اور معاملات کی پریشانی سے، اے اللہ! ہدایت کے ساتھ ہماری راہنمائی کر اور ہمیں پرہیزگاری کے ساتھ آراستہ کر! اور ہمیں دُنیا اور آخرت میں بخش اے اللہ میں تجھ سے حلال پاکیزہ اور بابرکت روزی کا خواستگار ہوں! اے اللہ تُو نے مجھے دُعا کرنے کا حکم فرمایا ہے اور قبول کرنا تیرے اختیار میں ہے اور تو وعدوں کے خلاف نہیں کرتا۔ اے اللہ تو جس بھلائی کو اچھا سمجھتا ہے۔ پس اُس کو ہمارے لئے محبوب بنا! اور اسے ہمارے لئے آسان کر دے، اور جس برائی کو تو مکروہ سمجھتا ہے۔ پس اس کو ہمارے لئے مکروہ بنا دے۔ اور ہم کو اس سے دُور رکھ! اور ہم سے اِسلام نہ چھین۔ بعد اس کے کہ تُو نے ہمیں ہدایت دی ہے۔ نہیں کوئی معبود سوائے اس ایک اللہ کے جس کا کوئی شریک نہیں۔ سب ملک اور سب تعریف اسی کے لئے ہے۔ وہی زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اے اللہ میرے سینے کانوں، اور آنکھوں اور دل میں نور بھر دے۔ اے اللہ میرا سینہ کھول دے اور میرے معاملات کو آسان کر دے اور میں سینے کے وسوسوں اور کاموں کی ابتری اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری

اُس چیز کے شر سے جو داخل ہوتی ہے رات میں اور اس چیز کے شر سے جو داخل ہوتی ہے دن میں، اور اس چیز کے شر سے جس کو اُڑاتی ہیں ہوائیں اور زمانے کے حوادثات کے شر سے اے اللہ ہمیں دُنیا اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور آگ کے عذاب سے بچا!

اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا۔ تو ہم خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔ اے میرے پروردگار مجھے نماز قائم کرنے والا بنا دے۔ اور میری اولاد کو بھی! اے ہمارے رب بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ اور مومنوں کو قیامت کے دن۔

اے ہمارے رب تحقیق تو سننے والا اور جاننے والا ہے اور رجوع کر ہم پر بے شک تو توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ نہیں ہے طاقت نیکی کی اور نہ گناہ سے بچنے کے سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد کے، جو بلند شان والا اور باعظمت ہے۔ اے اللہ بیشک تو جانتا ہے اور میری قیام گاہ کو دیکھتا ہے اور میرے کلام کو سُنتا ہے اور میرے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور میرے کاموں میں سے کوئی چیز بھی تجھ سے پوشیدہ نہیں اور میں نہایت مفلس فریاد کرنے والا ایک فقیر ہوں، پناہ چاہنے والا، ڈرنے والا، اپنے گناہوں کا اعتراف اور اقرار کرنے والا۔ میں تجھ سے ایک مسکین فقیر کی طرح سوال کرتا ہوں اور ایک ذلیل گناہ گار کی طرح تیرے سامنے آہ و زاری کرتا ہوں۔ اور ایک خوف کھانے والے اندھے کی طرح تجھ سے دعا مانگتا ہوں۔ جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور جس کی آنکھیں آنسو بہاتی ہوں اور جس کا جسم لاغر ہو گیا ہو، اور اُس کی ناک تیرے لئے خاک آلودہ ہو گئی ہو۔ اے اللہ مجھے اپنے سامنے دُعا مانگنے سے بدنصیب نہ کرنا، تو میرے حق میں مہربان رحم کرنے والا بن جا۔ اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر! اور اے سب دینے والوں سے اچھے اور اے رحم کرنے والوں سے بہترین، سب تعریف جہانوں کے پالنے والے رب کے لئے ہے۔ میری دعا قبول فرما!

اے وہ ذات کہ نہیں بیزار کرتا اُس کو اصرار دعا میں اصرار کرنے والوں کا اور نہ ہی تنگ کرتا ہے اُس کو سوال سوال کرنے والوں کا۔ چکھا ہمیں ٹھنڈک اپنے عفو کی اور لذت اپنی بخشش کی اور مزہ اپنے حضور میں عاجزانہ دعا اور اپنی رحمت کا۔ الٰہی جو تعریف کرتا ہے اپنے نفس کی تیرے سامنے وہ کرتا رہے میں تو یقیناً اپنے نفس کو ملامت کرنے والا ہوں

حالانکہ گناہوں نے میری زبان کو گونگا کر دیا ہے۔ پس میرے عملوں کا کوئی وسیلہ نہیں اور نہ ہی کوئی شفاعت کرنے والا ہے۔ سوائے تیری اُمید کے۔

پھر تلبیہ فرماتے ہوئے مزدلفہ پہنچے جہاں مغرب اور عشا۔ کی نمازیں قصر کے ساتھ ادا کیں اور کنکریاں چُن کر دوسری صبح کی نماز کے بعد منیٰ پہنچے اور جمرۃ العقبیٰ پر سات کنکریاں پھینکیں اس کے بعد قربانی کی۔ حجام کو بُلوا کر سر مبارک منڈوایا اور احرام سے باہر آئے۔ اس کے بعد زوال سے پہلے مکّہ گئے اور طواف زیارت فرمایا۔ پھر چاہِ زمزم پر تشریف لائے پانی پیا اور منیٰ واپس تشریف لے گئے اور وہیں قیام فرمایا۔ پھر دوسرے اور تیسرے جمروں پر سات سات کنکریاں پھینکیں اور منیٰ میں تین دن قیام کے بعد مکّہ کو روانہ ہو گئے۔ جہاں جا کر پھر طواف وداع فرمایا اور حج کے مناسک ختم کرنے کے بعد آپ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے۔ بعد ازاں مدینہ منوّرہ میں تشریف لے گئے۔

اسلامیانِ عالم حضور صلعم کے تتبّع میں آج تک مناسکِ حج اسی طرح ادا کرتے چلے آئے ہیں۔

حج اسلام کا پانچواں رُکن ہے۔ حج اصل میں مسلمانوں کی ایک بین الاقوامی کانفرنس ہے جس میں صاحبِ استطاعت مسلمان ایک اجتماعی مقصد کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ یہ اجتماع دُنیا کے ہر گوشہ کے مسلمانوں کو باہمی مشورہ اور انسانیت کو رنگ، نسل، وطن اور دوسری مصنوعی حد بندیوں سے نکال کر انسانی سطح پر محبّت اور باہمی اعانت کے قابل بناتا ہے۔

آدم و نوح ؑ کے خانہ کعبہ کی بُنیاد حضرت ابراہیم ؑ نے رکھی اور اس قیامِ مرکز میں حضرت اسماعیل ؑ نے اپنے برگزیدہ باپ کی مدد فرمائی پھر اس باپ بیٹے کے ایثار، خلوص اور اللہ کی راہ میں ہر چیز قربان کر دینے کے پاک جذبے نے اس مرکز کو وہ برکت دی کہ خُدا نے قیامت تک کے لئے اسے "اپنا گھر" کہہ کر مرکزِ ہدایت اور مرکزِ امن قرار دے دیا۔ قرآنِ عزیز میں اس کا ذکر اور اس کے متعلق احکام اکثر آئے ہیں۔ ایک پوری سورت کا نام "الحج" ہے ——— چند ضروری آیات یہ ہیں:۔

خانہ کعبہ ایک برکت والا گھر ہے۔ مرکزِ ہدایت اور امن کی جگہ ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۝ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۝ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ط (آل عمران ۹۶، ۹۷)

ترجمہ: یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ وہی تھا جو مکّہ میں تعمیر ہوا۔ برکت والا گھر اور

سارے جہانوں کے لئے مرکزِ ہدایت - اس میں اللہ کی کھلی نشانیاں ہیں - مقامِ ابراہیمؑ ہے اور جو یہاں داخل ہو جاتا ہے اُس کو امن مل جاتا ہے۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (الحج ۲۶، ۲۷)

ترجمہ : اور جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس گھر کی جگہ مقرر کی - اس ہدایت کے ساتھ کہ یہاں شرک نہ کرو - اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام، رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو اور لوگوں میں حج کی عام منادی کر دو۔

خانہ کعبہ کو "میرا گھر" کہہ کر اللہ تعالیٰ نے مقامِ ابراہیمؑ کی عظمت واضح کی ہے اور یہی نسبت ہے جو اس گھر کو بنی نوعِ انسان کے لئے محبوب بنانے والی ہے اور اسی وجہ سے آج تک اِسے نشانِ محبوب سمجھ کر مخلوقِ خدا کھنچی چلی آتی ہے۔

یہاں جمع ہونے والوں کی اصل غرض یوں واضح کی گئی ہے۔

وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ۝ (البقرہ: ۱۹۸)

ترجمہ : اور اللہ کو یاد کرو اِس طرح جیسے اللہ نے ہدایت کی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے تو تم گمراہ تھے۔

حج کے دوران میں ان تمام باتوں سے منع کر دیا گیا ہے - جو انسان کو نیکی، پاکیزگی، محبت اور روحانیت کے راستہ سے دُور لے جائیں - اس لئے کہ یہ اجتماع تو ایک ایسا تجربہ ہے جو انسانوں کو خدا کی ذات کے قریب لے جا کر ان کی اجتماعی زندگی کو بہت اُونچی سطح پر منظم اور پاک بناتا ہے - لہٰذا اِس میں انفرادی جھگڑوں کی گنجائش کہاں ——— ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرہ: ۱۹۷)

ترجمہ : حج میں نہ شہوانی افعال کئے جائیں، نہ فسق و فجور اور نہ لڑائی جھگڑے ہوں۔

قبل از اسلام عرب نسلی اور قبائلی بزرگی و برتری پر فخر کیا کرتے تھے اور ایسے اجتماعوں کے موقع پر جہاں سب لوگ جمع ہوں اپنے بڑوں کو یاد کیا کرتے تھے - ان کے نزدیک شخصی بزرگی اور نسلی بڑائی کا یہ طریقہ رائج تھا کہ اسلام نے بزرگی کا معیار یکسر بدل دیا تو اللہ کی بزرگی اور اس کی یاد کے سوا کوئی مقصد ہی نہ رہا۔

عبادت اور نیکی کی اصل غرض سوائے اِس کے کچھ نہ رہی کہ اللہ کا نام بلند ہو - چنانچہ حج کے

ساتھ ہی حکم دے دیا گیا۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (البقرۃ ۲۰۰)

ترجمہ : پھر جب تم اپنے مناسک حج ادا کر چکو تو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کیا کرتے تھے اب اللہ کو یاد کیا کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر (القرآن)

نیکی کی اصل رُوح مخلوقِ خدا سے محبت اور قربِ خداوندی ہے۔ ظاہری باتیں اس رُوح کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ حج میں قربانی کا مقصد سمجھ لینے والے ظاہر پرستوں کو اس طرح تنبیہہ فرمائی گئی ہے :-

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ (الحج ۳۷)

ترجمہ : اللہ کو ان (قربانی کے) جانوروں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ تمہاری پرہیزگاری اور خدا ترسی پہنچتی ہے۔

حج ایک بین الاقوامی اسلامی اجتماع ہے اور مختلف ملکوں کے اہل الرائے جمع ہو کر جہاں روحانی بلندی حاصل کرتے ہیں وہاں ملی ضرورتوں اور مسائل کو بھی طے کر سکتے ہیں۔ دُنیا کے ہر گوشہ سے ایک مرکز پر جمع ہونا ہر ایک کے لئے ممکن نہیں سفر اور دوسرے لوازمات کا مُہیا کرنا خود ایک مرحلہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دُوسری عبادتوں نماز اور روزہ وغیرہ کی طرح یہاں عمومیت نہیں رکھی۔ بلکہ جس طرح زکوٰۃ میں نصاب کی شرط ہے، اسی طرح حج کے لئے اِستطاعت کی شرط ضروری قرار دی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (آل عمران ۹۷)

ترجمہ : اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو کوئی اس گھر تک آنے کی قدرت رکھتا ہو، حج کے لئے آئے۔ پھر جو کفر کرے یعنی قدرت کے باوجود نہ آئے تو اللہ تمام دُنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اِس وضاحت کے بعد مُسلمانوں کو اِس غلطی سے بچنا چاہیئے جو بعض مرتبہ قرض لے کر گھر بار بیچ کر یا بھیک مانگ کر حج کا ثواب حاصل کرنے میں کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حج کے لئے استطاعت کی شرط رکھی ہے اور جو طاقت نہیں رکھتے اُن کو حج معاف کر دیا ہے۔ انھیں خدا

کی دی ہوئی معافی قبول کرنی چاہیئے اور خدا کی ناشکری کر کے زبردستی ثواب حاصل کرنے کی مہم سے باز رہنا چاہیئے۔

طاقت کے باوجود حج نہ کرنا اپنی جگہ ایک گناہِ عظیم ہے اور اس کے متعلق ارشادِ نبوی یہ ہے

مَنْ لَّمْ یَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَهُوْدِیًّا وَّاِنْ شَاءَ نَصْرَانِیًّا

ترجمہ: جس کو نہ تو کسی صریح حاجت نے حج سے روکا ہو۔ نہ کسی ظالم سلطان نے، نہ کسی روکنے والے مرض نے اور پھر حج نہ کیا ہو اور اسی حالت میں اسے موت آجائے۔ تو اسے اختیار ہے خواہ یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر۔

اِس حدیث کی تفسیر حضرت عمرؓ نے اِس طرح کی ہے:-

ترجمہ: جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے میرا جی چاہتا ہے اُن پر جزیہ لگا دوں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں ــــــ وہ مسلمان نہیں ہیں ــــــ"

عمر میں ایک دفعہ حج فرض ہے:

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَیْكُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ اَفِیْ كُلِّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ "لَوْ قُلْتُهَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهَا وَلَمْ تَسْتَطِیْعُوْا وَالْحَجُّ مَرَّةً فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ" (رواه احمد والنسائی والدارمی)

ترجمہ: ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "اے لوگو! خُدا نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ پس اقرع بن حابس کھڑے ہوئے اور پوچھا "یا رسول اللہ کیا ہر سال؟" فرمایا! "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال واجب ہو جاتا۔ اور اگر ہر سال کے لئے واجب ہوتا تو تم ادا نہ کر سکتے، اور نہ ہی ادا کرنے کی طاقت رکھتے۔ اس لئے حج پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے اور جو شخص ایک سے زیادہ مرتبہ کرے۔ تو وہ نفلی حج ہوگا"۔ اس حدیث کو احمد۔ نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔

حج کس پر واجب ہے؟

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا یُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

ترجمہ : ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ یا رسول اللہ صلعم کہ حج کو کیا چیز واجب کرتی ہے۔ فرمایا زاد اور راحلہ۔ یعنی اپنا آمد و رفت اور سواری کا کل خرچ اور اہل وعیال کے تمام مصارف اور اخراجات کی موجودگی میں حج واجب ہو جاتا ہے۔ اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

حج گناہوں سے پاک کر دیتا ہے :

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ ۔ (بخاری)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا "جو شخص اللہ کے لئے حج کرے۔ پھر کوئی فحش بات نہ کرے اور نہ گناہ کرے۔ تو وہ ایسا بے گناہ لوٹے گا جیسے اس دن تھا جس دن اُس کی ماں نے جنا تھا۔

حاجی خدا کے مہمان ہیں :

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ قَالَ الْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ ۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ : ابوہریرہؓ نے کہا۔ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے "حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔ اگر دُعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے وُہ قبول کرتا ہے اور مغفرت چاہتے ہیں تو وہ بخش دیتا ہے۔

حج اور عمرہ :

حج سال میں صرف ایک دن ماہِ ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو میدانِ عرفات میں ہوتا ہے جو مکہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اِس تاریخ کو جتنے لوگ حج کو جاتے ہیں۔ سب اُسی میدان میں پہنچ کر دُعائیں مانگتے ہیں۔

اِس دن کے سوا دُوسرے دنوں میں جب کوئی چاہے کعبہ کا طواف کر کے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے یعنی سات چکر لگائے اور حج اصغر (چھوٹا حج) یعنی عمرہ کرے۔ اس کے لئے کسی دن کی قید نہیں۔

احرام ــــــ ہر چہار طرف سے حج میں جانے والے مُسافروں کے احرام باندھنے کے مقامات مقرر ہیں جن کو میقات کہتے ہیں۔ پاکستانیوں کے لئے میقات یلملم ہے جو سمندر ہی میں

سے جہاز کے سامنے پڑتا ہے جہاز کے ملازم اس موقع پر مسافروں کو اطلاع دے دیتے ہیں

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ ذَا الْحُلَیْفَۃَ وَلِاَھْلِ الشَّامِ الْجُحْفَۃَ وَلِاَھْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَھْلِ الْیَمَنِ یَلَمْلَمَ ھُنَّ لَھُنَّ وَلِمَنْ اَتٰی عَلَیْھِنَّ مِنْ غَیْرِھِنَّ مِمَّنْ اَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ وَمَنْ کَانَ دُوْنَ ذَالِکَ فَمِنْ حَیْثُ اَنْشَاءَ حَتّٰی اَھْلُ مَکَّۃَ مِنْ مَکَّۃَ۔

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ کو میقات بنایا تھا اور شام والوں کے لئے جحفہ کو۔ نجد والوں کے لئے قرن المنازل کو اور یمن والوں کے لئے یلملم کو۔ یہ مقامات اُن لوگوں کے لئے بھی میقات ہیں اور جو شخص غیر مقام کا رہنے والا حج اور عمرہ کے ارادے سے اُن کی طرف آئے اس کے لئے بھی یہی میقات ہے اور جو شخص اِن مقامات کے اس طرف رہتا ہو وہ جہاں سے چلے احرام باندھ لے۔ یہاں تک کہ اہلِ مکہ مکہ ہی سے احرام باندھیں۔ (بخاری)

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے قول کے مطابق حج کے مناسک انجام دینے کی ایک خاص غرض و غایت ہے، یعنی جس شخص نے احرام باندھا گویا اُس نے کفن پہن لیا، تمام شہوات و لذاتِ نفسانی سے اعراض کا عہد کیا، اور دنیوی لذتوں اور راحتوں کو ترک کر دیا، اور اغیار کے ذکر سے روگردانی کی، اور خواہشاتِ نفسانی اور فاسد خیالات سے اپنے باطن کو صاف کیا۔ اور نفس کو مجاہدے کی قربان گاہ میں قربان کرنے کی ٹھان لی۔ ایسی ہی قلبی کیفیت کے لئے حرم کعبہ صحیح معنوں میں جائے امن و سلامتی ہے اور طواف کرنے والے کے لئے تمام برائیوں سے امن کی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسی مقام تسلیم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے :۔

اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

ترجمہ : جب اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ فرمانبردار ہو جاؤ تو آپؑ نے کہا میں پروردگار عالم کا فرماں بردار ہوں۔

حج محض ایک عبادت ہی نہیں بلکہ مجاہدہ اور مشاہدہ کی کیفیت ہے نفس سے مجاہدہ اور حق کا مشاہدہ۔ حج سے خانہ کعبہ کا دیدار مقصود نہیں بلکہ اس سے مقصود ظہور مشاہدہ حق ہے۔

ختمِ نبوّت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

۳۳ : ۴۰

ترجمہ : محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے —— اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت زمین کی ہر قوم اور ہر انسانی طبقہ کی طرف ہوئی تھی کالے، گورے، عرب عجم، ترک تاتار، چینی، ہندی، رومی اور حبشی سب کے لئے آپؐ کی دعوتِ عام ہے۔ قرآن کی متعدد آیتیں اور کئی احادیث بھی اس امر میں واضح ہیں کہ حضور صلعم دنیا بھر کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے اور جو صحیفہ یعنی قرآنِ پاک محمدؐ رسول اللہ کو ملا وہ تمام سابقہ آسمانی صحیفوں کا ناسخ ہے اور تمام امور میں ہر طرح سے جامع و مانع ہے۔ نہ صرف اپنے عہد کے لئے بلکہ تمام آنے والے زمانوں اور قوموں کے لئے بھی۔ قرآن مجید تمام معاملات کے احکام و قوانین اور اسلامی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ کے لئے کامل ہدایات کا حامل ہے اور اس وجہ سے تکمیلِ دین کا دعویٰ کر رہا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ بنی نوعِ انسان کو اس راستے پر گامزن کرتی ہے جو اُسے ایسے منتہائے عروج پر پہنچاتی ہے۔ جہاں وہ کائنات میں نائب خدا کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔ ایسے انقلابی اور کامل دین کے بعد کسی مزید نبی کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ اسی لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سلسلے میں امتِ محمدیہ کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ نبوت ختم فرما دیا ہے۔ اُن کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور نبوت کی قائم مقام خود ملتِ اسلامیہ ہوگی۔ قرآنِ مجید اس ملت کے دین کی اساس اور مرکزیت کے قیام کیلئے ہے قرآن و سنت اس

کے راہ نما ہوں گے۔ قرآن و سنّت کی روشنی میں ہر دور کے علمائے حق اور صاحب بصیرت انسان طریقۂ نبوی کے مطابق زندگی کے مختلف شعبوں میں اجتہاد و راہ نمائی کا فرض ادا کیا کریں گے۔

ختم نبوّت کا عقیدہ اتنا واضح ہے کہ جس طرح توحیدِ خداوندی کے متعلق کسی بحث کی گنجائش نہیں اسی طرح اس کے متعلق بھی کسی سوال کی ضرورت باقی نہیں۔

نبی کے لئے ضروری ہے کہ اُس پر وحی نازل ہوتی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی مخلوق کی راہنمائی کے لئے مخصوص فرمالیا ہو اور اس طرح سے اپنی الوہیت کے اظہار کا اُسے ایک ذریعہ اور نشان بنا دیا ہو اور اُس کی طبیعت کو نفس کی متابعت سے اور ہر طرح کی دیگر آلودگیوں سے اِس طرح پاک کر دیا ہو کہ اس کا مقصود سوائے ذاتِ الٰہی کے اور کچھ نہ رہ گیا ہو۔ اور اسی وجہ سے نبیوں سے جو خوارق عادات اور معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ اُن سے اُن کی اپنی کسی ذاتی خواہش یا نمائش کا اظہار مقصود نہیں ہوتا بلکہ وہ معجزے کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے ایک حجّت اور عینی دلیل کے طور پر پیش فرماتے ہیں۔ اور یہ مقام نبی کو اِس لئے حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن پر تمام عالم کے اسرار اور مغیبات ظاہر فرما دیتا ہے۔

کرامتیں یا خلاف عادت قول یا فعل بعض نیک لوگوں سے بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً دُعا کا قبول ہونا۔ مرادِ دُعا کا بر آنا یا ایسے افعال کا ظہور جو بظاہر عادت کے خلاف ہوں۔ مگر ایسی کرامتیں صرف اُن اولیاء اللہ سے ہی ظہور میں آسکتی ہیں جو احکام الٰہی کی بجا آوری میں نبی کی لائی ہوئی شریعت کے پابند ہوں اور خدا کی وحدانیت اور رسالت کی صداقت پر گواہی دیتے ہوں۔ اولیاء اللہ کی کرامتیں نبی کی نبوت کی تصدیق کرنے والی ہوتی ہیں۔

پیغمبر کی افضلیت اِس میں ہے کہ اُسے مشاہدۂ حق حاصل ہو اور بشریت کے تمام حجابات سے خلاصی پا چکا ہو۔ نیک لوگوں میں سے طالبانِ حق کثرت ریاضت اور عبادت کے ذریعے مقامِ ولایت حاصل کر سکتے ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے شوق میں محبتِ الٰہی اُن کے ہر عمل و فعل اور عقل پر غالب آجاتی ہے۔ ولی لوگوں کو دعوت دینے کے لئے مبعوث نہیں ہوتا یعنی وہ صاحبِ شریعت نہیں ہوتا بلکہ اُس کے افعال نبیؐ کی شریعت کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ ولی صاحب سِرّ ضرور ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے تصرّف کی وجہ سے اُس پر ایسے بھید کھل جاتے ہیں جن سے دُوسرے لوگ آگاہ نہیں ہوتے۔

تصوّف میں اولیاء کے علاوہ اخیار، ابدال، ابرار، اوتاد، نقیب، غوث اور قطب بھی ایسے

مدارج ہیں جو طالبانِ حق کو کثرتِ عبادت اور زہد و ریاضت کے ذریعے اہلِ تصرّف میں لے آتے ہیں۔ بہر حال نبی کا مقام مخصوص ہے اور ضروری ہے وہ دعوت و تبلیغ کا پیغام لے کر آیا ہو قرنِ اوّل سے لے کر آج تک تمام زندہ اور باعمل مسلمانوں کے نزدیک نبوّت کی عظمت خدا کی وحدت کی طرح تسلیم شدہ رہی ہے۔ صرف اُس وقت سے جب ملتِ اسلامیہ عمل کی زندگی سے زیادہ باتوں اور سہاروں کی دُنیا میں رہنے لگی تو مسئلہ ختمِ نبوّت بھی مدرسہ اور مجلسِ مذاکرہ کا موضوع بن گیا۔

انسانی زندگی کی ابتدا :

تاریخ کے اوراق اُلٹیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب ذہنِ انسانی عالمِ طفولیت میں تھا تو اُسے چھوٹے چھوٹے معاملات کے فیصلوں کے لئے بھی خارجی امداد کی ضرورت پڑتی تھی اور وہ دو قدم بھی آسرے کے بغیر نہیں چل سکتا تھا جس طرح بچہ جب پہلے پہل چلنا سیکھتا ہے تو اُسے کسی کی اُنگلی پکڑنے والے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر وہ مل جائے تو چار قدم چل لیتا ہے، نہ ملے تو لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے —— بچہ بڑا ہو جائے تو خود چل سکتا ہے۔ مگر صرف گھر کی چار دیواری میں یا ماں کے سامنے۔ جوانی میں یہ صورت بھی بدل جاتی ہے۔ اب اگر اُسے کوئی سہارا دے یا اس پہ قید لگائے تو وہ اسے اپنی توہین سمجھتا ہے۔ مگر پھر بھی ضرورت ہوتی ہے کہ دُنیا کے وسیع شاہراہوں پر نشانِ راہ موجود ہوں جو بتا سکیں کہ راستہ کدھر جاتا ہے۔ اب اگر راہرو کی آنکھوں میں بینائی ہے تو وہ منزلِ مقصود تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔

جس طرح جسمانی طور پر یہ قانونِ فطرت ہے ذہنی اور فطری طور پر بھی یہی اصول کار فرما ہے۔ ابتدا میں انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے خالقِ کائنات نے یہ اصول بنایا۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

ترجمہ : اے نوعِ انسانی! جب تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں جو میری آیات تمہیں سنائیں تو تم میں سے جو کوئی تقویٰ اور اصلاح اختیار کرے تو اُن پر کسی قسم کا خوف اور حزن نہ ہوگا۔ (القرآن)

اِس اصول کے مطابق ہر قریہ، ہر بستی ہر قوم اور ہر عہد میں رسول آتے رہے۔ ایک رسول آتا اور جب تک وہ اپنی قوم یا قبیلے میں رہتا، لوگ اُس کی رہنمائی اور ہدایت خداوندی کی روشنی

میں چلتے رہتے۔ جونہی وہ اِس دُنیا سے مُنہ موڑتا وہ پھر اندھیرے میں ٹامک ٹوئے مارنے لگتے
ابتدا میں زندگی بھی مختصر تھی۔ یا چھوٹی چھوٹی اقوام پر مشتمل آبادیاں تھیں۔ اِس لئے اُن کی ہدایت کا
دائرہ اثر بھی اِسی وُسعت کے مطابق محدُود اور مقید رہتا تھا۔
ایک نبی کا دَور ختم ہوتا تو دُوسرا نبی آجاتا۔ اِس کا ذکر قرآنِ پاک میں یُوں ہُوا ہے۔

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ———— ۶:۴۳

ترجمہ : اور پہلے لوگوں میں ہم نے بہت سے رسُول بھیجے

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا ———— ۴۲:۴۴

ترجمہ : پھر ہم نے اپنے رسُول پے در پے بھیجے

احکام میں تبدیلی :

ہر قوم اور ہر زمانے میں نبی آئے اور پے در پے آئے۔ اِس کے ساتھ ہی آسمانی ہدایت کو حالات کے مطابق تبدیل کیا گیا۔ ہوتا یُوں رہا کہ ایک رسُول کی تشریف آوری کے بعد کچھ وقت تک اُس کی تعلیم اپنی اصلی شکل میں باقی رہتی۔ پھر اس میں تبدیلی کر لی جاتی۔ کچھ لوگ خودساختہ باتیں خُدا کی طرف منسُوب کر دیتے۔ دُوسری طرف زندگی کی ضروریات بھی بڑھ جاتیں اور حالات کے مُطابق تبدیلی کا تقاضا پیدا ہو جاتا۔ قرآنِ پاک نے کئی جگہ اِس تبدیلی اور نئی ہدایات کے نافذ کرنے کا ذکر کیا ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۱۰۶:۲

ترجمہ : ہم اپنے احکام میں سے جو کچھ بھی مٹا دیتے یا بُھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اُسی جیسا حکم پھر نازل کر دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سُورۃ الحج میں ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۵۲:۲۲

ترجمہ : اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسُول نہیں بھیجا اور نہ نبی کہ جب اُس نے احکامِ الٰہی کی تلاوت کی تو (وحی کے دُشمن) شیطان نے اس کی تلاوت کردہ (وحی) میں کچھ ملاوٹ کر دی۔ پس اللہ دوسرا رسُول بھیج کر اُس کی اِس آمیزش کو مٹا دیتا رہا اور اپنے احکام کو محکم کرتا رہا۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

آخری منزل :

انسانیت کے سفر حیات میں آخر وہ منزل آپہنچی جب اُس کا ذہن بالغ ہوگیا۔ اب ضرورت تھی کہ شاہراہ زندگی کے نشانات واضح کر دیئے جائیں۔ اُن کی حفاظت کا پُورا انتظام کر دیا جائے۔ قوموں، قبیلوں، بستیوں اور جماعتوں کو الگ الگ ہدایت دینے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوعِ انسان کے لیے ایک رسول بھیجا اور فرمایا۔

وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۔ ۷۹:۴

ترجمہ : اور ہم نے تجھے تمام نوعِ انسان کے لئے رسُول بنا کر بھیجا ہے

پھر فرمایا :۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۔ ۲۸:۳۴

ترجمہ : اور ہم نے تمہیں تمام نوعِ انسانی کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے

یہ تھے خاتم النبیین سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؐ سب سے آخر میں تشریف لائے اور سلسلہ نبوت کی مُہر اور اس کی عمارت کی آخری اینٹ کہلائے اور اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ وُہ دین جو بنی آدم کے لیے ازل سے مقرر تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل کر دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۔ ۳:۵

ترجمہ : آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تمہارے اُوپر اپنی نعمت پُوری کر دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کیا۔

وُہ دین جو ہر نبی پر اترا اسلام تھا لیکن ہر نبی کے بعد اس کی قوم اس کے لائے ہوئے دین کو تحریف و تخریب (ادل بدل اور گروہ بندی) سے ضائع کرتی رہی چنانچہ آج کوئی صریح کتاب کسی نبی کی تعلیم کی رُو سے زمین پر موجود نہیں۔ قرآنِ پاک تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ان کی تمام اصلی اور حقیقی تعلیمات کو اپنے اندر شامل کر کے ان کا مھیمن (محافظ) بھی بن گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

ترجمہ: اور ہم نے تیرے اُوپر حق کے ساتھ کتاب اُتاری جو اپنے سے پہلے کتابوں کی تصدیق بھی کرنے والی ہے اور ان کی نگہبان بھی ہے۔ (القرآن)

پھر قرآن کو اللہ نے اپنی حفاظت میں لے کر ہمیشہ کے لئے محفوظ بھی کر دیا ہے۔ فرمایا:—

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر۔۹)

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے ہی اُتارا ہے یہ ذکر (قرآن) اور بلاشبہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

خلاصہ تعلیمات:

اب ان تعلیماتِ قرآنی کو اس ترتیب کے ساتھ ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) ازل میں اللہ نے بنی آدم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہاری ہدایت کے لئے رسول اور کتاب بھیجتے رہیں گے۔

(۲) اس وعدہ کے مطابق اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر رسول آتے رہے اور مسلسل آتے رہے۔

(۳) اُن ہدایاتِ خداوندی کو جو نبیوں اور رسولوں کے ذریعے موصول ہوتی رہیں، اُن کے جانے کے بعد اُن کی قومیں ضائع یا مسخ کرتی رہیں۔

(۴) محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر وُہ ہدایتِ قرآن اُتار کر مکمل کر دی گئی اور وعدہ کیا گیا کہ یہ "الکتاب" اللہ کی حفاظت میں ہے۔ اور قیامت تک اس کے کسی لفظ کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

(۵) محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں جن کے اُوپر نبوت کا خاتمہ یعنی انقطاع ہو گیا۔ تعلیم الٰہی مکمل ہو چکی۔ انسانی استعدادوں کو بلوغت دے کر فطرت کے اٹل قوانین کے مطابق تسخیر اور ترقی کی راہیں کشادہ کر دی گئیں۔ یہ قوانینِ قدرت ابد تک محفوظ کر دیئے گئے اور آئندہ کے لئے ان میں ترمیم و تنسیخ کا سلسلہ منقطع ہوا کہ اب اس کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا اب قرآن عزیز کو سنّتِ نبوی کی روشنی میں سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ملتِ اسلامیہ اور تمام بنی نوعِ انسان کے لئے کافی ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ بوجھ یعنی بصیرت عطا فرمائی ہے جس کے ذریعے وُہ اپنی بہتری اور اصلاح کے کام کرتا ہے لیکن یہ سمجھ بوجھ عقل اور بصیرت وحی (ہدایتِ خداوندی) کے نُور کے بغیر سورج یا چراغ کی روشنی کے مانند ہے۔ ایک آنکھوں والا گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کچھ دیکھ نہیں پاتا۔ اسی طرح انسان کتنا کیوں نہ عقلمند ہو، کتنا سوجھ بوجھ والا کیوں نہ ہو اللہ کی ہدایت کے نُور کے بغیر اپنی فطرت (یعنی عبدیت) کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔

اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ——————— (المائدہ ۱۵)

ترجمہ : تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔

یہ نور اور یہ کتاب مُبین القرآن ہے اور اِس کی تشریح سُنّتِ نبویؐ ہے۔ اِنسان کو جس قدر وحی والی تعلیمات اور اُن کی تشریحات کی ضرورت تھی وُہ کتاب و سُنّت میں دے دی گئی ہیں۔ اب قیامت تک اِنسان مُطلقاً ایسی بصیرت کی روشنی کے لئے کسی وحی کے محتاج تو نہیں ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُہُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَ سَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ۔ فَقَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ فُوْا بِبَیْعَۃِ الْاَوَّلِ اَعْطُوْھُمْ حَقَّھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ سَائِلُھُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاھُمْ (از کتاب بدء الخلق ۔ بخاری)

ترجمہ : حضرت ابُوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل پر حکومت انبیاء کرتے تھے۔ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تھی تو اُن کا جانشین دُوسرا نبی ہوتا تھا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ البتہ خلفا ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم یکے بعد دیگرے ہر ایک کی بیعت پُوری کرو۔ اُن کا حق (اطاعت جو تم پر واجب ہے)، ادا کرو۔ پھر (اگر وُہ ظلم کریں گے) تو بیشک اللہ اُن سے اِس چیز کی بابت پوچھے گا۔ جس کا انھیں چرواہا بنایا تھا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَرَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَاَکْمَلَھَا وَاَحْسَنَھَا اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَدْخُلُوْنَھَا وَیَتَعَجَّبُوْنَ وَیَقُوْلُوْنَ لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَۃِ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ زِیَادَۃٌ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ مِّنْ زَاوِیَۃٍ وَقَالَ فِیْ اٰخِرِہٖ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ (بخاری)

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری مثال اور نبیوں کے ساتھ اِس طرح ہے۔ گویا ایک شخص نے مکان بنا کر اسے تکمیل تک پہنچا دیا اور عمدہ بھی بنایا۔ مگر صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی۔ جو لوگ مکان میں جاتے وہ تعجب کرتے (اور کہتے) کہ کاش یہ اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی"۔ اور حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ "مگر ایک گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رکھی اور وہ اینٹ میں

ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

قرآن و سنت کی روشنی میں ختم نبوت کا انکار محال ہے اور یہ ایسا طے شدہ مسئلہ ہے کہ خود عہد رسالت میں مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو حضورؐ کی نبوت کی تصدیق بھی کی تو بھی اس کے کاذب ہونے میں ذرا بھی تامل نہ کیا گیا ——— یہاں تک کہ شاگردانِ نبوت یعنی صحابہ کرامؓ نے جہاد کر کے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا ——— اس کے بعد بھی جب جب اور جہاں جہاں اس قسم کے دعوے دار کھڑے ہوئے نہ صرف یہ کہ متفقہ طور پر امت کے نزدیک کاذب قرار پائے۔ بلکہ ہمیشہ ان کا قلع قمع کیا گیا۔

علامہ اقبالؒ اور ختم نبوت:

اس خطبہ کو ہم علامہ اقبالؒ کی اس وضاحت پر ختم کرتے ہیں جو انھوں نے خطبات تشکیل جدید میں فرمائی ہے۔ اور یہ ایک فیصلہ کن بات ہے۔ علامہ مرحوم فرماتے ہیں۔

"اس نقطہ خیال سے دیکھئے تو پیغمبر اسلامؐ دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے درمیان (بطور حدِ فاصل) کھڑے دکھائی دیں گے۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ آپؐ کی وحی کا سرچشمہ کیا ہے تو آپ دنیائے قدیم سے متعلق نظر آئیں گے۔ لیکن اگر اس حقیقت پر نظر کی جائے کہ آپؐ کی وحی کی روح کیا ہے تو آپؐ کی ذاتِ گرامی دنیائے جدید سے متعلق نظر آتے گی ——— آپؐ کی بدولت زندگی نے علم کے ان سرچشموں کا سراغ پالیا جن کی اسے اپنی نئی شاہراہوں کے لئے ضرورت تھی۔

اسلام کا ظہور استقرائی علم کا ظہور ہے:

اسلام میں نبوت اپنی تکمیل کو پہنچ گئی اور اس تکمیل سے اس نے خود اپنی خاتمیت کی ضرورت کو بے نقاب دیکھ لیا۔ اس میں یہ لطیف نکتہ پنہاں ہے کہ زندگی کو ہمیشہ کے لئے عہدِ طفولیت کی حالت میں نہیں رکھا جا سکتا۔

اسلام نے دینی پیشوائی اور وراثتی بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن کریم غور و فکر اور تجارت و مشاہدات پر بار بار زور دیتا ہے اور تاریخ اور فطرت دونوں کو علمِ انسانی کے ذرائع ٹھہراتا ہے یہ سب اسی مقصد کے مختلف گوشے ہیں جو ختم نبوت کی تہ میں پوشیدہ ہے۔ پھر عقیدہ ختم نبوت کی ایک بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس سے لوگوں کے باطنی واردات کے متعلق ایک آزاد اور ناقدانہ طرزِ عمل قائم ہوتا ہے، اس لئے کہ ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوعِ انسانی کی تاریخ میں کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ کسی ما فوق الفطرت اختیار کی بنا پر دوسروں کو

اپنی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ ختمِ نبوّت کا عقیدہ ایک نفسیاتی قوّت ہے جو اس قسم کے دعویٰ اقتدار کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ اب کسی کے باطنی مشاہدات کیسے ہی غیر معمولی کیوں نہ ہوں۔ اُن پر اسی طرح تنقیدی نگاہ ڈالی جا سکتی ہے جس طرح انسانی مشاہدات کے دوسرے پہلوؤں پر۔ (خطبات تشکیل جدید ص ۱۲۰)

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اُمتِ مُسلمہ کو اپنے پاک نبیؐ کی نیابت کی توفیق ارزانی فرمائے اور دُنیا اِس وقت جن ذہنی، علمی، اور عملی اُلجھنوں کا شکار ہے اِن سے نکالنے کے لئے انھیں آخری نبیؐ کے آخری پیغام کی برکت سے ہمّت عطا کرے اور مومن کا اصل مقام ہمیں نصیب ہو جس کی اقبالؒ نے یوں نشان دہی کی ہے ؎

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مُسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی ۔ مکیں آنی ۔ اِزل تیرا ابد تیرا
خُدائے لم یزل کا دستِ قدرتؐ تو زباں تو ہے

اُسوۂ حسنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" (احزاب - ۲۱)

ترجمہ: تمہارے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے۔ (القرآن)

بیشک قرآن مجید ہی خداوند تعالیٰ کے احکامات اور قوانین کی وہ جامع کتاب ہے۔ جو اِسلامی معاشرہ اور نظام کی حقیقی بنیاد تسلیم کی گئی ہے مگر اِس میں کسی کو بھی مجالِ انکار نہیں کہ کتاب اللہ کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہمیں اُس ہادیٔ برحق اور مبلغِ اسلام کی عملی زندگی کو بھی ہر لحظہ سامنے رکھنا پڑے گا جنھیں خداوند تعالیٰ نے اپنے اس پیغام کے پہنچانے کے لئے مخصوص فرمایا تھا۔ اِسلام کے وُہ بنیادی ستون جن کا قرآنِ کریم میں بارہا ذکر آیا ہے اور جن پر عمل پیرا ہونے کے لئے ملّت اسلامیہ کو تاکید اکید فرمائی گئی ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ان سب کی عملی صورت جس پر اسلامی معاشرے کا گذشتہ چودہ سو سال سے نظام قائم رہا ہے۔ وُہی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن ارکانِ اسلام کی ادائیگی میں اپنے لئے معمول بنا رکھا تھا۔

ملّتِ اِسلامیہ کے لئے حضورؐ کا تتبع نہ صرف عبادات تک ہی محدود ہے۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے حضورؐ ایک ایسے اِنسان کامل تھے کہ جن کی پیروی کے لئے نہ صرف اِسلامی انقلابی عقائد کا اقرار کرنا ضروری ہے بلکہ ظاہری وضع قطع میں بھی ہمیں شمائل نبوی کو پوری طرح اختیار کرنا ہے۔ رفتار و گفتار۔ لباس و غذا، روزمرّہ کے معمولات میں ہمارے لئے وُہی طریقے پسندیدہ قرار دیئے جا چکے ہیں۔ جن کا حضور صلعم نمونہ تھے۔ علیٰ ہٰذا اخلاق و عادات میں بھی خصائل نبوی کی پیروی ہی کے ذریعے ہم اپنے آپ کو مخلص مسلمان کہلا سکتے ہیں۔ حسنِ معاملہ، عدل، انصاف،

جود و سخا، ایثار، مہمان نوازی، سادگی بے تکلفی، مساوات، شرم و حیا، عزم و استقلال، راست گفتاری، ایفائے عہد، شجاعت، عفو و علم، شفقت، رحم و محبت حضور کی پاکیزہ سیرت کے وہ درخشاں اوصاف ہیں جن سے مزیّن ہوئے بغیر کوئی زندگی اسلامی زندگی نہیں کہلا سکتی۔

خود خداوند تعالیٰ نے ہمیں حضور صلعم کے اسوہ کی پیروی کی اس طرح تاکید فرمائی ہے کہ "ہمارے لئے زندگی کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔"

اُسوۂ حسنہ کسی ایک پہلو کا نام نہیں۔ یہ پُوری زندگی پر حاوی ہے۔ اگر ہم اِس نمونۂ زندگی کو سمجھنا چاہیں تو اِس میں ــــ عبادات۔ معاملات۔ اخلاق اور اجتماعی مسائل سب کچھ پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔

حضورؐ کی عبادات (یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) آپؐ کے ذاتی اخلاق اور خصوصیات (یعنی نیکی، شرافت، دیانت، ایمانداری، سچائی اور دُوسری صفاتِ حسنہ) ــــ اس کے بعد معاملات (مثلاً تجارت، مہمان نوازی، شادی اور دوسرے امُور) ہر چیز میں ہمیں نمونۂ رسُول کی پیروی کرنی ہوگی۔

بہ حیثیت مسلمان کے ہمیں کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے سرورِ کونین کی قابلِ نمونہ زندگی کے ایک ایک پہلو کو سامنے رکھ کر انسانیت کے اِس شاہکار کی معلمانہ اور پیغمبرانہ حیثیت کو سمجھنا ہوگا۔ ــــ ایک کامل زندگی کے لئے دو قسم کی صفتیں ضروری ہیں۔ ایجابی یعنی ایسے کام جو کرنے ضروری ہیں ــــ سلبی یعنی کچھ ایسے کام جو نہ کرنے ضروری ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص پہاڑ کے ایک کھوہ میں جا کر عمر بھر کے لئے بیٹھ جائے تو صرف یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اُس نے بدیوں اور بُرائیوں سے پرہیز کیا۔ یعنی کوئی ایسا کام نہیں کیا جو قابلِ اعتراض ہو۔ مگر یہ تو صرف سلبی یعنی نہ کرنے کی صفت ہے۔ اس کا ایجابی (کرنے کا) پہلو یہ ہے کہ کیا اُس نے غریبوں کی مدد کی۔ محتاجوں کو کھانا کھلایا۔ کمزوروں کی حمایت کی۔ ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا۔ گرتوں کو سنبھالا ــــ گمراہوں کو راستہ دکھایا۔ عفو، کرم، سخاوت، مہمان نوازی، حق گوئی، رحم، جدوجہد اَدائے فرض اور دُوسری ذمہ داریوں کی بجا آوری، غرض وہ تمام اخلاق جن کا تعلق عمل (ایجاب) سے ہے صرف سلبِ فعل (نہ کرنے) سے نیکیاں نہیں بن جائیں گے۔

نبیوں میں ہر طرح کی زندگی کے نمُونے موجود ہیں۔ مگر اسوۂ حسنہ (یعنی مثالی زندگی) اور قابلِ تقلید "کامل زندگی" اگر کسی سیرت میں موجود ہے تو وُہ صرف نبی اُمّی محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی زندگی ہے —— یہی وہ سیرت ہے۔ جس میں صلح و جنگ، فقر و دولت، ازدواج و تجرّد خُدا اور بندوں کے تعلقات، حاکمیت و محکومیت، سکون و غضب، جلوت و خلوت جلال و جمال غرض کہ زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال مل سکتی ہے —— یہی وجہ ہے کہ اس زندگی کو نمونۂ زندگی بنایا گیا ہے۔ چنانچہ اپنے طریقہ یا سنّت کی وضاحت فرماتے ہوئے حضور صلعم کے اپنے الفاظ ہیں۔ حدیث یہ ہے :-

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سُنَّتِهٖ فَقَالَ " اَلْمَعْرِفَةُ رَاْسُ مَالِيْ وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِيْنِيْ ـ وَالْحُبُّ اَسَاسِيْ ـ وَالشَّوْقُ مَرْكَبِيْ وَذِكْرُ اللّٰهِ اَنِيْسِيْ ـ وَالثِّقَةُ كَنْزِيْ ـ وَالْحُزْنُ رَفِيْقِيْ ـ وَالْعِلْمُ سِلَاحِيْ ـ وَالصَّبْرُ رِدَائِيْ وَالرِّضَاءُ غَنِيْمَتِيْ ـ وَالْعِجْزُ فَخْرِيْ ـ وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ ـ وَالْيَقِيْنُ قُوَّتِيْ ـ وَالصِّدْقُ شَفِيْعِيْ وَالطَّاعَةُ حَسْبِيْ ـ وَالْجِهَادُ خُلُقِيْ ـ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ ـ

ترجمہ : علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ حضورؐ کی سُنّت (طریقہ) کیا ہے ؟

فرمایا : معرفت[1] میرا راس المال ہے۔ عقل[2] میری دین کی اصل ہے۔ محبت[3] میری بُنیاد ہے۔ شوق[4] میری سواری ہے۔ ذکرِ الٰہی[5] میرا انیس ہے۔ اعتماد[6] میرا خزانہ ہے۔ حزن[7] میرا رفیق ہے۔ علم[8] میرا ہتھیار ہے۔ صبر[9] میرا لباس ہے۔ رضا[10] میری غنیمت ہے۔ عجز[11] میرا فخر ہے۔ زہد[12] میرا حرفہ ہے۔ یقین[13] میری خوراک ہے۔ صدق[14] میرا ساتھی ہے۔ طاعت[15] میرا بچاؤ ہے۔ جہاد[16] میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا دُوسرا حصہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ اس میں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ہم اِن کے نمُونہ اطاعت کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ اب حضورؐ کی زندگی کے مختصر حالات سُنیے —— یہ وہ خاکہ ہے جس کے دائرہ میں سیرتِ نبویؐ کا تفصیلی مطالعہ انسانِ کامل کی زندگی کے تمام پہلو واضح کر دے گا۔

پیدائش و بچپن :

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دُعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ (حالی)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ۹ ربیع الاوّل سنہ ۱ عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل

۱۷۵ء مطابق یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ بکرمی مکہ معظمہ میں دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے ـــــ دادا نے محمدؐ اور والدہ نے احمدؐ نام رکھا ـــــ ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضورؐ کی سیرتِ پاک میں دوشنبہ (پیر) کو یہ خصوصیت ہے کہ ولادت، بعثت، ہجرت اور رحلت سب اسی دن واقعہ ہوئے۔

حضورؐ کے باپ کا نام عبداللہ ہے۔ عبودیت حضورؐ کے خون میں شامل تھی۔ والدہ مکرمہ کا نام آمنہ خاتون تھا۔ "امن" کے شکم میں حضورؐ نے پرورش پائی۔ حضورؐ کی دایہ کا نام حلیمہ ہے۔ حلم اور بردباری کا حضورؐ نے دودھ پیا۔ پیدا ہونے سے پہلے آپؐ کے والد انتقال فرما چکے تھے۔ جب چھ سال کے ہوئے تو والدہ دنیا سے رخصت ہوئیں۔ نو سال کی عمر میں دادا بھی چل بسے۔ جوانی تک آپؐ ابوطالب (چچا) کی کفالت میں رہے۔ مکہ میں اس زمانہ میں کوئی مکتب تھا، نہ مدرسہ۔ نہ پڑھنے لکھنے کا رواج۔ اس وجہ سے وہاں کے اور لوگوں کی طرح آپؐ بھی اُمّی یعنی اَن پڑھ رہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الجمعۃ-۲)

ترجمہ: وہ وہ ذات ہے جس نے ایک ان پڑھ قوم میں سے نبی مبعوث فرمایا۔ جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اگرچہ وہ تھے اس سے پہلے صریح گمراہی میں۔

مکہ کے لوگ تین سو سال سے بت پوج رہے تھے۔ جوا، شراب اور کئی دوسری برائیاں مکے کے رہنے والوں کی زندگی کا جزو بن چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ان سب برائیوں سے محفوظ رکھا۔ آپؐ نہایت نیک، سچے، سخی اور مہربان تھے۔ لوگوں کو آپؐ کی ایمانداری پر اتنا بھروسہ تھا کہ اپنی امانتیں لا لا کر آپؐ کے پاس رکھتے تھے۔ اس وجہ سے آپؐ اَلْاَمِیْن کے لقب سے مشہور تھے۔

قبل نبوت:

بارہ سال کی عمر میں آپؐ نے اپنے چچا کی رفاقت میں شام کا سفر کیا۔ معاش کے لئے آپؐ نے تجارت کا شغل اختیار کیا ـــــ ۵۸۰ء اور ۵۹۰ء کے درمیان حرب فجار کا واقعہ پیش آیا۔ یعنی قریش اور قیس کے قبیلوں میں جنگ شروع ہوئی ـــــ یہ جنگ حرمت کے مہینوں میں ہوئی اور کئی سال تک جاری رہی۔ انجام کار نکوکار لوگوں کی مداخلت سے صلح

کا معاہدہ ہُوا۔ جو حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔

اِس معاہدہ میں حضورؐ شامل تھے۔ اِس معاہدہ کا اقرار یہ تھا کہ ہر شخص جو اِس میں شامل ہو مظلوم کی حمایت کر کے اُس کا حق اُسے دِلا دے۔

پچیس ۲۵ سال کی عمر میں آپؐ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہُوا جو چہل سالہ بیوہ تھیں۔ اِس شادی سے آپؐ کے دو بیٹے قاسم اور عبداللہ پیدا ہُوئے جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ بڑے قاسم تھے۔ جن کی وجہ سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم ہُوئی ـــــ چار صاحبزادیاں ہُوئیں۔ زینبؓ رقیہ۔ اُمّ کلثومؓ اور فاطمہؓ ـــــ حضرت فاطمہؓ سب سے چھوٹی تھیں۔ ان کی شادی حضرت علیؓ سے ہُوئی اور اِن سے ہی خاندانِ سادات چلتا ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر ۳۵ سال تھی کہ قریش نے خانۂ کعبہ از سرِ نو تعمیر کیا۔ حجرِ اسود جس کا نصب کرنا سرداری کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ سے نصب ہُوا۔ مکّے سے تین میل کے فاصلے پر غارِ حرا ہے۔ آپؐ کی عادت تھی کہ وہاں تنہائی میں کئی کئی دن عبادت میں گزار دیتے۔

نبوّت اور مکّی زندگی کے ۱۳ سال:

عمر کے چالیس سال پُورے ہو چکے تھے۔ آپؐ غارِ حرا میں مصروفِ عبادت تھے کہ ۲۷ رمضان لیلۃ القدر ۱۱ءھ کو جبریلؑ قرآنِ عزیز کا سب سے پہلا ٹکڑا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ الخ — اللہ کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا

تحفۂ ربّانی کے طور پر لائے۔ اب آپؐ نبی تھے اور مکّہ کے پیامبر جنھیں سارے جہان کو کفر و ظلم سے بچانا تھا۔ پہلے سال خدیجہؓ (بیوی) ابوبکرؓ (سب سے بڑے دوست) علیؓ (چچازاد بھائی) اور زیدؓ (آزاد کردہ غُلام) آپؐ پر ایمان لائے۔ تین سال کے اندر اندر ۴۰ اشخاص مُسلمان ہُوئے۔ جن میں حضرت عثمانؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ ابن عوف، طلحہؓ اور بلالؓ شامل ہیں۔ تین سال آپؐ نے سِرّاً (مخفی) تبلیغ فرمائی۔ چوتھے سال علی الاعلان وعظ کا حکم ہُوا تو کوہِ صفا پر آپؐ نے کُھلے بندوں وعظ فرمایا۔ اب تمام قریش آپ کے مخالف ہو گئے۔ آپؐ نے دُشمنی کی کوئی پرواہ نہ کی ـــــ اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے ـــــ ابُوطالب کے پاس کئی وفد آئے کہ وُہ آپؐ کو تبلیغ سے باز رکھیں۔ لیکن آپؐ نے چچا کے کہنے پر بھی جواب دیا کہ سُورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر لا رکھیں تو بھی اِس کام کو نہ چھوڑوں گا۔

چوتھے سال — ارقم صحابیؓ کا گھر مجلسی باتوں اور نماز و اجتماع کے لئے مرکز مقرر ہوا۔
پانچویں سال کافروں کے بہت تنگ کرنے پر آپؐ نے گیارہ صحابہ کو جن میں حضرت عثمانؓ اور اِن کی بیوی رقیہ بھی تھیں، حبشہ جانے کی اجازت دی۔ نجاشی شاہِ حبش نے مہاجرین کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا۔
چھٹے سال حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ اِسلام لائے۔ اِن سے اِسلام کو بہت تقویت پہنچی۔ دُکھوں اور تکلیفوں میں مُسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر کافروں نے لالچ دینا چاہا۔ عتبہ کی وساطت سے زر، زن اور زمین کی پیش کش کا آخری حربہ بھی استعمال کیا۔ لیکن محبوبِؐ خدا نے قرآنِ عزیز کی چند آیتیں پڑھ کر سُنائیں اور فرمایا :-
"میں بشیر و نذیر ہوں - ان چیزوں کی مجھے ضرورت نہیں"
ساتویں سال (۶۱۶ء) میں ہر طرح ناکام رہ کر کافروں نے حضورؐ اور آپؐ کے قبیلہ کا مکمل مقاطعہ کیا اور وہ شعبِ ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ یہاں تین سال تک خطرناک مصائب اور بھوک پیاس کا مقابلہ کیا — حج کے دنوں میں بھی تبلیغ فرماتے رہے۔
دسویں سال محاصرہ سے نکلے تو چند روز بعد ابُوطالبؓ اور خدیجہؓ یکے بعد دیگرے وفات پا گئے۔ اِسی لئے یہ سال عام الحزن (غم کا سال) کہلاتا ہے۔ مکّہ سے مایُوس ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے۔ مگر وہاں کے سنگدل لوگ بڑی سختی سے پیش آئے اور آپؐ زخمی ہو کر واپس لَوٹے۔
سنہ ۶۲۰ء حج کے موسم میں مدینہ کی قوم خزرج کے چھ آدمیوں نے اِسلام قبُول کیا۔ دُوسرے سال اپریل سنہ ۶۲۱ء میں مدینہ کے بارہ اور آدمی اسلام لائے اور حضرت مصعب بن عمیرؓ بطور مبلغ اِسلام مدینہ بھیجے گئے۔ اسی سال عقبہ کے مقام پر بیعت ہوئی کہ وہ لوگ شرک، چوری، زنا قتل اولاد اور افترا۔ کے مرتکب نہ ہوں گے۔
تیرھویں سال (مارچ سنہ ۶۲۲ء) میں ۷۰ مردوں اور ۲ عورتوں نے مدینہ سے آ کر عقبہ کے مقام پر بیعت کی اور عہد کیا کہ وہ اپنے اہل و عیال کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت کریں گے۔ قریش اس رفتارِ ترقی کو دیکھ کر جل بھُن گئے اور انھوں نے دار الندوہ (مشورہ کرنے کی جگہ) میں مشورہ کیا کہ ہر قبیلہ کا ایک نوجوان مل کر رحمتِ عالمؐ کے مکان پر حملہ کر دے اور چراغِ دو عالم کو ہمیشہ کے لئے بجھا دے۔ لیکن ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مدنی زندگی کے دس سال :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جون ۶۲۲ء کے آخری ایام میں دشمنوں سے گھرے ہوئے مکان سے اللہ کی حفاظت میں نکلے۔ تین دن حضرت صدیق رضؓ کی معیت میں غارِ ثور میں رہے۔ ماہِ صفر کے آخری ایام تھے۔ ۸ ربیع الاوّل دوشنبہ (پیر) کے دن حضور یثرب پہنچے۔ قبا میں جو یثرب سے تین میل کے فاصلہ پر بیرونی آبادی ہے آپؐ فروکش ہوئے۔ چودہ دن یہاں رہے اور ان ہی ایام میں مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ اب یثرب کا نام مدینۃ النّبی ہوگیا۔ اور آپؐ نے اس کو مرکز قرار دے کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ مکہ والوں نے ایک سال کی تیاری کے بعد ایک ہزار مسلح جوان لے کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کی طرف سے ۳۱۳ مجاہد مقابلہ پر آئے۔ دشمنوں کے ۷۰ آدمی مارے گئے اور ۷۰ گرفتار ہوئے۔ یہ نتیجہ دشمنوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا   (جنگِ بدر)

اہلِ مکہ نے اب دوبارہ پوری تیاری کے ساتھ انتقام لینے کے لئے تیسرے سال تین ہزار فوج لے کر مدینہ پر چڑھائی کی ——— مسلمانوں کا نقصان تو خاصہ ہوا۔ مگر دشمنوں کو اپنے ارادے میں ناکامی ہوئی (جنگِ اُحد) ——— پانچویں سال اہلِ مکہ دس ہزار فوج لے کر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے مدینہ کے گرد خندق کھودی اور شہر میں محصور ہو کر سخت مقابلہ کیا اور دشمنوں کو پوری حسرت کے ساتھ واپس ہونا پڑا   (جنگِ خندق)

چھٹے سال مسلمانوں نے خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے سفر کیا۔ مکہ والوں نے ان کو زیارت سے روک دیا۔ وہ مکہ سے صرف ۷ کوس دور رہ کر واپس چلے آئے اور دشمنوں نے بظاہر سچا بننے کے لئے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ آئندہ دس سال تک وہ کوئی جنگ نہیں کریں گے (صلح حدیبیہ)

دس سال تو بڑی میعاد ہے۔ دشمنوں نے دوسرے ہی سال مسلمانوں کے ہمدرد قبائل کو قتل و غارت گری سے تباہ کر دیا۔

لڑائیوں کے اس سلسلہ سے جو تبلیغ اسلام اور ملک کے امن و امان میں بڑی رکاوٹ تھی مسلمان تنگ آگئے اور انھوں نے ارادہ کیا کہ یہ بھڑوں کا چھتہ ہی صاف کر دیا جائے ——— نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہؓ کے ہمراہ دس رمضان المبارک ۸ھ بروز چہارشنبہ عصر کے بعد مدینہ سے نکلے۔ کافروں نے مقابلہ کی تاب نہ لا کر ہتھیار ڈال دیئے

تو رحمتِ عالم ؐ نے لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ط فرما کر سب کو معافی دے دی اور اپنے سایۂ رحمت میں لے لیا۔

یہ جھگڑے اس قوم کے ساتھ ہوئے جو حضورؐ کے رشتہ دار تھے اور بُت پرست تھے۔ اس کے علاوہ یہودیوں نے بھی کئی بار فسادات کئے۔ بلوے کئے اور مقابلہ پر آمادہ ہو گئے چوتھی مرتبہ انھوں نے خیبر کے یہودیوں سے مل کر بھاری فوج لانے کا انتظام کر لیا تو مسلمانوں نے خود پہل کر کے ان کے گھر پہنچ کر اُن کی طاقت کو منتشر کر دینا ضروری سمجھا۔ یہودیوں کے گیارہ قلعے فتح کر لئے اور پھر ان کی اراضیات ان کے قبضہ میں چھوڑ کر واپس آ گئے۔ زَھَقَ الباطل (باطل مٹ گیا)

مکّہ والے جب خود مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے تو انھوں نے اپنے رشتہ دار اور حمایتی قبائل کو مسلمانوں پر حملہ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ شوال ۸ھ (جنوری ۶۳۰ء) کو اس کی اطلاع پا کر حضورؐ بارہ ہزار قدوسیوں کے ساتھ بڑھے۔ حنین میں قوم ہوازن کو شکست ہوئی اور طائف میں بھی انھوں نے مُنہ کی کھائی —— شام کے عیسائی خود ہی اللہ کے جلال سے مرعوب ہو کر تبوک سے بھاگ گئے۔

سات سال کے تجربہ کے بعد ملک کو عقل آگئی اور دشمنانِ حق سمجھ گئے کہ سچائی کو کوئی شخص زور اور قوت سے فنا نہیں کر سکتا اِس لئے وُہ تھک کر بیٹھ گئے —— مسلمانوں نے جب دیکھا کہ اب ملک میں امن ہو گیا ہے اور راستے کُھل گئے ہیں، تو انھوں نے سارے ملک میں اسلام کی مُنادی کر دی اور ہزاروں اشخاص اسلام میں داخل ہو گئے۔

حضورؐ کو عرب کے دُشمنوں کی طرف سے اطمینان ہُوا۔ تو آپؐ نے دُنیا کے شہنشاہوں بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام دعوتِ اِسلام کے فرمان جاری کئے اور اللہ کا نام ہر ایک ملک اور ہر ایک زبان بولنے والوں تک پہنچایا۔ ان میں کئی مسلمان ہو گئے۔

امن وسلامتی کا مذہب:

دُشمنانِ اسلام کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بہت سی جنگیں کیں اور تلوار کے زور سے اِسلام پھیلایا —— جنگ تو سب مذاہب کے پاک لوگوں کو کرنے پڑے اور اِن پر اعتراض اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ان کی غرض پاک ہوتی تھی اور اس معرکۂ حق و باطل کے بغیر شیطانی طاقتوں کا خاتمہ ممکن نہ تھا۔ مگر اسلام جو مذہب امن وسلامتی ہے۔ اِس کی جنگوں

کی شان ہی نرالی ہے۔ زمانہ نبوی میں تمام لڑائیوں میں طرفین کا جو نقصان ہوا اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

	مقتول	زخمی	قیدی
مسلمان ـــــ	۲۵۹	۱۲۷	۱
مخالف ـــــ	۷۵۹	۰	۶۵۶۴
میزان ـــــ	۱۰۱۸	۱۲۷	۶۵۶۵

مخالفین کے قیدیوں میں سے صحیح طور پر معلوم ہے کہ ۶۳۴۷ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ لطف و مہربانی بغیر کسی شرط کے آزاد کر دیا۔ غور کیجیے کہ ۱۰۱۸ انفوس کی قربانی پر اور وہ بھی خود قریش کے حملہ کرنے کی وجہ سے لازمی ہو گئی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی عرب کو متمدن عرب کافر اور بت پرست عرب کو موحد عرب بنا دیا ـــ ملک میں عدل و قانون کی حکومت قائم کر دی۔ بدامنی اور خود سری کو بیست و نابود کر دیا۔ صدیوں کی دشمنیاں محبت اور اخوت سے بدل گئیں ـــ کیا اس دنیا کا کوئی ملکی یا مذہبی انقلاب اس کی مثال پیش کر سکتا ہے؟ دنیا کی چند مشہور جنگوں کے نقصانات دیکھیے۔ تو یہ حقیقت ظاہر ہو جائے گی کہ اسلام واقعی ایک پیغامِ رحمت تھا اور امن کی بشارت!

دورِ حاضرہ کے فساد اور خرابی کا واحد حل یہی ہے کہ دنیا رحمتِ عالم کے دین سلامتی کے اصولوں کو اپنا لے۔ اہلِ عالم کو اس دین کو اپنانا ہی ہوگا۔ ورنہ وہ ہلاکت سے بچ نہیں سکتی۔

لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا

ترجمہ: اللہ کا دین سب دینوں پر غالب آئے گا اور اس پر اللہ گواہ ہے۔

وصالِ حق:

۲۵ ر ذیقعد ۱۰ھ کے روز حضورؐ حج کے لئے مدینہ روانہ ہوئے۔ ۴ ر ذوالحجہ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ ۹ ر تاریخ کو عرفات تشریف لے گئے اور ایک تبلیغی خطبہ دیا جو خدا کے رسولؐ کا آخری پیغام تھا اور انسانیت کے لئے امنِ عالم کا آخری منشور!

مکہ معظمہ سے واپسی پر حضورؐ بیمار ہوئے اور یہ بیماری مرضِ موت ثابت ہوئی۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم یتیم پیدا ہوئے۔ چالیس ۴۰ سال کی عمر میں اللہ نے نبوت کے فرائض سے نوازا۔ ۲۳ سال تک خدا کے رسول رہے۔ جس میں سے ۱۳ سال مکہ میں گذارے اور دس سال مدینہ میں ـــ ان ۲۳ سالوں میں قرآنِ عزیز تھوڑا تھوڑا نازل ہو کر مکمل ہوا۔ پیدائش اور

وفات کے سال کا حساب کر کے حضورؐ اِس دُنیا میں ۲۲ ہزار ۳ سو دن ۶ گھنٹے قیام فرما رہے۔
آپؐ نے آٹھ ہزار ایک سو پچپن دن فرائضِ نبوّت ادا کیے۔
۶۳ سال کی عمر میں ۱۲، ربیع الاوّل ۱۱ھ مطابق ۸، جون ۶۳۲ء کو مدینہ میں آفتابِ دو عالم غروب ہوگیا۔ آپؐ کی زبان پر آخری الفاظ یہ تھے:۔
اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی (میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں)

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم ؎

یہ ہے وہ اُسوۂ حسنہ جس کی پیروی کا حکم اللہ نے ہم کو دیا ہے اور ہم بحیثیت اُمّت اِس کے جانشین ہیں ——

اخلاقِ نبویؐ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

• وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝

ترجمہ: بلاشبہ آپ اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر ہیں (سورۃ القلم ۴)

• لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (سورۃ التوبہ - ۱۲۸)

ترجمہ: بیشک تمھارے پاس تم میں سے ایک رسول آیا۔ جس پر تمھاری تکلیف شاق گزرتی ہے، جو تمھاری بھلائی کا آرزو مند ہے اور مومنوں پر شفیق اور مہربان ہے۔

سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری حسن اور باطنی عظمت دونوں لحاظ سے ایک بے مثال شخصیت کے مالک تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اُسوۂ حسنہ یعنی نمونہ کامل قرار دیا اور تمام انسانوں کو اس نمونہ کی پیروی کا حکم دیا۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ روحانی کمالات۔ اخلاقی بلندی اور دنیوی معاملات میں سلامت روی کا ہر اعلیٰ مقام آپؐ کو حاصل تھا۔ نتیجہ یہ کہ تمام نبیوں کے جزوی کمالات کو آپؐ کی ذاتِ پاک میں جمع کر دیا اور یہ بات سچ ہے کہ

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری ۔۔۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کی مصداق آپؐ ہی کی ذاتِ پاک ہے۔

حضورؐ کا حلیہ مبارک یہ تھا۔ پاکیزہ رو۔ کشادہ چہرہ۔ سرخ و سفید رنگ۔ سڈول بدن آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ، آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے۔ بال گھنے اور لمبے۔ آواز میں مردانہ بھاری پن۔ گردن بلند اور صراحی دار۔ ناک ستواں۔ پیشانی کشادہ۔ بھویں نہایت باریک۔ بال سیاہ اور گھونگریالے۔ ڈاڑھی گھنی۔ سینہ چوڑا۔ کندھے بھرے ہوئے اور بھاری

اعضاء کے جوڑ پُر گوشت ۔ دُوہرا بدن ۔ قد میانہ ۔ کلام شیریں اور فصیح ۔ آپؐ جب فرماتے اور جو کچھ فرماتے اُسے نہایت توجہ سے سُنا جاتا ۔ صحابہؓ آپؐ کے ہر حکم کی تعمیل کے لیئے تیار رہتے مخدوم ۔ مطاع ۔ سید ۔ یہ ہیں سردارِ دو جہاں ، سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

جن کی شان میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

عَسٰٓى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿بنی اسرائیل ۔ ۷۹﴾

ترجمہ : اُمید ہے آپ کا رب آپ کو مقام محمود عطا فرمائے گا ۔

اخلاقِ نبویؐ :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ (بیشک اے محمدؐ آپ اخلاق کے بڑے مرتبہ پر ہیں) ۔ (سورۃ القلم)

حضرت عائشہؓ سے حضورؐ کے خُلق کی نسبت پُوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا ۔ کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآن ۔ آپؐ کا خُلق قرآن تھا ۔ یعنی جو کچھ قرآن میں ہے وہ آپؐ کے اخلاق تھے ۔ گویا کہ آپؐ زندہ قرآن تھے ۔ قُرآن کی تعلیمات کا عملی نمونہ تھے ۔

حضور صلعم کے اُن اخلاق کا جاننا نہایت ضروری ہے جو اُسوہ حسنہ یعنی نمونۂ زندگی قرار دیئے جا سکتے ہیں ۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے ۔ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے ۔ اور بعثت نبوت کے زمانہ تک کسی دنیوی عالم کی صحبت انھیں میسر نہ ہوئی تھی ۔ خُدا کی مشیت نے اپنے کامل نبیؐ کی تربیت خود فرمائی ۔

تیر افگنی ، شہ سواری ، نیزہ بازی ، قصیدہ خوانی ، نسب دانی ایسے علوم تھے جو عرب میں شریف خاندان کا ہر نوجوان ضرور سیکھ لیا کرتا تھا اور ان کے بغیر وہ ملک اور قوم میں کوئی عزت نہ حاصل کر سکتا تھا ۔ مگر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ خدائی تعلیم کے تحت عزت اور بزرگی کا معیار بدلنا تھا ۔ اس لیئے آپؐ نے ان فنون میں سے کسی کو سیکھ کر (اکتساباً) حاصل نہ کیا اور نہ کسی میں دلچسپی لی ۔ یہ شاید اس لیئے تھا کہ آپؐ کا منصب انقلاب حال تھا نہ کہ اتباعِ حال ۔ آنحضرتؐ خندہ رُو ، ملنسار ، اکثر خاموش رہنے والے ، بکثرت ذکرِ خدا کرنے والے لغویات سے دُور ۔ بیہودہ پن سے نفور ۔ بہترین رائے اور بہترین عقل والے تھے ۔ انصاف کے معاملہ میں قریب اور دُور آپؐ کے لیئے برابر ہوتا تھا ۔ مساکین سے محبت فرمایا کرتے ۔ غربا میں رہ کر خوش ہوتے ۔ کسی فقیر کو اس کی تنگدستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا کرتے اور کسی بادشاہ کو بادشاہی

کی وجہ سے بڑا نہ جانتے۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں کی دلجوئی فرماتے۔ جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے۔ کسی شخص سے خود علیحدہ نہ ہوتے۔ جب تک کہ وہی نہ چلا جاتے۔ صحابہؓ سے کمال محبت فرمایا کرتے۔ سفید زمین پر (بلا کسی مسند و فرش کے) نشست فرمایا کرتے۔ اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے۔ اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے۔ دشمن اور کافر سے بھی کشادہ پیشانی سے ملتے۔
(خلاصہ تاریخ العرب۔ شفا عیاض ۔۔۔ بحوالہ رحمۃ للعالمین ص ۳۱۲)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مویشیوں کو چارہ خود ڈال دیتے۔ اونٹ باندھتے، گھر میں صفائی کر لیتے۔ بکری دوہ لیتے۔ خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے۔ خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے بازار سے خود جا کر سودا سلف خرید لاتے۔ خود اسے اٹھا لیتے۔ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ خورد و بزرگ کو سلام پہلے کیا کرتے۔ جو کوئی ساتھ ہو لیتا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلا کرتے۔ غلام و آقا حبشی و ترکی میں ذرا تفاوت نہ کرتے۔ کیسا ہی کوئی حقیر شخص دعوت کے لئے کہتا۔ قبول فرما لیتے۔ جو کچھ کھانا سامنے رکھ دیا جاتا اسے برغبت کھاتے۔ رات کے کھانے میں سے صبح کے لئے اور صبح کے کھانے میں سے شام کے لئے اٹھا نہ رکھتے۔ نیک خو۔ کریم الطبع کشادہ رو تھے۔ اور چہرے پر مسکراہٹ ہمیشہ کھیلتی رہتی۔
ہر ایک پر رحم فرمایا کرتے۔ کسی سے کچھ طمع نہ رکھتے۔ سر مبارک کو جھکائے رکھتے تھے۔

کیمیائے سعادت مصنفہ امام غزالی (المتوفی ۵۰۵)
صفحہ ۲۸ مطبوعہ نولکشور ۱۸۸۲ بحوالہ رحمۃ للعالمین

حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یکبارگی آجاتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو کوئی پاس آبیٹھتا وہ فدائی بن جاتا۔
کنبہ والوں اور خادموں پر بہت زیادہ مہربان تھے۔ حضرت انسؓ نے دس سال خدمت کی۔ اس عرصہ میں انھیں کبھی اُف تک نہ کہا۔ زبانِ مبارک پر کوئی گندی بات یا گالی نہیں آتی تھی۔ نہ کسی پر لعنت کیا کرتے۔ دوسرے کی اذیت آزار دہی پر نہایت صبر کیا کرتے۔ خلق خدا پر نہایت رحمت فرماتے۔ ہاتھ یا زبانِ مبارک سے کبھی کسی کو شر نہ پہنچاتے۔ کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستی پر نہایت توجہ فرماتے۔ ہر شخص اور ہر چیز کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے۔

آسمانی بادشاہت کی طرف ہر وقت نظر لگائے رکھتے تھے۔

حجۃ اللہ البالغہ - بحوالہ رحمۃ للعالمین صہ ۳۸۵

صحیح بخاری میں ہے آنحضرتؐ اطاعت گزار کو خوشخبری پہنچاتے۔ گنہگار کو ڈرسناتے بے کسوں کی پناہ تھے۔ خدا کے بندہ و رسول جملہ کاروبار کو اللہ پر چھوڑ دینے والے۔ نہ درشت خو نہ سخت گو نہ چیخ کر نہ بولتے۔ بدی کا بدلہ بدی سے نہ دیتے۔ گنہگار کو معافی مانگنے سے پہلے معاف فرما دیا کرتے۔ آپؐ کا کام مذاہب کی خامیوں کو دور کرنا تھا۔ آپؐ کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں، بہروں کو کان دیتی ہے حضورؐ ہر ایک خوبی سے آراستہ، تمام اچھے اخلاق سے متصف تھے سکینہ (دلی اطمینان) آپؐ کا لباس۔ نیکی آپؐ کا شعار۔ تقویٰ آپؐ کا ضمیر۔ حکمت آپؐ کا کلام عدل آپؐ کی سیرت ہے۔ آپؐ کی شریعت سراپا راستی۔ آپؐ کی ملت اسلام۔ ہدایت آپؐ کی راہنما ہے۔ وہ گمراہی کو اٹھا دینے والے۔ گمناموں کو شہرت بخشنے والے۔ مجہولوں کو نامور کر دینے والے۔ قلت کو کثرت اور تنگدستی کو غنا سے بدل دینے والے ہیں۔

سادگی اور بے تکلفی کا جو نمونہ مندرجہ بالا شہادتوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ جب حضورؐ بازار سے اپنا سودا سلف لاتے تو دوسرے لوگوں بالخصوص بیواؤں اور یتیموں کا سودا بھی خرید کر لا دیتے۔ آپؐ کو کسی کام میں تکلف نہ تھا۔ جب آپؐ مجلس میں تشریف لاتے تو پسند نہ فرماتے کہ صحابہؓ تعظیم کو کھڑے ہوں۔ کوئی غلام بھی دعوت کرتا تو آپؐ قبول فرما لیتے اور غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے۔ جب مجلس میں بیٹھتے تو صحابہؓ میں اس طرح مل جل کر بیٹھتے کہ کوئی نووارد آتا تو اس کو پوچھنا پڑتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ اگر کسی بات پر لوگ ہنستے تو آپؐ ان کے ساتھ ہنستے۔ رفتار ایسی تھی کہ آپؐ کے ساتھ چلنے والوں کو بعض مرتبہ دوڑنا پڑتا۔

یہ تھے عام انداز نبوی رفتار و گفتار میں۔

خوراک و لباس :

حضورؐ کی خوراک نہایت سادہ تھی۔ عموماً صرف ایک ہی کھانا کھاتے۔ کھانے کے لئے جو چیز سامنے آتی کھا لیتے۔ اگر کھانے کے قابل نہ ہوتی تو آپؐ اس میں نقص نہ نکالتے۔ آپؐ صفائی پسند تھے اور میلے برتن میں کھانا پسند نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی سڑی ہوئی بدبودار چیز کھاتے۔ نہ ایسی چیز جس کے کھانے سے منہ میں بدبو پیدا ہو۔ مثلاً لہسن پیاز وغیرہ۔ حضورؐ

ریشمی لباس مردوں کے لئے ناپسند فرماتے ۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن لیتے ۔ مگر غلیظ اور بدبودار کپڑوں سے پرہیز فرماتے ۔ مسواک کا استعمال فرماتے اور منہ کو صاف رکھتے ۔ خوشبو کا استعمال فرماتے تھے ۔

ادب و تواضع :

حضورؐ مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے ۔ جو کوئی مل جاتا ۔ اُسے سلام پہلے خود کرتے مصافحہ کے لئے خود پہلے ہاتھ پھیلاتے ۔ صحابہؓ کو کنیت (یعنی بیٹے کی نسبت) کے نام سے پکارتے ۔ کیونکہ عرب میں عزت سے بلانے کا یہی طریق ہے ۔ کسی کی بات کبھی قطع نہ فرماتے ۔ اگر نمازِ نفل میں ہوتے اور کوئی شخص پاس آبیٹھتا تو نماز کو مختصر کر دیتے اور اس کی ضرورت کو پوری کر دینے کے بعد پھر نماز میں مشغول ہوتے ۔ اکثر چہرہ پر مسکراہٹ رہتی ۔

حضورؐ کے پاس ایک ناقہ (اونٹنی تھی) جس کا نام عضبا تھا ۔ کوئی جانور اس سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا ۔ ایک اعرابی اپنی سواری پر آیا اور عضبا سے آگے نکل گیا ۔ مسلمانوں کو یہ بہت ہی شاق گزرا ۔ نبی پاکؐ نے فرمایا :-

إِنَّ حقًّا عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ان لَّا يرفع شيئًا مِّنَ الدُّنيا الا وضعه — (صحیح بخاری)

ترجمہ : دُنیا میں خدا کی سنت یہی ہے کہ کسی کو بلند کرتا ہے تو اُسے نیچا بھی دکھاتا ہے ۔

ایک شخص آیا ۔ اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خَيْرُ الْبَرِيَّة (اے بہترین مخلوق) کہہ کر پکارا تو آپؐ نے فرمایا : ذَالِكَ اِبْرَاهِيْم یہ شان تو ابراہیم علیہ السلام کی ہے ۔

ایک شخص حاضر ہوا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت سے کانپ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

هَوِّنْ عَلَيْكَ فَاِنِّی لَسْتُ بِمَلِكٍ اِنَّمَا اَنَا ابْنُ امْرَاَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ تَاكُلُ الْقَدِيْدَ

ترجمہ : کچھ پرواہ نہ کرو ۔ میں بادشاہ نہیں ہوں ۔ میں قریش کی ایک عرب عورت کا بیٹا ہوں ۔ جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی (صحیح بخاری)

سخاوت و ہمدردی :

سخاوت اور فیاضی آپؐ کی طبیعتِ ثانیہ تھی اور ایثار کی حد تک پہنچی ہوئی تھی ۔ آپؐ ہمیشہ دوسروں کی حاجت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ۔ آپؐ نے عمر بھر کبھی سائل کا سوال رد نہیں کیا ۔ آپؐ بڑے رحم دل تھے ۔ دوسروں کا دکھ درد دیکھ کر آپؐ کا دل فوراً ہمدردی کے جذبات

سے لبریز ہو جاتا تھا۔ اگر کوئی صحابی بیمار ہو جاتا تو آپؐ اُن کی بیمار پُرسی کے لئے تشریف لے جاتے۔

بچّوں پر شفقت :

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام بچّوں پر خاص طور پر بہت شفقت فرماتے۔ جب کبھی بچّوں کے پاس سے گذرتے ان کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کہتے۔ کچھ دیر کے لئے ان کے پاس ٹھہر جاتے۔ ایک ایک سے مصافحہ فرماتے۔ کچھ باتیں کرتے جو اکثر مزاحیہ پہلو لئے ہوئے ہوتیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلعم بازار سے کچھ سودا سلف لئے چلے آرہے تھے کچھ اپنا تھا کچھ پردہ نشین، معذور اور اپاہج عورتوں اور مردوں کا راستے میں بچّوں کی ایک جماعت سے سامنا ہوگیا۔ مُسکراتے ہوئے السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فرمایا اور ایک ایک سے مصافحہ شروع کیا۔ اتنے میں دُور سے ایک لڑکے کی آواز دی، "یارسول اللہ ذرا ٹھہریئے میں سودا لے کر آرہا ہوں۔ جب تک میں نہ آلوں اور مصافحہ نہ کرلوں آپ نہ جائیے گا" حضورؐ نے مُسکراتے ہوئے ادھر دیکھا اور اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہے۔ جب تک کہ اُس بچّے نے آپؐ سے مصافحہ نہ کرلیا اور آپؐ کو وہاں سے تشریف لے جانے کی اجازت نہ دے دی۔

چھوٹے چھوٹے بچے آپؐ صلعم کی ٹانگوں، ہاتھوں اور دامن سے لپٹ جاتے۔ مگر آپؐ نہ تو ناراض ہوتے، نا انھیں جھڑکتے اور نا ہی دامن اور ہاتھ چھڑا کر بے مہری سے چلے جاتے بلکہ بڑی ہی شفقت اور محبت سے ہر ایک کے سر پر ہاتھ پھیرتے، پیار کرتے اور مصافحہ فرما کر ایک ایک سے رخصت ہوتے۔ اور اگر پاس کوئی چیز ہوتی تو مسکراتے مسکراتے سب میں تقسیم فرما دیتے۔ آہ آج صدیاں گذر جانے پر بھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی متبسم رُوح تھی جس کے تبسّم نے پوری کی پوری کائنات کو تبسّم کی دلنوازیوں سے آشنا کر دیا تھا! صلّی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وسلّم۔

شجاعت اور عفو :

حضورؐ بچپن سے ہی بڑے دلیر اور شجاع تھے۔ ۱۶-۱۷ سال کی عمر میں ایک بار جب اپنے چچا کے ساتھ یمن گئے تو وادی میں ایک مُنہ زور اُونٹ الیا بدکا کہ رسّی توڑ کر بھاگ گیا سب لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ مگر آپؐ جرأت اور بےخوفی سے اس کو نکیل سے پکڑ لائے۔

ایک مرتبہ آپؐ کسی قافلے کے ساتھ جا رہے تھے راستہ میں ایک وادی آئی جس میں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ سب لوگ طوفان دیکھ کر رک گئے۔ آپؐ نے رہنمائی فرماتے ہوئے کہا

میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔۔۔۔ ہجرت کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں قیام پذیر تھے۔۔۔۔ ایک رات شور بپا ہُوا کہ دُشمن مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے۔ حفاظتی دستے جب خبر لینے کے لئے باہر گئے تو اُن کو راستے میں سرورِ کونینؐ ملے، جو تلوار لٹکائے گھوڑے پر سوار واپس تشریف لا رہے تھے۔ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا۔

"میں نے شور سُنا تو فوراً باہر نکل گیا۔ آپ لوگ کوئی فکر نہ کریں۔ یہ ایک قافلہ ہے جو شہر میں اُترا ہے اور کوئی بات نہیں۔"

دُشمن کا خوف کبھی آپؐ کے دل میں جاگزیں نہیں ہُوا۔ جب مکہ میں آپؐ کو قتل کرنے کے منصوبے باندھے جاتے تھے۔ تب بھی آپؐ اُسی آزادی سے رات کی تاریکی میں باہر نکلتے تھے۔ مکہ سے آپؐ نے سب دوستوں کو رخصت کر دیا اور خود دُشمنوں کے اندر اکیلے رہے۔ جنگِ اُحد میں کافروں نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت شہید کیئے۔ سر پھوڑا، حتٰی کہ ایک غار میں بھی گر گئے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ان پر بد دُعا فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"میں لعنت کرنے کے لئے نبی نہیں بنایا گیا۔ خدا نے مجھے لوگوں کو اپنی بارگاہ میں بُلانے کے لئے بھیجا ہے۔ اس کے بعد یہ دُعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْن (اے خدا میری قوم کو ہدایت فرما۔ وہ مجھے نہیں جانتے ہیں)

(شفا عیاض ص ۴۷)

فتح مکہ کے بعد رحمۃ للعالمین قریش مکہ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور زبانِ مبارک سے فرماتے ہیں:۔

یا معشر قریش ان اللہ قد ذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالاٰباء الناس من اٰدم واٰدم خلق من تراب (ثم تلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

اذھبوا فانتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم (طبری)

ترجمہ: اے جماعت قریش! خدا نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباد اجداد پر اترانے کا غرور آج توڑ دیا۔ (سچ تو یہ ہے) سب لوگ آدمؑ کے فرزند ہیں اور آدم مٹی سے بنایا گیا تھا خدا فرماتا ہے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور گوت قبیلے سب پہچان

کے لئے بنا دیئے ہیں اور خدا کے ہاں تو اس کی زیادہ عزت ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہے
پھر فرمایا۔ جاؤ تم آزاد ہو، اور تم پر آج کوئی ذمہ داری نہیں۔
آپؐ نے فرمایا زمانہ جاہلیت سے لے کر جن باتوں پر قبائل میں باہمی جنگ و جدل چلا آتا ہے۔ میں سب کو معدوم کرتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے خون کا دعوے اور اپنے چچا کی رقوم قرضہ معاف کرتا ہوں۔
حضورؐ کے اخلاق حسنہ کا بیان ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اس مختصر خطاب میں اس کی ایک جھلک ہی پیش کی جا سکتی ہے۔
حضور صلعم کی زندگی اور اخلاق نبویؐ کے تذکرے سے اُمّت کو قرآنِ کریم کا وہ ارشاد یاد دلانا مقصود ہے جس میں حکم دیا گیا ہے کہ
لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ط
ترجمہ : تمہارے لئے حضرت محمدؐ کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے۔
اس خطبہ میں آپؐ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک سے لے کر زندگی کے ہر پہلو از قسم سادگی و بے تکلفی، خوراک و لباس، آداب و تواضع، سخاوت و ہمدردی اور شجاعت و عفو تک تمام خصائل سُن لئے۔ حضورؐ کی زندگی کی یہی مثالیں ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ یہی وہ اسوۂ حسنہ ہے جس کی پیروی کا حکم اللہ نے ہمیں دیا اور جو نہ صرف ہمارا دینی فرض ہے۔ بلکہ دین و دنیا میں کامیابی، فتح و کامرانی کا موجب بن سکتی ہیں آج سے یہ عہد کر لینا چاہیئے کہ ہم حضورؐ کے خلقِ عظیم کو اپنی زندگیوں کے لئے نمونہ بنائیں گے اور اس پر عمل پیرا ہوں گے ہم اپنے اندر جب تک یہ انقلاب نہ پیدا کریں گے۔ ہم اپنی اور جملہ عالمِ اسلام کی ذلت و رسوائی کا موجب بنے رہیں گے۔

خطباتِ نبویؐ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۙ (سورۃ العلق ۱ تا ۵)

ترجمہ: پڑھیے! اپنے رب کے نام سے جس نے سب کو پیدا کیا ـــــ پیدا کیا انسان کو خونِ بستہ سے ـــــ پڑھیے! ـــــ اور آپ کا پروردگار سب سے بڑھ کر عزت و تکریم کا مالک ہے۔ اس نے انسان کو قلم سے سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا (القرآن)

؎ وَشَقَّ لَہٗ مِنْ اِسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ۔ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّھٰذَا مُحَمَّدٌ۔ (حسانؓ)

وہ دانائے سُبل ختمِ رُسل مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا (اقبالؒ)

حضور سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قبل از بعثت غارِ حرا میں عبادتِ الٰہی میں مصروف تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور حضورؐ سے کہا اِقْرَاْ "پڑھیے"۔ آپؐ نے جواب دیا مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ (میں پڑھا ہوا نہیں) حضرت جبرئیل نے آپؐ کو زور سے بھینچا اور اس طرح تین مرتبہ سوال و جواب کرنے کے بعد یہ پہلی چار آیتیں پڑھنے کے لئے کہا اور آپؐ نے ان آیات کو دُہرایا۔

یہ سب سے پہلی وحی اور تبلیغِ حق پر مامور کئے جانے کا سب سے پہلا حکم ہے۔ حضرت مہاجر مکی رحؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ لفظ اِقْرَاْ کے ساتھ پہلی آیت میں اللہ کا نام اور اس کے خالق ہونے کا اعتراف ہے ـــــ دوسری آیت میں کیفیت پیدائش اور تیسری اور چوتھی آیات میں اللہ کی شانِ کبریائی کے ساتھ قلم کا ذکر ہے۔ پانچویں آیت میں مَالَمْ یَعْلَمْ (وہ جس کا علم انسان کو نہیں) یعنی ایسے علوم کا ذکر ہے جو (اِقْرَاْ) تقریر اور قلم) تحریر سے حاصل نہیں

ہو سکتے ــــ گویا کہ ان پانچ مختصر آیات میں تعلیمات نبوی کے تین انداز تبلیغ (طریقے) بیان ہوئے ہیں۔ تقریر ۔ تحریر ۔ اور اہل اللہ (اللہ والوں) کی صحبت اور روحانی کمالات سے فیض قلبی ــــ اسلام کی اشاعت کے لئے یہ تینوں طریقے اختیار کرنے ضروری ہیں۔ ہمیں تقریر کے ذریعے اللہ کے دین کو پھیلانا چاہیئے۔ ہمیں تحریر یعنی اخبارات، کُتب، رسائل اور ہر دوسرے ایسے طریقے سے تبلیغ کرنی چاہیئے جو قلم سے ممکن ہو۔ اس کے بعد دلوں کو بدلنے اور اسلام کو دلوں میں اُتارنے کے لئے اللہ والوں کی صحبت اور ان پاکباز انسانوں کے فیض رُوحانی سے بھی استفادہ ضروری ہے جو خُدا کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔

تبلیغ کے فرائض خطابت اور تقریر کے بغیر صحیح طور پر انجام نہیں دیئے جا سکتے۔ خداوند تعالےٰ نے حضور صلعم کو یہ اوصاف بدرجہ کامل عطا فرمائے تھے۔ چنانچہ حضورؐ کا اپنا ارشاد ہے کہ ــــ

انا افصح العرب (میں فصیح ترین عرب ہوں) اور بُعِثتُ جوامع الکلم (میں کلمات جامع لے کر مبعوث ہوا ہوں)

حضورؐ نے عموماً خطبے مختصر فرمائے ہیں۔ صرف کبھی کبھار کوئی طویل خطبہ بھی ارشاد فرمایا ہے آپؐ کے خطبات بالعموم فی البدیہہ ہوا کرتے تھے۔ اور محل و موقع کے مطابق۔ زمین پر، منبر پر یا اونٹ پر جس جگہ جیسا موقع پیش آیا آپؐ نے ضرورت کا خیال فرماتے ہوئے خطبہ ارشاد فرمایا۔

خطبات میں حالاتِ حاضرہ یا اگر کوئی مہتم بالشان واقعہ پیش آ جاتا تو اس کے متعلق حضورؐ ارشاد فرماتے۔ عام پند و نصائح کے علاوہ، حسن اخلاق توحید و صفات الٰہی اور ہول قیامت کا ذکر فرماتے اور قرآن مجید کی زیر بحث موضوع کے متعلق کوئی مؤثر سورۃ تلاوت فرماتے۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی تبلیغ کا آغاز تقریر (خطبہ) سے فرمایا۔ آپؐ کے تقریر کرنے کا طریقہ یہ تھا۔

خطبہ دینے کا انداز

خطبہ کے وقت چہرہ پُرجلال ہوتا اور آواز میں ایسا جوش ہوتا جس سے معلوم ہوتا کہ گویا کوئی جرنیل اپنی فوج کو خطاب کر رہا ہے۔

"آپ ابتداء تشہد سے فرماتے اور خطبہ کو استغفار پر ختم فرماتے۔ جمعہ اور عیدین کے لئے تو خطبات کا ہونا ضروری تھا۔ لیکن ان کے علاوہ بھی جب ضرورت ہوتی حضور خطبہ ارشاد فرماتے اور اس میں وقتی ضروریات اور مصالح کو بیان فرماتے۔" (زاد المعاد ابن قیم جلد ۱ صفحہ ۴۹)

"خطبات مختصر ہوتے اور حضورؐ فرمایا کرتے ـــــ عقلمندی یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہو اور نماز طویل ہو" ـــــــــــــــــــــ (طبرانی جلد ۳ ص۲۱۸)

جمعہ اور عیدین کے خطبات بھی آج کل کی طرح مقرر نہ تھے۔ بلکہ جیسی ضرورت ہوتی اُس کے مطابق حضورؐ خطبہ ارشاد فرماتے ـــــ خطبہ میں قرآن حکیم کی آیات ضرور ہوتیں۔ خطبہ کے وقت چہرۂ مبارک سرخ ہوتا اور اکثر آنکھیں آسمان کی طرف رہتیں۔ خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں کبھی عصا ہوتا اور کبھی کمان ـــــ تقریر کے درمیان حضورؐ کبھی کبھی ٹیک بھی لگا لیا کرتے تھے۔

(زاد المعاد جلد۱ ص۴۹)

اثر پذیری:

حضورؐ کی تقریر کا ہر لفظ فصاحت کی جان اور ہر جملہ بلاغت اور اثر کی رُوح ہُوا کرتا تھا ـــــ عموماً خطبات میں جوش آجاتا اور جب یہ کیفیت طاری ہوتی تو بدن مبارک جھوم جھوم جاتا اور ہاتھوں کو اس زور سے حرکت دیتے کہ پہلوں کے چٹخنے کی آواز سنائی دیتی۔ اصلی خطبات کا دَور مدینہ منورہ سے شروع ہُوا کیونکہ مکہ مکرمہ میں سکون حاصل نہ تھا۔ اس لئے مکہ کے خطبات بے حد مختصر ہیں اور دو چار کلمات پر مشتمل ہیں۔

آپؐ کے خطبات میں اس قدر اثر ہوتا کہ سخت سے سخت دل پانی ہو جاتے تھے۔ ایک بار آپؐ نے خطبہ دیا اور اس میں سُورۃ و النجم پڑھی راوی کا بیان ہے کہ مسلمان تو مسلمان بڑے بڑے کُفار بھی سجدہ میں گر گئے۔

جب کبھی آخرت کے متعلق خطبہ ارشاد فرماتے تو جنت اور دوزخ کے مناظر سامنے لا کھڑے کرتے۔ اور اس طرح بیان فرماتے گویا سُننے والا دیکھ رہا ہے۔ ایک بار آپؐ نے عذابِ قبر کے متعلق خطبہ دیا تو سارے حاضرین خوف و دہشت سے کانپنے لگے۔

(صحیح بخاری جلد۱ ـ بحوالہ سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۲۴۵)

اس خطبہ میں سرورِ کونینؐ کی خطابت کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ جس طرح زندگی کے دوسرے معاملات میں حضورؐ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے ہم خطابت اور تقریر میں بھی آپؐ کے طریقہ کو سمجھیں اور اسی کو اختیار کرنے کی کوشش کریں۔

مکی زندگی اور مدنی زندگی کے حالات میں جو فرق ہے۔ اس کے مطابق ہی حضورؐ کے خطبات میں بھی ایک نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ آپؐ پہلے مکی زندگی کے چند اہم خطبات ملاحظہ فرمائیے۔

اپنوں کے لئے دعوت :

۱- جب آیت اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ـــــ (تو اپنے گھر والوں اور قریبی رشتہ والوں کو ڈرا) نازل ہوئی تو آپؐ نے اپنے خاندان کے افراد کو جمع کیا اور یہ خطبہ دیا ۔

اے لوگو! میں تم سب کے لئے دُنیا و آخرت کی نجات لے کر آیا ہوں ۔ اور میں نہیں جانتا کہ عرب کے سارے ملک میں کوئی بھی اس سے بہتر اور افضل چیز اپنی قوم کے لئے لایا ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی دعوت دوں ۔ بتاؤ! تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا ۔ سب لوگ خاموش رہے ۔ مگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو ابھی بچے تھے پکار اُٹھے "میں ساتھ دوں گا" حضورؐ نے مجمع سے فرمایا ـــــ "تم اس کی بات مانا کرو اور جو کہا کرے سُنا کرو" ـــــ ابھی یہ جملے آپؐ تمام بھی نہ فرما سکے کہ مجمع ہنس پڑا

عام تبلیغ :

۲- جب حضورؐ کو عام تبلیغ کا حکم ملا تو آپؐ نے کوہِ صفا پر (جو خانہ کعبہ کے پاس پہاڑی ہے) کھڑے ہو کر لوگوں کو پکارا ـــــ یہ پکار اِس قسم کی تھی جو کسی قبیلہ کے حملہ کرتے وقت ہوتی تھی ۔ جب قریش کے تمام عوام و خواص جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا ۔

بتاؤ! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک جرار لشکر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے ؟

سب نے متفقہ آواز سے جواب دیا : کیوں نہیں ؟ اور کیا واقعی ایسا تو نہیں ہے

آپؐ نے فرمایا اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ـــــ "میں تم کو ایک ایسے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو بس آنے ہی کو ہے اور اے لوگو! تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو نجات پا جاؤ گے"

یہ سُن کر ابُولہب نے کہا "کیا تم نے ہم کو اس لئے جمع کیا تھا اور پھر وہ چلا گیا ۔ اس کے ساتھ سارا مجمع منتشر ہو گیا اور یہ نورانی خطبہ نا تمام ہی رہ گیا

حشر اور قیامت :

۳- حضورؐ نے نبوت کے ابتدائی زمانہ میں حشر اور قیامت کی بابت لوگوں کے خیالات کی اصلاح کے لئے یہ خطبہ ارشاد فرمایا ۔

"قافلے کا رکھوالا اپنے ساتھیوں کو جھوٹی خبر کبھی نہیں دیتا ۔ خدا کی قسم! اگر میں سب لوگوں سے

جھوٹ کہنے پر تیار ہو جاتا تب بھی تم سے خلافِ واقعہ بات نہ کرتا اور اگر سب لوگوں کو دھوکا دینے پر آمادہ ہوتا تو تم کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالتا ——— اس خدا کی قسم جو وحدہٗ لاشریک ہے کہ میں تمہاری طرف خصوصاً اور باقی لوگوں کی طرف بھی پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

بخدا تم کو ایک دن ضرور مرجانا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ ہر روز سوتے ہو اور بلاشبہ زندہ ہونا ہے۔ جیسا کہ روز خواب سے بیدار ہوتے ہو اور تمہارے اعمال کا ضرور محاسبہ ہوگا۔ نیکی کا بدلہ نیکی اور برائی کا بدلہ برائی مل کر رہے گی۔ اس وقت یا ہمیشہ کے لئے جنت ملے گی یا ابدی جہنم" ——————— (جمہرۃ الخطب ص۵)

۴۔ تلاوتِ قرآنِ عزیز اور باہمی الفت و محبت کے موضوع پر آپ نے فرمایا:۔

باہمی الفت و محبت:

"سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے محاسن (خوبیاں) نقش کر دیئے اور کفر کے بعد اس کو اسلام میں داخل ہونے کی توفیق دی اور انسانی باتیں چھوڑ کر اس نے اللہ کا کلام پسند کیا۔ وہ بلاشبہ کامیاب ہوا۔ کیونکہ اللہ کا کلام سب سے سچا اور زیادہ پُر اثر ہے۔ جو اُسے دوست رکھتا ہے۔ اُسے تم بھی دوست رکھو اور اللہ کے ساتھ دلی محبت پیدا کرو اور اس کا کلام پڑھنے اور نام لینے سے رنجیدہ نہ ہو۔ نہ تمہارے دل اس کی طرف سے سخت ہوں۔ پس اللہ ہی کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اس سے خلوصِ دل سے ڈرتے رہو اور اپنے نیک اعمال کی تصدیق زبان سے کیا کرو۔ زبان کو قابو میں رکھو اور رحمتِ خداوندی کے واسطہ سے آپس میں پیار و محبت سے رہو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ"

(مسند الفردوس سلیمی جلد ۱ صفحہ ۲۷۲)

مکی زندگی کے یہ مختصر خطبات اور دوسرے تمام مواعظ زیادہ تر عقائد اور بنیادی باتوں سے متعلق ہیں۔ زندگی کے عام مسائل سے اُمتِ محمدیہ کو مدنی زندگی میں واسطہ پڑا۔ مدنی زندگی میں حضورؐ نے تمام مسئلوں کے متعلق اُمت کو ہدایات دیں ——— یہ خطبات نور و ہدایت کا ایک سمندر ہیں اور اگر کوئی شخص اس سمندر کی تہ سے موتی نکالنا چاہے تو اس کا دامن کبھی خالی نہیں رہ سکتا۔ ہم اس خطبہ میں سے چند ارشادات پیش کرتے ہیں۔

مدینہ کا پہلا خطبہ:

۱۔ مدینہ میں جو سب سے پہلا خطبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا اس کا ایک حصہ یہ ہے:۔

حمد و ثنا کے بعد ——— اے لوگو! تم اپنے لئے اپنا سامان کر رکھو۔ تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ جب تم اپنے ہوش و حواس کھو چکو گے اور اپنی دولت سے مُنہ موڑ چکو گے جس کا کوئی نگہبان نہ ہو گا ——— پھر خُدا اور اس کے بندے کے درمیان نہ کوئی سفیر ہو گا، نہ واسطہ اور نہ دربان جو اسے روکے ——— اللہ تعالیٰ اس کو کہے گا :-

——— کیا میرا پیغام تیرے پاس نہیں آیا؟

کیا میں نے تجھ کو دولت نہیں دی تھی۔ اور ضرورت سے زیادہ عطا نہیں کیا تھا؟ تو بتا تُو نے آج کے لئے کیا سامان کر رکھا تھا؟

اس وقت بندہ اپنے دائیں دیکھے گا۔ اس کو کچھ نظر نہ آئے گا اور اس کے سامنے سوائے جہنم کے اور کوئی چیز نہ ہو گی ——— پس جس کو طاقت ہو وہ اپنے آپ کو آگ سے بچائے۔ اگرچہ ایک کھجور کے ٹکڑے سے ہی کیوں نہ ہو ——— اور کوئی اس سے بھی معذور ہو تو اچھی اور خوش اخلاقی کی بات ہی کہے۔ ایک نیکی کا بدلہ دس گُنا سے لے کر سات سو گُنا تک دیا جائے گا۔ تم پہ خدا کی سلامتی ہو اور اس کی رحمت اور برکت نازل ہو

(سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۲۴۰)

مُسلمانوں کے حقُوق اور باہمی تعلّقات کے سلسلہ میں :

حضورؐ نے فرمایا :-

" لوگو حسد مت کیا کرو۔ دھوکہ مت دیا کرو۔ بغض نہ رکھا کرو۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش نہ کیا کرو۔ ایک دُوسرے کی بولی پر بولی (تجارت میں) نہ دیا کرو۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وُہ اس پر ظلم نہ کرے، نہ اُسے رُسوا کرے۔ نہ جھٹلائے نہ حقیر کرے۔ یہی تقویٰ ہے۔

پھر آپؐ نے تین بار اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا ——— اِنسان کے لئے شر اور بُرائی سے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل کرے۔ ہر مسلمان کا مسلمان پر خُون عزت اور مال حرام ہے " ——— (اربعین ص۷ صحیح مسلم ج ۲)

اِسی باب میں فرمایا :-

" جس کسی نے مُسلمان کی تکلیف کو رفع کیا، خُدا اس کی قیامت کی تکلیفوں کو رفع کرے گا۔ جس نے کسی تنگدست کی مدد کی، خُدا دُنیا اور آخرت میں اس کی مدد کرے گا۔ جس نے کسی مسلمان کے

عیب کو چھپایا خدا اُس کے عیوب کو دُنیا اور آخرت میں چھپائے گا۔
اللہ اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے ـــــ جو شخص طلبِ علم کے لئے نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ اور جب کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اللہ کی کتاب پڑھنے اور آپس میں درس کے لئے جمع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لیا اور فرشتے حاضر ہوئے۔ اور خدا نے اُن کا ذکر اپنے یہاں کیا۔
آگاہ رہو جس کا عمل اس کو آگے نہ بڑھا سکا اس کا نسب اس کے کسی کام نہ آئے گا۔"
(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۰)

حجۃ الوداع کے موقع پر آیا ہے۔ ارشاد فرمایا :۔

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ "اَلزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ اَلسَّنَۃُ اِثْنَا عَشَرَ شَھْرًا مِنْھَا اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ ثَلَاثَۃٌ" مُتَوَالِیَاتٌ ذُوالْقَعْدَۃِ وَذُوالْحِجَّۃِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَیْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ اَیُّ شَھْرٍ ھٰذَا ؟" قُلْنَا "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ" فَسَکَتَ، حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اِسْمِہٖ قَالَ "اَلَیْسَ ذَا الْحِجَّۃِ ؟" قُلْنَا "بَلٰی" قَالَ "فَاَیُّ بَلَدٍ ھٰذَا ؟" قُلْنَا "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ" فَسَکَتَ، حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اِسْمِہٖ قَالَ "اَلَیْسَ الْبَلْدَۃَ ؟" قُلْنَا "بَلٰی" قَالَ "فَاَیُّ یَوْمٍ ھٰذَا ؟" قُلْنَا "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ"۔ فَسَکَتَ، حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اِسْمِہٖ قَالَ "اَلَیْسَ یَوْمَ النَّحْرِ ؟" قُلْنَا "بَلٰی !" قَالَ "فَاِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْئَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا لِیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ یُّبَلَّغُہٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَوْعٰی لَہٗ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَہٗ اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ ؟ مَرَّتَیْنِ۔
(بخاری فی حجۃ الوداع)

ترجمہ : حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ پڑھتے وقت یہ فرمایا کہ زمانہ اپنی اصلی حالت پر ہو گیا ہے۔ جیسا کہ وہ اس دن تھا جبکہ آسمانوں اور زمین کو اللہ نے پیدا کیا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں۔ چار مہینے بزرگ ہیں، جن میں جنگ کرنا حرام ہے۔ ان چار مہینوں سے تین لگاتار ہیں۔ ذیقعدہ، ذی الحجہ

اور محرم اور چوتھا رجب ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے پھر فرمایا " یہ کونسا مہینہ ہے ؟ " ہم نے عرض کیا " اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جاننے والے ہیں "۔ اس پر آپؐ نے کچھ دیر کے لئے سکوت فرمایا اور ہم نے خیال کیا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام بیان فرمائیں گے پھر فرمایا " کیا یہ مہینہ ذی الحجہ نہیں ہے ؟ " ہم نے عرض کیا " بیشک یہ ذی الحجہ ہی ہے " پھر فرمایا " یہ کونسا شہر ہے ؟ " ہم نے عرض کیا " اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جاننے والے ہیں " پھر آپؐ خاموش ہو گئے اور ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام فرمائیں گے۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ " کیا یہ شہر مکہ نہیں ہے ؟ " ہم نے عرض کیا " بیشک وُہی ہے " پھر فرمایا۔ " یہ کونسا دن ہے ؟ " ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جاننے والے ہیں۔ آپؐ خاموش ہو گئے جس پر ہمیں خیال ہوا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام بتائیں گے۔ پھر آپؐ نے فرمایا " کیا یہ یوم نحر نہیں ہے ؟ " ہم نے عرض کیا " ہاں یہ یوم نحر ہی ہے "۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ اس مہینے، اس شہر اور اس دن تم پر ایک دوسرے کے مال، جانیں اور ناموس حرام کر دیئے گئے ہیں۔ (۱) اور عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے۔ اور وُہ تم سے اعمال کی پرسش کرے گا۔ دیکھو خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ اور ایک دوسرے کی گردن نہ مارنا۔ اور یہ باتیں اُن لوگوں کو بھی سُنا دینا جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ شاید بعض وہ لوگ جنھیں خبر پہنچائی جائے۔ ان سُننے والوں سے زیادہ حافظہ والے ہوں۔ پھر آپؐ نے دو دفعہ فرمایا " خبردار ہو جاؤ۔ کیا مَیں نے تمھیں اللہ کے احکام نہیں پہنچا دیئے ؟ "

اِسی خطبے کے دوران میں آپؐ نے فرمایا :-

" آپس میں تمہاری جان اور تمہارا مال اور تمہاری آرزو میں ایک دُوسرے کیلئے قیامت تک اتنی ہی مقدس جتنا آج کا دن، آج کا مہینہ اور یہ محترم زمین "

(۲) " ہر مسلمان دُوسرے مسلمان کا بھائی ہے، دُنیا کے تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

(۳) " خبردار رہو کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر کوئی فخر نہیں۔ سوائے دین و تقویٰ کے تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی کے پُتلے تھے "

" تم میں ایک چیز چھوڑ چلا ہوں اگر تم اُسے مضبوطی سے پکڑے رہو تو ہر گز گمراہ نہ ہو گے وُہ اللہ کی کتاب (قرآن) ہے "

خُطبات کو مختصر اور دین کو آسان بنانے کی آپؐ نے اِس طرح تاکید فرمائی ہے۔

• عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَۃِ فِی الْاَیَّامِ کَرَاھِیَۃَ السَّآمَۃِ عَلَیْنَا۔

ترجمہ : حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پریشان ہو جانے کے خیال سے وعظ و نصیحت کرنے کے لئے چند دن مقرر کر دیئے۔ یعنی آپؐ ہر روز وعظ نہ فرماتے تھے۔

• عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔

ترجمہ : حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دین میں آسانی کرو اور سختی نہ کرو۔ اور لوگوں کو خوشخبری سناؤ اور ڈرا ڈرا کر متنفر نہ کرو۔

معراج النبیؐ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (بنی اسرائیل: ع ۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ تک کہ برکت رکھی ہم نے اس کے چاروں طرف۔ تاکہ ہم دکھائیں اس کو اپنی نشانیاں۔ بے شک وہی سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے۔ (القرآن)

معراج النبیؐ کی تقریب ہر سال رجب کی ۲۷ ویں تاریخ کو منائی جاتی ہے۔ حضرت مالک بن صعصعہؓ اور حضرت ابوذرؓ نے یہ تصریح کی ہے کہ انھوں نے معراج کے واقعہ کو لفظ بہ لفظ اور حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے:-

حضورؐ نے فرمایا:-

"میں حطیم اور بعض اوقات فرمایا کہ میں حجر میں لیٹا ہوا تھا۔ ناگہاں ایک شخص میرے پاس آیا۔ اس نے میرے سینے کو ناف تک چیرا۔ میرا دل نکالا۔ پھر میرے پاس ایک سونے کی طشتری ایمان سے بھری ہوئی لائی گئی ـــــ میرا دل دھو کر اس میں ایمان بھر کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا ـــــ ایک روایت میں آیا ہے کہ زمزم کے پانی سے پیٹ دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا۔ پھر میرے پاس ایک سفید رنگ کی سواری لائی گئی۔ جو خچر سے چھوٹی اور گدھے سے بڑی تھی جس کا نام براق تھا۔ اس کا ایک قدم اپنی آنکھ کی نگاہ سے دوری پر پڑتا تھا۔ مجھے اس پر سوار کیا گیا اور جبریل علیہ السلام مجھے ساتھ لے گئے۔ یہاں تک کہ آسمانی دنیا پر جا پہنچے۔ دروازہ کھولنے کی درخواست کی۔ پوچھا گیا۔ کون ہے؟ فرمایا۔ جبریلؑ۔ پوچھا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سوال کیا گیا ـــ کیا آپؐ کو

بُلایا گیا ہے؟ فرمایا ـــــ ہاں۔ کہا گیا، مرحبا۔ اچھے تشریف لائے۔ جب میں وہاں پہنچا۔ وہاں میں نے آدم علیہ السلام کو پایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، آپؐ کے والد آدمؑ ہیں۔ ان کو سلام فرمایئے۔ میں نے ان پر سلام کہا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا بیٹے صالح اور نبی صالح کو مرحبا ہو۔ پھر جبرئیلؑ مجھے اُوپر لے چڑھے۔ یہاں تک کہ دُوسرے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھولنے کی درخواست کی۔ پُوچھا گیا۔ کون ہے ـــــ فرمایا۔ جبرئیلؑ ـــــ اور آپ کے ساتھ کون ہے۔ فرمایا۔ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم۔ سوال کیا گیا۔ کیا آپؐ کو بُلایا گیا ہے۔ فرمایا۔ ہاں کہا گیا مرحبا۔ اچھے تشریف لائے۔ پھر دروازہ کھولا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا وہاں یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام موجود تھے۔ اور وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبرئیلؑ نے فرمایا۔ یہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان دونوں کو سلام فرمایئے۔ میں نے سلام کیا۔ دونوں نے جواب دیا۔ پھر فرمایا ـــــ بھائی صالح اور نبی صالح کو مرحبا ہو۔

پھر جبرئیلؑ مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے ـــــ دروازہ کھولنے کی درخواست کی۔ پوچھا گیا۔ کون ہے؟ فرمایا جبرئیلؑ۔ پوچھا گیا۔ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا۔ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) پُوچھا گیا۔ آپؐ کو بُلایا گیا ہے۔ فرمایا۔ ہاں ـــــ کہا گیا۔ مرحبا ـــــ اچھے تشریف لائے۔ پھر دروازہ کھولا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا یُوسف علیہ السلام کو پایا۔ جبرئیلؑ نے فرمایا۔ یہ یُوسف علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام فرمایئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا۔ پھر فرمایا بھائی اور نبی صالح کو مرحبا ہو ـــــ پھر جبرئیلؑ اُوپر لے چڑھے۔ یہاں تک کہ چوتھے آسمان تک پہنچے۔ دروازہ کھولنے کی درخواست کی ـــــ کہا گیا۔ کون ہے ـــــ فرمایا۔ جبرئیلؑ۔ پوچھا گیا۔ آپ کے ساتھ کون ہے۔ فرمایا محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پوچھا گیا آپؐ کو بُلایا گیا ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ کہا گیا۔ مرحبا۔ اچھے تشریف لائے۔ پھر دروازہ کھولا گیا ـــــ جب میں وہاں پہنچا۔ ادریس علیہ السلام کو وہاں پایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام فرمایئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا بھائی صالح اور نبی صالح کو مرحبا ہو ـــــ پھر جبرئیل مجھے اُوپر لے چڑھے۔ یہاں تک کہ پانچویں آسمان تک جا پہنچے۔ دروازہ کھولنے کی درخواست کی۔ پوچھا گیا۔ کون ہے؟ ـــــ فرمایا۔ جبرئیلؑ ـــــ کہا گیا۔ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمّد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا گیا۔ کیا آپؐ کو بُلایا گیا ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ کہا گیا۔ مرحبا۔ اچھے تشریف لائے۔ پھر

دروازہ کھولا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا۔ ہارون علیہ السلام کو وہاں پایا — جبریلؑ نے فرمایا یہ ہارون علیہ السلام ہیں ان کو سلام فرمائیے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا پھر فرمایا۔ بھائی صالح اور نبی صالح کو مرحبا ہو۔ پھر جبریلؑ مجھے اُوپر لے چڑھے۔ یہاں تک کہ چھٹے آسمان تک پہنچے۔ دروازہ کھولنے کی درخواست کی۔ کہا گیا — کون ہے — فرمایا جبریلؑ۔ پوچھا گیا۔ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا۔ محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) — کہا گیا۔ کیا آپؐ کو بُلایا گیا ہے۔ فرمایا۔ ہاں — کہا گیا — مرحبا۔ اچھے تشریف لائے۔ پھر دروازہ کھولا گیا۔ جب وہاں پہنچا تو مُوسیٰ علیہ السلام کو وہاں پایا۔ جبریلؑ نے فرمایا۔ یہ مُوسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام فرمائیے — میں نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا۔ پھر فرمایا — بھائی صالح اور نبی صالح کو مرحبا ہو۔ جب میں اُن کے پاس سے گُذرا تو رو پڑے۔ ان سے کہا گیا۔ آپ کو کس چیز نے رُلایا۔ فرمایا۔ اِس لئے رو یا کہ ایک نوجوان یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے بعد بھیجا گیا۔ اِس کی اُمّت میری اُمّت سے زیادہ بہشت میں جائے گی۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان پر لے چڑھے۔ دروازہ کھولنے کی درخواست کی۔ پُوچھا گیا۔ کون ہے؟ فرمایا۔ جبریل — کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے فرمایا۔ محمد مُصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) — کہا گیا کیا آپؐ کو بُلایا گیا ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ کہا گیا مرحبا — اچھے تشریف لائے — جب میں وہاں پہنچا تو ابراہیم علیہ السلام کو وہاں پایا جبریلؑ نے فرمایا۔ یہ آپ کے باپ ابراہیمؑ ہیں۔ ان کو سلام فرمائیے۔ میں نے اُن کو سلام کیا۔ اُنھوں نے سلام کا جواب فرمایا۔ پھر کہا — بیٹے صالح اور نبی صالح کو مرحبا ہو۔ پھر میں سدرۃُ المنتہیٰ تک اُٹھایا گیا۔ اُس کا پھل ہجر کے مٹکوں جتنا بڑا تھا۔ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے۔ جبریلؑ نے فرمایا۔ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وہاں میں نے چار دریا دیکھے۔ دو دریا ظاہر دو دریا باطن۔ میں نے کہا۔ اے جبریلؑ! یہ کیا ہے۔ فرمایا۔ دو باطن والے جنّت کے ہیں، اور دو ظاہر والے نیل اور فرات ہیں۔ پھر مجھے بیت معمورہ کی طرف اُٹھایا گیا اور میرے پاس ایک برتن شراب کا، ایک برتن دُودھ کا اور ایک برتن شہد کا لایا گیا۔ میں نے دُودھ والے برتن کو چُن لیا۔ جبریلؑ نے فرمایا۔ یہی فطرت ہے۔ جس پر تُو اور تیری اُمّت ہے۔ پھر مجھ پر روزانہ پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ میں دربارِ الٰہی سے لَوٹ آیا۔ مُوسیٰ علیہ السلام پر گذرا۔ اُنھوں نے پُوچھا آپؐ کو کیا حکم دیا گیا ہے۔ میں نے کہا روزانہ پچاس نمازوں کا حکم

دیا گیا ہے۔ فرمایا۔ تیری اُمت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ خدا کی قسم ہے۔ میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر کے دیکھا ہے۔ میں نے بنی اسرائیل کو بہت زیادہ آزمایا ہے۔ اپنے ربّ کے پاس لوٹ جائیے اور اپنی اُمت کے لئے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ میں پھر لوٹ کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں معاف فرما دیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے ہاں لوٹ کر آیا۔ پھر ویسا ہی کہا۔ پھر میں لوٹ کر گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے دس اور معاف فرما دیں۔ پھر میں لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آیا۔ پھر ویسا ہی کہا۔ پھر میں لوٹ کر گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دس اور معاف فرما دیں۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاں لوٹ کر آیا۔ پھر ایسا ہی فرمایا۔ پھر میں لوٹ کر گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دس اور معاف فرما دیں ۔۔۔ پھر مجھے روزانہ دس نمازوں کا حکم دیا گیا۔ پھر لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آیا۔ پھر ویسا ہی فرمایا۔ پھر مجھے پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا ۔۔۔۔ پوچھا آپ کو کس چیز کا حکم دیا گیا ہے۔ میں نے کہا روزانہ پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا ہے ۔۔۔ فرمایا تیری اُمت پانچ نمازیں بھی روزانہ نہ پڑھ سکے گی۔ میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کو میں نے سخت آزمایا ہے۔ اپنے ربّ کے ہاں جائیے اور اپنی اُمت کے لئے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے بہت سے سوال کئے، اب شرم آتی ہے۔ اب میں راضی ہو جاتا ہوں اور اپنا اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ جب میں آگے گزرا تو ایک مُنادی نے آواز دی۔ میں نے اپنے مقرر کئے ہوئے حکم کو پورا کر لیا اور اپنے بندوں سے تخفیف بھی کر دی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اِس حدیث میں واقعہ معراج کی تفصیل بیان ہوئی ہے اور جمہور علماء کا خیال یہ ہے کہ معراج جسمانی تھا۔ گو بعض اسے رُوحانی سمجھتے ہیں۔

حضور رسالت مآبؐ معراج کی شب کس جگہ تھے:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یُحَدِّثُ عَنْ لَیْلَۃِ اُسْرِیَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ مَسْجِدِ الْکَعْبَۃِ جَاءَ ثَلَاثَۃٌ نَفَرٍ قَبْلَ اَنْ یُّوْحٰی اِلَیْہِ وَھُوَ نَائِمٌ فِیْ مَسْجِدِ الْحَرَامِ فَقَالَ اَوَّلُھُمْ اَیُّھُمْ ھُوَ فَقَالَ اَوْسَطُھُمْ ھُوَ خَیْرُھُمْ وَقَالَ آخِرُھُمْ خُذُوْا خَیْرَھُمْ فَکَانَتْ تِلْکَ فَلَمْ یَرَھُمْ حَتّٰی جَاءُوْا لَیْلَۃً اُخْرٰی فِیْمَا یَرٰی قَلْبُہٗ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَائِمَۃٌ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ وَکَذٰلِکَ الْاَنْبِیَاءُ تَنَامُ اَعْیُنُھُمْ وَلَا

تَنَامُ قُلُوْبُهُمْ فَتَوَلَّاهُ جِبْرِیْلُ ثُمَّ عَرَجَ بِهٖ اِلَی السَّمَآءِ ــــــــ (تجرید البخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اُس رات کی کیفیت بیان کرتے ہوئے جس میں حضور صلعم کو معراج ہوئی کہا۔ قبل اس کے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی۔ تین آدمی آپ کے پاس آئے اور آپ مسجد حرام میں سو رہے تھے۔ اِن تینوں میں سے ایک نے کہا کہ وہ کون شخص ہے۔ دوسرے نے کہا کہ جو بیچ میں ہیں وُہی اِن سب میں بہتر ہیں اور تیسرے نے کہا کہ جو ان سب میں بہتر ہو اسی کو لو۔ پس اِتنی ہی باتیں ہوئیں۔ بعد اس کے آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ دوسری رات میں آئے۔ اس حالت میں کہ آپ کا قلب دیکھ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سو جاتی تھیں۔ اور آپ کا دل نہ سوتا تھا۔ اور تمام انبیاء کا یہی حال ہے کہ اُن کی آنکھیں سو جاتی ہیں اور اُن کے دل نہیں سوتے۔ پھر جبریل نے اہتمام اپنے ذمے لیا بعد اس کے وہ آپ کو آسمان کی طرف چڑھا لے گئے۔

صاحبِ تسہیل البیان لکھتے ہیں:۔

"اللہ ہر نقص و عیب سے پاک ہے جس نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سال ہجرت سے پہلے ایک رات جب حضور بیت اللہ کے پاس مقامِ حجر میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھے براق پر سوار کر کے مسجد حرام سے بیت المقدس تک جس میں اللہ نے ظاہری اور باطنی برکات (سرسبزی اور شادابی اور انبیاء کا مسکن اور مدفن ہونا وغیرہ) رکھی ہیں آپ کو اپنی قدرت کے کچھ نشان ــــ مثلاً رات کے چند لمحوں میں اتنی طویل مسافت طے کر کے مکہ سے بیت المقدس تک جانا اور انبیاء کی ارواح کا متمثل دیکھنا اور اُن کو نماز پڑھانا اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک جسدِ مبارک کے ساتھ معراج اور مکالمہ الہٰی سے مشرف ہونا وغیرہ (خوارق) دکھلانے کی سیر کرائی۔ بلاشبہ اسے ہر طرح کی قدرت ہے۔ وُہی سب کچھ سُنتا اور دیکھتا ہے"۔

ایک روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ معراج کی واپسی میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے آپ کی مُلاقات ہُوئی اور اُن کے ساتھ کچھ واقعات پیش آئے۔ جب لوگوں نے جھٹلایا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تمہارا قافلہ کل پرسوں تک آجائے گا۔ اُن سے پُوچھ لینا۔ چنانچہ وہ آیا اور اُس نے تصدیق کی ــــ اِن ہی روایات کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ کفار دوڑتے ہُوئے حضرت ابُوبکرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آج محمدؐ کعبہ میں بیٹھے ہُوئے لوگوں سے

یہ کہہ رہے ہیں کہ رات کو وہ بیت المقدس گئے اور آ گئے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ "واقعی آپؐ فرما رہے ہیں؟" لوگوں نے کہا۔ "ہاں" حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ "تو میں آپؐ کو سچا جانتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں۔"

کفار نے کہا۔ "تم کھلم کھلا ایسی خلافِ عقل بات کیوں کر صحیح سمجھتے ہو!" جواب دیا "میں تو اس سے بھی زیادہ خلافِ عقل بات پر یقین رکھتا ہوں —— میں تو یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر روز آپؐ کی خدمت میں آسمان سے فرشتے اُترتے ہیں۔ اسی دن سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب صدیق ہو گیا۔

یہ روایات گو زبان زدِ عوام ہیں۔ مگر ابنِ اسحاق اور ابنِ سعد نے ان واقعات کے اسناد نہیں لکھے۔ اور سید سلیمان ندوی ان کو باطل قرار دیتے ہیں۔ (سیرۃ النبیؐ ص۲۱۸ ج ۲)

روایات سے قطع نظر معراج النبیؐ کی اہمیت اِس بات میں ہے کہ اسی تقریب میں اُمتِ محمدیہ کو "نماز" کا تحفہ ملا یہ اِنسانی زندگی میں اِس فریضہ کی تکمیل ہے جو انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ نماز گویا کہ صحیح معنوں میں معراجِ انسانیت ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر فرمائی ہے اور آپؒ اِس بات کے قائل ہیں کہ معراج بیداری میں اور جسم کے ساتھ ہوئی۔ لیکن یہ عالمِ برزخ کی سیر تھی۔ جہاں حضورؐ کے جسم پر روحانی خواص طاری ہو گئے اور معانی و واقعات مختلف اشکال و صُور (شکلوں اور صورتوں) میں مشاہدہ کرائے گئے۔ سید سلیمان ندوی نے شاہ صاحب کو اس "ملک" کا سیاح قرار دے کر حجۃ البالغہ میں دی ہوئی معراج کی تشریح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

ہم نے اربابِ حال اور محدثین کے یہ انکشافات و حقائق اور جسم و رُوح کے یہ گوناگوں احوال و مناظر خود ان ہی کی زبان سے بتائے اور دکھائے ہیں۔ ورنہ ہم خود اس باب میں سلفِ صالحین کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جو ابنِ اسحاق کی عبارت بہ نسبتِ ذیل ہے۔

"حضورؐ کے اس سفرِ شبانہ اور جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اِس میں آزمائش اور کافر و مومن کی تمیز ہے۔ اور خدا کی قدرت اور سلطنت میں کوئی انوکھی شان ہے اور اِس میں اہلِ عقل کے لئے عبرت ہے۔ اور جو اللہ پر ایمان لایا اور تصدیق کی اور خدا کے کاموں پر یقین رکھا اس کے لئے اِس میں ہدایت، رحمت اور ثابت قدمی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے

بندہ کو رات کے وقت لے گیا۔ جس طرح چاہا اور جیسے چاہا تاکہ وہ اس کو اس کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جو چاہے دکھائے۔ یہاں تک کہ آپ نے خدا کی شان اور اس کی عظیم الشان قوت کے مناظر دیکھے جو کچھ دیکھے اور اس قدرت کو دیکھا جس سے وہ جو کچھ چاہتا ہے، کرتا ہے۔ (سیرۃ النبی صـ ۴۹۲ ج ۲)

معراج کی حقیقت

بشری کمالات کی لاتعداد صلاحیتیں اور استعداد جب آہستہ آہستہ اپنی روحانی اور مادی زندگیوں کے اربوں کھربوں ادوار میں نشو ونما پاکر پورے شباب کو پہنچ چکیں تو یہ معراج ان کی پرواز کی ایک اُڑان تھی۔ اگر حقیقت میں نظر سے دیکھا جائے تو معراج کے ذریعے خود انسان کو اس کی پوشیدہ استعدادوں کے کمالات اور اس کی حدوں سے آگاہ کرنا مقصود تھا اور اُسے اس کائنات کو بھی دکھانا تھا جس پر اُس نے اسے خلیفہ مامور کیا تھا تاکہ انسان کو اپنی عظمت کا صحیح احساس ہو جائے۔

خاتم رسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانِ کامل کی حیثیت سے معراج کے ذریعے جو معرفتِ حق کا سب سے ارفع مقام دکھایا گیا تھا وہ آج کی لادینی نظروں میں بھی کوئی غیر ممکن چیز نہیں ہے۔ آج دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ خاک نشین پیکرِ خاکی کی پرواز کہاں تک ہے اور اِسے خود بھی احساس ہو رہا ہے کہ اس کی پرواز کا کوئی منتہی نہیں۔ علامہ اقبال رح نے بھی ذیل کے اشعار میں اسی نکتہ کی وضاحت کی ہے:۔

دے ولولۂ شوق جسے لذّتِ پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرّہ مہ و مہر کو تاراج

مشکل نہیں یارانِ چمن معرکۂ باز
پُرسوز اگر ہو نفسِ سینۂ دُرّاج

ناوک ہے مسلمان، ہدف اِس کا ثریّا
ہے سِرِّ سراپردۂ جاں نکتۂ معراج

تو معنیِ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مدو جزر ابھی چاند کا محتاج

اسلام کی سخت اور پُرخطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد سے اطمینان و سکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شبِ مبارک آئی۔ جسے معراج سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب حضور کو سیرِ ملکوت سے نوازا گیا اور پیش گاہِ ربانی سے احکامِ خاص کا اجراء اور نفاذ عمل میں آیا نیز حکم صادر ہوا نماز کے۔ عنایاتِ ربانی کے علاوہ امتِ محمدیہ کے لئے یہ بشارت بھی دی گئی کہ جو شخص شرک کا مرتکب نہ ہوگا اُسے دامنِ مغفرت میں پناہ ملے گی۔

نماز کی خصوصیت قرآن عزیز کے الفاظ میں یہ ہے :-

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت ۴۵)

ترجمہ : یقیناً نماز بے حیائی ، برائی اور سرکشی سے باز رکھتی ہے۔

اب تحفۂ معراج کا عملی شکرانہ یہ ہے کہ ہم اِس فرض کو پابندی سے ادا کریں اور ان خوبیوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پیدا کر کے صحیح معنوں میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین بنیں — ان تبلیغی فرائض کو ادا کریں جو آپؐ نے اپنی اُمّت کو بطورِ امانت سپرد فرمائے ہیں۔

صحیح مسلم کی روایت کے مُطابق واقعۂ معراج میں دوسرے تحفوں کے علاوہ سورۃ البقرہ کی آیات بھی تحفۂ معراج ہیں — ہم ان ہی پر آج کا خُطبہ ختم کرتے ہیں۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وقفہ وَاغْفِرْ لَنَا وقفہ وَارْحَمْنَا وقفہ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرہ : ۲۸۶)

ترجمہ : پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس پر اُترا۔ اور تمام مسلمان بھی اس پر ایمان لائے۔ یہ سب کے سب خدا پر، اُس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کے پیغمبروں میں یہ تفریق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے احکام کو سُنا اور ان کی اطاعت کی۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر بخشش فرما اور تیری ہی طرف آخر لوٹ کر جانا ہے۔ خدا کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ جس نے اچھے کام کیے اپنے ہی لئے کئے اور بُرے کام کئے تو اس کا نقصان بھی وُہی اُٹھائے گا۔ اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھُول جائیں یا چُوک جائیں تو اس کی باز پُرس ہم سے نہ کر۔

اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈال جس طرح کا بوجھ تم سے پہلوں پر ڈالا۔ اے ہمارے پروردگار! اتنا بوجھ جس کے اٹھانے کی ہمیں طاقت نہیں ہم سے نہ اٹھوا۔ ہمارے قصوروں سے درگزر کر اور ہماری غلطیوں کو معاف کر اور ہم پر رحم فرما کر تو ہی ہمارا مددگار ہے اور تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جو کافر ہیں۔ ہماری مدد فرما۔ آمین (البقرہ : ۲۸۶)

یوم النبی ﷺ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

۷: ۱۵۷

ترجمہ: جو لوگ کہ پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی اُمّی ہے۔ وہ پاتے ہیں جسے لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔ وہ حکم کرتا ہے انہیں نیک کام کا اور روکتا ہے انہیں بُرے کام سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور قیدیں جو پڑی تھیں اُن پر پس جو لوگ ایمان لائے اس پر اور اس کی حمایت کی اور پیروی کی اس نور کی جو اُتارا گیا آپ کے ساتھ وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے

---

۱۲ ربیع الاوّل کا دن یومُ النّبی یا یوم میلادُ النّبی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دن پیر (دوشنبہ) کا تھا اور اب یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ پیر (دوشنبہ) ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ بکرمی کو تھا۔ اس لئے یوم میلاد اصل میں ۹ ربیع الاوّل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ پیر (دوشنبہ) کا دن پیدائش، بعثت اور رحلت کا دن بھی ہے۔ اور اتفاق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کا دن پیر اور تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ ھجری ہے۔ اس لئے یہ دن میلاد اور وصال دونوں تقریبات کا "یوم" سمجھا جا سکتا ہے خوشی اور غم کا وہ پیمانہ جو دُنیا والوں نے تجویز کیا ہے اللہ کے ہاں مقبول نہیں اس لئے ہمیں آج کے

دن اللہ کے پیمانے کے مطابق اس دن کی یاد کو قائم رکھنا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقدیر الٰہی کے مطابق بنی نوع انسان کے لئے ایک کامل نمونۂ حیات تھے۔ تمام انبیاء کی تعلیمات کو ہمیشہ کے لئے ایک نقطۂ کمال تک پہنچا کر محفوظ کر دینے کا فرض سرانجام دینے آئے تھے۔ یہاں مکان و زمان کی قید اور ولادت و وصال کا خیال صرف دلوں کے ادل بدل اور گنتی کے ہیر پھیر سے زیادہ کچھ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ ہمیشہ کے لئے انسانیت کا نورِ ہدایت اور مرکزِ وحی ہیں اور ان معنوں میں آپ ابدالآباد تک زندہ اور قائم ہیں۔ جسمِ خاکی کو تو ظاہر ہے قانونِ فطرت کے مطابق عمرِ طبعی کو پہنچ کر اپنے مرکز کی طرف لوٹ جانا چاہیئے۔ مگر نبی اکرم کی زندگی تو اس "جسم" کی محتاج نہیں وہ تو "روحِ اعظم" اور "معلمِ اکبر" کی صورت میں ایک دائمی قانونِ ہدایت بن کر قائم رہے گی ——— یہ دن یومِ میلاد سمجھا جائے۔ یا یومِ وصال مسلمانوں کے لئے ایسا دن ہے جسے وہ کبھی اور کسی صورت میں بھول نہیں سکتے۔

یہ انسانیت کی آزادی اور نجات کا تیوہار ہے۔ یہ یومِ رحمت و قبولیت ہے۔

یہ یومِ صلح و اتحاد اور یومِ احسان ہے۔

یہ دینِ اسلام کی تکمیل کا پیغام لانے والے کا یومِ پیدائش ہے اور دینِ حق کی بنیاد رکھے جانے کا دن ہے۔

یہی وہ دن ہے۔ جب کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ ایران کے آتش کدے بجھ گئے اور خانہ کعبہ کے بت منہ کے بل گر پڑے ——— اب اسی یومِ عظیم پر رسولِ خدا کی امت اور ملتِ اسلامیہ نے از سرِ نو عہد کرنا ہے کہ وہ پھر خدائی اور رسولی طاقتوں کا اظہار کریں گے غیر خدائی اور باطل طاقتوں کے محلات کو سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیں گے ——— کفر و استبداد کے بتوں کو اوندھا کر دیں گے اور غضب و شیطنت کے آتش کدوں کو بجھا دیں گے ——— تاکہ دنیا میں اس وجودِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات کا اظہار ہو اور اسلام کا بول بالا ہو۔

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ○

آج کے دن جلوس، جلسے اور کئی دوسری تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ :-

اوّل ——— دنیا میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی کا اظہار ہو اور بنی نوع انسان کو وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور ہم نے تیری یاد کو تیرے لئے بلند فرمایا) کی صحیح شان نظر آئے۔

دوم ـــــ دُنیا پر مُسلمانوں کے اِس عشق و محبّت اور اَدب و احترام کا اظہار ہو جو ہمیں اپنے ہادیِ پاک سے ہے۔
سوم ـــــ مسلمانوں کی طاقت اور قومی اتحاد کا اظہار ہو اور دُوسری قومیں اس دُنیا کے ہر ایک شہر میں ایک خُدا، ایک نبیؐ، ایک قرآن اور ایک اُمّت کا نظارہ دیکھ لیں۔
یومُ النّبیؐ کی تقریبات، جلسہ، جلوس، محفلِ میلاد وغیرہ) کے فائدے یہ ہیں:۔
اوّل ـــــ خلقِ خُدا، رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ سے فائدہ اُٹھائے اور سیرتِ نبویؐ کا علم حاصل کر کے نیکی کی طرف متوجہ ہو اور بُرائیوں سے بچے۔
دوم ـــــ مُسلمانوں میں عشقِ رسولؐ پیدا ہو، اُن کا ایمان تازہ ہو اور وہ تعلیماتِ محمّدؐ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے آگاہ ہو کر تبلیغ و تعلیم کا وُہ فرض ادا کر سکیں جو بحیثیت اُمّت اور نائبِ رسولؐ ہونے کی حیثیت میں ان پر عائد ہوتا ہے اور ان کو اُمّتِ وسطیٰ اور شہداءَ علی النّاس (لوگوں پر گواہ) بننے اور دُنیا پر اپنی اس حیثیت کو واضح کرنے کا موقعہ نصیب ہو۔
سوم ـــــ دُشمنانِ اِسلام نے سرورِ کونینؐ کے خلاف جو غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں وُہ دُور ہو جائیں۔ نوعِ انسان کے دل میں اسلام کی عظمت اور قبولیتِ حق کا دروازہ کھل جائے۔ اور وہ اسلامی تعلیمات کو سمجھنے اور قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔
چہارم ـــــ عالمِ انسانی رنگ، نسل اور زبان کی تفرقِ سے نکل کر ایک اُمّتِ مسلمہ بن جائے ہر مسلمان سمجھ لے کہ رسولِ خُدا کی تشریف آوری خدا کی سب سے بڑی نعمت تھی جو آج کے دن انھیں ملی جیسی بڑی یہ نعمت ہے ویسا ہی بڑا ہمیں شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔
چونکہ رسولِ خُدا کی تشریف آوری کی نعمت شخصی یا ذاتی نہ تھی بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے رحمت تھی۔ اس لئے اُن کے احسانات کا شکریہ اَدا کرنے کے لئے تمام مشرق و مغرب کو ہم آہنگ ہو جانا چاہیئے۔ اور آج کے دن تمام کرۂ زمین سے اجتماعی شکریہ کی آواز اُٹھنی چاہیئے۔
جب سرورِ کونینؐ دُنیا میں تشریف فرما تھے تو آپ کی ہر صحبت جلسہ سیرت تھی اور صحابہ کرام کی زندگی کا ہر ایک دن یومُ النّبی تھا۔ لیکن جب حضورؐ کا وجود اقدس اور حضورؐ کو دیکھنے اور سُننے والی بزرگ نسلیں پُشتِ زمین پر باقی نہ رہیں تو یہ ضرورت پیش آئی کہ تمام ممکن طریقوں سے ذکرِ حبیبؐ کو تازہ رکھا جائے تاکہ یہ اُمّت اور انسانیت اپنے مرکزِ حیات

سے دُور نہ ہٹے۔

اگرچہ خود شریعت نے نمازوں، خطبوں اور درودوں میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تازگیٔ ذکر کا بہت کافی انتظام کر دیا تھا۔ مگر اسلام کے تمام دُنیا میں پھیل جانے اور کروڑوں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے عربی زبان سے ناواقف ہونے کے باعث لوگ روز بروز اپنے مرکزِ حیات سے دُور ہونا شروع ہو گئے۔

اِسی زمانہ میں عیدِ میلاد کی رسم شروع ہوئی۔ لیکن جُوں جُوں وقت گزرتا گیا، چشمۂ صافی گدلا ہوتا گیا۔ اور بجائے اِس کے کہ مجالسِ میلاد میں اسلامی تعلیمات اور خُلقِ محمدیؐ کا رنگ مُسلمانوں اور غیر مسلموں پر ڈالا جاتا، مُسلمانوں نے خود اپنے رنگوں میں مجلسِ میلاد کو رنگنا شروع کر دیا، اور اِس طرح وُہ پاک مجلس جو تبلیغِ اِسلام اور تنظیمِ اُمّت کا ذریعہ تھی۔ راگ، رنگ، چھچھورپن اور ادنیٰ قسم کے ہاؤ ہُو میں غائب ہو کر رہ گئی۔ میلاد میں پاکیزگی، صفائی اور نفاست کا اہتمام ہو، چراغاں یا خوشبو اور کھانے، دکھاوے کے لئے نہیں۔ مجالس کی رونق اور غریبوں کی مدد کے لئے ہوں۔ ریا اور نمائش کی بجائے تقویٰ اور خلوص ان کے محرّک ہوں تو یہ اپنی جگہ بُرے نہیں۔ مگر یہ بات بہرحال ہمارے پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ اللہ کے رسُولؐ کو سب سے زیادہ پیار تقویٰ، دِلی نیکی، بنی نوعِ انسان کی پُرخلوص محبّت و خدمت اور اُمّت کی اجتماعی بہتری اور بھلائی سے تھا نہ کہ ظاہری شان و شکوہ سے۔

وُہ پاک نبیؐ جو دنیوی زندگی کے آخری لمحات میں یَارَبِّ اُمَّتِیْ یَارَبِّ اُمَّتِیْ کہہ کر ہمارے لئے محبّت اور جان سوزی کا عملی ثبوت دے۔ اِس رحمتِ عالمؐ کی یاد کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بھی مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اور اُمّتِ مسلمہ کے اجتماعی دینی، رُوحانی اور مادی غلبہ کے لئے حضُورؐ کے نقشِ پا کو تلاش کریں اور اس کا سامان پیدا کریں۔

آج کے دِن ہمیں تبلیغ و تنظیم کا ایک عالمگیر نظام قائم کرنا چاہیئے جس طرح حضُورِ سرورِ کونینؐ کی ذات سب کے لئے ہے اور اس میں رحمتِ عام کی مثال قائم کی جا چکی ہے۔ اسی طرح یہ تنظیمی کام بھی جماعت بندی، گروہ سازی یا فرقہ گری سے بلند رہ کر کرنا چاہیئے۔

۱۔ ایسا تبلیغی کام صرف اسی مشترکہ بُنیاد پر قائم ہو سکتا ہے جس پر تمام مُسلم جماعتیں جمع ہو سکتی ہیں اور مل کر کام کر سکتی ہیں۔ اور وُہ کتاب اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہ ہے۔ اِس لئے ہمیں اسی بُنیاد پر یہ نظام قائم کرنا چاہیئے اور آج کا دن اس کے آغاز کے لئے

موزوں ترین دن ہے۔

۲۔ اس تنظیم کے مقاصد یہ ہونے چاہئیں :۔

ا۔ اللہ کی کتاب (قرآنِ عزیز) کی اطاعت و اشاعت تاکہ اللہ کی کتاب زندگی کا رائج الوقت قانون بن جائے۔

ب۔ سیرتِ نبویؐ کی اطاعت و اشاعت تاکہ حضورؐ کی ذاتِ پاک تمام نوعِ انسان کیلئے نمونۂ عمل بن جائے۔

ج۔ مسلمانوں کو کلمہ شہادت، ارکانِ اسلام اور اجتماعی بہتری کی بنیادوں پر منظم کرنا تاکہ وہ قانونِ الٰہی کی پیروی اور اجتماعی قوت سے دنیا کے امام (راہ نما) بن سکیں، اور غلبہ دین کا سامان پیدا ہو۔

یہ اس لئے کہ سرورِ کونینؐ کی بعثت اور نزولِ قرآن کا مقصد یہ تھا :۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

ترجمہ : اللہ ہی کی ذات پاک ہے جس نے اپنا رسولؐ ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے دنیا کے تمام دوسرے ادیان پر غالب بنادے (الصف: ۹)

ذیل میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی صحیح نشاندہی کرنے والے چند اہم ارشادات درج ہیں۔ جن سے عالمگیر انسانی اخوت کی شیرازہ بندی اور دینِ اسلام کے ہمہ گیر بنیادی تصورات واضح ہو جاتے ہیں۔

(۱) اعمال کا مدار نیت پر ہے (۲) اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ کوئی معبود نہیں سوائے خدا کے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ (۳) دین نام ہے اللہ کی کتاب، اُس کے رسول پر ایمان لانے اور عام مسلمانوں سے خیر خواہی کرنے کا (۴) آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ فضول باتوں کو ترک کردے (۵) تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے (۶) جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُس کو چاہیئے کہ نیک بات کرے، ورنہ خاموش رہے۔ پڑوسیوں اور اپنے مہمان کی عزت کرے (۷) خدا نے ہر جاندار پر شفقت واجب کی ہے (۸) خدا سے ڈرتے رہو۔ بُرائی کو نیکی سے مٹا دو۔ لوگوں کا خالق اللہ حسین اخلاق والا ہے (۹) حیا ایمان کی شاخ ہے (۱۰) جس نے علم کا راستہ اختیار کیا اس نے جنت کا راستہ اختیار کیا (۱۱) اولاد کو اچھی تربیت دینا

ایک صالح خیرات سے بہتر ہے (۱۲) علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد، عورت پر فرض ہے (۱۳) گود سے گور تک علم سیکھتے رہو (۱۴) علم سیکھو اگرچہ چین میں ہو (۱۵) علو ہمت ایمان ہے (۱۶) رزق زمین کے کناروں میں تلاش کرو، خدا بلند امور کو پسند اور ذلیل کاموں کو ناپسند کرتا ہے (۱۷) جس نے استخارہ کیا نقصان نہ اُٹھایا، جس نے مشورہ کیا نادم نہ ہُوا۔ جس نے میانہ روی اختیار کی تنگدست نہ ہُوا (۱۸) جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور بڑوں کی عزت نہ کی وُہ ہم میں سے نہیں۔ (۱۹) غلام کو آزاد کرو، پکارنے والے کی سُنو۔ بھوکے کو کھلاؤ، مریض کی خدمت کرو (۲۰) اِنسان اِنسان کا بھائی ہے (۲۱) تمام مخلوق خدا کا کُنبہ ہے، پس خدا کا وُہ محبُوب ہے جو اُس کے خاندان کا محبوب ہے (۲۲) بہترین لوگ وُہ ہیں جو اچھے اخلاق کے مالک ہیں (۲۳) جنت تلواروں کے سائے میں ہے (۲۴) پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو۔ جوانی کو بُڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، مالداری کو فقیری سے پہلے، زندگی کو موت سے پہلے، اور فرصت کو مصرُوفیت سے پہلے (۲۵) بہترین شخص وُہ ہے جو سب کے لئے زیادہ نفع بخش ہو (۲۶) بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ رہے اگرچہ کم ہو (۲۷) بیشک اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے اور وُہ رحم کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس پر رحم نہیں کرتا جو اُس کی مخلوق پر رحم نہیں کرتا۔

صدیقِ اکبرؓ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ○ (سُورۃ النساء ۶۹)

ترجمہ : اور جس نے اطاعت کی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی، پس وُہی لوگ ہوں گے اُن کے ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ـــ نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے اور شہیدوں اور صالح لوگوں میں سے اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں (سُورۃ النساء : ۶۹)

اِسلامی حکومت کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امر بالمعروف کے معنی ہیں نیکی کا حکم دینا اور نہی عن المنکر کے معنی ہیں بُرائی سے روک دینا۔ یہ دونوں باتیں کسی صاحب امر یا حاکم کے بغیر ممکن نہیں ـــ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ دُنیا میں ایک ایسی جماعت قائم ہو جو انسانوں کو ان کی زندگی کی غایت (یعنی عبادت) کے حصُول کے قابل بنا دے۔ وُہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور تمام دوسری غلامیوں سے آزاد ہو کر اس کی نیابت اور تسخیر کائنات کا فریضہ ادا کر سکیں۔

تسخیر کائنات کے متعلق قرآنِ عزیز میں ۷۵۶ آیات ہیں اور اللہ تعالیٰ کا وہ عظیم الشان معاہدہ جو اُس نے اُمتِ مسلمہ سے کیا وُہ یہ ہے :-

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّہُمْ فِی الْاَرْضِ الخ (نور : ۵۵)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کے بدلے میں زمین میں نائب خدا بنائے جائیں گے۔ ان کو زمین میں تمکن (قرار و غلبہ) حاصل ہوگا۔ اور خوف کے بعد امن نصیب ہوگا۔ ان کا فرض ہے کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔

تسخیرِ کائنات اور نیابتِ حق کے سلسلہ میں سب سے پہلا مقام نبی کا ہے، اس کے بعد صدیقین کا۔ اس کے بعد شہداء اور صالحین کا۔ ان کو اللہ کا بہترین رفیق کہا گیا ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کامل نمونۂ حیات ہے اور آپ کے رفقاء میں سے صدیقِ اکبرؓ، عمرِ فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور شیرِ خدا علی کرم اللہ وجہہ خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہیں۔

اس خطبہ میں صدیقِ اکبرؓ کے سوانح۔ خلافت اور خلوص و ایثار کے واقعات پیش کیے جاتے ہیں تاکہ یادِ صدیقؓ تازہ ہوسکے اور ہم سمجھ سکیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی اور خلیفۂ اول نے خلافت کا حق کیونکر ادا کیا۔ اور ہم اپنی زندگیوں میں ان کے سے صفات کیونکر پیدا کرسکتے ہیں تاکہ ہم بھی اس زمرۂ پاکبازاں میں شامل ہوسکیں۔

سیرتِ صدیقؓ کا مختصر خاکہ:

صدیقِ اکبرؓ کا نام عبداللہ، کنیت ابوبکر، لقب صدیق و عتیق، والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ، ماں کا نام سلمیٰ اور کنیت اُمّ الخیر ہے۔ آپ قریش کی شاخ بنی تمیم سے ہیں، اور چھٹی پشت میں مرہ پر آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ کی ولادت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال بعد ہوئی۔ اسلام سے پہلے ہی آپ حسنِ اخلاق، دیانت و امانت اور خاندانی وجاہت میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ایک دولتمند تاجر تھے اور دولت سے ضرورت مندوں اور محتاجوں کو فائدہ پہنچاتے رہتے تھے جاہلیت کے زمانہ میں خون بہا کا مال آپ ہی کے پاس جمع ہوتا تھا۔ آپ علم الانساب کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے ساتھی تھے۔ حضورؐ کی نبوت پر آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے آپ ہی تھے۔ حضور صلعم کا اپنا ارشاد ہے:-

"میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی۔ اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ جھجک ضرور محسوس ہوئی مگر ابوبکرؓ ذرے نہ جھجکے"

ایمان لانے کے بعد ایمان کی قوت کا یہ حال تھا کہ کسی صورت میں کمزوری کا شائبہ تک نہ پیدا ہوا۔ معراج کی صبح کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے واقعات بیان کیے تو کافروں نے مذاق اڑایا۔ راستہ میں حضرت ابوبکرؓ ملے۔ کافروں نے کہا ابوبکر! تمہارے دوست جو خدا کی طرف سے وحی اترنے کا دعویٰ کرتے تھے، اب خدا سے

ملاقات بھی کر آئے ہیں۔ کیا تم ان کی اس عجیب بات کو مان لوگے؟" صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ "کیوں نہیں! میں تو اس سے زیادہ عجیب باتوں کو مانتا ہوں" اسی شانِ ایمان پر دربارِ نبوت سے صدیق کا لقب عطا ہوا۔

تبلیغِ اسلام۔ صدیقِ اکبرؓ خود جس خلوص اور محبت سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مگر اس کے بعد عمر بھر آپ نے سرورِ کونینؐ کا جس طرح ساتھ دیا وہ بھی آپ کی صدیقیت پر شاہد ہے۔ روزانہ صبح و شام آپ سے حضورؐ اپنے مشن کے متعلق مشورہ لیتے اور آپ ہی کے تعلق اور اثر سے حضرت عثمان ابنِ عفانؓ، حضرت زبیر بن عوام حضرت طلحہ بن عبداللہؓ، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ جیسے جلیل القدر صحابہ مشرف باسلام ہوئے۔ اس کے علاوہ کتنے غلام تھے۔ جن کو آپ نے خرید کر کافروں کے پنجہ ظلم سے نجات دلائی۔

ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں مہمات میں آپ نے اللہ کی راہ میں نکلنے میں پہل کی۔ ہجرت حبشہ کے وقت ابن الدغنہ نے اپنی ذمہ داری پر آپ کو واپس بلایا۔ مگر آپ مکہ میں بدستور تبلیغ کرتے تھے اور جب آپ پر اسی کی طرف سے یہ شرط عائد کی گئی کہ آپ خاموشی کے ساتھ عبادت کریں۔ تو آپ نے برملا کہا۔ "مجھے کسی انسان کی پناہ کی ضرورت نہیں۔ میرے لئے اللہ کی پناہ کافی ہے۔"

ہجرت مدینہ ایک تاریخی اور بے مثال رفاقت کا نمونہ ہے۔ دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں حضورؐ اپنے رفیق و غمگسار صدیقؓ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور ہجرت کے حکم خداوندی سے آپ کو اطلاع دیتے ہیں۔ صدیقؓ عرض کرتے ہیں۔ "یا رسول اللہ! کیا مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت ہے؟" جواب ملتا ہے۔ "ہاں تیار ہو جاؤ۔" صدیقؓ فرماتے ہیں۔ "یا رسول اللہ! میں نے تو اسی دن کی تمنا میں پہلے ہی سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں۔" اس تاریخی سفر کا تمام انتظام صدیقؓ کے گھر سے ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے سامانِ سفر درست کیا۔ حضرت اسماءؓ نے اپنا پٹکا کمر سے کھول کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور ذات النطاقین کا خطاب حاصل ہوا۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ مکہ کے حالات کی اطلاع پہنچانے پر مقرر ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ وہ بکریاں لے کر غارِ ثور پر چلے آیا کریں اور تازہ دودھ پلایا کریں۔ ان انتظامات کے بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو عزیز ترین اور قدیم ترین رفیقوں میں سے ایک (حضرت علیؓ) کو اپنے بستر پر لٹا کر اور دوسرے (حضرت ابوبکرؓ) کو اپنے ساتھ لے کر مکہ سے باہر نکلے اور غار ثور پر جا کر پہلی منزل کی۔ کافروں کو جب معلوم ہوا کہ ان کی سازش ناکام رہی تو جھنجھلا اُٹھے اور آپؐ کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے عین غار کے مُنہ پر گئے اور یہی وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب اور محبوب کے محبوب کو یوں تسلّی فرمائی!

"اے کافرو! اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے (تو نہ سہی) اللہ نے تو اس کی اس وقت مدد کی ہے جب اسے کافروں نے اُس کے رفیق کے ساتھ نکال دیا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں چھپے ہوئے تھے۔ اور وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔
(القرآن)

تاریخ اسلام میں فتح صداقت اور غلبہ حق کے باب کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ

جب کفار کے ساتھ لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا تو حضرت ابوبکرؓ تمام لڑائیوں میں شامل ہوئے اور اپنی بہادری اور جان نثاری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ بعض اتفاقی اسباب سے غزوۂ اُحد اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچا اور اسلامی لشکر کے بعض سپاہیوں سے انسانی کمزوریاں ظاہر ہوئیں۔ لیکن لشکر اسلام کا صدیقؓ اپنی جگہ پہاڑ کی طرح جما رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا پورا حق ادا کیا۔ غزوۂ تبوک میں جو حضورؐ کی زندگی کا آخری غزوہ ہے۔ جب اس لڑائی کے لئے حضورؐ نے اپنے فدائیوں کو پکارا اور ان سے جان و مال کی قربانی طلب کی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی شان کے مطابق حصّہ لیا۔ گھر میں جو کچھ تھا لا کر حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیا اور جب حضورؐ نے پوچھا۔ "اے ابوبکرؓ! تم نے کچھ بال بچوں کے لئے بھی چھوڑا تو آپ نے جواب دیا۔ "ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہیں۔"

علامہ اقبالؒ نے اِس واقعہ کو ذیل کے اشعار میں بیان فرمایا ہے:-

اِک دن رسولِ پاکؐ نے اصحاب سے کہا
دیں مال راہِ حق میں، جو ہوں تم میں مال دار
ارشاد سُن کے فرطِ طرب سے عُمرؓ اُٹھے
اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار

دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا رہوار

لائے غرض کہ مال رسولؐ امیں کے پاس
ایثار کی ہے دستِ مگر ابتدائے کار

پوچھا حضورؐ سرورِ عالم نے اے عمرؓ
اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار

رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تُو نے کیا
مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار

کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وُہ رفیق نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار

لے آیا اپنے ساتھ وُہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار

ملکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس
اسپِ قمر سم و شتر و قاطر و حمار

بولے حضورؐ چاہیئے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وُہ عشق و محبت کا رازدار

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خُدا و رسولؐ بس

خلافتِ اوّل کی تربیت کے لئے آپؐ نے صدیقِ اکبرؓ کو اپنی زندگی میں ہی، جب مکہ معظمہ کفر و شرک کی گندگی سے پاک ہوگیا، اپنا قائم مقام اور امیرالحج بنا کر بھیجا اور آپؐ کی سرداری میں حضرت علیؓ نے حضورؐ کا وہ تاریخی اعلان پڑھ کر سُنایا جس میں اسلام اور کفر کی حدود کو جُدا

جُدا کر دیا گیا تھا۔

حضورؐ کے مرض الموت میں مسجدِ نبویؐ کی امامت کا بلند پایہ مرتبہ آپ ہی کے سپرد ہُوا۔ دُنیا سے رُخصت کے دن نمازِ فجر کے وقت حضورِ پُرنورؐ نے حجرہ شریفہ کا پردہ اُٹھایا اور دیکھا کہ مسلمان حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں کامل اتحاد و اطمینان کے ساتھ دینی فرض ادا کر رہے ہیں تو آپؐ مسکرا دیئے اور پھر پردہ کھینچ لیا۔

خلافت ۔ حضورؐ کی وفات کی خبر آپ کے جاں نثاروں پر بجلی بن کر گری۔ وہ کسی صورت میں اپنے آقا و مولیٰ کی جُدائی کے تصور کے لیے تیار نہ تھے۔ حضرت عمرؓ تو تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے۔ جو یہ کہے گا کہ حضورؐ کا وصال ہو گیا، میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ مگر یہ شانِ صدیقؓ تھی کہ آپ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"وہ لوگ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آپؐ کا تو وصال ہو گیا۔ لیکن جو لوگ خُدا کی عبادت کرتے تھے تو جان لیں کہ اللہ زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا" پھر یہ آیت پڑھی:۔

ترجمہ : محمد رسول اللہؐ ایک رسُول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسُول گذر چکے ہیں۔ اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟" (آل عمران ۱۴۴)

جب لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت عام کر کے خلیفہ چُن لیا تو آپ نے فرمایا:۔

لوگو! قسم ہے اللہ کی۔ نہ میں کبھی امارت کا خواہاں تھا۔ نہ اس کی طرف مجھے رغبت تھی اور نہ میں نے کبھی خفیہ یا ظاہرا اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دُعا کی۔ لیکن مجھے خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ برپا ہو جائے۔ اِس لئے اِس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا۔ ورنہ مجھے امارت میں کوئی راحت نہیں، بلکہ یہ ایسا بار مجھ پر ڈالا گیا ہے۔ جس کی برداشت کی طاقت میں اپنے اندر نہیں پاتا اور بلا امداد الٰہی کے اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ کاش! میری بجائے کوئی ایسا شخص ہوتا جو اس بوجھ کے اٹھانے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتا۔

مجھے تم نے امیر بنایا۔ حالانکہ میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر اچھا کام کروں تو مجھے مدد دینا۔ اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کرنا۔

تم میں سے جو کمزور ہے، وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا حق دلاؤں اور تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے۔ یہاں تک کہ اس سے حق لے لوں۔

جب تک میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اِطاعت کروں، تم میری اِطاعت کرو۔ اور اگر اُن کے خلاف کروں تو میرا ساتھ چھوڑ دو۔"

عہدِ خلافت۔ حضورؐ نے اپنی وفات سے کچھ ہی قبل رومیوں سے جنگِ موتہ کا انتقام لینے کے لئے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ اور اِس لشکر کا سردار زید ابنِ حارثہؓ جو جنگِ موتہ میں شہید ہوئے تھے) کے بیٹے حضرت اسامہ کو مقرر فرمایا تھا۔ اس لشکر میں اکثر بڑے بڑے صحابہؓ، صدیقؓ، عمرؓ وغیرہ شامل تھے۔ لیکن ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ رسولِ اکرمؐ بیمار ہوئے اور پھر وصال ہو گیا۔ صدیقؓ نے اپنی خلافت کے عہد میں اسی لشکر کو روانہ کیا، اور صحابہؓ کے یہ دونوں مشورے تسلیم نہ کیے کہ فتنہ ارتداد کی وجہ سے اِس لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے یا امیرِ لشکر کو تبدیل کر دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لشکر یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو مدینہ سے روانہ ہوا۔ اور چالیس۴۰ روز کے بعد فتح و ظفر کے جھنڈے اُڑاتا ہوا واپس آیا۔۔۔۔ شام کا یہ حملہ اِسلام کے لئے بیحد مفید ثابت ہوا۔ منافقین اور مرتدین کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی طاقت میں کوئی کمی نہیں ہوئی ورنہ وُہ اِتنے دُور اور اتنے قوی دُشمن کے مقابلہ کے لئے اپنی فوج نہ بھیجتے۔ اس طرح مرتد ڈر کر اسلام میں داخل ہو گئے۔

فتنہ ارتداد کو ختم کرنا گویا اسلام کو نئی زندگی عطا کرنا تھی۔ یہ صرف عزمِ صدیقی کی برکت تھی کہ نہ صرف فتنہ ختم ہُوا بلکہ فتوحاتِ اِسلام کے لئے نیا دروازہ کُھل گیا۔

آپ نے جو گیارہ سردار مقرر کیے ان کے نام یہ ہیں:-

(۱) خالدبن ولید (۲) عکرمہ بن ابی جہل (۳) شرجیل بن حسنہ (۴) مہاجر بن ابی امیہ (۵) حذیفہ بن محسن (۶) عرفجہ بن ہرثمہ (۷) سوید بن مقرن (۸) علاء بن الحضرمی (۹) طریفہ بن حاجز (۱۰) عمرو بن عاص (۱۱) خالد بن سعید ۔۔۔۔ مجاہدین کے ان دستوں کی روانگی سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین کے نام ایک عام پیغام بھیجا۔ اِس پیغام میں انھیں فتنہ و فساد سے باز آنے اور اِسلامی برادری میں دوبارہ داخل ہونے کی دعوت دی اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اِس دعوت کو قبول کر لیں گے تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ فوج کے سپہ سالاروں کے نام آپ نے یہ ہدایت نامہ جاری کیا:-

"میں مجاہدین اسلام کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ ہر حال میں خُدا سے ڈریں۔ حکمِ خداوندی کی تعمیل میں پوری کوشش کریں۔ جو لوگ حلقہ اِسلام سے نکل کر شیطان کے جال میں پھنس گئے ہیں

ان کے ساتھ جہاد کریں۔ لیکن تلوار اُٹھانے سے پہلے اُنھیں اسلام کا پیغام پہنچائیں اور ان پر حجت پوری کر دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو فوراً ہاتھ روک لیں۔ لیکن اگر انکار کریں تو ان پر حملہ کر دیں۔ یہاں تک کہ وہ کفر سے باز آئیں۔ مرتدین جب دوبارہ اسلام میں داخل ہوں تو اسلامی فوج کا سردار اُنھیں آگاہ کر دے کہ ان کے ذمّہ اسلام کے کیا کیا فرائض ہیں اور مسلمانوں پر ان کے کیا کیا حقوق ہیں۔ ان کے فرائض کو ان سے پورا کرایا جائے اور ان کے حقوق ان کو ادا کئے جائیں۔ امیرِ لشکر اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور فساد سے روکے، دُشمنوں کی بستی میں اندھا دُھند نہ گھُس جائے۔ خوب دیکھ بھال کر کے داخل ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچ جائے سردارِ فوج کوچ اور قیام کی حالت میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ میانہ روی اور نرمی کا برتاؤ کرے ان کی دیکھ بھال رکھے۔ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے اور گفتگو میں نرمی اختیار کرے۔"

اس عزمِ صدیقی اور دانشِ حکیمانہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ طلیحہ (بنی اسد کا جھوٹا نبی) نے توبہ کی۔ مالک بن نویرہ (مرتد) قتل ہُوا۔ مسیلمہ کذاب قتل ہوا۔ اسود عنسی قتل ہُوا اور دینِ حق کا غلبہ واضح ہو گیا۔

فتوحات۔ ابتدا محرم ۱۲ھ میں حضرت صدیقِ اکبرؓ نے خالدؓ بن ولید کو اسلامی فتوحات کا سنگِ بنیاد نصب کرنے کے لئے مہماتِ عراق پر روانہ کیا۔ خالدؓ بن ولید نے اسلامی قاعدہ کے مطابق سرحدِ عراق کے حاکم ہرمز کو خط لکھا:۔

"اسلام قبول کرلو، محفوظ رہو گے۔ اگر اس سے انکار ہے تو ذمّی بن جاؤ اور جزیہ دینا قبول کرو۔ ورنہ تمھیں اپنے ہی آپ کو ملامت کرنا پڑے گی۔ کیونکہ میں تمھارے مقابلے پر ایک ایسی قوم کو لا رہا ہوں جو موت کی ایسی ہی عاشق ہے۔ جیسے تم زندگی کے۔"

یہ اسلامی فتوحات کا آغاز تھا۔ جنگ ابلہ، جنگ قارن، جنگ دلجہ، جنگ لیس کے بعد حیرہ۔ انبار و عین التمر۔ دومۃ الجندل اور فراض میں خالدؓ بن ولید نے یکے بعد دیگرے فتوحات حاصل کیں اور خلیفہ اسلام ابوبکر صدیقؓ کے بہادر جرنیل خالدؓ بن ولید نے حقِ اسلام ادا کر کے سیف اللہ کے لقب کو سچا کر دکھایا۔

صدیقِ اکبرؓ نے سردارانِ لشکر کو یہ فتوحات حاصل کرنے کے لئے جو نصیحتیں فرمائیں وہ اسلامی جہاد کی سچی تصویر پیش کرتی ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

۱۔ ہر حال میں خدا سے ڈرنا۔ وہ باطن کو بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ظاہر کو
۲۔ اپنے ماتحتوں سے اچھا سلوک کرنا اور ان کے ساتھ بھلا برتاؤ کرنا۔

۳ - جب اُنھیں نصیحت کرو تو مختصر کرنا، کیونکہ جب بات لمبی ہوتی ہے تو اُس کا ایک حصّہ دُوسرے کو بھلا دیتا ہے۔

۴ - پہلے اپنے نفس کی اِصلاح کرنا، دُوسرے خُود بخود اِصلاح پذیر ہو جائیں گے۔

۵ - جب تمھارے پاس دُشمن کے سفیر آئیں تو ان کی عزّت کرنا۔

۶ - اپنے بھید کو چھُپانا تاکہ تمھارا انتظام درہم برہم نہ ہو۔

۷ - ہمیشہ سچّی بات کہنا تاکہ صحیح مشورہ ملے۔

۸ - رات کو اپنے ساتھیوں کی مجلس میں بیٹھنا تاکہ تمھیں ہر قسم کی خبریں معلوم ہوں۔

۹ - لشکر میں پہرہ چوکی کا عمدہ انتظام کرنا۔ کبھی کبھی اچانک پہنچ کر پہرہ داروں کے کام کی نگرانی بھی کرتے رہنا۔

۱۰ - جھُوٹوں کی صحبت سے بچنا، سچّے اور وفادار ساتھیوں کی صحبت اختیار کرنا۔

۱۱ - جن سے ملو اخلاص سے ملو، اور بُزدلی اور خیانت سے بچو۔

۱۲ - تم کچھ لوگوں کو دیکھو گے کہ دُنیا سے بے تعلق اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے ہیں۔ اِن سے ہرگز نہ اُلجھنا اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔

بیماری اور وفات - ۷ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو حضرت ابوبکرؓ بخار میں مبتلا ہوئے۔ پندرہ روز تک برابر بخار کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کی شام کو ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک میں رسُول اللہؐ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی خلافت کی مُدّت دو سال تین مہینے دس روز ہُوئی۔ وفات کے وقت آپ نے وصیّت فرمائی کہ میری زمین فروخت کر کے وہ روپیہ ادا کر دیا جائے جو میں نے وظیفہ خلافت کی صُورت میں وصول کیا ہے چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ (خلافت کا بار اُٹھانے سے پہلے حضرت ابُوبکرؓ ایک کامیاب کاروبار کے مالک تھے۔ مگر جب خلافت کی ذمہ داریاں عائد ہُوئیں تو فکرِ معاش کے لئے وقت نہ مل سکا۔ صحابہ کرامؓ نے مشورہ کر کے چھ ہزار درم سالانہ (تقریباً ۱۲۸ اگنی مصری) وظیفہ مقرر کر دیا۔ (محاضرات الخضری - ج ۱ ص ۲۹۳)

کفن کے متعلق فرمایا کہ جو کپڑا اس وقت میرے بدن پر ہے۔ اسی کو دھو کر اس میں کفنا دینا" حضرت عائشہؓ نے کہا "ابا جان! یہ تو پُرانا ہے"۔ آپ نے جواب دیا: میرے لئے یہی پھٹا پُرانا کافی ہے

آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے چند دُوسرے اکابر صحابہؓ کے ساتھ بیت المال کا جائزہ لیا۔ وہاں صرف ایک دینار پایا گیا۔ جب بیتُ المال کے خزانچی سے پوچھا گیا کہ شروع سے اب تک خزانۂ خلافت میں کتنا روپیہ داخل ہوا ہوگا؟ تو اس نے جواب دیا "دو لاکھ دینار" حضرت ابوبکرؓ کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ آئے فوراً تقسیم کر دیا جائے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مُطابق آپ مال جمع رکھنا پسند نہ فرماتے تھے۔

حضرت صدیقِ اکبرؓ کی نصیحت جو آپ نے حضرتِ عمرؓ کو خلافت کے لئے نامزد کرتے ہُوئے فرمائی یہ تھی :-

اسماء بنت عُمیس (حضرت ابُوبکرؓ کی بیوی) سے روایت ہے کہ صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا۔
"میں اپنے پیچھے جو عظیمُ الشّان ذمہ داری چھوڑ کے جا رہا ہوں اس کو سامنے رکھ کر میں نے تُم کو خلیفہ نامزد کیا ہے۔ تم نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اُٹھائی ہے اور دیکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اپنی ذات اور اپنے بیوی بچّوں پر ہم کو ترجیح دیتے تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے بخشے ہوئے عطیوں کے حصّہ میں سے ہم حضورؐ ہی کے بیوی بچّوں کو ہدیئے بھیجتے تھے اور تم نے میری بھی صحبت اُٹھائی ہے اور یہ دیکھا ہے کہ میں نے اپنے پیشرو کی کس طرح پیروی کی ہے —— خُدا کی قسم! میں غافل ہو کے نہیں سویا کہ مجھے خواب نظر آئے اور نہ میں نے ہوا میں قلعے بنائے کہ میں بھٹکتا۔ میں سیدھے راستہ پہ قائم رہا۔ اس سے کج نہیں ہُوا۔ اور سب سے پہلی چیز جس سے اے عمرؓ! میں تم کو ڈراتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر نفس کی ایک خاص طرح کی خواہش ہوتی ہے۔ اگر اس کی وہ خواہش پوری کر دی جاتی ہے۔ تو پھر وہ دُوسری کے لئے پاؤں پھیلاتا ہے —— رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے اُن لوگوں سے ہوشیار رہنا جن کے پیٹ طرح طرح کے ارمانوں سے پھُولے ہُوئے ہیں اور جن کے دماغ اونچی اونچی فضاؤں میں پرواز کر رہے ہیں۔ اور جن میں سے ہر شخص اپنی بلندی کا خواہاں ہے۔ ان ہی میں سے ایک کی لغزش کی وجہ سے ان کو سخت حیرانی اور سرگشتگی پیش آنے والی ہے۔

پس خبردار! تمُ وہ شخص نہ بننا اور اس بات کو خوُب یاد رکھو کہ جب تک تم اللہ سے ڈرتے رہو گے۔ یہ لوگ تم سے ڈرتے رہیں گے اور جب تک تم سیدھے راستہ پر رہو گے یہ لوگ تمہارے لئے سیدھے رہیں گے"۔
(کتاب الخراج قاضی ابُویوسف ۲۰۶)

عہد صدیقی اور عہدِ فاروقی میں کسی موازنے کی ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔ عہد فاروقی عہد صدیقی کا تکملہ ہے۔ مگر دونوں اکابر اسلام کی سیرت کی صحیح تصویر ایک واقعہ سے زیادہ اور کہیں نہیں ملتی جو خود سرورِ کونین کی زندگی میں پیش آیا — وہ واقعہ یہ ہے۔

اسیرانِ بدر کے سلسلہ میں حضورؐ نے اپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر انھیں آزاد کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ ان کی گردن مار دی جائے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر مسلمانوں کے سامنے ان دو شخصیتوں کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔

" ابو بکر فرشتوں میں میکائیل کی مثال ہیں جو اللہ کی طرف سے رحمت اور معافی لے کر اُترتا ہے اور انبیاء میں ابراہیمؑ کی مثال ہیں جو قوم کے لئے شہد سے زیادہ شیریں اور نرم تھے۔ ان کی قوم نے انھیں آگ میں ڈال دیا تو بھی انھوں نے بس یہی کہا تھا

● " افسوس ہے تم پر اور تمہارے غیر اللہ معبودوں پر۔ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ کیا تم نہیں سمجھتے "؟ ———— (القرآن) اور فرمایا۔

● " جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے۔ اور جس نے میری نافرمانی کی تو اے اللہ! تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے "۔ ———— (القرآن) یا پھر عیسیٰؑ کی جنھوں نے فرمایا۔

● " اگر انھیں عذاب دے گا تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر انھیں معاف کر دے گا تو اے اللہ تو غالب اور حکمت والا ہے۔ (القرآن) اور

عُمرؓ فرشتوں میں جبرئیل علیہ السّلام کی مثال ہیں جو اللہ کے دُشمنوں پر غضب اور قہر لے کر نازل ہوتا ہے اور انبیاء میں نوحؑ کی جنھوں نے کہا تھا۔

" اے پروردگار! کافروں کا روئے زمین پر سے نام ونشان مٹا دے "۔ (القرآن)

یا پھر مُوسیٰؑ کی جنھوں نے بددُعا دی تھی۔

" اے پروردگار! ان کے مالوں کو ہلاک کر دے اور ان کے دلوں پر سختی فرما۔ وہ جب تک دردناک عذاب نہیں دیکھیں گے۔ ایمان نہیں لائیں گے "۔ (القرآن)

یہ ہے ارشادِ نبویؐ ان دو عظیم المرتبت انسانوں کے متعلق جو تاریخ اسلام میں صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کے ناموں سے موسُوم ہیں۔

اہل تصوّف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تصوّف کے پیشرو اور اربابِ مشاہدہ کے سردار مانتے ہیں اور حضرت عمرؓ کو اہل مجاہدہ کے پیشوا جانتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ابتداء سے انتہا تک سوائے تسلیم امر حق کے کوئی دُوسری راہ اختیار نہیں کی۔ وآخر دعوانا ان الحمدُ للہِ ربّ العالمین۔

فاروق اعظمؓ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ښ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ (سورۃ الفتح آیت : ۲۹)

ترجمہ : محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں سخت ہیں۔ کفار پر رحم دل ہیں آپس میں۔ تو دیکھے گا انھیں کہ رکوع اور سجود کر رہے ہیں۔ تلاش کرتے ہیں فضل اللہ کا اور اس کی خوشنودی۔ ان کی شناخت ہے، ان کے چہروں میں نشان سجدوں کا۔ یہی ان کا وصف ہے توراۃ میں اور یہی ان کا وصف ہے انجیل میں۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد مسلمانوں کی امانت حضرت عمرؓ کو اس وقت سونپی گئی جب حضرت ابوبکرؓ فتنہ ارتداد کو ختم کر کے اسلامی فوجوں کو عراق اور شام کی سرحدوں اور ایران اور روم کی طاقتوں کے مقابلے میں لے آئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دس سال کی مختصر مدت میں اسلامی سلطنت کو یہاں تک وسعت دی کہ عراق اور شام کلیتہً مسلمانوں کے قبضہ میں تھے، اور اسلامی سلطنت کی حدود مشرق میں چین، مغرب میں افریقہ، شمال میں بحیرۂ قزوین اور جنوب میں سوڈان تک وسیع ہوگئی اور ایران و مصر پر بھی اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔

حالاتِ زندگی۔ آپ کا نام عمرؓ ہے ابوحفص کنیت فاروق لقب ہے، والد کا نام خطاب ہے اور والدہ کا نام ختمہ۔ آپ عدی بن کعب کی اولاد میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرہ بن کعب کی۔ یوں آپ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ کا خاندان عرب میں بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔ قریش کی سفارت اور ان کے باہمی جھگڑوں میں ثالثی کی خدمت انھی خاندان سے متعلق تھی۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بارہ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ نے فنِ سپہ گری اور فنِ تقریر

میں مہارت حاصل کی اور ابھی جوانی کا آغاز ہی تھا کہ آپ کی جرأت و شجاعت کی دھاک سارے عرب میں بیٹھ گئی۔ پھر آپ نے تجارت کے سلسلہ میں دُور دُور کے ملکوں کا سفر کیا تو دُور بینی، وسیع النظری اور تجربہ کاری کے اوصاف بھی پیدا ہو گئے۔

آپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ کی وادی میں اللہ کے نام کی صدا بلند کی۔ حضرت عمرؓ کو یہ آواز پسند نہ آئی۔ انھوں نے اس آواز کو بند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ کے اسلام قبول کرنے کی کئی روایات ہیں۔ دو روایتیں جو حضرت عمرؓ کے قبول اسلام اور ان کی شرافتِ نفس پر دلالت کرتی ہیں یہ ہیں:۔

اب جب حضورؐ نے مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا تو حضرت عمرؓ کو صدمہ ہُوا۔ اُمّ عبداللہؓ بنت ابی حشمہ کہتی ہیں۔ بخدا جب ہم حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو عمر ابن خطاب آئے اور میرے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہ ابھی تک اپنے شرک پر قائم تھے اور ہمیں ان کی ذات سے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا: اُمّ عبداللہ جانا یقینی ہے؟" میں نے کہا۔" ہاں قسم بخدا! ہم ضرور اللہ کی زمین میں نکل جائیں گے۔ تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا ہے۔ ہم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ اب اللہ نے راہِ نجات پیدا کر دی ہے" بولے ــــ "اللہ تمھارے ساتھ ہو!" جیسی رقت اس وقت میں نے ان پر طاری دیکھی کبھی نہ دیکھی تھی.....

رسولِ اکرمؐ اپنے صحابہ کے ساتھ ارقمؓ کے مکان میں اقامت فرما تھے اور عمرؓ شمشیر بدست گھر سے نکلے۔ راستہ میں نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ انھوں نے پوچھا" کہاں۔ بولے ـ "محمدؐ کا قصہ پاک کرنے جا رہا ہوں"۔ نعیم نے کہا "پہلے اپنے گھر والوں کی خبر لو۔ پھر ان سے نمٹ لینا۔" عمرؓ نے پوچھا۔ "میرے گھر والے کون؟" نعیم نے جواب دیا۔ "تمھارے بہنوئی اور چچا زاد بھائی سعیدؓ بن زید اور تمھاری بہن فاطمہ بنت خطاب دونوں مسلمان ہو چکے ہیں"۔ حضرت عمرؓ سیدھے اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ اُس وقت حضرت خبابؓ بن الارت ہاتھ میں قرآن پاک کے اجزاء لیے سعیدؓ اور فاطمہؓ کو سورہ طٰہٰ پڑھا رہے تھے۔ عمر کی آہٹ پا کر خبابؓ ایک کوٹھری میں چھپ گئے اور قرآن پاک کے اجزاء فاطمہؓ نے چھپا لیے۔ حضرت عمرؓ نے خبابؓ کی آواز سُن لی تھی۔ گھر میں آتے ہی کہنے لگے "یہ کیا ہو رہا ہے؟" فاطمہؓ نے کہا۔ "کچھ نہیں"۔ ـــ بولے۔ "بخدا کی قسم مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں نے محمدؐ کا دین قبول کر لیا ہے۔ یہ کہہ کر سعیدؓ بن زید پر جھپٹ پڑے۔ بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لیے اُٹھیں تو انھیں اتنا مارا کہ لہو لہان کر دیا۔ جب

نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو وہ دونوں بولے ـــــــ "ہاں ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں"۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کے جسم سے خون بہتے دیکھا تو اپنی زیادتی پر نادم ہوئے۔ بہن کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور کہا ـــــــ "لاؤ مجھے دکھاؤ جو ابھی تم پڑھ رہے تھے۔ دیکھوں تو سہی محمدؐ کیا لایا ہے؟" بہن نے کہا "ہمیں ڈر لگتا ہے کہ تم اس کلام پاک کی بے حرمتی کر دو گے"۔ بولے "ڈرو نہیں اور دیوتاؤں کی قسم کھائی کہ پڑھ کر واپس کر دوں گا"۔ فاطمہؓ نے وہ اجزا دیئے تو پڑھ کر بولے۔ "کتنا حسین اور کتنا بزرگ ہے یہ کلام! اُن کی زبان سے یہ الفاظ سن کر خبابؓ کوٹھڑی سے نکل آئے اور کہا: "خدا کی قسم"۔ اے عمر! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے تمہیں نبیؐ کی دعوت کے لئے منتخب کیا ہے۔ میں نے کل حضورؐ کو یہ دعا مانگتے سنا تھا ـــــــ "الٰہی! اسلام کو عمرو ابن ہشام یا عمر ابنِ خطاب کے ذریعے عزت دے"۔ اے عمر! خدا بہر حال خدا ہے"۔ حضرت عمرؓ نے خبابؓ سے کہا ـــــــ "خباب! میری رہنمائی کرو کہ میں اسلام لے آؤں۔ حضرت عمرؓ اقامت گاہِ نبویؐ پر پہنچے۔ دستک دی۔ ایک صحابیؓ نے اطلاع دی۔ "یا رسول اللہؐ! عمر ہاتھ میں تلوار لئے کھڑا ہے"، حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب نے فرمایا: "آنے دو، اگر نیک ارادے سے آیا ہے تو بہتر، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن اُڑا دی جائے گی۔ حضورؐ نے فرمایا: "آنے دو"۔ آئے تو حضورؐ نے پوچھا ـــــــ "ابن خطاب! تم کس ارادے سے آئے ہو؟" جواب ملا۔ "یا رسول اللہؐ! میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ خدا اُس کے رسولؐ اور اُس کی وحی پر ایمان لے آؤں۔ حضورؐ نے بلند آواز سے کہا۔ "اللہ اکبر" جس سے صحابہؓ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ ایمان لے آئے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ تاریخ اسلام میں ایک خطِ امتیاز کھینچ دیتا ہے۔ کفر کی یہ بجلی جب اسلام کی تلوار بن گئی تو مکہ کے ضعیف اور کمزور مسلمانوں کو بڑی طاقت حاصل ہوئی۔ اب تک مسلمان چھپ چھپ کر اپنے دینی فرائض ادا کرتے تھے بلکہ اسلام کو بھی چھپاتے تھے مگر حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کافروں کو جمع کر کے اسلام کا اعلان کیا کہ اب کعبہ میں نماز ادا کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ کی خواہش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی دو صفوں کو لے کر جن میں سے ایک کے قائد حضرت عمرؓ تھے اور دوسری کے حضرت حمزہؓ، کعبہ میں تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا ہوئی ـــــــ (سیرت ابن ہشام و شہر الاسلام ج ۲ ص ۱۷۸ بحوالہ ابن سعد)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ جب سے عمرؓ نے اسلام قبول کیا ہم بالادست ہو گئے۔ (صحیح بخاری)

ہجرت ۔ نبوت کے تیرھویں سال جب مُسلمانوں کو مکہ سے مدینہ ہجرت کی اجازت ہوئی تو حضرت عمرؓ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا۔ عام طور پر مُسلمان کافروں کے شر سے بچنے کے لیے خاموشی کے ساتھ یہ سفر کر رہے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ نے اسے پسند نہ کیا۔ آپ نے اپنے بدن پر ہتھیار سجائے اور پھر کافروں کے مجمع میں سے گزرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے۔ وہاں بڑے اطمینان سے طواف کیا اور نماز ادا کی۔ پھر بلند آواز سے اعلان کیا۔ "میں مدینہ جا رہا ہوں۔ جسے اپنی ماں کو اپنے غم میں رُلانا ہو وہ اس وادی کے پار مجھ سے مقابلہ کرے"۔ مگر کافروں میں سے کسی کو آپ سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور آپ بخیریت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ (محاضرات خضری ج ۱ ص ۲۹۷)

رفاقت سرورِ کونینؐ ۔ بدر سے تبوک تک تمام غزوات میں آپ رسول اکرمؐ کے پہلو بہ پہلو لڑے۔ جنگِ بدر میں کافروں کے تقریباً ستر آدمی مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کافر قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ فطرتاً رحم دل تھے انھوں نے رائے دی کہ جزیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس رائے سے سختی کے ساتھ اختلاف کیا۔ اُنھوں نے کہا ان کافروں کو جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، قتل کر دینا چاہیئے۔ قتل میں بھی اُنھوں نے یہ صُورت تجویز کی کہ ہر شخص اپنے ہاتھ سے اپنے عزیز کو قتل کرے۔ رحمۃ للعالمینؐ کو صدیق اکبرؓ کی رائے پسند آئی۔ مگر وحی الٰہی نے فاروقؓ کی رائے کی تائید کی۔ **غزوۂ احد** میں جب حکم رسولؐ کی مخالفت کی وجہ سے مُسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور رسولِ اکرمؐ کافروں کے نرغے میں آگئے تو فاروقِ اعظمؓ کے پائے ثبات کو ایک لمحہ کے لئے بھی لغزش نہ ہوئی۔ جب رسول اللہؐ اپنے فدائیوں کی ایک جماعت کے ساتھ پہاڑ کے درّہ پر چڑھے اور خالد بن ولیدؓ نے (جو اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) فوج کے ایک دستہ کے ساتھ آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت فاروقِ اعظمؓ ہی آگے بڑھے اور چند ساتھیوں کے ساتھ کافروں کو دھکیل دیا۔ ابوسُفیان نے لڑائی ختم ہو جانے کے بعد چیخ کر کہا کہ محمدؐ زندہ ہیں؟ حضورؐ نے اپنے ساتھیوں کو جواب دینے سے روک دیا۔ ابوسفیان نے کہا۔ "تو کیا ابوبکرؓ و عمرؓ زندہ ہیں؟" مگر اب کے جواب نہ پایا تو چلا کر کہا۔ "ضرور محمدؐ اور اس کے دوست مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا اور آپ نے پکار کر کہا۔ "اے دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں"۔ پھر جب ابوسفیان نے "اُعْلُ ھُبَل" کا نعرہ لگایا تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ "اللہ اَعلیٰ وَ اَجَلّ"۔

جنگ خندق میں جب کافروں اور یہودیوں کے سیلاب نے مدینہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو رسول اکرمؐ نے خندق تیار کرائی تو آپ نے کچھ جانباز صحابہؓ کو خندق کی حفاظت کے لئے متعین کیا تاکہ اس سیلاب کو خندق کے پار نہ آنے دیں۔ ان جانبازوں میں حضرتِ عمرؓ بھی تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب شرائطِ صلح لکھی جانے لگیں تو ان میں ایک شرط یہ بھی تھی۔ "دورانِ صلح میں اگر قریش کا کوئی آدمی مسلمانوں میں چلا جائے تو مسلمان اسے واپس بھیج دیں لیکن مسلمانوں کا کوئی آدمی قریش میں آجائے تو وہ اسے روک سکتے ہیں۔" حضرتِ فاروقؓ یہ شرط برداشت نہ کر سکے۔ آپ رسول اکرمؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! جب آپ خدا کے سچے رسول ہیں تو ایسی شرط قبول کر کے ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں؟ حضورؐ نے جواب دیا۔ "اے عمرؓ! بیشک میں خدا کا سچا رسول ہوں۔ لیکن جو کچھ کر رہا ہوں وہ بھی خدا کے حکم سے کر رہا ہوں۔" حضرت عمرؓ کا اندازِ گفتگو سراسر غیرتِ دینی کی وجہ سے تھا۔ مگر آپ کو سخت ندامت ہوئی اور اس کا کفارہ ادا کیا۔

فتح مکہ کے بعد جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جاہ و جلال کے ساتھ حرم میں داخل ہوئے اور کافروں کے لئے امنِ عام کا اعلان کیا تو لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقہ امن و سلام میں داخل ہونے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو مردوں سے بیعت لی اور عورتوں کی بیعت کے لئے حضرت فاروقؓ کو اپنا قائم مقام تجویز کیا۔

غزوہ تبوک کے موقع پر جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قیصرِ روم مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہا ہے تو مسلمانوں میں ہراس پھیل گیا۔ ادھر تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کے پاس پیٹ بھرنے کو بھی نہ تھا اور ادھر دنیا کی سب سے بڑی طاقت سے ٹکرانے کا معاملہ تھا۔ حضورؐ کی اپیل پر عمرِ فاروقؓ نے اپنے نصف مال کو حضورؐ کے قدموں میں لا ڈالا۔

عشقِ رسالت۔ ۱۱ھ ہجری میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنے پاس بلا لیا اور حضورؐ کی وفات سے جاں نثاروں کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی تو سب اس سے پریشان تھے۔ مگر عمر فاروقؓ کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔ آپ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور اعلان فرمایا کہ جو شخص کہے گا کہ حضورؐ وفات پا گئے اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے اور انھوں نے نصِ قرآنی سے حضرت عمرؓ کے خیال کی تردید کی۔ تب آپ نے تلوار نیام میں داخل کی۔

خلیفہ اوّل کی رفاقت ۔ عہدِ صدیقی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شروع ہی سے صدیق رضی اللہ عنہ کے مشیر و معین رہے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت کی گتھی آپ ہی کے دستِ تدبیر سے سلجھی۔ سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو لشکرِ اُسامہ کے ساتھ جانے سے روک لیا تھا۔ تاکہ مہماتِ خلافت میں آپ کی امداد کریں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے جس قدر اہم کام انجام دیئے سب فاروقِ اعظم کے مشورہ اور امداد سے انجام دیئے۔ قانونِ اسلامی کی بُنیاد قرآنِ کریم کی جمع و ترتیب آپ ہی کی رائے سے عمل میں آئی۔ فصلِ مقدمات جو خلافت کی ذمہ داریوں میں سے ایک بڑی ذمہ داری ہے آپ سے متعلق رہی۔

آغازِ خلافت ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ (۲۲ اگست ۶۳۲ء) کو بعد غروب آفتاب وفات پائی۔ تدفین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر شامل تھے۔ وفات سے قبل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، سعید بن زید، اُسید بن حضیر اور دوسرے مہاجرین و انصار سے مشورہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بڑی حد تک مسلمانوں کو متفق کر لیا تھا۔ اور ادنیٰ خدشۂ تفریق کو دُور کرنے کے لیے مرض الموت میں بالاخانے پر تشریف لے جا کر یہ اعلان کر دیا تھا۔

"لوگو! کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں ولی عہد مقرر کروں؟" خدا کی قسم! میں نے غور و فکر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اپنے کسی قرابت دار کو یہ منصب نہیں دیا۔ میں عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ میرا کہنا سُنو اور مانو!"

لوگوں نے کہا ـــــــ "ہم نے سُنا اور مانا ـــــــ"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چُننے کے متعلق جو عہد نامہ تحریر فرمایا وہ یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ عہد نامہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بن قحافہ کی آخری زندگی کا ہے، جب کہ وہ دُنیا سے سفر کر رہا ہے اور آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ ایسی ساعت ہے کہ جس میں کافر بھی مومن اور فاجر بھی عقیدت مند اور جھوٹا بھی سچا ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہارے واسطے عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ لہٰذا اِن کی بات مانو اور ان کی اطاعت کرو۔ اس امر میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت نیز اپنی ذات اور خود تمہاری بہتری کی میں نے پوری کوشش کی ہے اگر وہ عدل کریں تو ان کی نسبت میرا یہی گمان اور یہی علم ہے۔ اگر اس کے خلاف کریں تو ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ میری نیت خیر خواہی کی ہے۔ باقی میں غیب نہیں جانتا۔

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو بلایا اور وصیت کی۔

پہلا خطبہ۔ حضرت عمرؓ ۲۴ جمادی الاخری ۱۳ھ کو صبح مسجد نبویؐ میں تشریف لائے اور لوگوں نے بیعت کی۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہوئے۔ اس سیڑھی سے ایک سیڑھی نیچے جہاں صدیق اکبرؓ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ پہلے انھوں نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے فضائل و مناقب بیان کر کے فرمایا:۔

"لوگو! میں تم میں سے ایک انسان ہوں۔ اگر مجھے خلیفہ رسول اللہؐ کی حکم عدولی گوارا ہو سکتی تو میں ہرگز یہ ذمہ داری قبول نہ کرتا ـــــ پھر آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا:۔

"یا اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم کر ــــ یا اللہ میں کمزور ہوں مجھے طاقت دے، یا اللہ میں بخیل ہوں مجھے سخی بنا" ـــــ پھر تھوڑی دیر خاموش ہو گئے اور جب مجمع پر سکوت چھا گیا تو فرمایا ـــــ "اللہ نے میرے دو رفقاء کے بعد مجھے تم میں باقی چھوڑ کر میرے ساتھ تمہیں اور تمہارے ساتھ مجھے آزمایا ہے۔ خدا کی قسم! تمہارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا میرے سوا کوئی اسے طے نہ کرے گا اور جو میری نگاہوں سے دور ہوگا، اس میں بھی تا حدِ امکان ثقات و امانت کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔ اگر لوگوں نے میرے ساتھ بھلائی کی تو میں بھی یقیناً اُن کے ساتھ بھلائی کروں گا اور اگر وہ بُرائی کے ساتھ پیش آئے تو میں ضرور انھیں عبرت ناک سزا دوں گا۔"

پھر فرمایا:۔

"عرب کی مثال اُس اونٹ کی سی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہو۔ اُس کے رہنما کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ وہ اسے کدھر لئے جا رہا ہے۔ میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تم کو سیدھے راستے پر ہی لے کر چلوں گا۔"

مہمات۔ آپ کی خلافت کے دوران میں فتح عراق کی مہم تکمیل کو پہنچی، اس میں معرکہ نمارق، معرکہ کسکر، معرکہ مروحہ، معرکہ بویب قابل ذکر ہیں۔ جنگ قادسیہ کا آپ نے خاص طور پر اہتمام کیا اور سعد ابن ابی وقاص کو خود جنگی ہدایات بھیجتے رہے۔ قادسیہ فتح ہو[illegible] مدائن قصر ابیض فتح ہوئے اور اس کے بعد معرکہ جلولا، معرکہ تکریت، فتح اہواز، فتح رامہرمز و تستر اور فتح نہاوند نے عہد فاروقی کا سکہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد ایران میں ہمدان، طبرستان، اصفہان

آذربائیجان، باب، خراسان، کرمان، سجستان اور مکران یکے بعد دیگرے فتح ہوئے۔ فتح دمشق میں کئی معرکوں نے جنم لیا۔ جن میں یہ قابلِ ذکر ہیں۔ معرکہ فحل، معرکہ مرج روم، فتح حمص اور فتح قنسرین مشہور ہیں۔ فتح بیت المقدس کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے شام کا پہلا سفر کیا اور امیر المومنین نے اہلِ قدس کو اِس تاریخی عہد نامہ پر دستخط کر کے امان دی۔ یہ عہد نامہ تاریخ اِسلام کی اہم دستاویز ہے۔ (اتمام الوفا بحوالہ طبری ص۱۲۶)

خاندانِ فاروقؓ ۔ قبل اسلام حضرت عمرؓ نے زینب بنت مظعون سے جو خاندان بنی جمح سے تھیں شادی کی۔ ان کے بطن سے عبداللہ، عبدالرحمٰن اکبر اور ام المومنین حفصہؓ پیدا ہوئیں۔ یہ بیوی مسلمان ہو گئی تھیں۔ قبل اسلام ہی ملیکہ بنت جرول خزاعیہ، قریبہ بنت ابی امیہ مخزومیہ سے شادی کی۔ لیکن ان دونوں کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے طلاق دے دی۔ ملیکہ کے بطن سے عبیداللہ پیدا ہوئے۔ پھر مدینہ میں ام حکیم بنت حارث بن ہشام مخزومیہ سے شادی کی۔ ان سے فاطمہ پیدا ہوئیں۔ جمیلہ بنت قیس انصاریہ سے شادی کی۔ ان سے عاصم پیدا ہوئے۔ ان کو بھی آپ نے طلاق دے دی۔ ام کلثوم بنت علی سے شادی کی۔ ان سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے لہنیہ علینہ سے شادی کی۔ ان سے عبدالرحمٰن اصغر پیدا ہوئے۔ پھر عاتکہ بنت زید سے شادی کی —— جن صاحبزادوں سے اولاد کا سلسلہ چلا وہ عبداللہ، عبیداللہ اور عاصم ہیں۔

شہادت ۔ مغیرہ بن شعبہ کے ایک ایرانی غلام ابولولو نے ۲۴ ذوالحجہ ۲۳ھ کو صبح کی نماز کے وقت آپ کو زخمی کر دیا۔ اور آپ ۲۷ ذوالحجہ ۲۳ھ بدھ کی رات کو شہید کی موت سے اپنے محبوبِ حق سے جا ملے۔ آپ کی عمر اپنے دونوں رفقاء اعلیٰ کی طرح ۶۳ سال کی ہوئی۔ آپ کی مدتِ خلافت دس سال چھ مہینے چار دن ہے۔

عالمِ نزع میں آپ نے عبداللہ بن عمر سے فرمایا —— "بیٹا! میری پیشانی زمین سے لگا دو۔ عبداللہ نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ زمین پر سر رکھ کر فرمانے لگے —— "اے خدا! مجھے اپنی مغفرت سے ڈھانپ لے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو افسوس مجھ پر اور افسوس میری ماں پر جس کے بطن سے میں پیدا ہوا اُس کے بعد جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی —— اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آپ ہی کے متعلق پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ۔

ترجمہ : حق تعالیٰ عمر کی زبان پہ کلام کرتا ہے۔

درگاہ رب العزت میں آپ کے تمام افعال مقبول تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے ابتدائے اسلام کے زمانے میں جبریلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا،

یَا مُحَمَّدُ قَدْ اِسْتَبْشَرَ اَهْلُ السَّمَاءِ بِاِسْلَامِ عُمَرَؓ

ترجمہ : اے محمدؐ! آج آسمان والوں نے عمرؓ کے اسلام لانے پر خوشی کا اظہار کیا۔

عثمانؓ ابنِ عفّان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ صلے وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ قف (سورۃ الفتح : ۲۹)

ترجمہ : محمدؐ اللہ کے رسول اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں سخت ہیں کفار پر، رحم دل ہیں آپس میں۔ تو دیکھے گا انھیں کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں۔ تلاش کرتے ہیں فضل اللہ کا اور اس کی خوشنودی ان کی شناخت ہے ان کے چہروں پر نشان سجدوں کا۔ یہی ان کا وصف ہے توراۃ میں اور یہی ان کا وصف ہے انجیل میں۔

یوم عثمانؓ منانے کے موقع پر ہمیں نہ صرف خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ ابن عفان کی پاکیزہ سیرت (جس کے نمایاں پہلو ان کی حیا، خوش خلقی، تقویٰ، کرم اور تواضع تھے) کی یاد تازہ کر کے ان کی پیروی کرنا چاہیئے۔ بلکہ اُن کے اُن روشن ترین کارناموں کو ملحوظ رکھ کر جس کے باعث تاریخ اسلام میں ان کا نام نامی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ملت کی تاریخ میں ایک نئے باب اور دَور کا اضافہ کرنا چاہیئے تاکہ ہم اپنی عظمت رفتہ کو پھر سے حاصل کر سکیں۔

حضرت عثمان غنیؓ بالعموم جامع القرآن، اور ایک سخی کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ حیا خوش خلقی نرمی کی حد تک اُن سے منسوب ہے گو یہ تمام اوصاف اپنی جگہ پر اُن کی بلند سیرت کے نہایت درخشاں گوہر ہیں۔ لیکن عام طور پر اُن کے اُن مجاہدانہ کارناموں کو وہ پوری پوری اور مناسب اہمیت دے کر پیش نہیں کیا جاتا جن سے کہ آج کی ملتِ اسلامیہ واقف ہو کر ہر قسم کی ترقی اور کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔

حضرت عثمانؓ نے فتوحات اسلامی کے ذریعہ مملکتِ اسلامیہ کی حدود کو وہ بے پناہ وسعتیں

دیں کہ ایک طرف تو اس کے ڈانڈے وسط ایشیا سے جا ملے اور دوسری طرف بحیرۂ رُوم کے پار۔ تمام شمالی افریقہ کو زیرِ نگیں لے آئے۔ یہ شاندار فتوحات اُن کی اُس دُور رس پالیسی اور اقدام کے سامنے دھندلا کے رہ جاتی ہیں جو اُنھوں نے تاریخ اسلام میں پہلی بار بحری بیڑے کی بنیاد رکھ کر ملتِ اسلامیہ کو آنے والی صدیوں تک کے لیے سمندروں پر غلبہ اور تسلط دلا دیا۔ جس کے ذریعے نہ صرف اشاعت اسلام ہی عمل میں آئی بلکہ دُنیا کی اقتصادی اور تجارتی ترقی کی راہیں بھی کشادہ ہوگئیں۔ انہی کی اس بنیادی حکمت عملی نے روئے زمین کے دُور افتادہ علاقوں میں نورِ اسلام کی روشنی پہنچانے کا انتظام کیا۔ اسلامی بحری بیڑے کا قیام ہی وُہ بنیادی کوشش تھی جو آگے چل کر مسلمانوں کی ہر قسم کی بحری سرگرمیوں کو عروج پر پہنچانے کا باعث بنی۔

جناب عثمان رض کی تعمیری سرگرمیاں صرف بحری بیڑے اور مُلکی فتوحات تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ آپ نے مسجد نبوی کو توسیع اور تعمیر کے ذریعے ملت کی شیرازہ بندی کے لیے ایک ایسا عظیم الشان مرکز بنا دیا جس کے ذریعے اسلامی معاشرے میں مسجد کو وُہ مقام حاصل ہو گیا جو دُنیا کے دُوسرے معابد اور کلیساؤں کو حاصل نہ ہو سکا تھا۔

آج ملتِ اسلامیہ پاکستان کو اگر صحیح معنوں میں زندہ رہنا اور ترقی کرنا مقصود ہے تو ہمیں اپنی بحری، بری اور فضائی قوت میں وہی مجاہدانہ رُوح پیدا کرنا ہوگی۔ جس کی بنیاد حضرت عثمان غنی رض نے آج سے چودہ سو سال پہلے رکھی تھی۔ ہمیں اپنی مساجد کو بھی وُہی صحیح اسلامی مقام دینا ہوگا جس کے ذریعے وہ ہماری ملی تحریکوں کا منبع و مرکز بن سکیں۔

نام عثمان رض کنیت زمانۂ جاہلیت میں ابوعمرو تھی۔ مگر اسلام لانے کے بعد اس کنیت کو بدل کر ابوعبداللہ کر دیا گیا۔

سلسلۂ نسب

جناب عثمان رض خاندانِ قریش کے قبیلہ بنی اُمیہ سے تھے۔ ماں کی طرف سے چوتھی اور باپ کی طرف سے پانچویں پشت میں آپ کا سلسلۂ نسب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے اور آپ کی ولادت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پانچ سال بعد ہُوئی اور یہ فخر جنابِ عثمان رض ہی کو حاصل ہے کہ آپ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے حضور صلعم کی دو صاحبزادیاں، حضرت رقیہ رض اور حضرت اُم کلثوم رض آئیں اور اِسی نسبت سے آپ ذوالنورین کہلائے۔

خاندانی وجاہت :

جنابِ عثمانؓ ایک متموّل گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ اور آپ کے خاندان کے لوگ کپڑے کے بہت بڑے بڑے تاجر تھے۔ جس کے باعث آپ کو مختلف اوقات میں کئی دوسرے ملکوں میں بھی جانا پڑا تھا۔ ایک امیر گھرانے کے فرد ہونے کی حیثیت سے آپ نے مروّجہ تعلیم بھی حاصل کی تھی اور بڑے ناز و نعم میں پلے تھے۔

عثمانؓ کا اسلام سے پہلے کا اعلیٰ کردار اور بیعتِ اسلام :

جنابِ عثمانؓ شروع سے ہی مشرکانہ رسوم، شراب نوشی اور قمار بازی سے متنفر تھے۔ حالانکہ اُس زمانے کا ہر امیر نوجوان ان بُرائیوں میں حصّہ لینا اپنی امارت کا ایک امتیازی نشان سمجھتا تھا۔ جن ایام میں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ جنابِ عثمانؓ اپنے کاروبار کے سلسلے میں مکّے سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر جب اِس اعلان کا علم ہُوا تو جنابِ صدیق اکبرؓ سے ملے اور حقیقتِ حال کے متعلق استفسار کیا۔ جنابِ صدیق اکبرؓ سے آپ کے دیرینہ تعلقات تھے۔ چنانچہ صدیقِ اکبرؓ آپ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور آپ نے پہلی ہی صحبت میں اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا۔

جنابِ عثمانؓ گو خود ایک متموّل آدمی تھے اور آپ کا کاروبار بھی ہر قسم کے دباؤ سے آزاد تھا۔ لیکن اس پر بھی آپ کے چچا حکم بن ابی العاص کو آپ کا اسلام لانا بُرا معلوم ہُوا اور آپ پر طرح طرح کی سختیاں روا رکھیں۔ پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قسم قسم کی اذیتیں دی گئیں۔ مگر آپ نے اسلام کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ آخر چچا بھی تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ کیا تو یہ کیا کہ آپ کو زنجیریں کاٹ کر گھر سے نکال دیا۔ چنانچہ آپ یہاں سے سیدھے جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور دین و دُنیا کی سعادتیں سمیٹنے لگے۔

اب مسلمانوں پر کفار کے مظالم کی انتہا نہ تھی۔ لونڈی غلام تو اُن کے بس میں تھے ہی، آزاد اور با اختیار لوگ بھی اُن کے جور و ظلم کی آہنی گرفت سے آزاد نہ تھے۔ چنانچہ صدیقِ اکبرؓ اور عثمان غنیؓ جیسے حضرات ان خدا ناترس لوگوں کے ہاتھوں بے بس تھے۔

جنابِ عثمانؓ اور ہجرتِ حبشہ :

آخر ان سختیوں اور عذابوں میں مسلمانوں کو بے بس دیکھ کر سرکارِ دو عالمؐ نے انھیں حبشہ کی طرف

ہجرت کر جانے کی اجازت فرما دی۔ چنانچہ مہاجرین کے سب سے پہلے قافلے کے سردار جناب عثمانؓ ہی تھے۔ اس ہجرت میں آپ کے ساتھ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ جناب رسالت مآب صلعم کی صاحبزادی بھی تھیں۔ مہاجرین کے اس سب سے پہلے قافلے میں بارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت عثمانؓ ابن عفان
(۲) جناب رقیہؓ بنت رسول خدا صلعم
(۳) حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ
(۴) حضرت سہلہؓ بنت سہیل زوجہ جناب ابو حذیفہؓ
(۵) حضرت زبیرؓ بن العوام
(۶) حضرت مصعبؓ بن عمیر
(۷) حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف
(۸) حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الاسد
(۹) حضرت ام سلمہؓ زوجہ حضرت ابو سلمہؓ بنت ابو امیہ
(۱۰) حضرت عثمان بن مظعون جمحی
(۱۱) حضرت عامرؓ بن ربیعہ
(۱۲) حضرت لیلیٰؓ بنت ابی حشمہ، زوجہ حضرت عامرؓ بن ربیعہ
(۱۳) حضرت ابو سبرہؓ بن ابی رہم
(۱۴) حضرت ابو حاطبؓ بن عمرو
(۱۵) حضرت سہیل بن بیضا۔
(۱۶) حضرت عبداللہؓ بن مسعود

مہاجرین کے اس قافلے نے ماہ رجب ۵ھ میں مکہ چھوڑا اور جب بندرگاہ پر پہنچے تو دو جہاز حبشہ کے لئے تیار مل گئے۔ چنانچہ یہ تمام حضرات بہت سستے کرایہ پر سوار کر لئے گئے اور جہازوں نے لنگر اٹھا دیئے۔ قریش بھی تعاقب میں بندرگاہ تک پہنچے لیکن اب وقت گذر چکا تھا۔

حبشہ میں جناب عثمانؓ پانچ سال تک رہے۔ وہاں آپ کے ہاں ایک لڑکا بھی ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا اور اسی لئے آپ کی کنیت ابو عبداللہ پڑ گئی۔ اسی اثنا میں اطلاع ملی کہ مسلمانوں اور قریش میں صلح ہو گئی ہے۔ چنانچہ مسلمان جو گھروں کو جانے کے لئے بیقرار تھے، حبشہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ مگر کچھ دور چل کر معلوم ہوا کہ یہ محض افواہ تھی۔ اس پر سارا قافلہ تو واپس حبشہ کو ہی لوٹ گیا۔ مگر حضرت عثمانؓ معہ زوجہ محترمہ مکہ میں واپس تشریف لے آئے اور اپنے گھر میں مقیم ہو گئے۔

جناب عثمانؓ کی ہجرت ثانیہ :

ابھی واپس آئے کچھ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ آپ مع اپنی زوجہ محترمہ جنابہ رقیہؓ کے مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے۔

عثمانؓ کا رشتہ مواخاۃ :

مدینہ پہنچنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی وہاں تشریف لے آئے اور اوسؓ بن ثابت انصاری سے آپ کا رشتہ مواخاۃ قائم کرا دیا۔ یہاں کی آب وہوا کی ناموافقت کے باعث حضرت رقیہؓ بیمار ہوگئیں اور بدر کی فتح کے روز انتقال کر گئیں۔ جناب عثمانؓ حضرت رقیہؓ کی بیماری کی وجہ سے ہی جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ مگر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے آپ کو بھی حصہ دلایا، اور دو سال بعد اپنی دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثومؓ سے آنحضرت صلعم نے آپ کا نکاح فرما دیا۔

عثمانؓ اور بیعت رضوان :

صلح حدیبیہ کے سلسلے میں جب آپ مکہ کے قریش کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے تو یہ افواہ اُڑ گئی کہ آپ شہید کر دیئے گئے تو آنحضرت صلعم کو بے حد رنج ہوا اور ایک درخت کے نیچے تمام حاضر مسلمانوں سے بیعت لی گئی جسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔ چونکہ اس وقت جناب عثمان کی شہادت کی پوری پوری تصدیق نہیں ہو سکی تھی۔ اس لئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے اور اِس طرح میں عثمانؓ سے بھی بیعت لیتا ہوں۔

جناب عثمانؓ کا ایثار :

غزوہ تبوک کے موقع پر جناب عثمانؓ نے ایک ہزار اونٹ جن میں سے سو اناج سے لدے ہوئے تھے، پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد خدمت اقدس میں پیش کئے۔ اس موقعہ پر آنحضرت صلعم نے آپ کے حق میں دُعا فرمائی۔

۹ سنہ ہجری میں جناب عثمانؓ کی دوسری زوجہ محترمہ حضرت اُمِ کلثومؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہ نفسِ نفیس نماز جنازہ پڑھائی اور تجہیز و تکفین کی۔

جناب عثمانؓ کاتب وحی:

جناب عثمانؓ کاتبانِ وحی میں سے بھی تھے اور جو کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا تھا۔ اس کو حفظ بھی کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کلام مجید کے پہلے حافظ تھے۔

جناب عثمانؓ مشیرِ خلافت کی حیثیت میں:

جناب صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے خلافت کے زمانے میں آپ ان دونوں حضرات کے خاص مشیروں اور معتمدوں میں شریک رہے۔ تمام سیاسی اور مذہبی امور میں یہ دونوں خلفائے رسول صلعم جناب عثمانؓ کے مشوروں کی نہایت قدر کیا کرتے تھے۔ لیکن کبر سنی کی وجہ سے کسی جنگی مہم میں شرکت نہ فرما سکے۔ باوجود امارت اور تمول کے آپ نہایت سادہ لباس پہنتے اور سادہ کھانا کھاتے۔

مرحلہ انتخاب:

جناب عمرؓ نے انتقال سے پہلے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہؓ، اور حضرت زبیرؓ کو اپنے میں سے کسی ایک کو ان کی وفات سے تین دن کے اندر اندر خلیفہ مقرر کرنے کے متعلق وصیت فرما دی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے کفن دفن سے فارغ ہو کر یہ چھیوں حضرات مسور بن مخترمہ کے مکان پر آئے۔ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہنے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا کہ ہم میں سے کون حق خلافت سے دست بردار ہوتا ہے تاکہ اُسے خلیفہ کے نامزد کرنے کا اختیار دے دیا جائے؟ اس پر اور تو سب خاموش رہے مگر عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے خود ہی فرمایا۔ "میں اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہوں"۔ اس پر جناب عثمانؓ نے فرمایا کہ آپ کا فیصلہ مجھے منظور ہوگا۔ دوسرے حضرات نے بھی اس کی تائید کی۔ مگر حضرت علیؓ خاموش رہے۔ جب اُن سے خاموشی کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اس بات کا عہد کرو۔ کہ خلافت کا فیصلہ بلا رد و رعایت خدا ترسی اور ملت کی فلاح کے پیش نظر کیا جائے گا"۔
عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے فرمایا کہ "آپ اس بات کا اقرار کریں کہ آپ میرے فیصلے کو منظور کریں گے اور جو نہ مانے گا اس کے مقابلے میں مری مدد کریں گے۔ نیز میں اقرار کرتا ہوں کہ میرا فیصلہ محض خُدا ترسی اور اُمت کی خیر خواہی کی بنا پر ہی ہوگا"۔ اس کے بعد یہ مختصر سی مجلس برخواست ہوگئی اور تین دن اور تین رات کے مشوروں کے بعد معلوم ہوا کہ اکثریت جناب

عثمانؓ کی خلافت پر متفق ہے اور چند لوگ حضرت علیؓ کی خلافت کے حق میں بھی ہیں۔
جب تین دن کی مدت ختم ہوگئی تو حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے جناب زبیرؓ کو بُلا کر فرمایا کہ خلافت بنی عبدمناف کے دونوں بیٹوں عثمانؓ اور علیؓ کے حوالے کردو۔ چنانچہ وُہ حضرت علیؓ کے حق میں دست کش ہو گئے۔ پھر سعد بن ابی وقاصؓ سے کہا کہ "تم اپنا حق میرے سپرد کردو"۔ انھوں نے کہا کہ اگر آپ خود خلیفہ بننا چاہتے ہیں تو خوشی سے اور اگر عثمانؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو میں ان پر علی کو ترجیح دیتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا کہ "میں تو خلافت سے دست بردار ہو چکا ہوں"۔ حضرت طلحہؓ ان دنوں مدینہ سے باہر تھے اِس لیے اُن سے مشورہ نہ ہو سکا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت علیؓ کو بُلا کر اُن سے بات چیت کی۔ پھر حضرت عثمانؓ کو کو بُلا کر اُن سے باتیں کیں۔ صبح کی نماز کے بعد مہاجرینؓ، انصارؓ اور دیگر اہل الرائے مسجد میں جمع ہو گئے۔ ان کے علاوہ مخلوق کا ایک بے پناہ ہجوم اس فیصلے کے سُننے کا منتظر تھا۔ جب مختلف لوگوں نے رائیں دینا شروع کیں تو سعدؓ نے کہا۔ "عبدالرحمٰن! معاملے کو جلد طے کرو ایسا نہ ہو کہ کوئی اور فتنہ کھڑا ہو جائے"۔ آپ نے فرمایا۔ "میں نے خوب غور کر لیا اور ہر گروہ کے لوگوں سے مشورہ کر لیا۔ چنانچہ اب میں اپنا فیصلہ دیتا ہوں"۔ یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کو بُلایا، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کو درمیان میں لا کر عہد کرو کہ کتاب و سُنّت اور شیخین کے طریقے پر چلو گے"۔ جب اُنھوں نے اقرار کر لیا تو عبدالرحمٰنؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کے بعد باقی سب حضرات نے بیعت کر لی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا انتخاب یکم محرم ۲۴ھ مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ء کو ہوا۔

عثمانی فتوحات:

آپ کی خلافت کو مشکل ۶ ماہ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ اہل ہمدان اور رے نے بغاوتیں کر دیں جنھیں مغیرہؓ بن شعبہ اور ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرو کر دیا۔
مصری بغاوت کو عمرو بن العاصؓ نے رفع کیا۔۔۔ آذربائیجان اور آرمینیا آپ کے رضاعی بھائی ولیدؓ بن عقبہ نے فتح کیے۔ ارمینیا کی فتح میں بہت سا مال و زر مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ایک لشکر طبرستان کی فتح کے لیے بھیجا گیا۔ اس لشکر کے سالار سعیدؓ ابن عاص تھے۔ جن کے ساتھ جناب حسنؓ اور جناب حسینؓ پہلی مرتبہ شریکِ جہاد ہوئے تھے۔ چنانچہ طبرستان کے لوگ

صلح کے لئے مجبور ہو گئے۔

فارس کی بغاوت:

فارس کے لوگوں نے امیر عبداللہؓ کے خلاف بغاوت کر کے انھیں قتل کر ڈالا۔ اِس پر عبداللہ بن عامرؓ کو ان کی تادیب کے لئے مقرر کیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے اس بغاوت کو فرو کیا اس لڑائی میں ایران کا آخری تاجدار یزد گرد مارا گیا۔ اور ایران کے ساسانی خاندان کا خاتمہ ہو گیا ــــ بغاوت کا یہ سلسلہ سندھ تک پہنچ گیا تھا۔ مگر ابن عامرؓ نے نہایت دانائی اور بہادری سے ان سب کا خاتمہ کر دیا۔

رُوم پر چڑھائی اور بحری بیڑے کی تعمیر:

امیر معاویہؓ نے رُوم پر چڑھائی کی اور ایک مضبوط سلطنت کی بنیاد رکھی۔ امیر معاویہؓ نے رُومیوں کو جگہ جگہ شکستیں دے کر اُن کی طاقت کو توڑ ڈالا۔ رُومیوں کے پاس چونکہ ایک مضبوط بحری بیڑا بھی تھا جس کی مدد سے وہ اکثر مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر بھاگ جایا کرتے تھے چنانچہ اِس کمی کو محسوس کرتے ہوئے بحری بیڑا تیار کیا گیا۔ اور یہ اسلامی دُنیا میں سب سے پہلی اسلامی بحری قوت تھی جو جناب عثمانؓ کے عہد میں حضرت امیر معاویہؓ نے قائم کی، جس میں صرف انہی مسلمانوں کو بھرتی کیا جاتا تھا جو خوشی سے بھرتی ہونا چاہتے تھے۔

جزیرہ قبرص پر بحری حملہ:

اِس بیڑے نے سب سے پہلے ۲۸ ھ میں قبرص پر حملہ کیا جس میں بہت سے صحابہؓ بھی شریک تھے۔ عبداللہ بن سعدؓ سپہ سالار مصر بھی مدد کو پہنچ گئے۔ قبرصیوں نے اِن شرائط پر صلح کر لی کہ وہ سات ہزار دینار ہر سال مسلمانوں کو ادا کرتے رہیں گے۔ اور اسی قدر رقم وہ رومیوں کو بھی دیں گے جس پر مسلمان مزاحم نہیں ہوں گے۔ نیز اگر کوئی غیر طاقت قبرص پر حملہ کرے تو مُسلمان قبرصیوں کی مدد کے لئے مجبور نہ ہوں گے اور اگر رومی مسلمانوں پر حملہ کریں تو قبرصی انھیں رُومیوں کے اِرادوں سے مطلع کرتے رہیں گے اور اسلامی فوجوں کو جزیرے میں سے گذرنے کا حق ہو گا۔

اسکندریہ پر قبضہ:

اِس بحری بیڑے نے رُومیوں سے کئی لڑائیاں لڑیں۔ بحری فوج کے دو حصے تھے ایک سردیوں میں مصروفِ جنگ رہتا تو دُوسرا گرمیوں میں ــــ عبداللہ بن قیس حارثیؓ امیر البحر تھے۔

اسکندریہ کے رومیوں نے مصری قبطیوں سے ساز باز کر کے ہرقل سے امداد طلب کی۔ اُس نے ایک زبردست بحری فوج بھیجی۔ مگر عمروؓ بن العاص نے انھیں زبردست شکست دیکر اسکندریہ کی فصیل توڑ ڈالی اور شہر پر قبضہ کر لیا۔

شمالی افریقہ کی فتح :

عبداللہ بن سعدؓ کو ۲۵ھ میں افریقہ کی فتح کے لیئے دربارِ خلافت کی طرف سے مامور کیا گیا۔ عبداللہ ابنِ سعدؓ کے مقابلے میں رومیوں کو کئی شکستیں ہوئیں۔ عبداللہ ابنِ سعدؓ کی درخواست پر صحابہؓ کے مشورے سے ۲۶ھ ہجری میں جو پہلی کمک بھیجی گئی اُس میں جناب حسن اور جناب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شریک تھے

برقہ سے آگے بڑھے تو پوپ گریگوری اپنی نہایت حسین بیٹی فلپانا کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ پر آگیا۔ جس نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص مسلمان سپہ سالار ابن سعدؓ کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اس سے وُہ اپنی بیٹی فلپانا کا نکاح کر دے گا۔ اس پر اسلامی سلارون نے فیصلہ کر دیا کہ ابن سعدؓ میدانِ جنگ میں نہ جائیں ـــــ رومیوں اور مسلمانوں میں جنگیں جاری تھیں کہ عبداللہ ابن زبیر ایک دستہ فوج کے ساتھ کمک لے کر پہنچ گئے اور آتے ہی اعلان کر دیا کہ جو شخص گریگوری کا سر کاٹ کر لائے گا فلپانا اُسی کی ہوگی اور مزید ایک لاکھ دینار انعام پائے گا ـــــ اور یعقوبہ کا والی بنا دیا جائے گا۔

چنانچہ اس اعلان کے بعد کئی روز تک عیسائیوں اور مسلمانوں میں خونریز جنگیں ہوتی رہیں آخر ایک دن گریگوری عبداللہؓ ابن زبیرؓ کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس کی فوج شکست کھا کر بھاگ گئی اور فلپانا عبداللہ ابن زبیر کے نکاح میں آئی۔ اس جنگ میں بے شمار زر و مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

حضرت عثمانؓ کا حج :

۲۹ھ ہجری میں جناب عثمانؓ حج کے لیئے بیت اللہ تشریف لے گئے۔ اِس سفر میں خوب چہل پہل اور رونق تھی اور یہ حج بڑی شان و شوکت کے ساتھ ادا ہوا۔

دوسری بحری جنگ :

۳۰ھ ہجری میں قیصرِ روم نے چھ سو کشتیوں کے ایک بیڑے کے ساتھ مصر پر حملہ کیا۔ شام سے امیر معاویہؓ اپنی بحری فوج کے ساتھ ابنِ سعدؓ کی مدد کو پہنچے مسلمانوں نے اپنی کشتیوں

کو ایک دُوسرے سے باندھ دیا تھا۔ چنانچہ خوب گھمسان کا رن پڑا۔ رُومیوں کو شکست ہُوئی اور اُن کی بہت سی کشتیاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں جس سے ان کی بحری قوت میں خوب اضافہ ہُوا۔

اُندلس کی فتح:

۲۷ سنہ ہجری میں عبداللہ بن نافع نے اُندلس کو فتح کیا۔

مختلف بغاوتیں اور اُن کا دبایا جانا:

۳۲ سنہ ہجری میں سنجر، جیلان، جرجان، خراسان، طبسین، ہرات، بادغیس اور قہستان کے لوگوں نے بغاوتیں کر دیں۔ مگر عبداللہ بن حازم نے باغی سردار قارون کو شکست دے کر اسے اس کے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ قتل کر دیا۔ پھر بلخ، جوزجان، طالقان، جوال، غور اور گرجستان کی شورشوں کو دبا دیا گیا اور اس طرح پورا خراسان کا علاقہ اسلامی خلافت کے زیرِ نگیں آگیا۔

انگوٹھی کا گم ہونا:

وُہ انگوٹھی جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس رہا کرتی تھی اور آپ کے بعد جناب صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کے پاس رہی تھی۔ اب جناب عثمانؓ کے پاس نشانِ خلافت کے طور پر تھی۔ ۳۰ سنہ ہجری میں یہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے کنوئیں (بئراریس) میں گر گئی اور سخت کوشش کے بعد بھی نہ ملی۔

داخلی فتنہ:

جناب فاروقِ اعظمؓ سردارانِ قریش کو مدینہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر یہ لوگ مدینہ سے باہر گئے تو ان کے جُدا جُدا حلقے بن جائیں گے اور اس طرح ان میں اختلافِ آرا پیدا ہو کر اسلامی مرکزیت کے لئے کسی خوفناک خطرے کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ آپ کے دُورِ خلافت میں اس پر سختی سے عملدرآمد ہوتا رہا اور کوئی قریش سردار سوائے چند ایک کے مدینہ منوّرہ سے باہر نہ جا سکا۔ مگر آپ کے بعد جناب عثمانؓ نے انھیں باہر جانے کی اجازت دے دی اور اس طرح وُہی خطرہ سامنے آگیا جس کی نشان دہی فاروقِ اعظمؓ کی دُور بیں نظریں پہلے ہی کر چکی تھیں۔ فتنہ نے پہلے کُوفہ، بصرہ اور مصر میں سر اُٹھایا۔ کُوفہ کے گورنر سعد ابن وقاص تھے۔ اُن کی معزولی کے بعد

ولیدؓ بن عقبہ کو گورنر بنایا گیا۔ مگر لوگ ان سے بھی مطمئن نہ تھے۔ ان کے خلاف بھی شکایتیں پہنچنے لگیں۔ انھیں موقوف کر کے سعیدؓ بن عاص کو مقرر کیا گیا۔

سعیدؓ نے دربارِ خلافت کو لکھا کہ جب تک فتنہ پردازوں کو شہر سے نکالا نہیں جائیگا۔ امن نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دس بارہ سرکش لوگوں کو پہلے شام اور پھر حمص بھیج دیا گیا۔ ان کے تائب ہونے پر جب دوبارہ انھیں کوفہ آنے کی اجازت دی گئی تو وہ پہلے کی طرح پھر سرکشی پہ آمادہ ہو گئے اور انھوں نے خود جناب عثمانؓ اور عمّال خلافت پر اعتراضات شروع کر دیئے۔ اب سعیدؓ کی جگہ ابوموسیٰ اشعری کو حاکمِ کوفہ بنایا گیا۔ جس پر اہلِ کوفہ کی سرکشی کچھ عرصے کے لیئے دب گئی۔

عبداللہ ابن سبا:

عبداللہ ابن سبا نامی ایک شخص بصرہ میں رہتا تھا، جو حقیقت میں صنعا کا ایک یہودی تھا۔ بظاہر یہ اپنے آپ کو مسلمان دکھلاتا تھا۔ مگر اسلام کا بدترین دشمن تھا اور چاہتا تھا کہ ان کی یک جہتی اور مرکزیت کو تباہ کر دے۔ چنانچہ اس نے اہلِ بیت کی محبت اور جناب عثمانؓ کی مخالفت میں مختلف قسم کے عناصر اور حالات سے فائدہ اٹھا کر ایک خفیہ سرکش جماعت کی تاسیس کی جس کے مراکز، بصرہ، کوفہ اور مصر میں تھے۔ اور تمام جگہوں سے ایک ہی قسم کے خیالات کی ترویج و اشاعت کے ذریعہ دنیائے اسلام کو موجودہ خلافت کے خلاف خوب بھڑکایا جا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس بات پر جی بھر کر زور دیا جاتا تھا کہ خلافت کا حق اہل بیت کے سوا اور کسی کو نہیں پہنچتا۔ جن کے سربراہ آج کل حضرت علیؓ ہیں۔ خاموشی مگر نہایت ہوشیاری کے ساتھ یہ زہر آہستہ آہستہ نہایت ہی مخلص مگر سادہ دل صحابہ میں بھی پھیلا دیا گیا۔ مگر کھلے طور پر حضرت علیؓ کو حق دار خلافت جتلا کر نہیں بلکہ مختلف جلیل القدر صحابہ کے اتلافِ حقوق کے غلط سلط الزام لگا کر۔ چنانچہ نتیجے کے طور پر بعض صحابہ بھی اس دامِ ہمرنگ زمین کا شکار ہو کر رہ گئے، اور اس مہیب اور دل ہلا دینے والے فتنے کے لیئے زمین ہموار ہو گئی، جس میں آج تک مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کے خون سے ہی تلواریں رنگین کرتے چلے آ رہے ہیں۔ عبداللہ ابن سبا کو بصرہ سے نکالا گیا۔ تو کوفہ چلا گیا۔ کوفہ سے دیس نکالا ملا تو مصر پہنچ گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے خوب پر پرزے نکالے۔

مصر میں محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ حضرت عثمانؓ کے سخت دشمن تھے۔ محمد بن ابی حذیفہ یتیم رہ گئے۔ تو حضرت عثمانؓ نے ان کی پرورش کی۔ بڑے ہونے پر خواہش ظاہر کی کہ مجھے کسی صوبے کا گورنر بنا دیا جائے۔ جناب عثمانؓ نے اس کو نا اہل پا کر انکار کر دیا تو یہ مصر چلے آئے اور آپ کے دشمن ہو گئے۔ محمد بن ابو بکر کی دشمنی بھی ذاتی ہی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اُن کے خلاف ایک مقدمے میں خلاف فیصلہ دیا تھا۔ سبائی جماعت نے انھیں بھی جھانسہ دیا اور مصر بلا لیا۔ عمار ابن یاسرؓ اور عباس بن عتبہ بن ابی لہب میں ایک دفعہ کسی بات پر سخت کلامی ہو گئی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے دونوں کو سزا دے دی۔ سبائی جماعت نے اس واقعہ سے بھی فائدہ اُٹھایا اور دونوں کو ساتھ ملا لیا۔

جب سبائی فتنہ خوب بڑھ رہا تھا اور لوگ اُس کے پھیلائے ہوئے اثرات سے متاثر ہوتے چلے جا رہے تھے تو حضرت عثمان نے تمام ممالک کے امراء کو حج کے موقع پر جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے پوچھا کہ "یہ کون لوگ ہیں جو اس قسم کی شورش پھیلا رہے ہیں؟" اس پر سعید بن عاص، عبداللہ بن سعدؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاص نے کہا کہ یہ ایک فتنہ پردازوں کا گروہ ہے اور ان کے ساتھ کسی قسم کا نرم برتاؤ روا نہ رکھا جائے۔ بلکہ ان کا فوراً اسی طرح قلع قمع کر دیا جائے جیسا کہ حضرت عمرؓ کر دیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنی طبعی نرم مزاجی کی وجہ سے اس جماعت اور اس کے سرغنہ لوگوں کے خلاف کچھ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا تو یہ کہا کہ آپ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر اس فتنے کو نرمی اور محبت سے دبانے کی کوشش کریں۔ اس پر امیر معاویہؓ نے رخصت ہوتے وقت عرض کیا کہ مناسب ہے کہ آپ میرے ہمراہ ملک شام میں چلے چلیں۔ وہاں آپ ہر طرح محفوظ ہوں گے اور اگر یہ منظور نہ ہو تو پھر میں شام سے ایک مضبوط دستہ فوج آپ کی حفاظت کے لئے بھیجے دیتا ہوں وہ آپ کی حفاظت اچھی طرح کرے گا۔ مگر آپ نے جوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنا کسی حالت میں بھی قبول نہ فرمایا اور شامی فوج کی تجویز یہ کہہ کر رد کر دی کہ اس طرح اہل مدینہ کو ناگوار گذرے گا۔

سبائیوں کے منصوبوں کی کامیابی :

جب اپنی حفاظت اور سبائی سازشوں کی روک کے لئے کسی سختی پسند تجویز کو آپ نے قبول نہ کیا تو معاندوں کے لئے راستہ بالکل صاف تھا۔ چنانچہ اب انھوں نے کھلے

بندوں مخالفت ہی نہیں بلکہ تمرّد اور سرکشی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ اور اب اُنھوں نے مختلف اطراف سے وفود کے بہانے غیر مسلح افراد کو مدینہ منورہ کی اطراف میں پہنچا دیا۔ اس پر آپ نے بڑے بڑے صحابہؓ سے مشورہ کیا جنھوں نے کہا کہ ان لوگوں پر ہرگز ہرگز رحم نہ کیا جائے۔ بلکہ قتل کرا دیا جائے۔ کیونکہ اِن کے ارادے فاسد اور نیتیں شر پر آمادہ ہیں۔ مگر آپ نے یہی جواب دیا کہ جب تک اِن سے کوئی ایسا صریح جرم سرزد نہ ہو کہ جس کی سزا شرعاً قتل ہو سکتی ہے میں انھیں کیسے قتل کرا دوں؟

اِدھر یہ ہو رہا تھا اُدھر بصرہ، کوفہ اور مصر کے باغی ہزاروں کی تعداد میں عمرہ کے بہانے سے مدینہ منورہ میں جمع ہوتے گئے۔ جن کا منشا حضرت عثمانؓ کے قتل کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور جن کا سردار وہی بدنام یہودی عبداللہ ابنِ سبا تھا۔

عمر بن الحکم اور حرقوس بن زُبیر اُس کے مددگار تھے اور ان سب نے حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر وہ اس سے پہلے خلافت کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اِس باغی جماعت کے نمائندے جناب زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور جناب علیؓ کے پاس باری باری پہنچے۔ مگر ان تینوں حضرات نے اُن کے عزائم مشئومہ سے آگاہ ہو کر اُن سے سخت بیزاری کا اظہار کیا اور انھیں دھتکار دیا۔ اور بظاہر یہ لوگ مدینہ منورہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد پھر واپس آ کر امیر المومنین کے مکان کے گرد گھیرا ڈال لیا اور اعلان کر دیا کہ جو شخص تلوار کو نیام میں کر لے گا اس کے لئے امان ہے۔

اب حضرت علیؓ ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم واپس کیوں لوٹ آئے تو مصریوں نے کہا کہ "ہمیں راستہ میں ایک خط ملا ہے جو خلیفہ نے مصر کے والی کے نام لکھا تھا کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو اُن کو قتل کر دیا جائے۔ ہم دوبارہ اس لئے آئے ہیں کہ خلیفہ سے پوچھیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔" جب کوفے اور بصرے والوں سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں واپس آئے، تو انھوں نے کہا کہ ہم اپنے مصری بھائیوں کی مدد کے لئے آئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمھارا راستہ تو بالکل دوسری طرف کو تھا۔ تین منزل جانے کے بعد تمھیں کیسے معلوم ہو گیا کہ مصریوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی ہوئی ہے اور آپ ان کی مدد کے لئے آ گئے۔ اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ اس پر جناب علیؓ نے فرمایا کہ "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمھارا بیان بالکل غلط ہے اور تم نے پہلے سے ہی کوئی سازش کر رکھی ہے" —— اِس پر کہنے لگے

کہ "آپ جو چاہیں سمجھیں ہمارے نزدیک اِس خلیفہ کا خُون بہانا جائز ہے بہتر تو یہ ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں"۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہرگز تمہارے ساتھ شریک ہونے کے لئے تیار نہیں۔ اب وہ کہنے لگے کہ آپ ہی نے تو ہمیں خط لکھ کر بُلوایا تھا۔ اب انکار کر رہے ہیں۔ جناب علیؓ نے تعجب سے پوچھا کہ "میں نے تمھیں بُلایا تھا؟ میں نے تو کبھی بھی تمھیں خط نہیں لکھا!" یہ دیکھ کر حضرت علیؓ مدینہ منورہ سے باہر چلے گئے۔

جب وہ خط حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ گواہی میں دو معتبر آدمی پیش کرو۔ ورنہ میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ خط لکھنا تو درکنار مجھے اس کا علم تک نہیں۔ مگر باغیوں نے امیر المومنین کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر انھوں نے خلافت سے دست برداری کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے اس مطالبہ کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ "خلافت کا جو جامہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پہنایا ہے اس کو میں خود نہیں اُتاروں گا"۔

چند دن تک تو آپ مسجد میں آکر نماز ادا کرتے رہے۔ لیکن آخر باغیوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور انھیں گھر میں ہی رہنے پر مجبور کر دیا۔

انہی حالات میں تھے کہ حج کے ایام آگئے اور آپ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو اپنی اس مجبوری کی حالت میں امیرِ حج مقرر کیا، اور اپنی حالت لکھ کر دی کہ مسلمانانِ مکہ کے سامنے بیان کر دی جائے۔

باغیوں کو جب اِس بات کا پتہ چلا تو ڈرے کہ کہیں مکہ والے آپ کی مدد کو نہ آجائیں۔ اور بات بگڑ کر نہ رہ جائے۔ تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس قصّہ کو جلد ختم کر دینا چاہیئے چنانچہ اُنھوں نے آپ کے گھر کے دروازے کو آگ لگا دی اور اس کو گرا کر اندر داخل ہو گئے اور کچھ لوگ مکان کی پُشت کی طرف سے اندر کود آئے اور جس حالت میں کہ آپ تلاوت میں مصروف تھے۔ ایک شقی ازلی نے آپ پر تلوار کا وار کیا جو جناب امیر المومنین کی فرمانبردار بیوی نائلہ کے ہاتھ پر پڑا جو آپ کو بچانے کے لئے آگے بڑھ آئی تھیں اور لفضہ ہتھیلی اُنگلیوں سمیت کٹ کر دُور جا پڑی۔ اِدھر دوسرے نے آپ کے سر پر تلوار ماری اور آپ نڈھال ہو کر گر پڑے۔ تیسرے نے آپ کا سر مُبارک تن سے جُدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

باغیوں نے ۲۲ روز تک آپ کے مکان کا محاصرہ کئے رکھا اور آپ ۱۸۔ ذی الحجہ ۳۵ھ۔ مُطابق ۲۱ مئی ۶۵۶ء کو شہید کئے گئے۔ اور جبیر بن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھا کر خفیہ

طور پر جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا۔

اخلاق و فضائل :

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، بڑے حلیم الطبع، باحیا اور انصاف دوست تھے۔ حُسنِ صورت، سیرت اور دانائی میں مشہور، نہایت سخی اور مخیّر۔ ابتدائے اسلام میں جب کبھی مالی امداد کی ضرورت پیش آئی آپ نے اللہ اور رسول کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تین دفعہ جنتی ہونے کی خوشخبری دی۔ ایک اُس وقت جب آپ نے مسجد نبوی کے اِرد گرد کی زمین خرید کر وقف کر دی۔ دوسری اس وقت جب میٹھے پانی کا کنواں ایک لاکھ روپے میں خرید کر وقف کر دیا۔ اور تیسری غزوۂ تبوک میں بے شمار روپیہ مال حضور صلعم کی خدمت میں پیش کرنے پر۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمانؓ سے اس درجہ محبت تھی کہ جب آپ کی دوسری صاحبزادی جناب اُمّ کلثومؓ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرے کوئی اور لڑکی شادی کے قابل اس وقت موجود ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان ابن عفان سے کر دیتا۔

اِسلام لانے والوں میں ایک روایت کے مطابق آپ کا پانچواں نمبر ہے۔ آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ میں دو دفعہ آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ صلح حدیبیہ میں اپنے ہاتھ کو جناب عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا۔ نماز جمعہ سے قبل اذان دینا آپ نے قائم کیا۔ اقامت کو آہستہ کہنا آپ ہی کے زمانے میں جاری ہُوا۔

تمام عمر کسی سے ایک پائی تنک نہیں لی۔ یہاں تک کہ زمانۂ خلافت میں بیت المال سے وظیفہ کے طور کچھ نہ لیا۔ آپ نے ہزاروں غلاموں کو آزاد کیا۔ مدینہ کی کوئی گلی ایسی نہ تھی جہاں آپ کا آزاد کیا ہُوا کوئی غلام چلتا پھرتا نظر نہ آتا ہو۔ آپ بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے۔ مہمانوں کو عمدہ عمدہ کھانے کھلاتے۔ مگر خود سرکہ اور زیتون ہی سالن کی جگہ استعمال فرماتے۔ شام کا کھانا یونہی برائے نام ہی ہوتا تھا۔ جب مدینہ منورہ میں قحط پڑا تو آپ نے اپنے خرچ پر ایک لنگر جاری کر دیا۔ یہاں سے لوگ مہینوں تک بلا دقت کھانا حاصل کرتے رہے۔

آپ نے ہمیشہ موٹے جھوٹے لباس میں ہی زندگی بسر کی۔ سفر میں ہوتے تو اپنے غلام کو بھی اپنے پیچھے بٹھا لیتے ـــــ ایثار، رحم دلی، غربا نوازی، عالی ظرفی، پاکبازی آپ کی سیرت کے وہ دلکش اور پیارے خدوخال ہیں جو رہتی دُنیا تک آفتاب و ماہتاب بن

کر جگمگاتے رہیں گے۔ اور سنو! تاریخ آپ کی زبان سے آپ کی زندگی کے آخری لمحوں میں ہمیں کیا سنوار رہی ہے:

"میں مسلمانوں میں وُہ پہلا شخص بننا نہیں چاہتا۔ جو اپنی ذات کے لئے مسلمانوں کا خُون بہائے!!"

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

علی اسد اللہ الغالب رضؓ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰىھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ۫ سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ ۚۖۛ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۟ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝

ترجمہ: محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں کفار پر رحم دل ہیں آپس میں تو دیکھے گا انہیں کہ رکوع سجود کر رہے ہیں۔ تلاش کرتے ہیں فضل اللہ کا اور اس کی خوشنودی ان کی شناخت ہے ان کے چہروں پر نشان سجدوں کا۔ یہی ان کا وصف ہے توراۃ میں اور یہی ان کا وصف ہے انجیل میں۔ مثل اس کھیتی کے جس نے نکالی اپنی کونپل پھر اس کو قوی کر دیا۔ پس وہ موٹی ہو گئی پھر خوب قائم ہو گئی اپنی ڈنڈی پر لگی خوش کرنے کسانوں کو تاکہ غصہ دلائے ان کی وجہ سے کفار کو۔ وعدہ کیا اللہ نے اُن سے جو ایمان لائے اور اُنہوں نے عمل نیک کئے ان میں سے بخشش اور اجرِ عظیم کا۔

دنیوی جاہ و عزت سے استغنا۔ اور حق و صداقت کے لئے ہر قسم کے عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس پر قائم رہنا خواہ اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی ہی کیوں نہ دینا پڑے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی سیرت کے دو درخشاں پہلو ہیں جنھیں اپنائے بغیر ملتِ اسلامیہ پاکستان اپنے کردار کو بلند نہیں کر سکتی۔ حصولِ منصب و جاہ آج ہمارے معاشرے کا ایک خوفناک ناسور بن چکا ہے، اور وہ اسلامی اقدار جن کی نظیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عملی زندگی کے ہر لمحے میں ملتی ہے۔ آج قطعی طور پر نظر انداز اور پامال ہو رہی ہیں۔ حق و صداقت کی بجائے مصلحت بینی، خواہ اس میں مظلوم کی بجائے ظالم کی اعانت ہی کیوں نہ ہوتی ہو، ہمارا شیوہ بن چکی ہے اور دنیوی رتبے کے چھن جانے کے خوف سے ہم ملمع سازی اور ریاکاری کے بودے اور ناپائیدار ذرائع کا سہارا لینے سے گریز نہیں کرتے۔

علم و عرفان کے سرچشمہ، حضرت علیؓ اسد اللہ الغالب کی سیرت آج ہمیں پکار پکار کر ان اقدار کے اختیار کرنے کی دعوت دے رہی ہے۔ جن کے تحت ہم پر واجب ہے کہ ہم ہمیشہ حق بات کہیں، ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنیں۔ حکم الٰہی کی تعمیل میں حق و صداقت پر جم جانے سے جان جائے تو جائے، مگر اصول نہ قربان ہو ——— اس پر عمل کئے بغیر ہمارے معاشرے کے لئے نہ کوئی راہِ نجات ہے، اور نہ ہی وہ اُن کھوئی ہوئی عظمتوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ جن کی مناسبت سے انسان، بالخصوص ملتِ اسلامیہ کو خلافتِ الٰہیہ سونپی گئی تھی۔

ابتدائی حالات

حضرت علی مرتضیٰؓ ہجرت سے اکیس سال پہلے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصلی نام علیؓ اور کنیت ابوالحسن، ابوتراب ہے۔ والدہ ماجدہ نے آپ کا نام حیدر رکھا جس کے معنی پھاڑنے والا شیر ہے۔ امین، شریف، مرتضیٰؓ، اسد اللہ، اور امیر المومنین آپ کے القاب ہیں۔

خاندانی اعتبار سے آپ دونوں طرف سے ہاشمی ہیں۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد بھی تھے۔ آپ کے والد کا نام ابوطالب بن عبدالمطلب ہے۔

حضرت علیؓ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہیں۔ اور اُن کا شجرۂ نسب بھی دوسری پشت میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی چچی جنابہ فاطمہ بنت اسد سے ایک والہانہ محبت تھی اور انھیں امّی امّی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

عرب کے عام رواج کے مطابق جناب علیؓ قبیلہ بنی ہلال کی ایک دایہ کے سپرد رہے۔ جس نے ڈیڑھ دو سال آپ کو دودھ پلایا۔ اور پرورش کی بعد ازاں آپ کو آپ کی والدہ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ بچپن سے ہی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علیؓ سے بے حد محبت تھی جو آخر دم تک قائم رہی اور آپ زوجِ بتول (فاطمۃ الزہراؓ) بنے۔

نبوت کے اعلان کے وقت جناب علیؓ کی عمر کوئی دس سال کی ہوگی، آپ نے اس عمر میں، نبوت کی پہلی صدا پر دعوتِ اسلام کو قبول کیا، اور بچوں میں سب سے پہلے مسلمان بچے کہلائے۔

رسولِ اکرمؐ نے ایک دفعہ سردارانِ قریش کو دعوت پر بُلایا۔ کھانے کے بعد جب حضور علیہ السلام نے انھیں یہ کہہ کر دعوتِ اسلام دی کہ "کون اسلام کو قبول کرتا ہے!" تو سب ایک دُوسرے کا مُنہ تکنے لگے اور بولا تو یہی اللہ کا پیارا شیر، اسد اللہ الغالب۔ کہ "یا رسول اللہؐ گو میں چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں بھی پتلی پتلی ہیں، مگر میں آپ کا ساتھ دوں گا!" اور پھر جس طرح اس عہد کو زندگی کے آخری سانس تک نبھایا وُہ آپ ہی کا حصّہ ہے۔

جناب ابی طالب کی وفات کے وقت حضرت علیؓ کی عمر بیس سال کی تھی اور آپ بھی رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرح مصائب و آلام اور جبر و ظلم کا شکار رہے مگر کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ ہجرت کے وقت آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بستر پر آپ ہی کی چادر اوڑھ کر سوئے جو ایک انتہائی جاں نثارانہ اور فدویانہ خدمت تھی اُدھر کفار تمام رات مکان کے گرد پہرہ دیتے رہے۔ اور اسی گمان میں فجر کر دی کہ جس وقت آنحضرت صلعم گھر سے نکلیں گے تو اُنھیں شہید کر دیں گے۔ مگر ہُوا یوں کہ حضور صلعم رات کے پچھلے حصے میں جبکہ نسیم کے نرم نرم جھونکے چل رہے تھے، اور پہرہ پر کے کُفار نیند کے آغوش میں جا چکے تھے چپکے چپکے گھر سے نکلے اور جناب صدیق کو ساتھ لے غارِ ثور میں جا پہنچے۔ جہاں سے تیسرے دن اپنی منزلِ مقصود، مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ھجرت:

حضرت علیؓ نے دُوسرے دن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وُہ تمام امانتیں اُن کے مالکوں کو واپس کر دیں۔ جن کے واپس کرنے کے لئے آپ پیچھے رہ گئے تھے اور پھر آپ بھی مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے اور قبا میں رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم سے آملے اور مسجدِ قبا کی تعمیر میں حصّہ لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اینٹ اور گارا لا لا کر دیتے تھے۔ اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے: لایستوی من یعمر المساجد یدأب فیہ قائماً وقاعداً ومن یری عن الغبار حائداً۔

ترجمہ: جو مسجد تعمیر کرتا ہے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس مشقت کو برداشت کرتا ہے اور وہ جو گرد و غبار کی وجہ سے اس سے جی چراتا ہے برابر نہیں ہو سکتے۔

غزوات میں شرکت:

مدینہ منورہ پہنچ کر مسلمانوں کو سب سے پہلی بدر کی جنگ ۲ ھجری میں لڑنا پڑی، جس میں مسلمان کل ۳۱۳ تھے اور کفار کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ جنگ شروع ہونے

سے پہلے اس زمانے کے عام قاعدے کے مطابق کفارِ قریش کی طرف سے تین نبرد آزما نکلے اور "ھل من مبارز" کا نعرہ لگایا۔ اس کے جواب میں تین انصاری نوجوان میدان میں آئے مگران قرشی الاصل سرداروں نے انہیں یہ کہہ کر واپس لوٹا دیا کہ ہم غیر کفو لوگوں سے نہیں لڑا کرتے ہمارے مقابلے کے لئے کوئی ہمارے ہی قبیلے قریش کے جوان آئیں تو ہم لڑیں گے۔ کفار قریش کی طرف سے مبارزت طلب کرنے والے یہ شخص عتبہ، ولید اور شیبہ تھے جن کے مقابلے کے لئے جناب حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ نکلے۔ جناب حمزہؓ اور علیؓ نے تو جاتے ہی اپنے حریفوں کو خاک و خون میں تڑپا دیا۔ مگر جناب عبیدہؓ کا حریف شیبہ غالب آتا نظر آرہا تھا کہ حضرت علیؓ نے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اس پر مشرکین نے عام حملہ کر دیا۔ ادھر مسلمان مجاہدین بھی نعرہ تکبیر کے ساتھ کفار کی صفوں میں گھس گئے اور صفوں کی صفیں تہ و بالا کر ڈالیں۔ شیرِ خدا اسد اللہی غیض و غضب کے ساتھ جس طرف بڑھتے کفار کا لشکر بھیڑ بکریوں کی طرح چھٹ کر رہ جاتا۔ صدیق اکبرؓ، امیر حمزہؓ، فاروق اعظمؓ، ابو عبیدہؓ بن الجراح اور دوسرے انصار اور مہاجر شیرانِ اسلام نے وہ وہ تہور انہ حملے کئے کہ کفار کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور ستر مقتول اور اتنے ہی قیدی دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مالِ غنیمت میں حضرت علیؓ کو ایک اونٹ، ایک تلوار اور ایک زرہ ملی۔ اس جنگ میں جناب عثمانؓ، سیدہ رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے۔ مگر حضور صلعم نے انہیں بھی مالِ غنیمت سے حصہ دلایا تھا۔

حضرت علیؓ کا عقد:

۲ھ میں ہی جناب شیرِ خدا کا عقد سیدہ خاتون جنت، بتول پاک، فاطمۃ الزہراؓ سے ہوا۔ عقد سے پہلے جناب سرورِ کون و مکاں صلعم نے آپ سے پوچھا کہ "مہر کے ادا کرنے کے لئے بھی کچھ ہے؟" بولے "ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا اور کچھ نہیں!" فرمایا "گھوڑا تو جہاد کے لئے ہے، البتہ زرہ فروخت کر دو!" چنانچہ زرہ کو لئے بازار میں چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے جناب عثمان غنیؓ آتے مل گئے۔ پوچھا "بھائی علیؓ کدھر کے ارادے ہیں"۔ جواب میں سب ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر جناب عثمانؓ نے زرہ کی قیمت ۴۸۰ درہم لگائی اور آپ کی منظوری پر وہ سب کے سب درہم اسی وقت جناب علیؓ کے حوالے کر دیئے۔ پھر کہنے لگے کہ "بھائی علیؓ ذرا اس زرہ کو پہن کر تو دکھاؤ۔ میں بھی تو دیکھوں یہ زرہ تمہارے بدن پر کیسی آتی ہے؟" جناب علیؓ نے زرہ پہن لی تو فرمانے لگے کہ "یہ زرہ میرے مقابلے میں تمہارے بدن پر زیادہ پھبتی

ہے۔ میں نے اسے تمہارے نام ہبہ کر دیا۔ اب یہ زرہ بھی تمہاری ہی ہے!"
نکاح سے گیارہ دن بعد رخصتی ہوئی، اس وقت تک جناب شیر خدا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ لیکن حضور صلعم کے ارشاد پر حارث بن النعمان کا مکان کرایہ پر لے لیا۔ اور آپ جناب بتول پاکؑ کے ساتھ وہاں اٹھ آئے۔

جہیز:

سیدہؑ کو جو جہیز ملا تھا اس کی سادگی ملاحظہ ہو۔ ایک پلنگ، ایک مینڈھے کی غیر دباغت شدہ کھال جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ اور یہ وہ چیزیں ہیں جن میں جناب فاطمۃ الزہراؑ کی زندگی تک کسی اور چیز کا اضافہ جناب علیؑ نہ فرما سکے۔

دعوت ولیمہ:

جناب شیر خدا کے پاس ایک اونٹ تھا کہ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے دعوت ولیمہ کا انصرام کر لیا جائے گا، مگر ہوا یوں کہ ایک دن جناب امیر حمزہؓ نے اس اونٹ کو ذبح کر کے اور اس کے کباب بنا کر خود کھائے اور اپنے احباب کو کھلائے۔ جناب علیؑ کو معلوم ہوا تو افسوس فرما کر خاموش ہو رہے۔ اب صرف آپ کے پاس زرہ کی بقایا رقم کے سوا اور کچھ نہیں رہ گیا۔ چنانچہ اسی رقم سے ولیمہ کی دعوت کا سامان مہیا کیا گیا۔ دعوت میں جو کھانے دیئے گئے وہ یہ تھے۔
(۱) کھجور (۲) جو کی روٹی (۳) پنیر (۴) اور ایک خاص قسم کا شوربا تھا۔ چنانچہ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ "اس زمانے میں اس سے بہتر ولیمہ کبھی نہیں ہوا تھا۔

غزوہ احد:

غزوہ احد کا معرکہ ۳ھ میں پیش آیا، اس میں کفار قریش کافی ساز و سامان اور جنگجوؤں کی تین ہزار سے زائد تعداد کے ساتھ جو بہترین ہتھیار اور ساز و سامان سے لیس تھی، حملہ آور ہوئے۔ ان کا سردار ابوسفیان تھا۔ پہلے حملے میں مسلمانوں نے نہایت پامردی سے مقابلہ کیا اور اپنے سے تین گنا فوج کو مار بھگایا۔ لیکن جونہی مسلمانوں نے میدان جنگ میں پھیلے ہوئے مال غنیمت کی طرف رخ کیا اور تیر اندازوں کی وہ جماعت بھی، جو درہ پر خالد بن ولید کے دستہ فوج کو روکنے کے لئے متعین کی گئی تھی اپنے فرض سے غافل ہو کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑی تو دشمن

کو موقع مل گیا اور اُس نے ایک جاں گسل حملہ کر کے مسلمانوں کو تتر بتر کر دیا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند خاص اور چیدہ رفقاء کے ساتھ رہ گئے۔ جن میں جناب مصعبؓ بن عمیر تو حضور صلعم کی حفاظت کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ حضور صلعم کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے اور آپ ایک گڑھے میں گر گئے۔ جناب طلحہؓ، جناب ابو دجانہؓ، جناب شیرِ خُدا اور دوسرے رُفقاء پروانہ وار حضورؐ کے گرد جمع ہو گئے اور کسی کو اپنی جان پر کھیل کر حضور صلعم تک نہ آنے دیا۔ جناب خاتون جنتؓ بھی اب پہنچ چکی تھیں۔ جنھوں نے حضورؐ کا زخم دھویا اور زخم میں ٹاٹ جلا کر بھر دیا۔ اس طرح خُون کا بہنا بند ہُوا۔ جناب شیرِ خُدا نے علم سنبھالا تو مشرکین کے علمبردار ابوسعد بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لیئے للکارا مگر آپ نے بڑھ کر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ فرشِ خاک پر گر کر تڑپنے لگا اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہو گیا۔ اس پر آپ نے اس پر رحم کھا کر چھوڑ دیا اور حضور صلعم کے پاس واپس آ گئے۔

بنو نضیر کی جلاوطنی :

غزوۂ اُحد کے بعد ۴ سنہ ہجری میں بنو نضیر کو اُن کی بدعہدی کے باعث دیس نکالا دیا گیا۔ اس مہم میں بھی علم جناب شیرِ خُداؓ ہی کے ہاتھ میں تھا۔

غزوۂ خندق :

۵ سنہ ہجری میں غزوۂ خندق پیش آیا۔ اس جنگ میں کبھی کبھی کفار خندق میں گُھس کر بھی حملہ آور ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کفار کے سواروں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کا سردار عمر بن عبدود تھا۔ جناب علیؓ نے آگے بڑھ کر روکا عمر بن عبدود نے "ھل من مبارز" کا نعرہ لگایا، آپ مقابلے پر آئے اور کچھ دیر مقابلہ کے بعد ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ عبدود فرشِ خاک پر ڈھیر تھا۔ سالار کے مرتے ہی باقی کے سوار بھاگ کھڑے ہوئے۔ آخر مسلمانوں کی پامردی کی وجہ سے ابوسفیان اس دفعہ بھی بے نیلِ مرام واپس لوٹا۔

بنو قریظہ :

یہودیوں کے اِس قبیلے نے جنگ خندق کے دوران کُفارِ قریش سے ساز باز کر کے تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور علی الاعلان قریش کا ساتھ دیا تھا۔ اس لیئے ان کی تادیب بھی ضروری تھی۔ چنانچہ اس مہم میں بھی علم جناب علیؓ کے ہی ہاتھ میں تھا۔ جنھوں نے رسُولِ خُدا صلعم کے عہد کو پُورا کرتے ہُوئے یہودیوں کے قلعہ کو فتح کر کے اُس کے صحن

میں عصر کی نماز ادا کی۔

بنو سعد :

سنہ ۶ ہجری میں جب آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لئے جمع ہو رہے ہیں تو آپ نے جناب علیؑ کو سو مجاہدوں کے ساتھ اُن کی سرکوبی کے لئے مامور فرمایا۔ آپ نے ماہِ شعبان میں حملہ کر کے بنو سعد کو منتشر کر دیا اور پانسو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں لائے۔

صلح حدیبیہ :

اسی سال یعنی سنہ ۶ھ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ زیارتِ کعبہ کا ارادہ فرمایا۔ مقامِ حدیبیہ پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے۔ اس پر جناب عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ آپ کو روک لیا۔ اُدھر افواہ اُڑ گئی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لئے آپ نے مسلمانوں سے بیعت لی۔ اس بیعت میں جناب علیؓ بھی شریک تھے۔ کیونکہ معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی تو جوش کسی قدر کم ہوا اور طرفین مصالحت پر آمادہ ہو گئے۔ جناب علیؓ کو معاہدہ لکھنے کا حکم ہوا۔ آپ نے حسب دستور ھٰذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ کی عبارت سے عہد نامہ کی عبارت شروع کی۔ مشرکین نے رسول اللہ کے لفظ پر اعتراض کیا کہ ہم آپ کو رسول نہیں مانتے۔ عبارت سے اس لفظ کو حذف کر دیا جائے۔ حضورؐ نے جناب علیؑ سے اِس لفظ کے مٹا دینے کو فرمایا۔ مگر آپ نے ادب سے ایسا کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ آخر حضور علیہ السلام نے خود ہی پوچھ کر اس لفظ کو مٹا دیا۔

خیبر کی فتح :

سنہ ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا۔ اور یہ فتح اور مرحب حاکم قلعہ کا قتل بھی جناب علیؓ ہی کے ہاتھوں ہوا۔

یہ قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا اور مختلف نامور صحابہ باری باری اس قلعہ پر حملہ آور ہو کر ناکام لوٹے تھے۔ اس پر رسولِ خدا صلعم نے فرمایا کہ کل علم اُس شخص کو دیا جائے گا جو خدا اور اُس کے رسولؐ کا محبوب ہے اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ پر مقدر ہے۔ صبح ہوئی تو ہر شخص منتظر تھا کہ کاش یہ سعادت اسی کو حاصل ہو۔ مگر یہ شرف جناب حیدرؓ کے لئے مقدر ہو چکا تھا چنانچہ رسولِ خدا

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کا نام لیا۔ آپ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ حضورؐ نے طلب فرما کر اپنا لعابِ دہن آپ کی آنکھوں میں لگا دیا جس سے یہ شکایت فوراً جاتی رہی۔
میدانِ جنگ میں پہنچے تو مرحب، جو اپنے وقت کا ایک بہت بڑا بہادر سردار تھا، مقابلے پر آیا، مگر آپ کے ایک ہی وار میں فرشِ خاک پر ڈھیر تھا۔

فتح مکہ:

رمضان ۸ھ ہجری میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتح مکہ کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ حضورؐ کی قیادت میں اِس دفعہ مسلمانوں کا لشکر جب فتح مکہ کے ارادے سے نکلا تو اُن کی تعداد دس ہزار قدوسیوں پر مشتمل تھی اور علم جناب سعدؓ بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا جو ایک جوش کے عالم میں یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ

ترجمہ: یعنی آج کا دن شدید جنگ کا دن ہے، آج حرم میں خونریزی جائز ہے۔
آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو فرمایا نہیں ایسا نہ کہو، بلکہ آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علیؑ کو حکم ہوا کہ سعدؓ بن عبادہ سے علم لے کر شہر میں داخل ہوں۔ چنانچہ آپ کداء کی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور مکہ بغیر کسی خونریزی کے فتح ہو گیا۔
فتح کے بعد اہل مکہ کو لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کہہ کر امان دے دی گئی اور خانہ کعبہ کو سینکڑوں بتوں کی آلودگیوں سے نجات ملی۔ جب سب بت باہر نکال پھینکے گئے تو ایک تانبے کا بت، جو لوہے کی سلاخوں میں پیوست بلندی پر نصب کیا ہوا تھا باقی رہ گیا۔ حضورؐ جب جناب شیرِ خداؑ کے کندھوں پر چڑھ کر گرانے لگے تو شیرِ خداؑ جسم اطہر کا بار نہ سنبھال سکے۔ اس لئے حضورِ اقدس نے جناب علیؑ کو اپنے شانۂ اقدس پر چڑھا کر اُس بت کے گرانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ بت اکھاڑ کر پھینک دیا گیا اور اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گئے۔

غزوہ حنین:

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوہ حنین کا عظیم معرکہ پیش آیا۔ اِس میں پہلے تو مسلمانوں کو فتح ہوئی لیکن جب وہ مالِ غنیمت کے لوٹنے میں لگ گئے۔ تو شکست خوردہ دشمن نے انھیں غافل پا کر اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمان اس حملے سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند حضور صلعم کے آس پاس موجود رہ سکے جن میں ایک علی مرتضیٰؑ بھی تھے۔ آپ نہ صرف

ثابت قدم ہی رہے۔ بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے بگڑی ہوئی حالت کو سنبھال لیا، اور دشمن کے ہر لشکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اُدھر دوسری طرف جو مسلمان ثابت قدم رہ گئے تھے۔ انھوں نے اس بے جگری سے حملہ کیا کہ دشمن خوفناک شکست اُٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا اور جا کر طائف کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔

سنہ ۹ ھجری میں جب حضور صلعم نے تبوک کا قصد فرمایا تو جناب علیؓ کو اہلِ بیت کی حفاظت کے لئے مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم دیا۔

تبلیغ فرمانِ رسولؐ:

غزوۂ تبوک سے واپسی پر اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔ اسی اثناء میں سورۂ براءت نازل ہوئی، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر یہ سورۃ حج کے موقع پر لوگوں کو سنادی جائے تو زیادہ اچھا ہوتا چنانچہ آپ نے جنابِ علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے اس غرض کے لئے مقرر فرمایا کہ "میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی ہی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اِس فرض کو نہایت عمدگی سے انجام دیا۔

یمن میں تبلیغ اسلام:

یمن میں تبلیغ اسلام کے لئے جناب خالدؓ بن ولید بھیجے گئے۔ لیکن چھ مہینے کی مسلسل کوششوں کے باوجود وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لئے رمضان سنہ ۱۰ ھجری میں جناب علیؓ کو اس مہم کی انجام دہی کے لئے یمن کی طرف بھیجنا چاہا تو آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم میں ایسی قوم میں بھیجا جا رہا ہوں جو مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار ہیں۔ ان لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا میرے لئے دشوار ہوگا۔ حضور صلعم نے آپ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا فرمائی۔

"اے خدا! اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور فرما۔"

پھر خود دستِ اقدس سے آپ کے سر پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔

حضرت علیؓ یمن پہنچے تو چند روزہ تعلیم و تبلیغ کے ذریعے وہاں کے لوگوں کی دنیا ہی بدل گئی۔ اب وہ اسلامی تعلیم کے شیدائی تھے۔ اور قبیلہ ہمدان تو پورے کا پورا حلقہ بگوش اسلام ہوگیا

حجۃ الوداع:

اسی سال یعنی سنہ ۱۰ ھجری میں حضورؐ نے آخری حج کیا اور حضرت علیؓ بھی اس یادگار حج میں یمن سے آکر شریک ہوئے۔

حج سے واپس آکر ۱۱ھ ہجری میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور حضرت علیؓ نے جناب سرور کون و مکاں صلعم کی تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ایک دن باہر تشریف لائے تو لوگوں نے حضور کا حال دریافت کیا۔ آپ نے اطمینان کا اظہار کیا۔ مگر جناب عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں۔ میرے ساتھ چلو تا کہ رسول اللہ صلعم سے عرض کریں کہ وہ تمہارے لیے خلافت کی وصیت کر جائیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں تو ایسا نہیں کروں گا۔ اگر خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔

دس روز کی علالت کے بعد حضور صلعم ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے قریب اپنے پیارے رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور غمزدہ اُمت کو بیقرار چھوڑ گئے۔

تجہیز و تکفین کے تمام مراسم جناب علیؓ نے ہی ادا فرمائے۔ انصار اور مہاجرین دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا

بیعت خلیفہ اول سے توقف کی وجہ :

سقیفہ بنی ساعدہ میں جناب صدیق اکبرؓ سے بیعت خلافت کے بعد جناب علیؓ چھ مہینے تک بیعت کے معاملے میں متوقف رہے۔ اس کی کئی وجوہ بیان کی جاتی ہیں مگر دو اسباب ایسے ظاہر ہیں کہ انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے رخصت ہو جانا گو سب ہی مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت صدمہ تھا۔ مگر اس صدمے سے جو دل سب سے زیادہ متاثر رہا وہ بتول پاکؓ کا دل تھا۔ جو ساری دنیا سے زیادہ محبت کرنے والے پیارے باپ کی جدائی میں اس وقت تک کل نہ پا سکا۔ جب تک کہ چھ مہینے کے بعد خود اُن سے نہ جا ملا۔ اس جانکاہ غم نے جناب سیدہؓ کو صاحب فراش کر دیا تھا۔ جس میں جناب علیؓ کی ہی وہ ذات گرامی تھی جو معالج، تیماردار اور غم غلط کرنے والی کئی حیثیتوں میں سیدہؓ کی دیکھ بھال کر رہی تھی اور پھر جیسا کہ خود جناب علیؓ نے فرمایا تھا کہ "انھوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک وہ کلام مجید کی تدوین اس کی تنزیل کے مطابق نہیں کر لیں گے کوئی اور کام نہیں کریں گے۔"

جناب سیدہؓ کے وصال کے بعد جناب علیؓ نے جناب صدیق اکبرؓ سے بیعت کر لی اور دستہ و بازوئے خلافت کی حیثیت سے اسد اللہ الغالب نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے

وُہ سب کچھ ہی کیا جو آپ کے اخلاص اور حُبّ اسلام نے آپ سے کرایا۔ جناب صدیق اکبرؓ کے بعد خلافت فاروقِ اعظمؓ اور عثمانِ غنیؓ کے زمانوں میں آپ نیابت خلافت اور مشیرِ خلافت کے ماسوا خلافت کے نہایت ہی اہم اور ذمہ داریوں کے عہدوں پر فائز ہوتے رہے اور جنھیں آپ نے جس اخلاص، تقویٰ اور للّٰہیت کے جذبے کے ساتھ انجام دیا۔ وہ شیرِ خُدا ہی کا حصّہ تھا۔ آپ سے آپ کے دورِ خلافت میں ایک دفعہ پوچھا گیا کہ پہلے خلفاء کے زمانوں میں تو یہ شورشیں اور ہنگامے نہ ہوتے تھے جو آپ کے عہدِ خلافت میں نظر آرہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے اِس کا نہایت ہی برجستہ جواب فرمایا:۔

کہ "پہلے خلفاء کے مشیر وصلاح کار ہم تھے، اور ہمارے مشیر وصلاح کار تم ہو!"

غرضیکہ حضرت علیؓ کی پوری کی پوری زندگی ہمارے سامنے ہے جس میں تقویٰ، اخلاص، احسان، مروّت، فتوّت، عفو، کرم، توکل، رضا، تفویض، صبر، شکر، قناعت، استغناء اور عبودیت کی وُہ تمام ملکوتی صفات نظر آتی ہیں جو سرکارِ دوعالم صلعم کی روحانی تربیت و تعلیم اور فیوض و برکات ہی آپ کی شخصیت کی عظیم الشان استعداد وں کو عطا کرسکتے تھے۔

اسوا دو برس کے بعد جناب صدیق اکبرؓ نے وصال فرمایا۔ تو جناب فاروقِ اعظمؓ اُن کی جگہ اور انہی کی وصیت کے مُطابق خلیفہ مقرر ہوئے۔ عہدِ فاروقیؓ اور صدیقیؓ دور میں جناب علیؓ کے مشورے کے بغیر کوئی سیاسی، ملکی، معاشری، اقتصادی، فوجی کام انجام نہ پاتا تھا۔ اور آپ کا مشورہ ہمیشہ مخلصانہ اور نہایت ہی مُفید ہُوا کرتا تھا۔ جناب عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں جب بیت المقدس گئے تو جناب علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا گئے جنھوں نے فاروقِ اعظمؓ کی نیابت کا کام جس خلوص، امانت و دیانت، عدل و انصاف، تقویٰ اور للّٰہیت کے ساتھ ادا کیا وُہ رہتی دُنیا تک یادگار رہے گا۔ پھر ان دونوں حضرات میں یگانگت اتحاد اور اخلاص کا آخری مرتبہ یہ تھا کہ باہم رشتۂ مصاہرت قائم ہوگیا اور جناب علیؓ نے اپنی بیٹی اُمِّ کلثومؓ جو فاطمۃ الزہراؓ کے بطن سے تھیں جناب فاروقِ اعظمؓ کے عقد میں دے دیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

فاروقِ اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں فتنہ و فساد شروع ہُوا تو جناب علیؓ نے اس کے رفع کرنے کے لیے اُن کو نہایت مخلصانہ مشورے دیئے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے اُن سے پُوچھا کہ مُلک میں موجودہ شورش اور ہنگامے کی حقیقی وجہ کیا ہے اور اِس کو

کس طرح دُور کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے نہایت خلوص اور آزادی سے ظاہر کر دیا کہ موجودہ بے چینی زیادہ تر آپ کے عمال کی بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمان رض نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انہی صفات کو ملحوظ رکھا ہے جو فاروقِ اعظم رض کے پیشِ نظر تھے پھر اُن سے عام بیزاری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ نے فرمایا۔ "ہاں یہ صحیح ہے لیکن عمر رض نے سب کی نکیل اپنے ہاتھ میں رکھی تھی، اور گرفت اتنی سخت تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبلا اُٹھا تھا۔ برخلاف اس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں آپ کے عمال اس نرمی سے فائدہ اُٹھا کر من مانی کاروائیاں کرتے ہیں اور آپ کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی؛ رعایا سمجھتی ہے کہ عمال جو کچھ کرتے ہیں وہ سب دربارِ خلافت کے احکام کی تعمیل ہے اِس طرح اُن کی تمام بے اعتدالیوں کا ہدف آپ کو بننا پڑتا ہے۔

آخر عبداللہ ابن سبا کی خوفناک سازشیں رنگ لائیں۔ اور جناب عثمان اپنے مکان میں عین اسی وقت شہید کر دیئے گئے جبکہ آپ تلاوت میں مشغول تھے اور اس وقت آپ کے پاس سوائے آپ کی وفادار بیوی جناب نائلہ رض کے اور کوئی نہ تھا۔ چنانچہ حملہ آوروں کے راستے میں وُہی حائل ہُوئیں اور حملہ آور کی تلوار سے آپ کی آدھی ہتھیلی مع اُنگلیوں کے کٹ کر دُور جا پڑی۔ دوسرے وار میں جناب جامع قرآن اپنے پیارے اللہ کے پاس جا پہنچے۔ اِنا لِلّٰہِ وَ اِنا اِلیہِ راجعون۔ اِسلام کی تاریخ میں جناب عثمان رض کی شہادت ایک زبردست المیہ ہے

جناب عثمان رض کی شہادت کے بعد جناب علی رض خلافت کے لئے منتخب ہُوئے مگر اس انتخاب کو بنو اُمیہ اور امیر معاویہ رض نے منظور نہ کیا اور یہ کہا کہ جب تک جناب عثمان رض کے قاتلین کو کیفرِ کردار تک نہ پہنچایا جائے گا۔ ہم کوئی بات سُننے اور ماننے کے لئے تیار نہیں جناب علی رض نے بارہا سمجھانے کی کوشش کی اور فرمایا کہ پہلے خلافت کے معاملے میں اتفاق ہو لے تو پھر ہر قاتل اور غوغائی سے جو جناب عثمان رض کی شہادت میں شریک تھا بخوبی سمجھ لیا جائیگا مگر امیر معاویہ رض اور اُن کے ساتھیوں نے کوئی بات نہ سُنی اور جناب عثمان رض کے خون آلود کرتے اور جناب نائلہ کی کٹی ہُوئی اُنگلیوں کو اِس طرح پھرایا کہ دُنیائے اِسلام آہ و بکا اور شیون و شین کا ایک ماتم کدہ بن کر رہ گئی اور پھر دُنیا نے "جمل" اور "صفین" کی وہ خونیں جنگیں دیکھیں جن کے نتیجے کے طور پر ۳۵ ہزار صحابہ رض اور تابعین اپنے بھائیوں ہی کی تلواروں سے کٹ کر رہ گئے اور اپنے بعد آنے والے مسلمانوں کے لئے فتنہ اور ابتلا کی ایک خونی یادگار چھوڑ گئے۔

دارالخلافہ کی تبدیلی :

جنگ جمل کے بعد جناب علیؓ نے مدینہ منورہ کی بجائے کوفہ کو مستقر خلافت بنا لیا تھا اور یہ مستقر خلافت کی تبدیلی، بعد کے پیش آنے والے واقعات کی روشنی میں آپ کے لئے کچھ زیادہ مفید ثابت نہ ہوئی۔ ان صحابہ اور تابعین کی ایک معتدبہ تعداد اب بھی مدینہ منورہ ہی میں موجود تھی جنھوں نے آپ کو خلافت کے لئے منتخب کیا تھا اور کوفہ چلے جانے کے بعد جن کی عملی ہمدردیوں اور قیمتی مشوروں سے آپ یکسر محروم ہو گئے۔ پھر دنیائے اسلام میں خلافت اسلامیہ کے لئے مدینہ منورہ کی مرکزی حیثیت ایک مسلمہ حقیقت بن چکی تھی۔ وہاں سرکارِ دوعالمؐ اور حضورؐ کے تین پیشرو رفیق جناب صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ آرام فرما رہے تھے۔ نبوت اور خلافت کی تمام گذشتہ روایات اسی مقدس یثرب سے کچھ اس طرح لپٹ کر رہ گئی تھیں کہ آج تک ہزاروں لاکھوں حوادث اور انقلابات کے باوجود بھی علیحدہ نہ کی جا سکیں۔

آپس کی جھڑپیں :

جنگِ جمل اور صفین کے بعد گو کوئی خاص فیصلہ کن جنگ تو نہ ہوئی۔ مگر دنیائے اسلام سیاسی اعتبار سے دو مختلف خلافتوں میں بٹ کر رہ گئی اور مرکز ٹوٹ گیا اور اس کے بعد عراق حجاز، یمن کی سرحدات پر آپس کی چھوٹی بڑی جھڑپوں کی موجودگی میں دنیائے اسلام کی غیر مسلموں کے خلاف ترکتازیاں بہت حد تک ختم ہو کر رہ گئیں۔

امیر معاویہؓ نے جناب حضرت علیؓ کے خلاف حجاز عراق اور جزیرے میں فوجوں کے چھوٹے چھوٹے دستے پھیلا کر خلافت مرتضوی کی پریشانیوں میں اضافہ کر دیا۔ چنانچہ نعمان بن بشیر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر، سفیان ابن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن وغیرہ پر، عبداللہ بن سعدہ فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیماء پر، ضحاک بن قیس نے واقصہ کے نشیبی حصہ پر اور امیر معاویہؓ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر کے بیت المال لوٹ لیا اور جناب علیؓ کے طرفداروں کی ایک بڑی تعداد کو مغلوب کر کے اپنی اطاعت کے لئے مجبور کر دیا۔

کرمان اور فارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا :

جناب علیؓ نے گو بہت جلد امیر معاویہؓ کے حملہ آور دستوں کو ممالک مقبوضہ سے نکال دیا۔ تاہم اس سے ایک عام بدامنی ملک میں پھیل گئی اور کرمان اور فارس کے عجمیوں نے بغاوت

کرکے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اکثر صوبوں نے اپنے ہاں کے علوی عمال نکال دیئے۔ ذمیوں نے خودسری اختیار کی۔ حضرت علیؓ نے جب مشورہ طلب کیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس مہم کے سر کرنے کے لئے زیاد بن ابیہ سے زیادہ اور کوئی شخص موزوں نہیں۔ چنانچہ وہ اس مہم پر مامور ہوئے اور انھوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کر کے امن و امان پیدا کر دیا۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے اس لطف و مدارات کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المومنین۔ علیؓ ابن ابی طالب کے طریق جہانبانی نے نوشیروانی طرز حکومت کی یاد بھلا دی۔

فتوحات:

اندرونی خلفشار اور آپس کی جنگوں نے جناب علیؓ کو اتنی مہلت تو نہ دی کہ وہ اسلامی فتوحات کو اور بڑھاتے مگر پھر بھی انھوں نے سیستان اور کابل کے سمت میں بعض عرب سردار جو خود مختار ہو گئے تھے۔ انکو قابو میں کر کے آگے قدم بڑھایا اور ۳۸ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستے سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی۔ اس وقت کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا مسلمانوں نے سب سے پہلے اس علاقے پر آپ کے عہد میں حملہ کیا۔

حجاز اور عرب کے قبضے کے لئے کشمکش اور جناب علیؓ کی شہادت:

امیر معاویہؓ نے ۴۰ھ ہجری میں بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور اس نے بغیر کسی مزاحمت کے مکہ و مدینہ پر قبضہ کر کے یہاں کے لوگوں سے زبردستی امیر معاویہؓ کے لئے بیعت لی اور پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا اور یمن کے والی عبداللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچوں اور جناب علیؓ کے طرف داروں کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر کے ملک پر قابض ہو گیا

دوسری طرف شامی سواروں نے سرحد عراق پر حملے شروع کر دیئے اور یہاں کی علوی افواج کو شکست دے کر انبار پر قبضہ کر لیا۔ جناب علیؓ ان شامی پیش دستیوں کی روک تھام کے لئے ابھی فوج ہی جمع فرما رہے تھے کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے آپ کو جام شہادت پلا دیا۔

یہ واقعہ اس طرح عمل میں آیا کہ خارجیوں کی جماعت میں سے تین شخص عبدالرحمٰن ابن ملجم

نزال اور عبداللہ نے جناب علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاص کو علی الترتیب بیک وقت قتل کر دینے کی ٹھانی۔ مگر دُوسرے دونوں شخص تو اپنے منصوبے میں ناکام رہے اور جناب علیؓ شہید کر دیئے گئے۔ اِنا للہِ وانا الیہ راجعون۔

۱۹ رمضان سنہ۴۰ ہجری کو کوفہ کی جامع مسجد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نماز میں مشغول تھے۔ تو ابن ملجم نے زہر آلود تلوار سے آپ کے سر پہ وار کیا۔ زخم کاری تھا چنانچہ آپ گر پڑے لوگوں نے ابن ملجم کو پکڑ لیا۔ جناب علیؓ نے جناب حسنؓ و حسینؓ کو بُلا کر نہایت مفید نصائح فرمائیں اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ لطف و احسان کی تاکید کی۔ جندب بن عبداللہ نے عرض کیا کہ ہم آپ کے بعد جناب حسنؓ کے ہاتھ پہ بیعت کر لیں۔ فرمایا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا تم لوگ خود طے کر لینا۔ اس کے بعد کچھ وصیتیں فرمائیں اور قاتل کی نسبت فرمایا کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لے لینا۔

چونکہ زخم گہرا اور تلوار زہر آلود تھی اس لئے اسی روز یعنی بروز جمعہ ۲۰ رمضان المبارک سنہ۴۰ ہجری کو یہ آفتاب علم و عرفان ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ حضرت امام حسنؓ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین فرمائی۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہیں۔ عزیٰ نام کوفہ کے ایک قبرستان میں دفن کر دیئے گئے۔

حضرت علیؓ کا تدبر و سیاست :

جناب علیؓ کی خلافت کا پورا زمانہ خانہ جنگی اور شورشوں کی نذر ہوا۔ اور جن حالات میں آپ کو خلافت تفویض ہوئی تھی وہ اسی کے مقتضی بھی تھے۔ مگر آپ نے یہ ذمہ داری جس تدبر، ہوشمندی، جرأت، للہیت، تقویٰ، استقلال اور سلامت روی کے ساتھ پوری کی وہ آپ کا ایک زندہ جاوید کارنامہ ہے۔

آپ کا فضل و کمال :

جناب علیؓ نے اپنی زندگی کے بہترین تیس سال جناب سرورِ کونین و مکانؐ کی پیاری پیاری صحبت میں گذارے تھے۔ پھر ان تیس سالوں میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نزدیکی اور تقرب کا جو مقام آپ کو حاصل رہا۔ وہ جناب صدیق اکبرؓ کے بعد اور کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ اس لئے علم و فضل، معرفت و عرفان کے تمام سوتوں سے آپ نے جی بھر کر سیرابی حاصل کی اور آخر ایک دن اپنے کانوں سے سرکار دو عالمؐ کی زبان مبارک

سے سُن لیا کہ "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا" - آپ یقیناً مدینۃ العلم کے باب ہی تھے
جناب شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا میں انھیں گوناگوں تعلقات اور رشتوں کا ذکر فرماتے ہوئے
لکھتے ہیں :-
"جناب مرتضیٰ رض میں اس مقصد کے حاصل ہو جانے کی دو وجہیں ہوئیں، ایک تو پہلے اسلام
لانے والوں میں آپ کا ہونا اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی قرابت اور
آنحضرت صلعم سب سے زیادہ صلبی رشتوں کا خیال فرمانے والے اور سب سے زیادہ حق و
قرابت کو ملحوظ رکھنے والے تھے۔ پھر جب عنایتِ الٰہی آپ کے شاملِ حال ہوئی تو آپ کو
رسالت مآب صلعم کے آغوشِ تربیت میں لا ڈالا۔ اب مرتبہ قرابت دوہرا ہو گیا اور یہ دوسری
کرامت آپ کے حال میں روا رکھی گئی۔ پھر جب فاطمۃ الزہرا رض کو آپ کے عقد میں دے دیا
گیا تو اس سے آپ کی فضیلت میں اور اضافہ ہو گیا۔"
حضرت علی رض کو کلام مجید اس کی تفسیر، شانِ نزول پر جو بے پایاں عبور حاصل تھا وہ
خال خال صحابہ ہی کو نصیب ہوا تھا۔ ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود آپ نے اس
کا اظہار فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں، کہاں اور کس کے حق میں
نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رض کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقے میں ہے۔ کلام مجید سے
اجتہاد اور استنباط مسائل میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ علم ناسخ و منسوخ کو آپ بڑی
اہمیت دیتے تھے اور آپ اس سے خوب واقف تھے۔ آیات کی تفسیر اور تاویل کے
متعلق آپ سے اکثر روایتیں ہیں۔

علم حدیث میں جناب علی رض کا مرتبہ :

علم حدیث سے متعلق صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ آپ نے بچپن سے لے کر
وفات نبوی تک کامل تئیس سال آنحضرت صلعم کی رفاقت میں بسر کیے۔ اس لیے جناب
صدیقِ اکبر رض کے بعد اسلام کے احکام و فرائض اور ارشاداتِ نبوی کے سب سے بڑے عالم
آپ ہی تھے۔ پھر تمام اکابر صحابہ رض میں وفات نبوی کے بعد سب سے زیادہ عمر آپ ہی نے
پائی۔ آنحضرت صلعم کے بعد تیس برس تک دعوت و ارشاد کی مسند پر آپ جلوہ گر رہے۔ اس
لیے سابقین کے مقابلے میں آپ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں۔

فقہ واجتہاد :

حضرت علیؓ کو فقہ واجتہاد میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی۔ بلکہ علم واطلاع کی وسعت کو دیکھتے ہوئے تو آپ کی مستحضرانہ قوت بہت بڑھی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض وقت جناب عمرؓ اور اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ تک کو جناب علیؓ کے فضل وکمال کا ممنون ہونا پڑتا تھا۔ آپ میں سرعت فہم، دقیقہ سنجی، انتقال ذہنی کی وہ تمام قوتیں موجود تھیں جو فقہ و اجتہاد کے لئے کتاب وسنت کے ساتھ ضروری ہیں۔

آنحضرت صلعم نے آپ کو قضاء اور فصل مقدمات کے بعض اصُول بھی تعلیم فرمائے چنانچہ ایک دفعہ بارگاہِ نبویؐ سے ارشاد ہوا :-

"علیؓ جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سُن کر فیصلہ نہ کرو۔ اس وقت تک اپنے فیصلے کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو"

تصوف اور جناب علیؓ :

تصوف میں، جو حقیقت میں اسلام کی رُوح، دین کی جان اور حقیقۃ الحقائق ہے جناب علیؓ کی پرواز بہت دُور تک ہے اور صوفیائے کرام کے اکثر و بیشتر سلسلے جناب مرتضیٰؓ کی ذاتِ گرامی سے ہی منسوب ہیں۔

فنِ خطابت میں حضرت علیؓ کو خداداد ملکہ حاصل تھا۔ شعروشاعری سے بھی شوق فرمایا کرتے تھے، جن میں سے بعض اشعار احادیث میں بھی مذکور ہیں۔

علمِ نحو کی ایجاد کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔

اخلاق و عادات :

کاشانۂ نبوت میں پرورش پانے والے علیؓ میں وہ کونسی ملکوتی صفت تھی جو موجود نہ تھی۔ زہد، ورع، توکل، رضا، تفویض، قناعت، صبر، شکر، اخلاق، ایثار، احسان، استغنا مروت، فتوت، دیانت، امانت، جود وسخا اور ان سب کا خلاصہ اور نچوڑ عبودیت حضوُر کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک ایک ثانیہ انہی عادات وخصائص کا بیساختہ مظاہرہ کرتا نظر آرہا ہے۔

اب آخر میں جناب علیؓ کی اِس وصیت پر آپ کے اس تذکرے کو ختم کیا جاتا ہے جو آپ نے رحلت سے چند منٹ پہلے جناب حسنینؓ کو بُلا کر فرمائی تھی۔ وصیت کیا ہے

ایک شفاف آئینہ ہے جس میں آپ کی پیاری زندگی کے خدوخال صاف نظر آتے ہیں

"میں تم کو خدا تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور دُنیا میں مُبتلا نہ ہونے کی وصیت کرتا ہوں۔ کسی چیز کے حاصل نہ ہونے پر افسوس نہ کرنا، ہمیشہ حق بات کہنا، یتیموں پر رحم اور بیکسوں کی مدد کرنا، ظالم کے دُشمن اور مظلوم کے مددگار رہنا، قرآن شریف پر عامل رہنا، اور حکمِ خُدا کی تعمیل میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈرنا" !!!

لیلۃ القدر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

● اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ ○ فِیْہَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ط اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ ○ رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ (سورۃ دخان : ۳-۶)

●● اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ○ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَہْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْہَا بِاِذْنِ رَبِّہِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○ سورۃ القدر ۱-۵

ترجمہ : ● بے شک ہم نے نازل کیا اس کو ایک رات میں جو برکت والی تھی، کیونکہ بلاشبہ ہمیں ڈرانا مقصود تھا۔ اسی میں جدا کیا جاتا ہے ہر ایک حکم حکمت والا جو حکم ہوتا ہے ہمارے ہاں سے کیونکہ ہم کو رسول بھیجنا منظور تھا رحمت سے آپ کے پروردگار کی۔ بے شک وہی سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

●● ہم نے اس کتاب مبین (قرآن) کو عظمتوں والی رات میں نازل کیا ہے تم کیا جانو کہ یہ عظمتوں والی رات کیا ہے۔ وہ رات جو اپنی قدر و قیمت میں ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جس رات میں فرشتے اور جبرئیل امین اپنے رب کے فرمان سے امن و سلامتی کا پیغام لے کر نازل ہوتے ہیں یہاں تک کہ دنیا نور سحر سے جگمگا اٹھتی ہے۔

سورۃ قدر کا شان نزول :

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام ؓ سے بنی اسرائیل کے حالات بیان فرماتے تھے کہ شمعون نامی ایک زاہد کے متعلق فرمایا کہ یہ شخص اپنی کثرت عبادت کی وجہ سے ضرب المثل بن گیا تھا۔ اس نے ہزار مہینے عبادت کی، ہر روز روزہ رکھتا، کافروں

سے جہاد کرتا، اور رات رات بھر عبادت کرتا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کس طرح ایسے شخص کے ثواب کو پہنچ سکتے ہیں کیونکہ ہماری عمر کی انتہا زیادہ سے زیادہ ساٹھ ستر برس ہے۔ جس میں سے تیسرا حصہ تو سونے میں گذر جاتا ہے اور کچھ معاش کی تلاش اور اسی قسم کی دوسری احتیاجات کی نذر ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر کچھ دقت تساہل اور بیماریوں میں ضائع ہو جاتا ہے۔ اب عبادت کے لئے کیا بچا؟ یہ سن کر حضور صلعم بھی کچھ دلگیر و افسردہ سے ہو گئے۔ اس پر یہ سورۃ القدر نازل ہوئی۔ مطلب یہ کہ گو آپ کی اُمّت کی عمریں کم ہیں لیکن ہم نے انھیں ایک رات ایسی عطا فرمائی ہے کہ اس رات کی عبادت ہزار راتوں کی عبادت سے بہتر ہے۔

ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس لئے کہتے ہیں کہ اس رات میں مرتبے والی کتاب، مرتبے والے فرشتے کے ذریعے، مرتبے والی اُمت پر نازل فرمائی۔

اس رات نزولِ ملائکہ اس لئے ہوتا ہے کہ ① فرشتے اس اُمت کے عبادت گذاروں کو دیکھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے، کس درجہ محبت کرتے ہیں ② ارواحِ طیبہ اور افرادِ قدسیہ کے درمیان اُنس و محبت پیدا ہو ③ تاکہ فرشتے اِن عبادت گذاروں پر سلام بھیجیں جو رمضان کی ان راتوں میں اپنے اللہ کی لگن میں محوِ عبادت نظر آئیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس رات اپنے قرب کی بشارت سُنا کر عبادت کے ذریعے انھیں قریب تر لاتا ہے۔ اِن برکات اور سعادات کے حصول کے لئے کون ہے جو دامن نہ پھیلائے اور بے تابانہ آگے نہ بڑھے اور اپنی زندگی کی سب سے زیادہ گرانمایہ متاع لیلۃ القدر سے اپنی دُنیا اور آخرت کی جھولیاں نہ بھر لے؟ یہ وُہی لیلۃ القدر ہے جو۔

پیامِ رحمتِ یزداں لئے ہوئے آئی متاعِ دولتِ قرآں لئے ہوئے آئی
سرور و کیف کا ساماں لئے ہوئے آئی تجلیات کا طوفاں لئے ہوئے آئی

یہ رات آئی تو میخانۂ تجلی سے
خمارِ بادۂ عرفاں لئے ہوئے آئی

اس خطبہ میں رمضان المبارک کی اُس رات کا ذکر ہے جسے لیلۃ القدر کہا گیا ہے اور جس کی عظمت کے متعلق قرآنِ عزیز نے یہ وضاحت کی ہے۔

● —— یہ ایک مبارک رات ہے۔

•• — اس رات کو حکمت والے احکام نازل ہوئے اور وہ کتاب مُبین اُتاری گئی جو ہمیشہ کے لئے انسانوں کو ہدایت اور رہنمائی کا کام دے گی۔

••• — یہی وہ رات ہے جس میں نورِ خداوندی کی پہلی جھلک سے دنیا کی نگاہیں آشنا ہوئیں۔ اِس لئے یہ ہزار راتوں سے بھی افضل ہے۔

•••• — اِس رات ملائکۂ رحمت اور جبرئیل علیہ السلام ہر امر کے متعلق جو آئندہ سال میں ہونا مقدر ہوتا ہے اللہ کا حکم لے کر نازل ہوتے ہیں۔

••••• — یہ خیر و سلامتی کی رات ہے اور طلوعِ فجر تک رہتی ہے۔

احادیثِ نبوی میں لیلۃ القدر کے متعلق کئی تفصیلات ہیں۔ "مؤطا امام مالک" احادیث میں سب سے قدیم اور معتبر کتاب ہے جس کو امام مالکؒ نے سالہا سال تک ہر کسوٹی پر پرکھ کر اپنی جمع کردہ احادیثِ نبویؐ میں سے مسلمانانِ عالم کے لئے انتخاب مرتب کیا۔ مؤطا امام مالکؒ میں — مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (یعنی جو کچھ لیلۃ القدر کے بارے میں نازل ہوا) کا مستقل باب ہے۔ ہم چند احادیث یہاں سے نقل کرتے ہیں۔

• — عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْوُسْطَ مِنْ رَمَضَانَ فَاعْتَكَفَ عَامًا حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ فِيهَا مِنْ صُبْحِهَا مِنَ اعْتِكَافِهِ قَالَ مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِي فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ وَقَدْ رَأَيْتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ مِنْ صُبْحِهَا فِي مَاءٍ وَطِينٍ فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ — قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَأُمْطِرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلَى عَرِيشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَأَبْصَرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ وَعَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّينِ مِنْ صُبْحِ لَيْلَةِ إِحْدَى وَعِشْرِينَ۔

ترجمہ : ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کیا کرتے تھے۔ رمضان کے عشرہ میں — آپ نے ایک سال اعتکاف فرمایا جب اکیسویں رات آئی جس کی صبح کو آپ اعتکاف سے باہر آیا کرتے تھے، تو آپ نے فرمایا جس شخص نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے تو چاہیئے کہ وہ اور دس دن آخر عشرہ تک اعتکاف کرے

اور میں نے لیلۃ القدر کو معلوم کیا تھا۔ پھر میں بھلا دیا گیا ـــــ میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے دیکھا کہ میں لیلۃ القدر کی صبح کو سجدہ کرتا ہوں کیچڑ اور پانی میں ـــــ پس ڈھونڈو تم اس کو آخر عشرہ میں ہر طاق رات میں ـــــ ابو سعید خدریؓ نے کہا کہ اُسی رات پانی برسا اور مسجد کی چھت پتوں اور شاخوں کی تھی تو وہ ٹپکی ـــــ آپ نے کہا۔ میری دونوں آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے اور پیشانی اور ناک مبارک پر آپ کے مٹی اور پانی کا نشان تھا۔ اکیسویں شب کی صبح کو

ـــــ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي عَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

ترجمہ : عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ڈھونڈو تم لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں۔

ـــــ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔

ترجمہ : عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ڈھونڈو تم لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری سات راتوں میں۔

ـــــ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اُرِيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ فِي رَمَضَانَ حَتّٰى تَلَاحَى الرَّجُلَانِ فَرُفِعَتْ فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ۔

ترجمہ : انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اور فرمایا کہ مجھے لیلۃ القدر معلوم ہو گئی تھی۔ مگر دو آدمیوں نے غل مچایا تو میں بھول گیا۔ پس ڈھونڈو اس کو انتیسویں اور ستائیسویں اور پچیسویں شب میں۔

ـــــ عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اَرٰى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيَهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ ـــــ

ترجمہ : امام مالکؒ سے روایت ہے کہ چند صحابہؓ نے لیلۃ القدر کو دیکھا خواب میں رمضان کی اخیر سات راتوں میں تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے : میں دیکھتا ہوں کہ خواب تمھارا موافق ہوا میرے خواب کے ، رمضان کی آخر سات راتوں میں ۔ سو جو کوئی تم میں سے لیلۃ القدر کو ڈھونڈھنا چاہے تو ڈھونڈے اخیر کی سات راتوں میں ۔

عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ سَمِعَ مَنْ یَّثِقُ بِهٖ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ یَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُرِیَ اَعْمَارَ النَّاسِ قَبْلَهٗ اَوْ مَا شَاءَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ فَكَاَنَّهٗ تَقَاصَرَ اَعْمَارَ اُمَّتِهٖ عَنْ اَنْ لَّا یَبْلُغُوْا مِنَ الْعَمَلِ مِثْلَ الَّذِیْ بَلَغَ غَیْرُهُمْ فِیْ طُوْلِ الْعُمُرِ فَاَعْطَاهُ اللّٰهُ لَیْلَةَ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۔

ترجمہ : امام مالکؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے سنا ایک شخص عالم معتبر سے کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے لوگوں کی عمریں بتلائی گئیں جتنا اللہ کو منظور تھا تو آپ نے اپنی اُمت کی عمروں کو کم سمجھا اور خیال کیا کہ یہ لوگ ان کے برابر عمل نہ کر سکیں گے پس دی اللہ نے آپ کو اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رِجَالًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُرُوْا لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْمَنَامِ فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرٰی رُؤْیَاكُمْ قَدْ تَوَاطَاَتْ فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّیْهَا فَلْیَتَحَرَّهَا فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ ۔

(بخاری - باب فضل لیلۃ القدر)

ترجمہ : حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کو لیلۃ القدر رمضان کے آخری ہفتہ میں خواب میں دکھائی گئی ۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمھارے خوابوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ آخری ہفتے میں متفق ہو گئے ہیں ۔ پس جو کوئی لیلۃ القدر کو تلاش کرنا چاہے ، وہ اس کو (رمضان کے) آخری ہفتے میں تلاش کرے ۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِلْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِیْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰی فِیْ سَابِعَةٍ تَبْقٰی فِیْ خَامِسَةٍ تَبْقٰی ۔

(بخاری)

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخر عشرہ میں تلاش کرو ۔ انتیسویں تاریخ کو یا تیئسویں یا پچیسویں تاریخ میں ۔

وَعَنْهُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھِیَ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِیْ تِسْعٍ یَمْضِیْنَ اَوْ فِیْ سَبْعٍ یَبْقِیْنَ یَعْنِیْ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیلۃ القدر اخیر عشرے میں ہوتی ہے۔ اُنتیسویں اور ستائیسویں تاریخ میں۔ (بخاری)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّقُمْ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ (بخاری)

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" جو کوئی ایمان دار ہوکر اور ثواب جان کر لیلۃُ القدر میں جاگے۔ اُس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اِن آیاتِ قرآنی اور احادیث سے واضح ہے کہ لیلۃُ القدر وہ مُبارک رات ہے جس میں قرآنِ عزیز نازل ہُوا (آسمانِ دُنیا پر) اور اس کے بعد ۲۳ سال میں آہستہ آہستہ قانونِ ہدایت بن کر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مُبارک سے بنی نوعِ انسان کی تربیت کا ذریعہ بنا۔ لیلۃ القدر اس لحاظ سے وہ مُبارک تقریب ہے جس میں خالقِ کائنات نے اپنی مخلوق کو اس کی پیدائش کی غایت اور اس کی زندگی کا نصبُ العین سمجھایا۔ ضرورت ہے کہ اس رات کو شہ نشان بنایا جائے۔ قرآن فہمی اور تعلیم و تزکیہ نفوس کیلئے رمضان المبارک کا آخری عشرہ متفقہ روایات کے مُطابق لیلۃُ القدر کا محل ہے۔ اِس لئے یہ دس دن عبادت کے لئے مخصوص کر دینے ضروری ہیں۔ لیلۃُ القدر کا تعین نہ کرنا خُود اس بات کی دلیل ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ ہم رمضان کی آخری دس راتیں عبادت الٰہی کے لئے وقف کر دیں۔ ان ایام کا ایک ایک لمحہ ہمارے دلوں میں طلبِ الٰہی اور نگاہوں میں فوقِ دیدار کا وسیلہ بن جائے اور ہم ان برکات سے بہرہ ور ہوں جو روزہ اور عبادت کا ثمرہ ہیں۔

روزہ کی اصل غایت یہ ہے کہ دن کو بھوک اور پیاس کی برداشت اور رات کو تلاوتِ قرآن اور یادِ خُدا سے نفسِ انسانی میں ایسی کیفیت پیدا ہو جائے کہ وہ ہر قسم کی نافرمانی، سرکشی اور بے راہ روی سے باز رہ کر اطاعت، عاجزی اور راست بازی کے راستہ پر آجائے۔

قرآنِ عزیز میں رات کو جاگنے اور اللہ کی بارگاہِ عبودیت میں عاجزانہ قیام کرنے کی کئی جگہ تلقین موجود ہے۔

چند آیات یہ ہیں:-

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ؕ ۝
(سورۂ مزمل : ۲-۶)

ترجمہ : قیام کیجئے رات میں مگر تھوڑا سا حصہ آدھی رات یا کم کر دیجئے اِس میں سے تھوڑا سا حصہ یا زیادہ کر دیجئے اِس پر اور پڑھئے قرآن ترتیل سے۔ بلاشبہ ہم ڈالیں گے آپ پر ایک بڑی بات وزن دار۔ بلاشبہ اُٹھنا رات کو نفس کو زیادہ سیدھا اور راست رو کرتا ہے۔ اور اِسی سے قول میں بھی راستی پیدا ہوتی ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ تھا کہ وہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں تمام امور سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کے لئے اعتکاف ایک باقاعدہ شعار بنا دیا گیا۔ یہ سنّت لیلۃ القدر کی برکات سے بہرہ ور ہونے اور قیامُ اللیل کو صحیح معنوں میں موجبِ فیض بنانے کے لئے ہے۔ اعتکاف کے متعلق کُتبِ احادیث میں تفصیلات موجود ہیں۔ چند احادیث یہ ہیں :-

(۱) عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَكَفَ يُدْنِيْ اِلَيَّ رَاْسَهٗ فَاُرَجِّلُهٗ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ اِلَّا لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ۔

ترجمہ : حضرت اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو جھکا دیتے سر اپنا میری طرف، سو میں کنگھی کر دیتی اور گھر میں نہ آتے، مگر ضروری حاجت کے لئے۔

(۲) عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عَائِشَةَ كَانَتْ اِذَا اعْتَكَفَتْ لَا تَسْاَلُ عَنِ الْمَرِيْضِ اِلَّا وَهِيَ تَمْشِيْ لَا تَقِفُ۔

ترجمہ : عمرہ بنت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رض جب اعتکاف کرتیں تو بیمار پرسی نہ کرتیں مگر چلتے اور ٹھہرتی نہ تھیں۔

(۳) عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ سَاَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ الرَّجُلِ يَعْتَكِفُ هَلْ يَدْخُلُ لِحَاجَتِهٖ تَحْتَ سَقْفٍ فَقَالَ نَعَمْ لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ۔

ترجمہ : امام مالکؒ سے روایت ہے انھوں نے پوچھا ابنِ شہاب سے کہ معتکف

کوکسی چھت کے نیچے حاجت کے لئے جانا درست ہے ـــ بولے ہاں درست ہے۔

(۴) عَنْ مَالِكٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَّنَافِعًا مَوْلٰی عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَا لَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصِيَامٍ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِیْ كِتَابِهٖ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ فَاِنَّمَا ذَكَرَ اللّٰهُ الْاِعْتِكَافَ مَعَ الصِّيَامِ۔

ترجمہ: قاسم بن محمد و نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر دونوں فرماتے تھے کہ اعتکاف بغیر روزے کے درست نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے کہ کھاؤ پیو یہاں تک کہ سفید دھاری معلوم ہونے لگے سیاہ دھاری سے فجر کی۔ پھر تمام کرو روزوں کی رات تک اور نہ مباشرت کرو اپنی بیویوں سے جب تک تم اعتکاف میں ہو مسجدوں میں۔ تو ذکر کیا اللہ جل جلالہ نے اعتکاف کا روزے کے ساتھ۔

(۵) عَنْ سُمَيٍّ مَوْلٰی اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّ اَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اعْتَكَفَ فَكَانَ يَذْهَبُ لِحَاجَتِهٖ تَحْتَ سَقِيْفَةٍ فِیْ حُجْرَةٍ مُغْلَقَةٍ فِیْ دَارِ خَالِدِ بْنِ وَلِيْدٍ ثُمَّ لَا يَرْجِعُ حَتّٰى يَشْهَدَ الْعِيْدَ مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

ترجمہ: سمی مولیٰ ابی بکر سے روایت ہے کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن اعتکاف کرتے تو جاتے حاجت ضروریہ کیلئے ایک چھت دار کوٹھڑی میں جو بند رہتی خالد ابن ولیدؓ کے گھر میں۔ پھر نہ نکلتے اعتکاف سے یہاں تک کہ حاضر ہوتے عید میں مسلمانوں کے ساتھ۔

اعتکاف کے سلسلہ میں چند مزید تصریحات یہ ہیں:۔

(۱) یحییٰ حضرت مالک سے روایت کرتے ہیں کہ اعتکاف درست نہیں ہوتا جب تک معتکف بیمار پرسی، نماز جنازہ وغیرہ کے لئے گھر میں جانے سے نہ بچے اور سوائے ضروری حاجت کے کسی کام کے لئے گھر سے نہ نکلے۔

(۲) اعتکاف اُس مسجد میں مکروہ نہیں ہے جس میں جمعہ ہوتا ہے اور جس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا اس میں اعتکاف اس وجہ سے مکروہ ہے کہ نماز جمعہ کے لئے نکلنا پڑے گا۔ یا جمعہ ترک کرنا ہوگا۔ اِس لئے اگر کوئی شخص ایسا ہو جس پر جمعہ فرض نہیں ہے اور وہ ایسی مسجد میں اعتکاف کرے تو مناسب ہے، ورنہ نہیں۔

③ جس شخص کو اعتکاف کرنا ہو وہ قبل غروبِ آفتاب وہاں داخل ہو جائے تاکہ جس رات اس کو اعتکاف کرنا ہے وُہ پوری پوری ہاتھ آئے۔

حضرت لیث، ثوریؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک نمازِ فجر کے بعد مسجد یا اعتکاف کی جگہ داخل ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تو وہ آپ کے لئے ایک خیمہ لگا دیتیں اور آپ نمازِ فجر پڑھ کر اُس میں چلے جاتے۔

④ حضرت مالکؒ فرماتے ہیں کہ معتکف کے لئے سوائے اعتکاف کے کوئی دُوسرا شغل مثلاً تجارت وغیرہ جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی کام کی ضرورت ہو تو وہ اپنے آدمیوں سے کہہ سکتا ہے مگر اس طرح کہ اس کا دل اس میں مشغول نہ ہو جائے۔ اصل رُوحِ عبادت یہ ہے کہ وُہ ہر چیز سے کٹ کر اس عشرہ میں صرف اللہ کا ہو جائے اور ماسوا اللہ کا کوئی خیال نہ رہے۔

⑤ جو شخص رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف شروع کرے پھر ایک یا دو دن بعد بیمار ہو جائے اور مسجد سے چلا جائے تو جب تندرست ہو جائے تو اُس کی قضا کرے۔ خواہ رمضان ہی میں یا رمضان کے بعد —— حضرت مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضُورؐ نے رمضان میں اعتکاف کا ارادہ کیا —— پھر لوٹ آئے اور رمضان کے بعد شوال میں اعتکاف فرمایا۔

⑥ اگر کوئی عورت اِعتکاف کرے۔ پھر اُس کے ماہواری ایام آجائیں تو وُہ اپنے گھر چلی جائے —— اور جب پاک ہو جائے تو دیر نہ کرے اور اپنے پہلے اعتکاف پر ہی بنا کر لے

⑦ اگر کسی عورت کو دُو ماہ کے روزے پے در پے رکھنے ہوں تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

⑧ معتکف جنازے کے ساتھ نہ جائے۔ اگرچہ اِس کے ماں باپ کا ہی جنازہ کیوں نہ ہو۔

⑨ اِعتکاف کی حالت میں نکاح دُرست ہے۔ مگر صرف نکاح تک باقی تمام قیود یعنی ہر قسم کی شہوانی خواہش یا حرکت سے کامل اجتناب وغیرہ قائم رہیں گی۔

⑩ مُحرِم (جو شخص حج کے لئے احرام باندھے) اور معتکف (جو اعتکاف کرے) میں فرق یہ ہے کہ مُحرِم کھائے، پیئے اور بیمار پُرسی کو جائے اور جنازہ کے ساتھ جائے اور خوشبو نہ لگائے مگر معتکف خوشبو لگائے، تیل ڈالے، اگر چاہے تو بال کتروائے مگر جنازے کے ساتھ

نہ جائے اور نماز نہ پڑھے جنازہ کی اور نہ بیمار پرسی کرے ــــــــ

اعتکاف کے اِن ضروری مسائل کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اِس عبادت کی رُوح اور لیلۃُ القدر کی غایت واضح کردی جائے ــــــــ

رمضانُ المُبارک کے روزے، نماز تراویح، اعتکاف اور لیلۃُ القدر کے فیوض سب ایک مقصد کی تکمیل کا ذریعہ ہیں اور قرآنی الفاظ میں لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم متقی بن جاؤ)۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (تاکہ تم شکر گذار بن جاؤ) اور لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (تاکہ تم پر رحم کیا جائے) تین نشانات میں واضح ہیں۔ اب تقویٰ، شکر اور رحم وہ سہ نشان ہیں جو ایک مومن کو رمضان کی اُن دس آخری راتوں میں ساری دُنیا سے کٹ کر اور ہر چیز سے پرہیز کر کے اپنی منزل بنا لینا ضروری ہیں۔

پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اِسی مبارک رات میں آئندہ سال کی قسمت کا فیصلہ ہوتا ہے تو ایک مسلمان کے لیئے واجب ہے کہ وہ ان ہر سہ نشانات منزل کی روشنی میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور اپنے قلب و دماغ کو اتنا پاک کرے کہ نئے سال کی تمام ذمہ داریاں بطریق احسن پورا کر سکے اور تمام مسائل زندگی کو عمدگی سے حل کرنے کے لیئے وہ توانائی حاصل کر سکے جو روزہ اور لیلۃُ القدر کی راتیں اس کے لیئے اپنے دامن میں لیئے کھڑی ہیں۔

جہاں انفرادی طور پر مسلمانوں کا یہ فرض ہے وہاں اجتماعی طور پر مسلمانانِ پاکستان کے لیئے لازم ہے کہ وہ اِن مبارک ایام میں دورِ حاضر کے تقاضوں کو سمجھیں اور اسلامی روایات کو از سر نو زندہ کرنے کے لیئے ذہنی، علمی، رُوحانی اور اخلاقی طور پر اُن تمام امور کو سامنے لائیں جن سے انھیں اپنی موجودہ اور آنے والی زندگی میں دوچار ہونا ہے۔ انھیں گویا اپنا سالانہ میزانیہ تیار کرنا ہے۔ اور گذشتہ سال کی کوتاہیوں پہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزانہ نادم ہو کر نئی قوت اور نئی صلاحیت کی توفیق طلب کرنا ہے۔

دُنیا آج جن مسائل سے دوچار ہے وہ جسم سے زیادہ رُوح اور مادی ضروریات سے زیادہ اخلاقی بُنیادوں کے نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

اسلام نے اِس مُبارک مہینے اور اس مبارک عشرے اور اِس مُبارک رات میں رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں کہ ہم اِن سے استفادہ کریں اور دورِ اوّل کے اُن مسلمانوں کی طرح جن کا ایک قدم اگر خاک پر تھا تو دوسرا فلک الافلاک پہ، اِس کرۂ خاکی

پر بسنے والے انسانوں کے لئے رُوح اور اخلاق کی ان تمام قوتوں کو ایک دفعہ پھر سے سمیٹ لائیں تاکہ انسانوں کی یہ مضطرب اور بے قرار رُوح جو مادیت اور اُس کے پیدا کردہ عذاب میں جکڑی ہوئی پڑی کراہ رہی ہے۔ اپنے مرکز سے وہی وابستگی پیدا کرلے، جو اُسے کبھی حاصل تھی!

شبِ برات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ○ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ○ (سورۃ الدخان ۱-۵)

ترجمہ: حٰمٓ - قسم ہے کتاب واضح کی - بے شک ہم نے نازل کیا اس کو ایک رات میں جو برکت والی تھی - کیونکہ بلاشبہ ہمیں ڈرانا مقصود تھا - اسی رات جدا کیا جاتا ہے ہر ایک حکم حکمت والا جو حکم ہوتا ہے ہمارے ہاں سے - کیونکہ ہم کو رسول بھیجنا منظور تھا۔

شعبان کی پندرھویں رات کو شبِ برات کہا جاتا ہے اور اس رات کو بڑا مبارک تصور کر کے مسلمان ایک قومی تقریب کی حیثیت دیتے ہیں۔ بعض مفسرین حضرات کا خیال ہے کہ سورۂ دخان کی محولہ بالا آیت میں جس مبارک رات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ یہی رات ہے مگر مختلف تفاسیر (مثلاً السراج المنیر، معالم التنزیل، البیضاوی، الجلالین) میں مفسرین حضرات کے دو قول منقول ہیں۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس رات سے مراد لیلۃ القدر (جو رمضان المبارک میں آتی ہے) اور بعض کی رائے ہے کہ اس سے مراد شبِ برات ہے۔ رئیس المفسرین الحافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیلؒ فرماتے ہیں۔

مَنْ قَالَ اِنَّهَا لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ كَمَا رُوِيَ عَنْ عِكْرَمَةَ فَقَدْ اَبْعَدَ النَّجْعَةَ فَاِنَّ نَصَّ الْقُرْاٰنِ اَنَّهَا فِيْ رَمَضَانَ -

ترجمہ: اور جو شخص یہ کہے کہ یہ رات شعبان کی پندرھویں ہے جیسا کہ عکرمہ سے روایت کی گئی ہے - پس تحقیق اس شخص نے راہِ حق سے اپنی نگاہ کو دور جا پھینکا - کیونکہ قرآن پاک کی نص تو یہ بتاتی ہے کہ جس رات کا ذکر اس آیت میں ہے وہ رمضان شریف میں ہے۔ (ابن کثیر)

ابن کثیر نے اپنے قول کی تصحیح کے لئے مندرجہ ذیل دو آیتوں سے استشہاد کیا ہے:۔

(۱) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (۲) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ -

امام نووی فرماتے ہیں :-

"صحیح مسلم کی شرح باب **صوم التطوّع** میں ہے —— لیلہ مبارکہ سے پندرھویں شب شعبان کا مراد لینا غلطی ہے۔ صحیح یہ بات ہے اور علمائے کرام اسی کے قائل ہیں کہ لیلہ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ بہرحال تحقیق یہی ہے کہ شب برات کا ذکر خیر قرآن شریف میں نہیں ہے۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں تفصیل سے موجود ہے۔

ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم :

(۱) عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَتْ لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَیْلَهَا وَصُوْمُوْا یَوْمَهَا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَنْزِلُ فِیْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ اَلَا مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقَهٗ اَلَا مِنْ مُّبْتَلًی فَاُعَافِیَهٗ اَلَا مِنْ کَذَا اَلَا مِنْ کَذَا حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرُ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو اس رات کو قیام کرو (یعنی نماز پڑھو) اور دن کو روزہ رکھو، کیونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی تجلی آفتاب کے غروب ہونے کے وقت سے ہی آسمانِ دُنیا پر ظاہر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ خبردار کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ اُسے بخش دوں۔ خبردار! کوئی رزق لینے والا ہے کہ اُسے رزق دوں۔ خبردار! کوئی مصیبت زدہ ہے کہ اُسے چھڑا دوں۔ خبردار! کوئی فلاں فلاں حاجت والا ہے؟ طلوعِ صبح صادق تک اللہ تعالیٰ یہی آواز دیتا رہتا ہے۔

(۲) **حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت :-**

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِکٍ اَوْ مُشَاحِنٍ —— (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ : ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو طلوع فرماتا ہے پس سوائے مشرک اور کینہ ورکے اپنی ساری مخلوقات کو بخشتا ہے۔

③ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةً فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِیْعِ فَقَالَ اَکُنْتِ تَخَافِیْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْكِ وَرَسُوْلُهٗ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنَّكَ اَتَیْتَ بَعْضَ نِسَآئِكَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَنْزِلُ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا فَیَغْفِرُ لِاَکْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ کَلْبٍ

ترجمہ : حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے ـــ انھوں نے فرمایا کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا۔ پھر ناگہاں وہ بقیع (قبرستان مدینہ منورہ) میں پائے گئے۔ تب آپ نے فرمایا : (اے عائشہ!) کیا تمھیں اس بات کا ڈر تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! میں نے خیال کیا تھا کہ شاید آپ ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے ہوں۔ تب آپؐ نے فرمایا :۔ تحقیق اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے پس قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی گنتی سے بھی زیادہ کو بخشتا ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

④ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَدْرِیْنَ مَا فِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ یَعْنِیْ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَا فِیْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ فِیْهَا اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ مَوْلُوْدٍ بَنِیْٓ اٰدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِیْهَآ اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ هَالِكٍ مِّنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِیْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ وَفِیْهَا تَنْزِلُ اَرْزَاقُهُمْ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی ثَلٰثًا قُلْتُ وَلَآ اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی هَامَتِهٖ فَقَالَ وَلَآ اَنَا اِلَّآ اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ یَقُوْلُهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (رواہ البیہقی)

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس رات میں کیا ہے حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس رات میں کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا : جو بچہ اس سال میں پیدا ہونا ہوتا ہے وہ اس رات میں لکھا جاتا ہے اور اس سال میں جو بنی آدم ہلاک ہونے والا ہوتا ہے اس کا نام لکھا جاتا ہے اور اس رات میں اُن کے اعمال اُٹھائے جاتے ہیں۔ اور اسی رات میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں۔ تب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

فرمایا۔ کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں جا سکے تین دفعہ آپؐ نے یہ کلمہ فرمایا۔ میں نے کہا۔ آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جا سکیں گے۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ سر پہ رکھ کر فرمایا۔ اور میں بھی نہیں جا سکوں گا۔ مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ آپ نے یہ کلمہ تین دفعہ فرمایا :۔

ان احادیث کے مطالب پر غور کریں تو شب برات کے متعلق تعلیمات نبویؐ کا خلاصہ یہ ہے :۔

① شب برات کو رات کے وقت عبادت کی جائے۔

② رات کے بعد دن کو روزہ رکھا جائے۔

③ اس رات کو سورج کے غروب ہونے سے لے کر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی تجلی (نور کا پرتو) آسمانِ دنیا پہ نازل ہوتی ہے۔

④ اس رات کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ــــ کوئی مجھ سے بخشش مانگنے والا ہے تو میں اسے بخش دوں گا ــــ کوئی رزق مانگنے والا ہے تو اسے رزق دوں گا۔ کوئی شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اُسے مصیبت سے نجات دوں گا ــــ اسی طرح مختلف حاجات انسانی کا نام لے کر اللہ تعالیٰ اُن کو پورا کرنے کا ذمہ لیتے ہیں۔

⑤ اس مبارک رات کو بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ مشرک اور کینہ ور کے علاوہ ہر گنہ گار کو بخشش نصیب ہوتی ہے۔

⑥ شب برات کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔

⑦ اسی رات سال میں پیدا ہونے والوں اور مرنے والوں کی فہرست لکھی جاتی ہے اور انسانوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیے جاتے ہیں۔

⑧ اسی رات انسانوں کے رزق کا اندازہ نازل کیا جاتا ہے اور وہ ملائکہ عظام جن کے سپرد یہ کام ہیں وہ تقسیم و تنظیم رزق پہ متعین ہوتے ہیں۔

اِن تعلیمات کی روشنی میں ہم اس مبارک رات کے لائحہ عمل کو سمجھ سکتے ہیں۔ ایک حصہ کا تعلق عقائد اور مشاہدات سے ہے۔ اس کے علاوہ انسانی اعمال اور اخلاقی صفات کا بھی ذکر ہے۔ اصل روح یہ معلوم ہوتی ہے کہ خدائے قادر و توانا نے اپنی مخلوق کے لئے جو آسانیاں اور بخششیں مقدر فرمائی ہیں اِن کا ذکر کرنے کے بعد دو اخلاقی صفات

پر زیادہ زور دیا جائے۔ یعنی توحید اور دل کی صفائی (کینہ سے پرہیز)
گویا کہ ۱۵ شعبان کی رات جہاں تقدیر کی رات ہے۔ مغفرت کی رات ہے وہاں توحید کو قائم کرنے اور ہر انسان کے سینے کو شرک اور عداوت سے پاک کر دینے کی بھی تقریب ہے۔
تعلیمات کتنی بلند اور پاکیزہ ہوں اگر قومیں یا افراد ان کی رُوح کو سمجھنے سے عاری ہوں یا اُن پر عمل کرنے کی بجائے رسومات اور الفاظ میں اُلجھ جائیں تو وہ نتائج کبھی بر آمد نہیں ہو سکتے جو صاحبِ تعلیمات کے پیش نظر ہوتے ہیں۔
آپ واقعات، حالات اور رسُومات کی روشنی میں عامۃُ المسلمین کے مشاغل کا جائزہ لیں تو شب برات کا پروگرام عام طور پہ یہ ہوتا ہے۔
ہر گھر میں بہت سا حلوا پکایا جاتا ہے۔ سال بھر میں جہاں جہاں موتیں ہو چکی ہوتی ہیں عورتیں وہاں جاتی ہیں اور بین کرکے روتی ہیں چھوٹے بچے آتش بازی چلاتے ہیں اور فضول خرچی کے علاوہ آگ سے کپڑے یا دوسری چیزیں جلانے کا خطرہ مُول لے لیتے ہیں۔
قیامِ پاکستان سے پہلے تو اس تقریب پر مسلمانوں کی جاہل آبادی غیر مسلموں جیسی رسُومات اور لہو ولعب کے مشاغل کو ایک فریضہ خیال کرتی تھی۔ اب قیام پاکستان کے بعد جو صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے اس سے بعض خرابیاں تو از خود دُور ہو گئی ہیں یعنی یہ کہ مشترکہ رسُومات اور غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی اپنی تقریبات کو ان کے تہواروں کے مشابہ بنانے کا امکان ختم ہو گیا ہے۔ نیز اب زندگی کے ہر شعبہ میں تعمیر و ترقی کے منصوبوں پہ عمل درآمد کرنے کا پُر خلوص ارادہ ہر طرف نظر آتا ہے اور ملک میں تخریبی اور بے ہودہ عمل کیلئے کوئی گنجائش باقی نہیں۔ معاشرہ نے خود یہ قبول کر لیا ہے کہ دین و دُنیا کی بہتری کے لئے جو قدم بھی ضروری ہو وہ اُٹھایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر اُس حرکت اور ہر اُس عمل کو ختم کر دیا جائے جو انفرادی یا اجتماعی زندگی میں بربادی یا تخریب پہ منتج ہو۔
شب برات کا اسلامی پروگرام یہ ہے ۱۵ شعبان کے دن کو روزہ رکھا جائے اور رات کو اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر اس کی بندگی کا اقرار اور اس کے احکام کی تعمیل کا سچا عزم کر لیا جائے۔ مسلمان ہر جگہ اور ہر دائرۂ عمل میں یہ عہد کریں کہ آج کے بعد وہ اپنا وقت اور مال اسلامی توحید کی اشاعت اور قومی اتحاد کے قیام کے لئے خرچ کریں گے۔ وہ محلہ محلہ گاؤں گاؤں اور شہر بہ شہر مسلمانوں کو گلے ملائیں گے۔ ان کے دلوں سے کینہ اور دُشمنی نکال کر محبت

اور خلوص کے جذبات پیدا کرنے کے لیے ہر وہ قدم اُٹھائیں گے جو اِن کی قدرت میں ہو۔ ہر شخص گذشتہ سال میں اپنی کارگزاری کا جائزہ لے اور محاسبہ کے بعد اگلے سال کے لئے اسلامی تعلیمات و نظریات کے عین مُطابق زندگی گزارنے کا منصوبہ مرتب کرے اور اللہ تعالیٰ سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمانے کی دُعا کرے۔

۱۴ شعبان کو جلسوں اور اجتماعوں کا اہتمام بھی کیا جا سکتا ہے جن میں اتحاد و توحید کے موضوع پر تقریریں ہوں۔ مسلمان ہر جگہ اپنے بھائیوں کی لغزشوں اور کمزوریوں کو دل سے مُعاف کر کے گلے ملیں اور حکومت و عوام ملک کی تعمیری سرگرمیوں کو تیز تر کرنے میں ایک دُوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔

"اپنی مدد آپ" اور تعمیر و اصلاح کے جو پروگرام ملک میں جاری ہو چکے ہیں اُن کی روئیدادیں عام مسلمانوں کو سُنائی جائیں اور قوانین و قواعد کی روشنی میں ایک پُر یقین اور پُر عمل زندگی کے لئے ہر جگہ راستہ صاف کیا جائے تاکہ پاکستان جن اسلامی قدروں کے احیاء اور جس اسلامی قیادت کو بروئے کار لانے کے لیے وجود میں آیا ہے اس کی تکمیل ہو سکے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اولیاء اللہ کے عرس

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

ترجمہ : اور یہ قرآن ایک کتاب تصدیق کرنے والی ہے۔ زبان عربی میں تاکہ وہ ڈرائے اُن کو جنھوں نے ظلم کیا۔ اور خوشخبری ہے نیکوکاروں کے لئے۔ بلاشبہ جنھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پھر اسی پر وہ جمے رہے۔ پس نہیں کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی اصحاب جنت ہیں اور اس میں اپنی نیک کمائی کی وجہ سے رہیں گے۔

(سورۃ الاحقاف - ۱۲-۱۴)

برِّ صغیر پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر اولیائے کرام اور بزرگانِ ملت کی وجہ سے ہوئی۔ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک جتنے بھی صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ گذرے ہیں سب کے سب خالص توحید اور اتباعِ سُنّت پر کاربند رہے ہیں اور انھوں نے اس سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ ان کی تمام عمریں اشاعتِ اسلام کے لئے وقف رہیں اور سیاسی ہنگاموں، ملکی انقلابات اور معاشی تشکیب و فراز سے بلند تر رہ کر وہ اللہ کا نام بلند کرتے رہے۔ شاہانِ زمانہ اور امرائے وقت نے ان کے آستانوں پر دستک دی اپنی غلط کاریوں اور بے راہ رویوں میں ان کی راہ نمائی اور ہدایت کے محتاج ہوئے۔ اس کی ہزارہا مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔

قرنِ اوّل میں صوفیا اور مشائخ کی کوئی مستقل تنظیم یا جماعت الگ نہ تھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست نورِ ہدایت حاصل کرتے

اور اس کی روشنی ہر طرف پھیلتی جاتی ـــــ بعد میں جب اسلام میں ملوکیت آئی۔ دین اور دُنیا کی تقسیم نے اسلام کی اشاعت اور تبلیغ حق کی رفتار کو سُست کر دیا تو اللہ والوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جنھوں نے دُنیا کی ہر چیز سے مُنہ موڑ کر اپنے آپ کو اللہ کا نام بلند کرنے اور دین حق کی اشاعت کے لئے وقف کر دیا۔ یہ پاکبازوں کی جماعت ہی صُوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کہلاتی ہے۔

برصغیر ہند و پاکستان میں اِشاعت اِسلام کیسے ہُوئی اور نُورِ توحید کیونکر پھیلا اِس کے متعلق مُورخین نے جو تحقیق کی ہے۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ قرنِ اوّل میں ایسی کوئی کوشش نہ ہو سکی جسے خالص تبلیغی یا دینی رابطہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مورخ طبری کے بیان کے مطابق حضرت عمرؓ کے زمانہ میں سب سے پہلے حکم بن عمرو تغلبی نے ایران اور سندھ کی فوج کو شکست دی۔ اس کے بعد ۹۳ھ کو محمد بن قاسم برصغیر پاک و ہند میں آئے اور چار سال تک یہاں فتوحات حاصل کیں۔ جن عربوں نے براہِ راست اسلام قبول کیا تھا اُن کے لئے یہاں آنے کا یہ پہلا موقع تھا۔

فتح سندھ کے بعد ساٹھ ستر سال تک تو عرب فاتحین غالب رہے۔ مگر اس کے بعد ان میں یمنی اور حجازی کا جھگڑا شروع ہو گیا اور عرب حکومت کمزور ہو گئی۔

عہدِ اسلامی کی سب سے قدیم زیارت گاہ شیخ ابُوتراب کا مزار ہے۔ تحفۃ الکرام کے مصنف کا بیان ہے کہ شیخؒ ایک بزرگ تبع تابعی تھے اور عباسی خلفاء کے عہدِ حکومت میں ضلع ساکورہ اور اس علاقے کے مضبوط قلعہ بھکرہ (بھکر) اور مغربی سندھ کے بعض مواضعات پر قابض تھے ـــ آپ کا مزار زیارت گاہِ خاص و عام ہے، اور اس کے گنبد پر تاریخ ۱۷۱ھ درج ہے۔ (تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۲۶)

ساحلِ ہند پر عربوں کی بستیاں قائم ہُوئیں اور وہاں تبلیغِ اسلام کا کام بھی ہوتا رہا۔ جن بزرگوں کے نام زیادہ مشہور ہیں وُہ یہ ہیں:۔

مخدوم علی مہائمیؒ۔ جن کا مزار بمبئی کے قریب قصبہ مہائم میں ہے۔ حضرت شیخ ابوالبرکات بربریؒ جن کے ہاتھ پر مالدیپ کا راجہ اور اس کی تمام رعایا مسلمان ہو گئے۔ شیخ زین العابدین معبریؒ۔ فاضل مُصنّف تحفۃ المجاہدین جن کا مزار کالی کٹ کے جنوب میں قصبہ پونانی میں ہے جو اب موپلا مسلمانوں کا علمی اور مذہبی مرکز ہے۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ شیخ زین الدین

الوحیلی (۸۷۳ - ۹۲۸ ھ) ہیں۔ یہ بزرگ علوم ظاہری اور باطنی میں کامل تھے۔ انھوں نے چشتیہ اور قادریہ سلسلوں میں بیعت کر رکھی تھی اور تصوف، فقہ، مسائلِ وعظ و تذکیر میں کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

سندھ اور ملتان ۷۱۳ء میں فتح ہوئے۔ اس کے بعد کوئی اڑھائی تین سو سال تک راجپوت شمالی ہندوستان میں حکومت کرتے رہے اور اس عرصہ میں صرف صوفیائے کرام یا اِکّے دُکّے اولیاء اللہ کی برکت اور فیض سے دیارِ ہند میں اسلام کا پرچم بلند رہا۔ ۹۸۰ء کے قریب امیر سبکتگین نے محمد بن قاسمؒ کی طرح واقعات سے مجبور ہو کر شمال مغربی سرحد کی طرف رُخ کیا۔ ۹۹۷ء میں امیر نے وفات پائی تو سلطان محمود غزنویؒ (متوفی ۱۰۳۰ء) تخت نشین ہوئے اور ان کی فتوحات نے سکندرِ اعظم کی فتوحات کی یاد تازہ کر دی۔

یہ زمانہ ہے کہ اولیاء اللہ کے ورود و ظہور سے برِصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام اور فیوضِ روحانیت کا دَور دَورہ شروع ہوا۔ عہدِ غزنویہ میں پاکستان کے جس شہر نے سب سے زیادہ فروغ حاصل کیا وہ لاھور تھا۔ لیکن سرزمینِ پاک و ہند میں اسلام کے قدیم گہوارے سندھ اور ملتان کے علاقوں میں بھی اب صرف عرب سے نہیں، بلادِ عجم سے بھی علماء و مشایخ آنے شروع ہو گئے تھے۔ اِن بزرگانِ عظام میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔

۱۔ **شیخ صفی الدین گازرونی حقانیؒ** ـــــ یہ مشہور صوفی بزرگ خواجہ ابواسحاق گازرونیؒ کے مرید اور خواہر زادے تھے، اور اپنی تبلیغی اور روحانی کوششوں کی وجہ سے شہرہ آفاق ہیں۔ آپ کی پیدائش ۹۶۲ء میں ہوئی۔ سترہ برس کی عمر میں آپ اُچہ تشریف لائے اور ۱۰۰۷ء میں وفات پا گئے۔

۲۔ **شاہ یوسف گردیزی** ـــــ (۴۶۲ھ/۱۰۶۹ء ۔ ۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء) آپ گردیز میں پیدا ہوئے اور بہرام شاہ غزنوی کے عہدِ حکومت میں ملتان تشریف لائے۔ آپ کا مزار ملتان کی مشہور زیارت گاہوں میں سے ہے۔ شاہانِ اسلام نے اس کے ساتھ بہت سی جاگیریں معافی میں دے رکھی تھیں۔ لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ نے انھیں ضبط کر لیا۔ گردیزی سادات زیادہ تر شیعہ عقائد کے ہیں اور علم و فضل سے رغبت رکھتے ہیں۔

۳۔ **شیخ اسماعیل لاہوری** ـــــ یہ بزرگ ۱۰۰۵ء میں لاہور میں تشریف لائے۔ ان کی مجلسِ وعظ میں سامعین کا ہجوم ہوتا تھا اور ہر روز صدہا لوگ خلعتِ اسلام سے مشرف ہوتے

تھے۔ خزینۃ الاصفیا کا بیان ہے ——— "چوں شیخ اسمٰعیل در لاہور تشریف آورد۔ بروز جمعہ ثانی پانصد و پنجاہ ——— بروز جمعہ ثالث یک ہزار کس در زمرۂ اہلِ توحید داخل گشتند۔"

۴۔ حضرت سالار مسعود غازیؒ (شہادت ۱۰۳۳ء) ان کو میاں غازی یا سالار یا بالا پیر بھی کہتے ہیں۔ ان کو سلطان الشہداء کا لقب حاصل ہے۔ آپ سلطان محمود غزنویؒ کے خواہر زادے تھے۔ کئی لڑائیوں کے بعد جن میں آپ کو اور آپکے والد کو بڑی کامیابی ہوئی۔ آپ بھرائچ کے ہندو سرداروں سے لڑتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ۱۰۳۳ء میں شہید ہوئے۔

سلطان محمد تغلق نے آپ کے مزار کو دوبارہ بڑی شان سے تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ آپ سے اور آپ کے مزار سے کئی کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں اور عوام الناس پر آپ کا بڑا اثر ہے۔ بھرائچ میں جہاں آپ کا مزار ہے، آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔

۵۔ حضرت داتا گنج بخشؒ ——— (۱۰۰۹ - ۷۲ء) آپ سلطان مسعود ابن محمود غزنویؒ کے اخیر عہدِ حکومت میں دو ساتھیوں کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ یہاں آپ نے ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ کچھ دیر تک درس دیتے رہے۔ پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے کہا جاتا ہے کہ کئی لوگ آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے جن میں سے رائے راجو جو سلطان مودود ابنِ مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا، خاص طور پر قابلِ ذکر ہے مسلمان کرنے کے بعد آپ نے اس کا عرف شیخ ہندی رکھا۔ آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:۔

کشف المحجوبؒ۔ کشف الاسرارؒ۔ منہاج الدینؒ۔ البیان لاہل العیانؒ۔

۶۔ سلطان سخی سرور ——— آپ کا نام سید احمد تھا اور سلطان سخی سرور یا لکھ داتا کے لقب سے مشہور ہیں۔ مضافاتِ ملتان میں ایک موضع کرسی کوٹ میں پیدا ہوئے اور لاہور میں مولوی محمد اسحاق لاہوری سے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ مشہور ہے کہ تصوف میں آپ نے اپنے والد کے علاوہ حضرت غوث اعظمؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد لاہور سے کوئی ساٹھ ستر میل شمال مغرب کی طرف وزیر آباد کے پاس موضع سوہدرہ میں اقامت اختیار کی اور یادِ الٰہی اور ہدایتِ خلق میں مشغول ہوئے۔ آپ کو خدا نے بڑی قبولیت دی۔ خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ حصولِ مراد کے لئے آپ کے پاس آتے اور کوئی نامراد نہ جاتا۔ اِس لئے آپ سخی سرور کے لقب سے مشہور ہیں۔ بعد میں آپ مقام

دھونکل میں کئی سال رہے۔ اس کے بعد وطن کی محبت دامن گیر ہوئی اور ضلع ڈیرہ غازیخان کے ایک گاؤں میں جسے اب شاہ کوٹ کہتے ہیں واپس تشریف لے گئے۔ وہاں بھی آپ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ حاکمِ ملتان نے اپنی بیٹی آپ سے بیاہ دی۔ لیکن اس سے حاسدین کی آتشِ حسد تیز ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے یکجا ہو کر آپ کو، آپ کے بھائی، بیٹے اور اہلیہ محترمہ کو شہید کر دیا۔۔۔۔ یہ واقعہ ۱۱۸۱ء کا ہے۔ مزار شاہ کوٹ کے قریب ہے۔

اس کے علاوہ سید احمد توختہ ترمذی ثم لاہوری (متوفی ۶۰۲ھ) سید یعقوب صدر دیوان زنجانی (متوفی ۶۰۴ھ) شیخ عزیز الدین مکی لاہوری (متوفی ۶۱۷ھ) کے نام بھی قابلِ ذکر ہیں۔

۱۱۸۶ء سے لے کر ۱۳۲۱ء تک کا زمانہ توسیع مملکت کا زمانہ ہے۔ یہ دور خاندانِ غلاماں اور خاندانِ خلجی کا عہد سلطنت ہے۔ اس زمانے میں علماء و مشائخ کے ضمن میں چند بزرگوں کا ذکر کیا جانا ضروری ہے۔

۷۔ **سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری**ؒ ۔۔۔۔ حضرت خواجہؒ سجستان میں پیدا ہوئے، لیکن آپ کی تعلیم و تربیت خراسان میں ہوئی۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ یتیم ہو گئے اور قلندر شیخ ابراہیم قندوزیؒ کے فیض سے تمام جائیداد مسکینوں میں بانٹ کر سمرقند پہنچے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہے اور کمال مجاہدہ و ریاضت کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ نے ایک عرصہ تک بلادِ اسلامیہ کی سیر و سیاحت کی اور اس دوران میں صدہا اولیاء اللہ سے ملاقات کی۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ ستاون روز تک حضرت غوث الاعظمؒ کے ساتھ ایک حجرے میں مقیم رہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور سہروردی سلسلہ کے بانی شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی سے بھی آپ کا بہت ربط ضبط رہا۔ اسی طرح شیخ نجم الدین کبریؒ شیخ ضیاء الدین خواجہ اوحد الدین کرمانی۔ شیخ ابوسعید تبریزیؒ اور دیگر کئی بزرگوں سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ بلادِ اسلامی میں بھی آپ کو بڑا مرتبہ حاصل ہوا۔ چنانچہ سیر العارفین میں مولانا رومؒ کے خلیفہ شیخ حسام الدین چلپی کا یہ بیان ہے کہ شیخ اوحد الدین کرمانی نے حضرت خواجہؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے بھی آپ کی صحبت سے فیض اٹھایا۔ اصفہان میں آپ کی ملاقات خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ہوئی جو ان دنوں مرشد کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ حضرت قطب الدینؒ حضرت خواجہ بزرگ کے مرید

ہوئے اور بعد میں جب حضرت خواجہ بزرگ نے اجمیر میں اقامت فرمائی تو خواجہ قطب الدین نے ان کے فیض کا سلسلہ دہلی میں جاری رکھا۔

بغداد، ہرات، تبریز، بلخ سے ہوتے ہوئے حضرت خواجہؒ غزنی کے راستے ہندوستان میں آئے اور پہلے لاہور پہنچے ـــــ مشہور ہے کہ یہاں آپ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر چلّہ کشی کی۔ لاہور سے آپ ملتان تشریف لے گئے جہاں آپ نے طویل قیام کرکے ہندوستانی زبان میں مہارت تامہ حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دہلی آئے اور تھوڑا عرصہ قیام کرکے اجمیر کا رُخ کیا جو ابتدا میں اجمیر و دہلی کے راجہ کا دارالحکومت اور دہلی سے بھی زیادہ اہم مقام تھا۔ آپ کی وفات ۹۷ برس کی عمر میں ۶۳۳ھ (مارچ ۱۲۳۵ء میں ہوئی)۔ مزار اجمیر شریف میں ہے اور زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

حضرت خواجہؒ کے معاصرین میں میر سید حسین خنگ سوارؒ۔ صوفی حمید الدین ناگوریؒ اور خلیفہ کبیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں۔ آپ نے ۲۷ دسمبر ۱۲۳۵ء کو دنیا کو الوداع کہا۔

۸۔ شیخ کبیر بابا فرید گنج شکرؒ ـــــ آپ حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے جانشین تھے۔ ان کے آبا و اجداد کابل میں بلند مرتبہ رکھتے تھے اور چنگیزی حملہ کے دوران میں وہاں سے ہجرت کرکے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ شیخ کبیرؒ کے دادا ملتان کے نزدیک کھوتوال میں قاضی مقرر ہوئے اور یہیں بابا صاحب جن کا اصل نام مسعود تھا، پیدا ہوئے۔ کھوتوال میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ملتان تشریف لے گئے۔ ۱۸ سال کی عمر میں خواجہ قطب الدینؒ سے ملاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ آپ دہلی کی طرف چلے گئے۔ آپ نے تین منزلیں شیخ قطب الدینؒ کے ساتھ طے کی تھیں کہ انھوں نے بابا فریدؒ کو فرمایا کہ وہ پہلے علوم ظاہری کی تکمیل کرلیں۔ پھر ان کے پاس دہلی آئیں۔ خوش نصیب مسعود نے اسی طرح کیا۔ پانچ سال تکمیل تعلیم کے لیے خطۂ قندھار میں گذارے اور پھر دہلی آئے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد بابا فرید پہلے ہانسی پھر کھوتوال اور بالآخر پاکپتن۔ جو ان دنوں اجودھن کہلاتا تھا چلے گئے۔ آپ کی وفات ۱۲۶۵ء میں ہوئی۔

۹۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ ـــــ حضرت خواجہ ۹ اکتوبر ۱۲۳۸ء میں بمقام بدایوں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن بخارا تھا۔ لیکن آپ کے دادا اور نانا اپنے عمائدِ اولی

کے ساتھ چنگیزی فتنہ کے دوران میں بخارا سے لاہور آئے۔ یہیں آپ کے والد اور والدہ پیدا ہوئے تھے۔ اور پھر یہ دونوں خاندان بدایوں چلے گئے۔ پانچ سال کی عمر میں آپ یتیم ہو گئے۔ آپ کی والدہ بی بی زلیخا نے آپ کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ ۱۲۵۷ء میں آپ اجودھن تشریف لائے اور حضرت بابا فریدؒ سے بیعت کی۔ چار سال بعد ۶۵۹ھ میں خلافت ملی اجودھن کے آپ نے دس سفر کئے۔ سات مرشد کی وفات کے بعد اور تین اُن کی زندگی میں۔

ہندوستان کے مشائخ میں حضرت سلطان المشائخ کا ایک خاص مرتبہ ہے۔ انھیں داتا گنج بخشؒ یا حضرت خواجہ اجمیریؒ کی طرح شرفِ قبولیت نہیں۔ نہ اِن کی زندگی تبلیغی کوششوں کے لئے اس طرح ممتاز ہے۔ جس طرح ان کے مرشد بابا فرید یا دوسرے پیرانِ عظام مثلاً امیر کبیر ہمدانی، شیخ بہاؤالدین ذکریا یا حضرت نور قطب العالم بنگالی کی۔ لیکن اس کے باوجود اثر و اقتدار اِن کو حاصل ہوا بہت کم بزرگوں کو نصیب ہوا ہوگا۔

آپ کے ملفوظات کا مستند مجموعہ **فوائد الفواد** ہے جسے اِن کے مرید اور مشہور فارسی شاعر حسن سنجری نے ترتیب دیا۔

۱۰۔ **امیر خسروؒ** ۔۔۔ اِن کا پورا نام ابوالحسن یمین الدین اور تخلص خسرو تھا۔ ۱۲۵۳ء میں پٹیالی (ضلع آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ اِن کے والد امیر سیف الدین محمود ترکستان سے ہندوستان آئے تھے اور والدہ ایک نومسلم رئیس کی بیٹی تھیں۔ شاعری کا جذبہ فطری تھا۔ بچپن ہی سے شعر کہتے تھے۔ پندرہ برس کی عمر میں تمام درسی علوم و فنون سے فراغت حاصل کر لی۔

امیر خسروؒ ایک بڑے عابد اور اہل اللہ شاعر تھے۔ ہر رات تہجد کے وقت کلام اللہ کے سات پارے پڑھتے۔ آپ کی وفات اپنے مرشد سے چھ ماہ بعد ۱۰ نومبر ۱۳۲۴ء کو ہوئی

۱۱۔ **امیر حسن سنجریؒ** ۔۔۔ (متوفی ۱۳۳۷ء) جن کا پورا نام خواجہ نجم الدین حسن سنجری ہے۔ اِن کے والد کا نام علاء الدین حسن تھا۔ آپ امیر خسرو کی پیدائش سے ایک سال پہلے ۶۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بڑے ہو کر امیر خسرو کے ساتھ خان شہیدؒ کی ملازمت اختیار کی۔

آپ کی سب سے مشہور تالیف فوائد الفواد ہے۔ جس میں آپ نے اپنے مرشد کے ملفوظات قلمبند کئے ہیں۔ آپ کی وفات ۷۳۸ھ میں ہوئی اور مزار دولت آباد سے چند میل کے فاصلہ پر خلد آباد میں ہے۔

۱۲۔ **خواجہ ضیاء الدین سنامیؒ** ۔۔۔ جو نصاب الاحتساب کے مصنف ہیں اور شدت

سے احکامِ شرعی پر عامل رہے۔

۱۳۔ مخدوم علاؤالدین صابرؒ ـــ حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابرؒ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے حقیقی بھانجے تھے۔ موضع کھوتوال میں ۱۱۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ بابا صاحب نے بڑی محبت اور محنت سے تعلیم دی۔ صابریہ سلسلہ جس میں ہزارہا انسان داخل ہیں آپ ہی سے شروع ہوا۔ آپ اکثر نیم مجذوبانہ اور استغراق کی حالت میں رہتے تھے۔ آپ نے ۱۲۹۱ء میں وفات پائی۔ آپ کا مزار رڑکی ضلع سہارنپور سے چند کوس کے فاصلے پر کلیر شریف میں ہے۔

۱۴۔ حضرت بو علی قلندرؒ ـــ آپ پانی پت میں ۶۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد ایک فقیر کے اثر سے درس و تدریس چھوڑ کر جنگل میں نکل گئے اور قلندروں کی طرح آزادانہ طریقے اختیار کر لئے۔ آپ کی زندگی کے کئی واقعات ہیں جنھیں اگر شرع کے ترازو میں تولیں تو قابل گرفت نظر آتے ہیں۔ لیکن دنیا آپ کو ایک قلندر کے طور پر جانتی ہے۔ آپ کی بیشتر عمر استغراق اور جذب کی حالت میں گزری۔ رمضان المبارک ۷۲۴ھ میں وفات پائی۔ مزار پانی پت میں ہے۔

۱۵۔ شیخ بہاء الدین زکریاؒ ـــ ہندوستان میں سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے موسس اعلیٰ آپ کے دادا مکہ معظمہ سے پہلے خوارزم آئے اور پھر وہاں سے ملتان پہنچے۔ آپ کے نانا منگولوں کے حملے کے وقت ہندوستان آئے اور کوٹ کروڑ میں آباد ہو گئے۔

شیخ شہاب الدین زکریاؒ ۱۱۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ ۱۲ برس کے تھے کہ والدؒ کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد آپ خراسان چلے گئے اور وہاں سات سال تک علوم ظاہری اور باطنی کے حصول میں صرف کیے۔ پھر وہاں سے بخارا پہنچے اور وہاں کے حضرات سے کسب فیض فرماتے رہے۔ بیت اللہ شریف حج کے لئے تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں پانچ سال قیام فرمایا۔ اور حضرت شیخ کمال الدین یمنی سے علم و حدیث کی سند لی بعد ازاں بغداد تشریف لے گئے اور جناب شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے شیخ اعلیٰ، کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ حضرت زکریاؒ اپنے مرشد کی خدمت میں صرف سترہ روز رہے تھے کہ انھیں خرقہ خلافت مل گیا۔ اس پر بعض دیرینہ خدام نے عرض کیا کہ ہمیں سالہا سال ہو

چکے ہیں کہ اس در کی جاروب کشی کر رہے ہیں اور وہ کچھ نصیب نہیں ہوا جو اس نووارد کو چند دنوں میں حاصل ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم گیلی لکڑیاں لائے تھے کہ جو آگ پکڑتے ہی پکڑے گی اور ذکریا چوب خشک لے کر آیا تھا کہ ایک ہی پھونک سے بھڑک اٹھی!

بغداد سے واپسی پر آپ نے مرشد پاک کی ہدایت کے مطابق ملتان کو اقامت گاہ بنایا اور اسی زمین میں اپنی زندگی کے آخری ایام تک دعوت و ارشادِ حق فرماتے رہے، اور سرزمین ہند میں سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے اجراء اور تبلیغ کا باعث بنے۔

آپ کا وصال ۱۲۶۴ء میں ملتان ہی میں ہوا۔ جہاں آج بھی آپ اپنی آخری آرام گاہ میں محوِ خواب ہیں۔

آپ کے خلفاء:

آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدینؒ، پوتے جناب شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانیؒ اور مولانا عراقی آپ کے خاص خلفاء میں سے ہیں۔ عراقیؒ کچھ عرصہ کے بعد ہندوستان چھوڑ کر ایشائی رُوم چلے گئے اور قونیہ میں قیام فرمایا۔ وہیں آپ کا وصال ہوا جناب شیخ صدر الدینؒ کا وصال ۱۲۸۵ء میں ملتان میں ہوا، اور وہیں آپ کا مزار مبارک ہے۔ اور آپ کے صاحبزادے ابوالفتح ملتانی کا وصال بھی ۱۳۳۴ء میں اسی ملتان میں ہوا اور مزار مبارک قلعہ میں ہے جہاں آپ کے والد اور دادا رحمہما اللہ کے مزارات بھی ساتھ بنے ہوئے ہیں۔

جناب مجدد الف ثانی سرہندیؒ:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفس گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

اقبال

جناب مجدد الف ثانیؒ کا نام نامی احمدؒ ہے۔ اور کنیت ابوالبرکات، القاب بدر الدینؒ اور مجددِ الف ثانی ہے۔ ۹۷۱ھ میں سرہند کے مقام پر پیدا ہوئے۔ جناب کے والد ماجد کا نام حضرت مخدوم عبدالاحدؒ ہے۔ ابتداء میں جناب مجددؒ نے آپ ہی سے شرف تلمذ حاصل کیا اور بعد میں چند سلاسل طریقت میں نسبت بھی آپ ہی سے لی۔ مولانا کمال کشمیریؒ سے معقول کی بعض کتابیں پڑھیں اور سند حدیث جناب یعقوب کشمیریؒ سے لی جو اس زمانے کے ایک مانے ہوئے محدث تھے۔ پھر طریقہ کبرویہ میں آپ ہی سے

بیعت کی۔ سترہ برس کی عمر میں ظاہری علوم کی تحصیل سے فراغت حاصل کرلی اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد خواجہ خواجگان خواجہ محمد باقی باللہؒ سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔

جناب مجددؒ جس زمانے میں پیدا ہوئے۔ وہ اکبری عہد کے آس پاس کا زمانہ تھا، جبکہ ہندوستان میں ایک طرف بعض برخود غلط علمائے سوٗ کی پھیلائی ہوئی بدعات تھیں کہ جن کا شکار عام مسلمان ہو رہے تھے، تو دوسری طرف انہی علماء کا آپس کا اعتقادی اختلاف اسلام اور مسلمانوں کی جان کو آرہا تھا۔ پھر ان سب پر مستزاد اس زمانے کے صوفیا نے طریقت، حقیقت اور معرفت کا نام لے کر علیحدہ ایک اُدھم مچا رکھا تھا۔ اِدھر یہ فتنے ہماری بربادی کے لئے کیا کم تھے کہ اکبری "دینِ الٰہی" کا فتنہ خوب بھرا۔ ہندو راجپوت عورتیں شاہی محلات ہی پر قابض نہ تھیں بلکہ خود شہنشاہ اکبر کے دل پر قبضہ کر چکی تھیں۔ غرض یہ تھیں وہ مصیبتیں جن میں اس وقت کا اسلام اور مسلمان مبتلا تھا کہ اتنے میں جناب مجددؒ کا وجودِ گرامی خدائی نصرت اور تائید بن کر جہاں میں آیا۔

جناب مجددؒ اب اپنی ظاہری اور باطنی تعلیم و تربیت سے فارغ ہو چکے تھے اور تبلیغ و اشاعت دین کے لئے جناب کی طرف سے پوری والہانہ کوششیں شروع ہو چکی تھیں۔ اکبری اور جہانگیری عہد کے بڑے بڑے ممتاز امراء اور سردار جناب مجددؒ کے حلقۂ اثر میں داخل ہو رہے تھے۔ فوجوں کے بڑے بڑے مراکز اور شہروں میں حضورؒ کے عظیم المرتبت خلفاء اور شاگرد تبلیغ اسلام کا دینی فرض ادا فرما رہے تھے اور علماء اور مشاہیرِ وقت حضورؒ کے فیضان الیقان و عرفان سے فیضیاب ہونے شروع ہو گئے تھے۔ جن کے ذریعے عوام الناس اپنے بگڑے ہوئے عقائد اور گمراہ مسلکوں سے تائب ہوتے نظر آرہے تھے۔ یہ تھا پسِ منظر اس وقت کا کہ یکایک جہانگیر کے دربار سے جناب مجددؒ کی طلبی ہوئی اور درباری سجدہ اور کورنشات بجا نہ لانے پر گوالیار کے قلعے میں محبوس کر دیئے گئے۔ حقیقت تو یہی تھی کہ درباری حلقے حضرت مجددؒ کی اصلاحی اور دینی کوششوں کو کسی حالت میں بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اور ساتھ ہی علمائے سوٗ اور برخود غلط صوفیا کا جگایا ہوا وہ فتنہ بھی تھا جو حضور مجددؒ کے مکتوبات کے بعض مطالب کو نہ سمجھنے کا نتیجہ تھا۔

پورے ایک سال کے بعد سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں ارشاد فرمانے پر جہانگیر نے حضور مجدد رح کو گوالیار کے قلعے سے نکال دیا۔ دربار میں بلایا اور اپنے ساتھ رکھنے پر اصرار کیا۔ حکومت کی مصلحتیں جیسا کہ جہانگیر کی تزک کی بعض عبارتوں سے ظاہر ہوتی ہیں اُسے اس بات پر مجبور کر رہی تھیں کہ وہ آپ کو کسی حالت میں بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے، کیونکہ اسے سمجھا دیا گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ درویش بھی، شاہ اسماعیل صفوی کی طرح، ہندوستان اور افغانستان کے تاج و تخت پر اپنے مریدین کی کثیر تعداد کے ساتھ حملہ کر کے قابض ہو جائے۔ اور اس طرح جہاں گیر اور اُس کے خاندان کی حکومت ہی ختم ہو کر رہ جائے۔ مگر یہ جہاں گیر کا گمان ہی گمان تھا کیونکہ جناب مجدد رح بے نفسی اور بے غرضی کے جس بلند مقام پر تھے وہاں اس قسم کے ذلیل اور پست خیالات کا گذر ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جناب مجدد رح کی مخلصانہ کوششیں بار آور ہوئیں، جہانگیر کے اپنے ماحول، دربار اور درباری تقریبات اور رسمیات کی اصلاح ہوئی۔ درباری سجدہ بند ہوا۔ ذبیحہ گاؤ جاری ہوا، اور مستقبل کے لئے ایک ایسے ماحول کو جنم ملا جو شاہ جہان اور حضرت اورنگ زیب عالم گیر رح کی نہ صرف دینداری بلکہ درویشی اور فقیری پر منتج ہوا شاہ جہاں براہِ راست حضور سے بیعت تھا اور عالم گیر جناب مجدد رح کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم ضیا رح کے دست حق پرست پر تائب ہو کر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل ہوا اور پھر جس طرح اس درویش صفت اور محتاط بادشاہ نے اپنی پوری کی پوری شاہی زندگی بسر کی وہ تاریخ کے ہر طالب علم کو بخوبی معلوم ہے۔

۱۰۰۲ھ میں جناب مجدد رح کو شرف مجددیت سے نوازا گیا اور ۱۰۳۴ھ میں حضور کا وصال ہوا تو گویا ۳۲ سال کی ان درویشانہ تبلیغی کوششوں نے ہندوستان اور افغانستان ہی کی دنیا نہیں بدل ڈالی بلکہ پوری کی پوری دنیائے اسلام تک کو متاثر کیا۔ چنانچہ آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور صاحبزادوں نے اس تحریک کو ماوراء النہر، وسط ایشیا، منگولیا سے لے کر عرب، شام، ایشیائے کوچک، عراق اور ترکی تک پہنچا دیا۔

جناب مجدد رح نے ۲۸ ماہ صفر ۱۰۳۴ھ میں ۶۳ سال کی عمر پا کر سرہند شریف (ریاست پٹیالہ) میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک بھی وہیں ہے۔

مذکورہ بالا چند مشہور بزرگوں کے حالات اور ان کے تاریخی کارناموں کا ہم نے اس خطبہ میں ذکر کیا ہے۔ اس بیان سے یہ واضح ہے کہ برِ صغیر پاک و ہند میں اسلام زیادہ تر صوفیائے کرام

نے پھیلایا۔ ارشاد وہدایت ان کی زندگی کا نصب العین ہوتا تھا۔ اور وُہ خود نور ہدایت کے زندہ نمونے ہوتے تھے۔ مسلمانوں کی رُوحانی اور اخلاقی اِصلاح ان کا اصل کام تھا۔ عُرس اصل میں ان ہی بزرگوں کے کارناموں کو یاد اور زندہ رکھنے کا ایک ذریعہ تھا۔ عرس کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ ہم ہر سال اجتماعی طور پر ان پاکبازوں کے کارناموں کو یاد کریں اور ان کے نقش قدم پر چل کر اپنی تاریخ کو زندہ کرنے کی کوشش کریں۔ مگر دورِ حاضر کی رسومات اور گمراہیوں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ عرس حقیقت میں کیا ہے۔ عرس جیساکہ کہا گیا ہے نہ صرف ان پاک باز اور مقدس ہستیوں کے کارناموں کی یاد ہی تازہ کرتا ہے۔ بلکہ رشد و ہدایت کے وہ تمام طور طریقے جو ان مقدس انسانوں نے انسانی ہدایت کے لئے اختیار کئے تھے آج پھر سے مسلمانوں کی عملی زندگی میں داخل کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے مگر کیا ان عرسوں کے ذریعے وہ مقاصد حاصل ہو رہے ہیں جن کے لئے ان کو رائج کیا گیا تھا آج جو کچھ دیکھنے میں آرہا ہے وہ صرف یہی ہے کہ ان اجتماعات کے ذریعے لاکھوں سادہ لوح انسانوں کو ہوشیار لوگ اپنی ہوس زر پرستی اور جلب منفعت کا شکار بنا رہے ہیں۔ اور ان کو پھانسنے کے لئے ایسے ایسے رنگین جال بچھائے جاتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی پھر جن خیالات و توہمات کی اشاعت کی جاتی ہے وہ صریحاً ان حضرات کی پاکیزہ اور مقدس تعلیم کے خلاف ہیں۔ وہ تمام مکروہات اور خلاف شرع باتیں جو کسی اللہ والے کے سالانہ عرس پر دیکھنے میں آتی ہیں کیا انھی نیک لوگوں کی تعلیم سے لی گئی ہیں یا انھوں نے ہی ایسا کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ جو چیز بھی مسلمانوں میں اسلامی پاکیزگی تقویٰ، اخلاق اور روحانیت پیدا کرنے کا ایک معصوم ذریعہ تھی۔ آج ہماری نفسانیت خود غرضی اور حرص زر کی وجہ سے ہزاروں مکروہات اور کفر و شرک کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے آج بھی ان عرسوں سے مسلمانوں کی اِصلاح کا کام بہترین طریق پر لیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کے منتظم تربیت یافتہ، اللہ والے بزرگ ہوں اور ان کو دنیا سے زیادہ اللہ عزیز ہو۔

پاکستان کا قیام اور اب نئی زندگی کی طلب کا تقاضا ہے کہ ہم بزرگان ملت کے صحیح اور مستند حالات کا مطالعہ کریں اور ان کے اقوال و اشغال پر غور کریں۔ آج ہمارے لئے اس پاکیزہ رُوحانی فضا میں پہنچنا جو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ۔ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ کبیر بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ۔ سلطان المشائخ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ نور قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور

جناب مجددؒ کے گردو پیش تھی، ناممکن ہے۔ لیکن اگر آج بھی ہم جاہل کرامت فروشوں کے قصے کہانیوں کو نظر انداز کر دیں اور مستند اور صحیح معاصرانہ ملفوظات اور تذکروں کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کیسی پاک ہستیاں تھیں اور ان سے مسلمانوں کو کیا کیا فیض پہنچ رہا تھا۔

اگر ہمیں پاکستان کو ایک صحیح اسلامی مملکت اور قانونِ خداوندی کے نفاذ کی تجربہ گاہ بنانا ہے تو ہم اپنی تاریخ کے اِس درخشندہ باب کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے جو صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کی زندگی بخش اور رُوح پرور تعلیمات پر مشتمل ہے اور اُن کے عرس جن کی یاد تازہ کرنے کا موقع بہم پہنچاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں قرآنِ عزیز، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے سچے جانشین آئمہ کبار کی تعلیمات اور بزرگانِ سلف و مشائخ عظام کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وبید اللہِ التوفیق ٭

شہادتِ حسینؓ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ــــ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلِیِّ الذَّاتِ ـ عَظِیْمِ الصِّفَاتِ ـ سَمِیْعِ السَّمٰوٰتِ ـ کَبِیْرِ الشَّانِ ــ جَلِیْلِ الْقَدْرِ رَفِیْعِ الذِّکْرِ مُطَاعِ الْاَمْرِ جَلِیِّ الْبُرْهَانِ ـ فَخِیْمِ الْاِسْمِ عَزِیْزِ الْعِلْمِ وَسِیْعِ الْحِلْمِ کَثِیْرِ الْغُفْرَانِ ــ جَلِیْلِ الثَّنَاءِ جَزِیْلِ الْعَطَاءِ مُجِیْبِ الدُّعَاءِ عَمِیْمِ الْاِحْسَانِ ـ سَرِیْعِ الْحِسَابِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ اَلِیْمِ الْعَذَابِ عَزِیْزِ السُّلْطَانِ ــــ

وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ فِی الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْمَبْعُوْثُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰۤی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ـ

اَمَّا بَعْدُ ــــ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ۙ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ؕ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ ــــ (البقرہ : ۱۵۴-۱۵۷)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو مُردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کچھ خوف اور بھوک اور نقصان سے مالوں اور جانوں اور پھلوں کے اور خوشخبری دیجیے صبر کرنے والوں کو۔ وہ لوگ کہ جب پہنچتی ہے انھیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر مہربانیاں ہیں ان کے رب کی طرف سے اور رحمت اور یہی ہیں ہدایت پانے والے۔

اسلام انسانی زندگی کو خدا کی امانت تصور کرتا ہے۔ اسلام کے پیرو اللہ کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے کو سب سے بڑی نعمت سمجھتے ہیں۔ خدا کی ہر نعمت کا عملی شکرانہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی امانت میں خیانت نہ ہونے دیں۔

مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (تو نے یہ کائنات بے مقصد اور فضول پیدا نہیں کی) اِن کا اعلان ہوتا ہے
انسانی زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی مسلمانوں کے لئے ایک نصب العین حاصل کرنے کا ذریعہ ہے
اور وہ نصب العین رضائے حق اور منشائے ایزدی کی تکمیل کے سوا کچھ نہیں۔
شہادت حسینؓ جو محرم میں وقوع پذیر ہوئی، ایک مسلمان کی زندگی کے لئے عملی شکرانہ حق اور
نعمتِ خداوندی کی صحیح قدر و قیمت کا نمونہ ہے۔
تاریخ کا ہر واقعہ کسی خاص جماعتی، تمدنی یا سیاسی ماحول میں ہوتا ہے اور بہت سے دوسرے
واقعات سے مربوط ہوتا ہے۔ ربط کا یہ حلقہ اکثر بہت چھوٹا ہوتا ہے اور انسانی تاریخ کی وسعت
میں یہ مربوط وحدت نہ دیر تک قائم رہ سکتی ہے اور نہ اس کا کوئی اثر باقی رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا
ہے کہ تاریخ آہستہ آہستہ اُسے بھُلا دیتی ہے۔ لیکن بعض اوقات باوجود اپنی تاریخی اور مکانی و زمانی
پابندیوں کے انسانی زندگی کے کسی ایسے اصول کے ترجمان ہوتے ہیں کہ جب تک وہ اصول کارفرما
ہے ان واقعات کا بھُلانا انسانی ذہن کے لئے دشوار ہوتا ہے۔ اسی قسم کے واقعات تاریخ کے
بے ترتیب اور بے ربط حوادث کے انبار کو ترتیب کی ایک لڑی میں پرو دیتے ہیں اور موتیوں کی
یہ مالا ہمیشہ جگمگاتی رہتی ہے۔ جس کی چمک سے تاریخ کے اندھیروں میں روشنی اور گم کردہ راہ
انسانوں کے لئے راہ نمائی کا سامان موجود رہتا ہے۔ شہادتِ حسینؓ اسی قسم کا ایک بہت
بڑا واقعہ ہے اور تاریخی چوکھٹے میں زندگی کے ایک عالمگیر اصول کو انسانیت کے سامنے پیش کرتا
ہے جسے مؤرخ ان الفاظ میں دُہراتے ہیں ؎

اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

آپ جانتے ہیں کہ اسلامی سال کا آخری مہینہ ذوالحجہ اور پہلا مہینہ محرم ہے۔ ذوالحجہ آپ کے
سامنے حضرت ابراہیمؑ کی توحید اور حضرت اسماعیلؑ کی آرزوئے شہادت کا نقشہ پیش کرتا ہے اور محرم
میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا عملی واقعہ پیش آتا ہے۔
ذوالحجہ کے مہینے میں حضرت اسماعیلؑ خدا کی راہ میں اپنا سر چھری کے نیچے رکھ دیتے ہیں۔ مگر یہ سر
تن سے جدا نہیں ہوتا اور محرم میں حضرت امام نہ صرف اپنی بلکہ معصوم علی اصغرؓ و علی اکبرؓ تک کی
گردنیں خدا کی راہ میں کٹا دیتے ہیں اپنا پورا کنبہ ذبح کرا دیتے ہیں۔ یہ اسلامی زندگی کی دو تصویریں ہیں
ان میں بتایا گیا ہے کہ اگر تم مسلمان ہو تو حضرت اسماعیلؑ کی طرح زندہ رہو۔ اور حضرت حسینؓ کی طرح
جان دے کر ابدی زندگی سے ہم کنار ہو جاؤ۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم — نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

خلافت راشدہ کے بعد فضا مسموم ہو گئی اقتدار کے لئے سیاسی توڑ جوڑ برابر جاری رہے اور بنی اُمیہ کھُلم کھُلا اپنے اقتدار کو دوام دینے پر اُتر آئے۔ چنانچہ جناب معاویہؓ کی زندگی ہی میں یزید کو ولی عہد بنا لیا گیا۔ جو یقیناً اسلامی تعلیم کی رُوح کے منافی تھا۔ قطع نظر اس کے کہ یزید خلافت کے لئے کسی حالت میں بھی موزوں نہ تھا۔ اس کا اس طرح سے ولی عہد بنا لینا اور طاقت کے زور سے اس کی خلافت کے لئے زمین کا ہموار کر لینا۔ اسلامی نظریۂ انتخاب خلیفہ کے سراسر خلاف تھا جناب معاویہؓ کے اس طرز عمل سے اسلام میں سب سے پہلے وُہی عجمی شہنشاہیت کے اصول تخت نشینی اپنا لئے گئے جو اسلام کی رُوحِ تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی اسپرٹ کے یکسر خلاف تھے اور اس طرح خلافت کی جگہ بادشاہت اور ملوکیت آگئی۔

جب یزید کے ہاتھ میں عنانِ حکومت آئی تو اُس نے لوگوں سے جبراً بیعت لینا شروع کی تو حالات جو پہلے ہی سخت خراب ہو رہے تھے، اور بگڑ گئے۔ اور اس پر بعض بڑے بڑے مقدس صحابہ اور نیک لوگوں نے جن میں عبداللہؓ ابن زبیرؓ، عبداللہؓ ابن عمرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ اور حسینؓ ابن علیؓ شامل تھے۔ اس پر سخت اعتراض کئے اور بیعت سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود یزید نے اپنے عُمّال کو سختی کے ساتھ حکم دیا کہ جو بیعت نہیں کرتا اس سے مجبور کر کے اور سختی کے ساتھ بیعت لی جائے۔ اُس وقت مدینہ میں جناب حسینؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ تشریف رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ معظمہ چلے گئے تاکہ اس بیعت کے سلسلے میں کسی فوری تصادم سے بچا جائے۔

تاریخی واقعات ہر کتاب میں موجود ہیں اور یہ بات مسلمہ ہے کہ یزید کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی جس کی بنیاد جبر، شخصیت پرستی اور ملوکیت پر تھی۔ اس کے عہدِ حکومت میں اسلام کی رُوح یعنی آزادیٔ رائے، حریتِ فکر اور جمہوریت غارت ہو چکی تھی ——— مشورہ (اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ) اور اجماعِ اُمت کی جگہ محض ظالمانہ اقتدار، مکر و فریب اور اغراض نفسانیہ کا دور دورہ تھا۔ ایسی حالت میں سچائی اور عدل و انصاف کی آواز بلند کرنا وقت کی پکار اور ایمانی غیرت کا تقاضہ تھا۔ آخر کار حضرت سید الشہداءؓ نے مظالم یزید کے خلاف جہادِ حق کی بنیاد رکھی اور اعلان کیا کہ:-

——— "جس حکومت کی بنیاد جبر و ظلم پر ہو اس کی اطاعت و وفاداری سے انکار کرنا لازم ہے" ———

شہادت حسینؓ کا سانحۂ عظمیٰ تاریخی تنقید کا ہدف بنایا گیا اور مادی اسباب و وسائل میں الجھ کر رہ جانے والے تاریخ دان اِس جرأت اور عاشقانہ ادائے نیازمندی کو سیاسی غلطی اور جنگی تدبیر کی خامی قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنی جگہ سچے ہیں۔ مگر اُن کا مقامِ نظر بڑا پست ہے۔ اسلام زندگی اور موت کے جو پیمانے تجویز کرتا ہے اُن کی رُو سے کبھی زندگی موت اور موت زندگی بن جایا کرتی ہے ——
دیکھنے والی آنکھ اور بولنے والی زبان مُردہ سمجھنے اور کہنے کے لئے کھلتی ہے تو ندائے حق یوں بلند ہوتی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ ۱۵۴)

ترجمہ: (خاموش) تم اللہ کی راہ میں جان کی بازی لگا دینے والوں کو مُردہ مت کہو۔ وُہ زندہ ہیں لیکن تم اس (عظیم) زندگی کی حقیقت سے ناآشنا ہو اور اس کی عظمت کو نہیں جانتے۔

اور پھر فرماتا ہے:-

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۰)

ترجمہ: اور ہرگز نہ سمجھنا اُن کو جو شہید ہوئے راہ میں اللہ کی مُردے۔ بلکہ وُہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے یہاں رزق دیئے جاتے ہیں۔ خوش ہیں اس سے جو عطا کیا انھیں اللہ نے اپنے فضل سے اور وُہ خوش ہوتے ہیں اُن لوگوں سے بھی جو ابھی تک نہیں جاملے اُن کو اُن کے پیچھے سے کہ نہیں ہے کوئی خوف اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

شہادت حسینؓ زندگی کی اِسی منزل کا نام ہے۔

تاریخی پس منظر:

اِس سانحۂ عظمیٰ کے واقعات کی تاریخی ترتیب کو سامنے رکھیں تو اِس میں ایک ربط ہے سب سے پہلے ایک دعوت ہے شخصی اور جابرانہ حکومت کے خلاف رائے عامہ کی تربیت کا اعلان ہے۔ اِس کے بعد احتجاج اور اعلائے کلمۃ الحق کے فریضہ کی ادائیگی ہے اور سب سے آخر اللہ کی راہ میں اپنی ہی نہیں اپنے اہل و عیال کی جان و مال اور ہر متاعِ عزیز کو قربان کر کے ہمیشہ کی زندگی کی نعمت سے سرافرازی ہے۔

ہم اِس سلسلۂ کلام کو سید الشہداءؓ کے اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین و سامعین خطابتِ حسینؓ کا نمونہ دیکھ سکیں:۔

حضرت سیدالشہداء کو کوفیوں نے نہایت اصرار کے ساتھ بلایا کہ وہ تشریف لا کر اعلائے کلمۃ الحق کا فرض ادا کریں۔ آپ تشریف لے آئے تو ان سنگدل اور بے مروت انسانوں نے منہ موڑ لیا اور باطل کے فریب میں آ گئے۔ اس پر آپ فرماتے ہیں :-

—— "اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمہارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے۔ قاصد آئے۔ مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں، آپ آئیے تاکہ خدا ہمیں آپ کے ہاتھوں پر جمع کر دے۔ اگر تم اپنی بات پر قائم ہو تو میں آ گیا ہوں۔ اگر تم مجھ سے عہد و پیمان کرنے کے لئے تیار ہو جن پر میں مطمئن ہو جاؤں تو میں تمہارے شہر میں چلنے کو آمادہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں بلکہ تم میری آمد سے ناخوش ہو تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا، جہاں سے آیا ہوں"۔

رائے عامہ کی تربیت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا :-

—— "اے لوگو! اگر تم تقویٰ پر رہو اور حق دار کا حق پہچانو تو یہ خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اہل بیت حکومت کے اُن دعویداروں سے زیادہ حکومت کے حق دار ہیں۔ اِن لوگوں کا کوئی حق نہیں۔ یہ تم پر ظلم و جور سے حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو، ہمارا حق نہ پہچانو اور تمہاری رائے اب اس کے خلاف ہو گئی ہے جو تم نے مجھے اپنے خطوط میں لکھی اور قاصدوں کی زبانی پہنچائی تھی تو واپس جانے کے لئے بخوشی تیار ہوں۔

—— "اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے۔ خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے۔ عہد و پیمان شکست کرتا ہے۔ سنت نبوی کی مخالفت کرتا ہے۔ خدا کے بندوں پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرتا ہے اور نہ اپنے قول سے تو خدا ایسے آدمی کو اچھا ٹھکانہ نہیں بخشے گا۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں۔ رحمان سے سرکش ہو گئے ہیں۔ فساد ظاہر ہے۔ حدود الٰہی معطل ہیں۔ مالِ غنیمت پر بھی ناجائز قبضہ ہے۔ خدا کے حرام کو حلال، اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا بہت زیادہ حقدار ہوں۔ تمہارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس بیعت لے کر پہنچے۔ تم عہد کر چکے ہو کہ نہ تو مجھ سے بے وفائی کرو گے۔ نہ مجھے دشمنوں کے حوالہ کرو گے۔ اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو تو یہ تمہارے لئے راہِ ہدایت ہے، کیونکہ میں حسین ابن علیؓ —— ابنِ فاطمہؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہوں۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ ہے۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ اور مجھ سے

گردن نہ موڑو۔ لیکن اگر تم یہ نہ کرو بلکہ عہد توڑ دو اور اپنی گردن سے میرا حلقہ نکال پھینکو تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ تم میرے باپ، بھائی اور عم زاد مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے ــــ لیکن یاد رکھو، تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی اپنا ہی نقصان کرو گے۔ تم نے اپنا حصہ کھو دیا۔ اپنی ہیئت بگاڑ دی۔ عہد شکنی کی ــ عجب نہیں خدا عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے۔"

اعلائے کلمۃ الحق :

حضرت سید الشہداء نے احتجاج اور اعلائے کلمۃ الحق کا فرض اس طرح ادا کیا :۔

فرماتے ہیں :۔ معاملہ کی جو صورت ہو گئی ہے تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا، منہ پھیر لیا۔ نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا سی تلچھٹ باقی ہے۔ حقیر سی زندگی رہ گئی ہے۔ ہوسناکی نے احاطہ کر لیا ہے افسوس ! تم دیکھتے ہو کہ حق پشت پر ڈال دیا گیا ہے۔ باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے۔ وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقائے الٰہی کی خواہش کرے۔ میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے۔"

صبرِ حسینؑ :

حضرت امام زین العابدین فرماتے ہیں :۔

جس رات کی صبح کو میدانِ شہادت گرم ہونے والا تھا۔ میری پھوپھی زینبؓ میری تیمارداری میں مصروف تھیں۔ اتنے میں امام حسینؓ داخل ہوئے۔ وہ چند اشعار پڑھ رہے تھے جنھیں سن کر میں سمجھ گیا کہ ان کا ارادہ کیا ہے؟ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہم پر ابتلائے الٰہی نازل ہو گئی ہے اور اس سے چارہ نہیں۔ مگر حضرت زینبؓ ضبط نہ کر سکیں کہ فطرتی طور پر عورتیں زیادہ رقیق القلب ہوتی ہیں۔ وہ ماتم کناں چلا اٹھیں :۔

واحسرتا وا مصیبتا الیوم ماتت فاطمۃ والعلی والحسین ابن علیؓ۔

جب حضرت حسینؓ نے یہ حالت دیکھی تو ان کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا :۔

ــــ "اے بہن ! یہ کیا بے صبری اور کیسا جزع فزع ہے ! اللہ سے ڈر کہ موت یقیناً آنے والی چیز ہے اور اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔"

لیکن حضرت زینبؓ شدتِ غم سے مضطر تھیں ــــ وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی صبح کن خونیں واقعات کے ساتھ طلوع ہو گی۔ فرطِ غم سے انھوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا۔ گریبان پھاڑ ڈالا اور بے ہوش ہو کر

اپنے بھائی پر گر پڑیں حضرت حسینؓ نے یہ حالت دیکھ کر اُن کے مُنہ پر پانی ڈالا، اور جب ہوش میں آئیں تو فرمایا :-

—— یہ کیسا غم و حزن ہے جو تم کر رہی ہو؟ تمھیں چاہیئے کہ اللہ کے حکم و فرمان کے مطابق جو طریق غم ہے اُسے اختیار کرو۔ کیونکہ :-

فَاِنَّ لِیْ وَلِکُلِّ مُسْلِمٍ اُسْوَۃٌ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ——

(میرے لئے اور ہر مسلم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور ان کے اعمال و افعال میں اتباع اور پیروی بہترین نمونہ ہے —— "

میدانِ کربلا :

دُوسرے دن میدانِ کربلا میں شہادت سے پہلے جب علی اکبرؓ اور علی اصغرؓ اپنے ہاتھوں میں شہید کرا چکے اور ابتلائے حق کی ساری منزلیں طے کر کے رَضِیْنَا بِقَضَاءِ اللّٰہِ وَصَبَرْنَا عَلٰی بَلَائِہٖ (ہم اللہ کے فیصلہ پر راضی ہوئے اور اس کی آزمائشوں پر صبر کیا) —— کی منزل پر پہنچے تو آخری فرضِ تبلیغ ادا فرمایا یہ ادائیگی فرضِ انسانیت کے لئے وہ چارٹر ہے جس کے مطابق قیامت تک معرکہ حق و باطل کے فیصلے ہوا کریں گے اور یہی مقامِ حسینؓ کی عظمت ہے۔ پہلے اپنے فدائی اور باوفا ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

خدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں۔ رنج اور راحت ہر حال میں اُس کا شکر گذار ہوں —— الٰہی تیرا شکر کہ تو نے ہمارے گھر کو نبوت سے مشرف فرمایا۔ قرآن کا فہم عطا کیا۔ دین میں سمجھ بخشی اور ہمیں دیکھنے، سُننے اور عبرت حاصل کرنے کی قوتوں سے سرفراز فرمایا —— اما بعد —— لوگو! میں نہیں جانتا۔ آج رُوئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر لوگ موجود ہیں یا میرے اہلِ بیت سے زیادہ ہمدرد اور غمگسار اہلِ بیت کس کے ساتھ ہیں۔

اے لوگو! تم سب کو اللہ میری طرف سے جزائے خیر دے۔ میں سمجھتا ہوں کل میرا اُن کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کرنے کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی سے نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہے میرے اہلِ بیت کا ہاتھ پکڑو اور تاریکی میں اِدھر اُدھر چلے جاؤ۔ میں خوشی سے تمھیں رخصت کرتا ہوں میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں۔ میری جان لے کر تم سے غافل ہو جائیں گے۔"

اربابِ وفا اور رفیقانِ صبر و رضا میں سے کوئی ایک بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا اور سب نے اپنے

سردار کے ساتھ اللہ کی رضا حاصل کرنے کا عہد کر لیا۔

دوسری صبح باطل پرستوں پر یوں اتمامِ حجت فرمائی۔

"لوگو! میری بات سُنو۔ جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو، اپنا عذر بیان کر لینے دو، اپنی آمد کی وجہ کہنے دو ــــ اگر میرا عذر معقول ہو اور تم اسے قبول کر سکو اور میرے ساتھ انصاف کرو تو یہ تمھارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے ــــ لیکن اگر سُننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کر دو تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے۔

تم اور تمھارے ساتھی ایکا کر لو، مجھ پر ٹوٹ پڑو۔ مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگارِ عالم پر ہے اور وہ نیکوکاروں کا حامی ہے۔

لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو، میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں مُنہ ڈالو اور اپنے ضمیروں کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو۔ کیا تمھارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمھارے نبیؐ کی صاحبزادی کا بیٹا اور اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں؟ ــــ کیا سیدالشہداء حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں تھے۔ کیا ذوالجناحین جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں ــــ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشہور قول نہیں سُنا کہ آپ میرے اور میرے بھائیؓ کے حق میں فرمایا کرتے تھے ــــ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (جنت میں نوجوانوں کے سردار)

اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا، تو بتلاؤ کیا تمھیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیئے۔ اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو۔ زید بن ارقم سے پوچھو۔ انس بن مالک سے پوچھو۔ ابوسعید خدری سے پوچھو ــــ وہ تمھیں بتائیں گے کہ انھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمھیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی ــــ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی صاحبزادی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمھارے نبیؐ کا بلاواسطہ نواسہ ہوں ــــ کیا تم مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے، کسی کا مال چھینا ہے کہو کیا بات ہے؟ ــــ آخر میرا قصور کیا ہے؟ ــــ"

یہ پتھر دلوں کو موم کر دینے والا خطاب بھی مخالفین کو اُن کے ارادے سے باز نہ رکھ سکا اور اتمامِ حجت

ہو جانے کے بعد سیّد الشہداء نے اپنا فرض ادا کر دیا اور ے

گرچہ مرگ ست بر مومن شکر　　　مرگِ پورِ مرتضیٰؓ چیزے دگر

شہادت :

شاہ است حسینؓ پادشاہ ہست حسینؓ　　　دین است حسینؓ دین پناہ ہست حسینؓ
سر داد نداد دست در دستِ یزید　　　حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؓ

دس محرم کو طلوع ہونے والے سورج نے تاریخ اسلام کا وہ دردناک سانحہ دیکھا جس کی مثال ممکن نہیں ـــــ حق اور نیکی کے ایک ایک پرستار نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ہزاروں کے مقابلہ میں ۷۲ قدسی نفوس نے اپنی زندگیاں ملّت کی بقا کے لئے نچھاور کر دیں۔ سیّد الشہداء کے مقدس جسم کو تین شقی القلب یزیدیوں نے گھوڑوں سے روند ڈالا اور رسولِ پاک کا گھرانہ ایک مرتبہ پھر دنیا کی نجات کا ذریعہ بن گیا ے

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ہمارا اسلام ہو امامِ شہید اور ان کے ساتھیوں پر جو ہمیں زندہ رہنے اور مرنے کا طریقہ بتا گئے۔ انھوں نے موت کے "راز" کی گرہ کشائی کر دی ـــــ موت کی تلاش میں سرگرداں ریگِ کربلا کے تپتے صحرا کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ یہ موت اُن کے لئے ساغرِ حیات آفرین تھا۔ لقائے محبوب کی طلب صادق نے موت کے پردے کو ہٹا دیا تو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی منزل سے ہم کنار ہو گئے

امتِ مسلمہ کو اسوۂ حسینیؓ کا یہ درس کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ جب زندگی مشکل ہو جائے۔ حق سرنگوں ہو اور باطل کے اُبھرنے کا امکان ہو تو مومن حق کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کو آسان بنانے اور حق کو سربلند کرنے کے لئے موت کو فتح کرنے کا سامان پیدا کرے یعنی راہِ حق میں جان دے دے۔ اللہ کی راہ میں جان دے دینا ابدی زندگی حاصل کر لینا ہے اور دنیا میں وہی افراد اور قومیں زندہ رہتی ہیں جو مرنا جانتی ہیں۔ بقول اکبر الٰہ آبادی ے

جو دیکھی ہسٹری اِس بات پر کامل یقیں آیا
اُسے جینا نہیں آیا، جسے مرنا نہیں آیا

آج بھی ہم اپنے اردگرد نظر ڈالیں تو آپ محسوس کریں گے کہ فرض کی پکار صرف میدانِ کربلا میں ہی نہ تھی۔ وہ ہمیشہ کے لئے ایک اٹل قانون ہے۔ آج کشمیر کے معرکۂ حق و باطل میں اور ہر اُس میدانِ کارزار

میں جہاں جبر و استبداد کا دَور دَورہ ہے، مظلوم انسانیت کے لئے نجات کا راستہ ایک ہی ہے یعنی ایک طرف دُنیاوی جاہ و حشمت، مال و منال، عزیز و اقارب کی محبت۔ دولت و عزت اور اس کی تمام رنگینیاں اور دوسری طرف نیکی اور سچائی کی حمایت، بھوک اور پیاس، زہرہ گداز تکالیف اپنی اور بچوں کی قربانی۔

تقاضائے وقت، اُسوہ حُسینؑ:

نُحِبُّ الْاِنْقِلَابَ وَلَوْ عَلَيْنَا ـــــ ہم انقلاب چاہتے ہیں خواہ وُہ ہم پر ہی کیوں نہ ہو

اُسوہ حسینؑ انسانوں کے لئے روشنی کا مینار رہا ہے اور رہے گا۔

ـــــ ہر سال محرم آتا ہے اور ہم طرح طرح سے حسینؓ کی یاد سے اپنے سینوں کو آباد کرتے ہیں۔ مجلسیں منعقد کرتے ہیں۔ بعض سینہ کوبی کرتے ہیں۔ روتے ہیں چلاتے ہیں۔ مگر زمانہ کی آنکھ یہ دیکھنے کے لئے ترس گئی ہے کہ ہم کب سنتِ حُسینؓ کو زندہ کرتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ جس زندگی پر ہم خوش ہیں وُہ امام الشہداءؑ کے مذہب میں مکر، کفر اور ظلم ہے مگر زندگی کو بدلنے کے لئے کچھ نہیں کرتے۔

کیا آج ہمارے قومی مسائل اَدائے فرض کے لئے ہماری راہ نہیں تک رہے۔ طاقت کو صرف اِس لئے سچ مان لینا کہ وہ طاقت ہے۔ اِسلام کی رُو سے کفر ہے اور اِنسانیت کے قانون میں مداہنت اور ذِلت ہے۔

آج جہاد، قربانی اور شہادت کے اصولوں کو چھوڑ کر ہم دُنیا بھر کی ذلتوں کا شکار ہیں۔ عزیز و اقارب اور مال و دولت کی محبت نے ہمیں خود غرض اور بے کار کر دیا ہے ـــــ موت کے خوف اور موت و زندگی بخشنے والے خُدا سے بے خوفی نے ہمیں بُزدل اور کمزور بنا دیا ہے۔

نہ ہم زندہ رہنے کا ڈھنگ جانتے ہیں، نہ مرنے کا طریقہ

کربلا جاتے ہوئے راستے میں امام الشہداء نے ایک شاعر کے جواب میں فرمایا تھا:

ـــــ واللہ مجھے یہی اُمید ہے کہ خدا کو ہمارے ساتھ بھلائی منظور ہے۔ چاہے شہید ہوں یا فتحیاب ہوں ـــــ کیا یہ الفاظ بھی ہم میں ایمان و یقین پیدا نہیں کر سکتے؟

سچائی کے چاہنے والے ساز و سامان اور کثرت یا قلت سے بے نیاز ہو کر ہر مرحلہ پر باطل کو بلا خوف و خطر ٹوکتے ہیں، کیونکہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ زندگی اور موت دونوں میں ان کی بھلائی ہے سید الشہداء کے اُسوہ حسنہ اور قربانی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز نیکی ہے اور سچی طاقت

وہ ہے جو نیکی سے پیدا ہو۔ کسی نہ کسی طرح طاقت حاصل کر کے نیکی کی توقع رکھنا غلط ہے۔ ظلم جھوٹ اور مکاری کا مقابلہ انصاف، سچائی اور بہادری سے کرنا شانِ ایمان ہے۔ اسلام نے ابوجہل کے مقابلہ میں کبھی ابوجہل پیدا نہیں کیا بلکہ اس کا توڑ ہمیشہ صدیق، شہدا اور صالح سے کیا گیا ——

شہادتِ حسینؓ نے جو انقلاب پیدا کیا اس سے ملت زندہ ہو گئی۔ دین کی تجدید ہوئی اور اس پاک خون کے ایک ایک قطرے سے جو سیلاب پیدا ہوئے۔ اُن کو نہ تو مسلم بن عقبہ کی خونی شامی روک سکی، نہ حجاج کی خونخواری اور نہ عبدالملک کی تدبیر و سیاست —— وقت آ گیا جب ۶۱ھ میں جو کچھ کربلا کے اندر ہوا تھا وہ سب کچھ ۱۳۲ھ میں نہ صرف دمشق بلکہ تمام عالمِ اسلامی میں ہوا۔

حق و صداقت کے نتائج کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے لیکن اُسوۂ حسینؓ یہ ہے کہ تم ان نتائج کی ذرا بھی پروا نہ کرو۔ اگر ظلم اور جبر کا وجود ہے تو اس کے لئے حق کی قربانی ناگزیر ہے۔ اسے ہونا چاہیئے۔ اِس پر تعداد کی قلت یا کثرت، یا وسائل و سامان کا فقدان اثر انداز نہیں ہو سکتا کسی ظالم کے صاحبِ اقتدار اور صاحبِ شوکت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی اطاعت کر لی جائے۔ کیونکہ وہ ظلم ہے اور حق و صداقت یکساں اور غیر متزلزل

آج ملتِ اسلامیہ پھر بدحال، خستہ حال اور زخمی ہے۔ اہلِ اسلام کو اُسوۂ حسینیؓ سے سبق لینا چاہیئے اور حالات کو بدلنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔

اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں ہمت دے۔ ہم اس کے دین اور سچائی کی حمایت میں استقلال کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوں۔ حق اور باطل میں فرق کر سکیں۔ باطل کا ہاتھ روک سکیں۔ بہادروں کی طرح زندہ رہیں اور بہادروں کی طرح مرنا سیکھیں ؎

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں   گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَغْفِرُوْهُ ، هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

محرّم الحرام یا نیا سال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ سَیِّدَ الْاَیَّامِ وَلَا نَعْبُدُ وَلَا نَسْتَعِیْنُ اِلَّا اِیَّاہُ وَھُوَ الَّذِیْ فَرَضَ صَلٰوۃَ الْجُمُعَۃِ بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی ـــــ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ الخ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْاَنَامِ ہ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْکِرَامِ۔ خُصُوْصًا عَلٰی اَفْضَلِ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَآءِ بِالتَّحْقِیْقِ ـــــ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ وَعَلَی النَّاطِقِ بِالصِّدْقِ وَالصَّوَابِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ وَعَلٰی کَامِلِ الْحَیَآءِ وَالْاِیْمَانِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ وَعَلٰی اَسَدِ اللّٰہِ الْغَالِبِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَعَلَی الْاِمَامَیْنِ الْھُمَامَیْنِ السَّعِیْدَیْنِ الشَّھِیْدَیْنِ اَبِیْ مُحَمَّدِ نِ الْحَسَنِ وَاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنِ وَعَلٰی اُمِّھِمَا سَیِّدَۃِ النِّسَآءِ فَاطِمَۃَ الزَّھْرَآءِ وَعَلٰی عَمَّیْہِ الشَّرِیْفَیْنِ الْمُطَھَّرَیْنِ مِنَ الْاَدْنَاسِ۔ اَلْحَمْزَۃِ وَالْعَبَّاسِ وَعَلٰی سِتَّۃِ الْبَاقِیَۃِ مِنَ الْعَشَرَۃِ الْمُبَشَّرَۃِ وَسَائِرِ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

محرّم الحرام اسلامی سال کا سب سے پہلا مہینہ ہے اور اسی مہینے سے ہمارے نئے سال کی ابتداء ہوتی ہے۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ادیان کی اُن باتوں کی تائید فرمائی۔ جو بنی نوعِ انسان کے لئے ہمیشہ کے لئے مفید تھیں۔ بعض باتوں کو مٹا دیا گیا جو نقصان دہ تھیں۔ اور کئی نئی چیزیں رائج فرمائیں۔ جو وقت اور حالات کے مطابق ضروری تھیں ـــــ دُنیا میں شمسی اور قمری دونوں قسم کے سن مروج تھے۔ عرب میں قمری سن کا رواج تھا۔ آپؐ نے اسی کو قائم رہنے دیا مگر بعثت نبویؐ سے اس کو نئے معانی ملے اور سال کے مختلف اوقات میں جو رسوم اور شعار عربوں میں رواج پذیر تھے۔ اسلامی اندازِ فکر و عمل کے مطابق اُن کو بدل دیا، یا اُن میں اصلاح فرما دی ـــــ اسلامی سنہ ھجری کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جب مکی زندگی کی آزمائشوں کے بعد سرورِ کونینؐ مدینہ روانہ ہوئے تو راستہ میں مقامِ قبا (جو مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر بالائی

آبادی عالیہ کا نام ہے) میں قیام فرمایا۔ ہجری سن کی ابتداء اسی دن سے ہوتی ہے ـــــ (یاد رہے کہ سابقہ تہذیبوں کا نام یا ترتیب نہیں بدلی گئی) یہ دن مسلمانوں کے لئے ایک تاریخی دن ہے، اور اسلام کے دورِ فتوحات کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس لئے مورخین نے اس تاریخ کو بڑے اہتمام سے محفوظ کیا ہے ـــــ تمام سنین کے مقابلہ میں صرف سن ہجری ہی ہے کہ جس کی ابتداء اور اس سے متعلق تمام امور تاریخی لحاظ سے ثابت ہیں اور مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ دن ـــــ

۸ ربیع الاوّل ۱۳ سنہ نبوی مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء مکّہ سے روانگی کے ۱۴ دن بعد مدینہ کے راستہ میں بنو سالم کے محلہ میں قیام کا دن تھا۔

یہ ہجرت کے بعد پہلا جمعہ تھا اور اسی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جمعہ کا سب سے پہلا خطبہ دیا۔ مکہ مکرمہ میں مغلوبیت اور مظلومیت کی حالت میں قیامِ جمعہ ممکن نہ تھا۔ اس لئے یہ دن گویا اسلامی تاریخ میں اسلام کی فتح کے آغاز کا دن تھا۔ آج رحمتِ عالم انسانوں کو آزادی دلانے کے لئے مدینہ تشریف لا رہے تھے۔ اور فدائیانِ محمدؐ یہ عہد کر رہے تھے کہ وہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنے آقا کی پیروی میں سربکف میدان میں نکل آئے ہیں۔

مدینہ کے لوگوں کو جب حضورؐ کی تشریف آوری کی اطلاع ملی تو وہ پیش قدمی کے لئے دوڑے۔ آپؐ کے ننھیالی رشتہ دار ہتھیار سجا سجا کر آئے۔ قبا سے مدینہ تک دو رویہ جاں نثاروں کی صفیں تھیں۔ خوش آمدید کہنے میں وفورِ شوق کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین تک چھتوں پر نکل آئیں۔ اور ان کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آ گئے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا	مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
چاند نکل آیا	کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا	مَا دَعَىٰ لِلّٰهِ دَاعٍ
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

ـــــــــــ

حضور سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس جمعہ کو (جو اسلام کی دعوت میں پہلا باقاعدہ جمعہ تھا) جو خطبہ دیا وہ حضورؐ کے الفاظ میں سنئے، اور دیکھئے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ آج ہم سے ہی خطاب فرما رہے ہیں ـــــ

حضورؐ نے فرمایا :-

"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اُسی سے مدد بخشش اور راہ نمائی چاہتا ہوں میرا ایمان اسی پر ہے۔ میں نافرمانی نہیں کرتا ہوں اور نافرمانی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوا خدا کے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ اکیلا اور بے مثل ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ محمدؐ اُس کا بندہ اور رسول ہے۔ اُس نے مجھ کو ہدایت، نور اور نصیحت دے کر اس زمانہ میں بھیجا۔ جب مدتوں سے نبیوں کا سلسلہ بند تھا۔ علم گھٹ گیا ہے اور گمراہی بڑھ گئی ہے میں آخری زمانہ یعنی قیامت کے اور موت کے نزدیکی زمانہ میں بھیجا گیا ہوں۔ جو کوئی خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وُہی کامیاب ہوتا ہے اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وُہی گمراہ ہوا۔ درجہ سے گرا اور سخت گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

مسلمانو! میں تم کو اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ کی تاکید کرتا ہوں، اور بہترین تاکید وہ ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو آخرت کے لئے کرے اور تقویٰ کی وصیت کرے۔ اے لوگو! خدا نے جن باتوں سے روکا ہے اُن سے رُک جاؤ۔ اس سے بہتر نہ کوئی نصیحت ہے نہ کوئی ذکر۔ یاد رکھو! آخرت کے بارے میں تقویٰ بہترین مددگار ثابت ہوگا، اور جب کوئی اپنا اور خدا کا معاملہ ظاہر اور باطن میں درست رکھے گا تو ایسا کرنا اُس کے لئے دُنیا میں ذکر اور موت کے بعد ذخیرہ بن جائیگا۔ اور جو ایسا نہیں کرے گا تو خدا نے فرمایا ہے کہ انسان پسند کرے گا کہ اس کے اعمال اس سے الگ رکھے جائیں۔ خدا تم کو اپنی طرف سے ڈراتا ہے اور خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے اور جس نے خدا کے حکموں کو سچ جانا اور اپنے وعدے کو پُورا فرمایا تو ارشاد الٰہی ہے کہ ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی اور ہم اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔

مسلمانو! موجودہ اور آئندہ، خفیہ اور علانیہ کاموں میں اللہ سے تقویٰ کو پیش نظر رکھو۔ کیونکہ تقویٰ والوں کی برائیاں چھوڑ دی جاتی ہیں اور ثواب زیادہ ہو جاتا ہے تقویٰ والے وُہ ہیں جو بہت بڑی مراد کو پہنچیں گے اور تقویٰ اللہ کی بیزاری، اللہ کے غصے، اور اللہ کے عذاب کو دُور کر دیتا ہے اور تقویٰ و پرہیزگاری چہرہ کو منور، اللہ کو خوش اور درجہ کو بلند کرتا ہے۔

مسلمانو! زندگی سے اپنا حصہ ضرور لو۔ مگر حقوقِ الٰہی میں کوتاہی نہ کرو۔ خدا نے اسی لئے تم کو اپنی کتاب سکھائی اور اپنا راستہ دکھایا ہے کہ سچوں اور جھوٹوں کو الگ الگ کر دیا جائے ——

اے لوگو! خدا نے تمہارے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ کیا ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو اور وُہ جو خدا کے دشمن ہیں انھیں دشمن سمجھو اور اللہ کے دین کے لئے پُوری ہمت اور کوشش کرو۔

اللہ نے تم کو چنا ہے اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ ہلاک ہونے والا بھی صاف نشانیوں سے ہلاک ہو اور زندہ رہنے والا بھی کھلی دلیلوں سے زندہ رہے - یہ سب اللہ کی مدد سے ہے -

لوگو! اللہ کو یاد کرو اور آنے والی زندگی کے لئے عمل کرو اس لئے کہ جو بھی اپنا اور اپنے خدا کا معاملہ اچھا کرلیتا ہے - خدا اس کا اور اس کے ساتھ اپنے بندوں کا معاملہ درست فرما دیا کرتا ہے - اللہ اپنے حکموں کو چلاتا ہے اور اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا - اللہ بندوں کا مالک ہے اور بندوں کو اس پر کچھ زور نہیں - اللہ ہی سب سے بڑا ہے اور کوئی قوت اور طاقت نہیں ہے سوا اسی اللہ عظیم الشان کی قوت کے" (زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۲۵)

یہ سرورِ کونینؐ کا سب سے پہلے جمعہ کا سب سے پہلا خطبہ تھا - اس میں صفائے نیت اور خوفِ خدا کی تعلیم ہے - دنیا کی بہتری اور آخرت کی فلاح کے اصول بیان ہوئے ہیں اور وہ سب کچھ ہے جو ایک کامیاب زندگی کے لئے ضروری ہے -

سنہ ھجری کی ابتداء کیسے ہوئی ؟ :

اسلام سے پہلے عرب میں کسی خاص سنہ یا تاریخ کا کوئی رواج نہ تھا - کسی خاص مشہور واقعہ کو ایک تاریخ مان کر کسی دوسرے واقعہ کی یاد دہانی کرادی جاتی تھی - جیسے "عام فیل" جو ابرہہ حاکم یمن کے خانہ کعبہ پر حملہ کے وقت سے شروع ہوا - اب اہل عرب اس واقعہ کو ایک تاریخ مان کر کسی دوسرے واقعہ کی یاد دہانی اس طرح کراتے کہ یہ واقعہ "عام فیل" سے دس سال پہلے ہوا یا دو سال بعد - اسی طرح "عام زلزال"، "براۃ"، "حجۃ الوداع" کے ناموں سے دس سے زائد سالوں کا رواج ہوگیا - مگر یہ کوئی حقیقی اور مستقل تاریخیں اور سن نہ تھے اور اس طرح واقعات کی صحیح تاریخیں ہی ضبطِ تحریر میں لائی جاسکتی تھیں - اس مشکل کو حل کرنے کی طرف جناب فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں توجہ کی گئی اور سنہ ہجری اسلامی سال کی حیثیت سے اسلامی کیا: تدریجاً داخل ہوگیا -

ذیل میں وہ چند تاریخی روایتیں دی جارہی ہیں جن کے ذریعے معلوم ہوگا کہ سنہ ہجری کس طرح اسلامی سال بنا :-

اوّل امام شعبیؒ کی روایت حسب ذیل ہے :-

ابو موسیٰؓ اشعری نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ آپ کے ہاں سے جو مراسلات وغیرہ ہمارے پاس آتے ہیں اُن پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت عمرؓ نے حکومت کے مئے نئے

محکمے قائم کئے تھے اور تنبیئے کے قواعد مرتب فرمائے تھے۔ مگر تاریخ کے لئے کوئی ضابطہ نہ تھا۔ آپ خود بھی غور فرما رہے تھے۔ چونکہ آپ قدیم تاریخوں کو پسند نہیں کرتے تھے اس لئے یہ معاملہ اصحابؓ کے سامنے پیش ہوا اور سنہ ہجری پر سب کا اتفاق ہوگیا۔

دوسری روایت نظرۃ بن خالدؓ سے ابن حبانؒ نے نقل کی ہے۔

حضرت عمرؓ کے پاس یمن سے ایک عامل آیا اور کہا کہ آپ کی تحریروں میں تاریخ نہیں ہوتی کہ فلاں بات فلاں سنہ یا فلاں مہینے میں ہوئی ہے۔ اس پر آپ نے اور صحابہ سے مشورہ فرمایا کسی نے بعثت کا سال تجویز کیا تو کسی نے وفاتِ نبی صلعم کا سن، مگر آخر سن ہجری پر سب کا اتفاق ہوگیا۔

تیسری روایت میمونؓ بن مہران کی ہے جسے سب مورخوں نے لیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک کاغذ پیش ہوا جس میں ماہ شعبان درج تھا۔ آپ نے پوچھا کونسا شعبان؟ اس سال کا یا اگلے سال کا؟ پھر آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ اب حکومت کے پاس مال کافی جمع ہوگیا ہے اور ہم اسے ایک ہی وقت میں تقسیم نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس کے حساب کتاب کے لئے کسی تاریخ کا تعین ضرور ہوجانا چاہیئے۔ اس پر صحابہؓ نے کہا کہ اگر آپ پسند کریں تو اہلِ ایران سے دریافت کرلیا جائے کیونکہ ان کے وہاں حساب کتاب کے لئے تاریخ اور طریق موجود ہے۔ چنانچہ ہرمزان سے پوچھا گیا اور اس نے بتایا کہ ان کے ہاں حساب ہے جسے وہ "ماہ روز" کہتے ہیں۔ اس پر سوال ہوا کہ اسلامی سن کی ابتداء کب سے ہو۔ آخر کچھ ردّ وقد کے بعد سنہ ہجری پر سب کا اتفاق ہوگیا۔

اب یہ بات رہ گئی کہ سنہ ہجری کا مشورہ کس نے دیا تھا۔ اس پر یعقوبی کا بیان درج ذیل ہے:۔

جب حضرت عمرؓ نے خطوں پر تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تو خیال کیا کہ حضورؐ کی ولادت سے شروع کیا جائے، پھر خیال ہوا کہ کیوں نہ بعثت سے شروع کیا جائے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت فرمائی۔ ہمارا سنہ اسی دن سے شروع ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی رائے کو ترجیح دی اور سنہ ہجرت کو ہی اسلامی سنہ کے طور پر اختیار کرلیا گیا۔

یہ تو تھا وہ مختصر سا تاریخی پس منظر اس سنہ ہجری کی ابتداء کا، لیکن یہاں ایک چیز اور غور طلب ہے

جو اپنی حیثیت اور اثر کے اعتبار سے نہایت ہی اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مسلمانوں میں یہ جذبہ کتنا عظیم الشان اور نا قابلِ تسخیر تھا کہ وہ ہر معمولی سے معمولی واقعہ سے لے کر کسی اہم سے اہم واقعہ تک کے تجزیہ و تحلیل، اثر پذیری و اثر اندوزی کے وقت صرف ایک ہی میلان اور رجحان طبع رکھتے تھے اور وہ تھا اسلامی رجحان و میلان طبع اُن کے سامنے رومی، ایرانی، ہندی بے شمار شمسی، قمری سنہ موجود تھے لیکن انھوں نے خود اپنے لئے وہ سنہ تجویز کیا جو اُن کی مادی، اخلاقی اور روحانی زندگی کے اس لافانی اور ازلی موڑ کی طرف اِشارہ کر رہا تھا۔ جہاں سے تعلق باللہ اور انقطاع عن الخلق کی کبھی نہ ختم ہونے والی شاہراہ شروع ہوتی ہے۔

ہماری آج کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

آج اس نئے سال کے آغاز میں ہمیں اپنی زندگیوں کو اُن نبوی تعلیمات کی روشنی میں از سرِ نو ڈھالنے کا عہد کرنا ہے ہمیں سالِ گذشتہ کے اعمال اور شخصی و اجتماعی کردار کا جائزہ لے کر دیکھنا ہے کہ ہم کن کوتاہیوں کا شکار ہوئے۔ ہم سے کیا کیا غلطیاں سرزد ہوئیں اور ہم نے کن نیک کاموں کو جو ہم کر سکتے تھے نہیں کیا ——

اس نئے سال سے کوتاہیوں اور غلطیوں کی تلافی کا عہد کرنا ہے اور نیک کاموں اور شخصی اور جماعتی فرائض کی ادائیگی کے لئے کمر ہمت باندھ لینی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اِنسانی زندگی کو ایک امانت قرار دیا ہے اور اِنسان کو اس امانت کا حامل بنا کر شرف و بزرگی سے نوازا ہے —— ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ (الاحزاب - ۷۲)

ترجمہ : (ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر اس امانت (زندگی اور فہم و ادراک) کو پیش کیا۔ تو سب نے اس بوجھ کو (بزبانِ حال) اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اِس (ذمہ داری) سے کانپ اُٹھے۔ مگر انسان نے اس بوجھ کو اُٹھالیا اور یقیناً وہ (اس عظیم ذمہ داری کو اٹھانے میں) نادانی اور کوتاہیِ فکر کا شکار ہوا ——

اِس آیۂ کریمہ میں شارعِ فطرت نے مُسلمانانِ عالم کے سامنے وہ عظیم الشان دستور العمل پیش کر دیا ہے جو ہر کیفیت میں اور ہر موقع پر ان کی انفرادی اور اجتماعی اعتقادی اور عملی، روحانی

اور مادی زندگی میں کامل طور پر کار آمد ہو سکے۔

اس ذمہ داری کا احساس نہ ہے تو انسان، ظالم اور جاہل ہے اور یہی ذمہ داری اس کو زندگی کے نصب العین حاصل کرنے پر آمادہ کرے تو وہ اشرف المخلوقات اور سجدہ گاہِ ملائک ہے

اسی نصابِ عمل میں انسان کے لیے اخلاق کی اصلاح، اعمال کی درستی، اعتقاد کی سلامتی، ہمت کے قیام، قوت کے توازن اور دینی و دنیوی بہتری کا ہر سامان موجود ہے۔

انسان اس امانتِ الٰہی کی حفاظت سے ہی خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اور خدا کی یہ نیابت ہی انسانیت کا وہ اعلیٰ مقام ہے جس کے لیے سرورِ کونین کے اُسوۂ حسنہ میں ہم کو ایک کامل نمونہ ملا ہے —— آج کے دن ہی مکی زندگی کی مظلومیت کا دور ختم ہوا اور مدنی زندگی کی کامیابیوں اور نصرتوں کا دروازہ کھلا۔ تو ہمیں بھی خلوص دل سے اپنے وطنِ عزیز میں ایک نیا دور شروع کرنے کا عہد کرنا لازمی ہے، تاکہ اس قرعۂ فال کی لاج قائم رہ سکے جو رحمتِ خداوندی نے ہمارے نام بحیثیت اُمتِ محمدیہ ڈال دیا ہے۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

انسان کی یہ دیوانگی تھی یا فرزانگی کہ اُس نے اس بارِ امانت کو اُٹھایا۔ اِس کا فیصلہ اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہمارے کردار سے ہی ہو سکتا ہے۔ آیئے اس اُسوۂ حسنہ کی ایک جھلک دیکھیں۔

اُسوۂ کامل ——

سرورِ کونین سنہ ۲ فیل (۵۷۱ء) میں عالمِ قدس سے دُنیائے وجود میں تشریف لائے۔ ۱۵ سال کی عمر میں حربِ فجار کا محاذ دیکھا۔ ۲۷ سال کی عمر میں الامین کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ ۴۰ سال کی عمر میں حکومت الٰہی کے واجبات اور احکاماتِ خداوندی پر مامور ہوئے۔ حضورؐ نے مکہ معظمہ میں ۱۲ سال اور چند دن قیام فرمایا۔ یہ زمانہ اساسی عقائد، بنیادی قوانین کے ظہور اور اسلامی معاشرہ کی ابتدائی تنظیم کا زمانہ تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں ۱۰ سال قیام ہوا۔ معاہدے طے ہوئے معاہدہ شکنوں کے خلاف انضباطی کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔ اسلام کے اصولوں کی حکومت قائم ہوئی اور ایک خدا کے نام پر تمام مسلمانانِ عالم کو جمع کرنے کے لیے عالم گیر فتح کا رُخ متعین ہوا حضورؐ نے سنہ ۱۱ ہجری میں وفات پائی۔ مگر اس وقت اسلام کے بلند کردار سپاہیوں کے ہر اوّل دستے اُنیس سالہ کمانڈر اُسامہ کی قیادت میں شام کو روانہ ہو چکے تھے اور اُمتِ مسلمہ، ریاست علیہ

کی حیثیت سے عالم گیر نظم اور فلاح و صلاح کے متعلق اپنا فرض ادا کرنے کا تہیہ کر چکی تھی۔

آج اِس نئے سال کے آغاز میں اسی اُسوۂ کامل کی پیروی کا ہمیں عہد کرنا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم مُشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے دُشمن آج بھی اس انتظار میں ہیں کہ پاکستان کی ریاست جو دُنیا میں خلافتِ راشدہ کے بعد پہلی مرتبہ ایک اصُولی ریاست (IDEOLOGICAL STATE) کی حیثیت میں قائم ہُوئی ہے کسی نہ کسی طرح ختم ہو جائے۔ مگر ہمیں اللہ کی رحمت کے سہارے اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اِس حقیقت کا علم بلند کرنا ہے کہ پاکستان قائم ہو چکا ہے اور وہ قائم رہے گا۔ (انشاء اللہ العزیز)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس زمین کا وارث بنایا ہے ہم اِس میں اُس کا نام بلند کریں گے۔ اس کے قانُون کو نافذ کریں گے اور اِشاعتِ اِسلام کے لئے چار دانگِ عالم میں پھیل جانے کے لئے اِس پاک سرزمین کو مرکزِ رشد و ہدایت بنائیں گے ——— مُوسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے وراثتِ زمین کا یہ اصُول بیان فرمایا ہے:۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (الاعراف : ۱۲۸)

ترجمہ : (موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اِن مشکلات کی حالت میں اللہ سے مدد مانگو اور مستقل مزاج بنے رہو۔ زمین تو سب اللہ ہی کی ہے، وُہی اپنے بندوں سے جس کو مناسب سمجھتا ہے، وارث بنا دیتا ہے اور بالآخر جنّت تو اُن ہی کی ہے جو مقامِ خُدا سے ڈرتے رہتے ہیں)۔

یہ آیہ کریمہ اُس وقت نازل ہُوئی تھی جب دین کے سچّے علمبرداروں اور بے ریا عمل کرنے والوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کفارِ مکّہ کے سلوک سے تنگ آکر مدینہ میں پناہ گزیں ہو گئی تھی۔ دُشمن کے پے در پے حملوں کے باعث خوف و ہراس ہر طرف طاری تھا۔ مجبوری اور بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ہتھیار بدن سے جُدا نہیں ہو سکتے تھے۔ کمزوروں اور یتیموں کی نیم شبی آہیں اور عورتوں اور بوڑھوں کی صبحگاہی دُعائیں آسمانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ مایوسی اور اضطراب کی ان گھڑیوں میں خدائے پاک کی غیرت نے جوش زن ہو کر مسلمانوں کو بشارت دی کہ اگر تمھارے ایمان میں یہ مضبوطی اور اعمال میں یہ صلاحیت ہے تو یقین جانو کہ دُنیا کی کوئی طاقت تم کو مقہور و مغلوب نہیں کر سکتی۔

تم خدائے واحد کے پرستاروں کی ایک عاجز اور حقیر جماعت سہی۔ مگر قادرِ مطلق کی جناب

میں تمہارے کاموں کی حقیقی وقعت اور تمہارے ایمان کی سچی قدر ہے ــــ تمہارے سینوں میں سچائی کا دریا موج زن اور حقانیت کے اُمڈتے ہوئے طوفان موجود ہیں۔ تمہارے دلوں میں خدا کی محبت کا سچا ولولہ اور رسول ؐ کی اطاعت کا سچا جذبہ ہے۔ تم بے خانماں ہو مگر تمہاری نظروں میں آخرت کی لازوال متاع اور عقبےٰ کی راحت افزا منزل ہے۔

یہ ڈھارس، یہ سہارا، یہ توفیقِ الٰہی اور یہ نصرتِ حق کی برکت تھی کہ یہ یہی مٹھی بھر مسلمان خانہ کعبہ کے محافظ، سرزمین عرب کے حقیقی وارث، کسریٰ کی دیرینہ عظمت کے اصلی حقدار ــــ اسکندر کی عالم آرا سلطنت کے مسلمہ جانشین اور بکرماجیت کی بھارت کے فاتح بن گئے۔

آج نئے سال کے شروع میں ہمیں اپنی تاریخ کے اسی سبق کو از سرِ نو دہرانا ہے۔ ہم کشمکش موت وحیات اور عالم اسلام کی ابتلاؤں کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں مظلوموں کی آہیں اور یتیموں اور بیواؤں کی چیخیں ہمارے لئے دعوتِ جہاد ہیں ــــ ہمارا فرض ہے کہ ہم خدائی قانون اور اسوۂ حسنہ سرورِ کونین ؐ سے اپنے اعمال کو سنواریں اور خدا کے اس وعدہ کو یاد کر کے نئے سال سے اپنی زندگی کی طرحِ نو ڈالیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ

(ابراھیم ، ۱۳-۱۴)

ترجمہ : (اور منکرین خدا نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال باہر کریں گے یا ہار کر تم پھر ہمارے مذہب میں آملو گے۔ اس پر خدا نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم بدستور اپنی سعی میں لگے رہو۔ ہم یقیناً ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے بعد تم ہی کو اس سرزمین میں بسائیں گے ــــ یہ صلہ اُس قوم کا ہے جو میرے مقام وصفت سے ڈر کر میرے احکام کی اطاعت کرتی رہی اور جس نے میرے عذاب سے بچنے کی کوشش کی)

خدایا ــــ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس نئے سال سے اپنے خارجی اور باطنی دشمنوں سے محفوظ رہیں ہم عہد کرتے ہیں کہ آج سے ہم اپنی زندگیوں کو تیرے احکام اور تیرے محبوب کے اسوۂ کامل کی روشنی میں از سرِ نو اسلامی بنیادوں پر استوار کریں گے ــــ ساری طاقتوں کا تو ہی مالک ہے ــــ ہمیں اس راہ میں مضبوطی سے چلنے کی ہمت عطا فرما اور منزل مقصود سے ہمکنار کر ــــ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۔ اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ كَرِيْمٌ قَدِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔

عیدالفطر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ــــ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۝ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۝ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۝ اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۝ صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی ۝

ترجمہ: بے شک کامیاب ہوا جو پاک رہا، اور جس نے یاد کیا نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی۔ بلکہ تم ترجیح دیتے ہو دُنیا کی زندگی کو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائدار ہے ــــ بے شک یہی ہے پہلے صحیفوں میں یعنی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں ــــ (سُورۃ الاعلیٰ: ۱۴-۱۹)

ایک ماہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے صبر، شکر، مجاہدہ اور ریاضت کی منزل طے کر لینے اور اجتماعی خوشی میں ایک جگہ جمع ہو کر ماہِ رمضان کے بعد مسلمانوں کا جشن منانا "عید" ہے۔ اس کا نام عیدالفطر، یا "روزوں کی عید" مشہور ہے۔ یہ وُہ مبارک دن ہے کہ اس کے بار بار لوٹ کر آنے کی آرزو ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے۔ اور روزہ دار ایک دُوسرے کے لئے دُعا کرتے ہیں کہ الٰہی آئندہ عید بھی دیکھنا نصیب ہو ــــ عید کا لفظ عَوْد سے مشتق ہے یعنی عود کرنے والا دن۔ بار بار آنے والا دن مسرّت و شادمانی کا دن۔ فرحت و سرور کا دن مسلمانوں کے گناہوں کی معافی کا دن۔ رمضان شریف کے اہم فرض سے سبکدوش ہونے کا دن۔ قرآن عزیز کو سُننے اور سمجھنے کے بعد عمل کی آرزو کا دن۔ ربّ العزّت کی طرف سے نزولِ رحمت کا دن ــــ یہ عید کا دن ہے۔

عیدالفطر کا یہ جشن دوسری قوموں کی طرح کسی ملک کی تسخیر یا کسی مخالف طاقت کی شکست یا کسی موسمی تبدیلی یا کسی جابر بادشاہ سے نجات یا کسی تاریخی واقعہ کی یاد کی خوشی میں نہیں۔ یہ عید حُسنِ اختتام ہے ایک رُوحانی مجاہدے کا، دُنیا اور دُنیا کی خواہشات پر قابو پا کر اللہ تعالیٰ سے لو لگانے اور اپنے خالق و پروردگار کے حکم پر نفس کی عزیز سے عزیز خواہش کو ترجیح دینے کا!

تاریخ اور مقصد :

ہر قوم میں اور ہر زمانہ میں کسی خاص دن سالانہ خوشی منانے اور زیب وزینت کے ظاہر کرنے کا رواج رہا ہے۔ یہ ایک ایسا قومی رواج ہے جس کے ذکر سے کسی قوم کی تاریخ خالی نظر نہیں آتی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ نے بھی اسی طرح کھیل کود کے لئے دو دن مقرر کئے ہوئے تھے ـــــ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! تمہارے لئے ان دو جاہلی تیوہاروں کے بدلے اللہ تعالیٰ نے خوشی منانے کے لئے ان سے بہتر دو دن مقرر کر دیئے ہیں یعنی عیدُ الفطر اور عید قربان۔

اِس تبدیلی سے ایک طرف تو یہ بڑا فائدہ حاصل ہوا کہ اُن جاہلی تیوہاروں سے جو مُشرکانہ رُسوم وابستہ تھیں اُن کا خاتمہ ہوگیا۔ دُوسری ظاہری زیب وزینت اور خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ شعائرِ دین کی عظمت لوگوں کے دلوں میں پیوست ہونے لگی اور ایک وسیع پیمانے پر مسلمانوں کو اجتماعی انداز میں حمد وثنا اور باہمی میل ملاپ کے مواقع حاصل ہوگئے۔ عید الفطر کا دن محض زینت اور آرائش ہی کا دن نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت میں یہ وہ مُبارک دن ہے کہ جس میں روزہ دار انتہائی خوشی اور مُسرت سے اپنے رب کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ اس نے فریضہ صیام ادا کرنے کی ہمت و توانائی عطا فرمائی۔ اس طرح بندہ سراپا حمد وثنا بن جاتا ہے اور اس کے دل کی گہرائیوں سے بار بار یہ صدا بلند ہوتی ہے :-

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

اس کو قُرآن مجید یُوں فرماتا ہے :-

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (سورۃ البقرہ: ۱۸۵)

ترجمہ : اور اس لئے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ تم بڑائی کرو اللہ کی اس پر کہ ہدایت کی اس نے تم کو اور تاکہ تم شکر کرو ـــــ (القرآن)

یہ بھی واضح رہے کہ جس طرح ہر قوم اپنی عظمت وشوکت اور کثرت کے اظہار کے لئے کسی نہ کسی دن جمع ہوتی ہے اسی طرح اسلام میں بھی دو دن مقرر کئے گئے ہیں تاکہ مسلمان بھی کثرت اجتماعیت اور اتحاد کا نظم وضبط کے ساتھ مظاہرہ کر سکیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں ملت کے ہر فرد کو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت اِس میں شرکت کی تاکید کی گئی ہے۔ اِس بارے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ پردہ نشین خواتین خواہ وہ طبعی عوارض کی بناء پر

نماز نہ بھی پڑھ سکتی ہوں تب بھی اس اجتماع میں شریک ہو کر مسلمانوں کی دعاؤں میں شامل ہوں اور اگر کسی خاتون کے پاس چادر نہ ہو تو اس کی سہیلی یا پڑوسن کو چاہیئے کہ اپنی چادر کا ایک پلہ اسے بھی اوڑھا دے اور اسی شوکت و عظمت اور کثرت کے اظہار کے لئے احادیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ عیدگاہ آتے جاتے راستہ بدل لیا جائے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آبادی سے باہر کھلے میدان میں عید کی نماز ادا کرنے کی عملاً ترغیب و تاکید فرمائی ہے۔

مسجد نبویؐ میں بھی نماز پڑھی گئی اس لئے مسجد میں نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

ایک طویل حدیث میں حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام آسمانوں پر لیلۃ الجائزہ یعنی انعام کی رات سے لیا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ فرشتوں کو تمام شہروں، آبادیوں میں بھیجتے ہیں اور وہ زمین پر اُتر کر گلی گلی کوچے کوچے کھڑے ہو کر ایسی آواز سے پکارتے ہیں جس کو انسانوں اور جنوں کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے کہ "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت! اس ربِ کریم کی درگاہ کی طرف چل جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے بڑے جرم و قصور معاف کر دینے والا ہے" پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو ربّ العزت فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے "کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو" وہ عرض کرتے ہیں! "اے ہمارے مالک! اے ہمارے معبود! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دی جائے" اس پر ربّ العزت فرماتے ہیں کہ "اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور اپنی مغفرت عطا کر دی" پھر بندوں سے خطاب ہوتا ہے۔ "اے میرے بندو! مجھ سے مانگو۔ مجھے میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم، آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے پورا کروں گا۔ اور دُنیا کے بارے میں جو مانگو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک تم میرا خیال رکھو گے میں تمہاری لغزشوں کی پردہ پوشی کرتا رہوں گا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم، اپنے جلال کی قسم میں تمہیں مجرموں اور کافروں کے سامنے رسوا نہیں کروں گا۔ بس اب اس وعدۂ بخشش سے نوازے گئے ہو کر گھروں کو لوٹ جاؤ۔ تم نے مجھے راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا" پس فرشتے اس اجر و ثواب کو دیکھ کر جو اس اُمت کو عید کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہیں۔ کذا فی الترغیب۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ثواب کی نیت کر کے دونوں عیدوں کی راتوں میں جاگے اور عبادت میں مشغول رہے، اُس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن سب کے دل مر جائیں گے۔ فقہا نے عیدین کی راتوں میں جاگنا مستحب لکھا ہے۔

مسائلِ عید :

(۱) عید کے اجتماع میں اذان اور اقامت کے بغیر پہلے نماز ادا ہوتی ہے اور اس کے بعد امام خطبہ دیتا ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ یا سورۂ قٓ، اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ یا 'قمر' پڑھا کرتے تھے۔

نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختصر اور جامع خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ اس میں صدقات و خیرات کی تقسیم اور وقت کے اہم مسائل بیان کیے جاتے تھے۔

(۴) طبرانی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیدین کو تکبیرات سے زینت دو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ عیدگاہ جاتے ہوئے زور زور سے تکبیرات کہتے اور عیدگاہ پہنچ کر بھی یہی عمل جاری رہتا اور امام کے آنے پر تکبیرات کا کہنا ترک کر دیتے۔

عید کی تکبیروں، خطبے اور دوسرے امور کے متعلق کئی احادیث ہیں جن میں سے چند یہاں نقل کی جاتی ہیں :-

(۱) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْدُوْ یَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰی یَاْکُلَ تَمَرَاتٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْہُ قَالَ وَیَاْکُلُھُنَّ وِتْرًا (تجرید البخاری)

ترجمہ : حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن، دن نکلنے سے پہلے ہی چند چھوہارے کھا لیا کرتے اور انہی سے ایک روایت میں ہے کہ آپ طاق چھوہارے کھایا کرتے تھے۔

(۲) عَنِ ابْنِ شِھَابٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ یَوْمَ الْفِطْرِ وَیَوْمَ الْاَضْحٰی قَبْلَ الْخُطْبَۃِ۔

ترجمہ : روایت ہے ابنِ شہاب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے عید الفطر اور عید الضحیٰ کی قبل خطبہ کے —— یعنی خطبہ عیدین کا نماز کے بعد پڑھتے۔ (بخاری و مسلم)

(۳) عَنْ مَالِكٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ وَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ

ترجمہ : امام مالکؒ کو یہ بات پہنچی کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (یعنی بعد نماز کے خطبہ پڑھتے تھے عیدین میں)

(۴) عَنْ اَبِىْ عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ اَزْهَرَ اَنَّهُ قَالَ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ اِنَّ هٰذَيْنِ يَوْمَانِ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِهِمَا يَوْمَ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَالْاٰخَرُ يَوْمٌ تَاْكُلُوْنَ فِيْهِ مِنْ نُسُكِكُمْ قَالَ اَبُوْ عُبَيْدٍ ثُمَّ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُثْمَانَ فَجَاءَ فَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ وَقَالَ اِنَّهُ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِىْ يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيْدَانِ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْ اَهْلِ الْعَالِيَةِ اَنْ يَّنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ فَلْيَنْتَظِرْهَا وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّرْجِعَ فَقَدْ اَذِنْتُ لَهُ۔ قَالَ اَبُوْ عُبَيْدٍ ثُمَّ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عَلِىِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ وَعُثْمَانُ مَحْصُوْرٌ فَجَاءَ فَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ۔

ترجمہ : ابوعبیدؓ سے جو مولیٰ ہیں عبدالرحمٰن بن ازہر کے روایت ہے کہ میں حاضر ہوا عید کو ساتھ عمر بن الخطابؓ کے تو نماز پڑھی حضرت عمرؓ نے پھر فارغ ہوئے اور خطبہ پڑھا اور کہا یہ دو دن (عیدالفطر و عیدالضحیٰ کے) وہ دن ہیں کہ منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے سے ان دنوں میں ——— یہ عیدالفطر وہ دن ہے۔ جس دن تم روزہ موقوف کرتے ہو۔ اور عیدالضحیٰ وہ دن ہے کہ اس دن اپنی قربانی کا گوشت کھاتے ہو۔

ابوعبیدؓ نے کہا کہ پھر حاضر ہوا میں عید کو عثمان بن عفانؓ کے ساتھ تو انھوں نے آن کر نماز پڑھی ——— پھر نماز سے فارغ ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ آج کے روز دو عیدیں ہیں ایک عیدالفطر، ایک جمعہ) تو جس کا جی چاہے باہر والوں سے ٹھہر جائے اور جو چاہے کہ اپنے گھر جائے تو چلا جائے۔ میں نے اجازت دی ——— کہا ابوعبید نے ——— پھر حاضر ہوا میں عید کو ساتھ علی ابن ابی طالبؓ کے عثمانؓ گھرے ہوئے تھے تو حضرت علیؓ نے آن کر نماز پڑھائی۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر خطبہ دیا۔

مسائل صدقۃ الفطر :

صدقہ فطر کی حکمت اور مصلحت حدیث میں یوں بیان ہوئی ہے :-

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصَّائِمِ

مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ ــــ فَمَنْ اَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَّقْبُوْلَةٌ وَمَنْ اَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهُوَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ (ابوداؤد - ابن ماجہ)

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو فرض قرار دیا ہے۔ جو روزہ دار کے لئے لغو اور رفث (بے ہودہ گوئی اور فحش کلام) سے پاک ہونے کا ذریعہ ہے اور مسکین اور محتاج کے لئے کھانا ہے۔ جس نے اسے نماز سے قبل ادا کیا تو وہ مقبول صدقہ ہے۔ اور جس نے اسے نماز کے بعد ادا کیا تو اس کی حیثیت عام صدقات کی سی ہے۔

(۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ۔

ترجمہ : حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کے لئے چھوہاروں کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد، مرد اور عورت بچے اور بڑے پر فرض فرمایا اور لوگوں کے نماز عید کو نکلنے سے پہلے اس کے ادا کرنے کا آپ نے حکم دیا ہے۔

(۳) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُخْرِجُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ وَكَانَ طَعَامُنَا الشَّعِيْرَ وَالزَّبِيْبَ وَالْاَقِطَ وَالتَّمْرَ۔

ترجمہ : حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عید الفطر کے دن ایک صاع کھانا محتاجوں کو دیا کرتے تھے۔ ان دنوں ہمارا کھانا جو، انگور، پنیر اور چھوہارے تھا۔

(۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ عَلَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ۔

ترجمہ : حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے، بڑے آزاد اور غلام پر ایک صاع جو یا ایک صاع چھوہارے صدقۂ فطر واجب کیا ہے۔

یعنی رمضان المبارک میں جو بھی اعمال روزے کے منافی سرزد ہوتے ہیں ان کا کفارہ صدقۂ فطر

سے ادا ہو جاتا ہے ـــــ ایک دوسری روایت میں ہے کہ صدقہ فطر کے بغیر روزے خدا کے ہاں مقبول نہیں ہوتے۔

صدقہ فطر ہر چھوٹے بڑے اور مرد و عورت کی طرف سے ادا کرنا ضروری ہے۔ اِس سے وُہی شخص مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے جو انتہائی نادار اور تنگدست ہو۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

اما غنیکم فیزکیہ اللہ واما فقیرکم فیرد اللہ علیہ اکثر مما اعطاہ (سُنن دارقطنی ۲۲۳)

ترجمہ : تمہارے خوش حال افراد اس صدقہ فطر سے روحانی اور اخلاقی پاکیزگی حاصل کرتے ہیں اور تم میں جو نادار ہیں ان کو اللہ اس سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔ جتنا وہ صدقہ فطر میں دے کر دیتے ہیں۔

فقہاء کے نزدیک صدقہ فطر صرف اُن پر واجب ہے جو صاحبِ نصاب ہیں۔

صدقہ فطر میں مندرجہ ذیل چیزیں دی جاسکتی ہیں :-

گیہوں، پنیر، جَو، کشمش، کھجور ـــــ روایات میں ان ہی اشیاء کا ذکر ہے۔ ان اشیاء کے علاوہ قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔ دار قطنی میں حدیث کے الفاظ یہ ملتے ہیں۔

وَاَغْنُوْھُمْ فِیْ ھٰذَا الْیَوْمِ (ج ۱ ص ۲۲۵) ان مساکین کو اِس دن غنی کر دو۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد عید کے دن فقراء کو بے نیاز اور خوش حال کرنا ہے۔ نہ کہ چند معین اشیاء کی تقسیم کی پابندی ـــــ اِسی بناء پر حافظ ابن قیم رحمۃ نے اس معاملہ میں یہاں تک وُسعت دی ہے کہ صدقہ فطر میں دُودھ، گوشت، چاول وغیرہ اشیائے ضرورت دی جا سکتی ہیں۔ اِس معاملہ میں اصل رُوح یہ ہے کہ دینے والے اور لینے والے دونوں کی سہولت اور آسانی کو مدِنظر رکھنا چاہیئے۔

مقدارِ فطرہ :

حدیث میں صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع بیان ہُوئی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گیہوں نصف صاع بھی دیا جاسکتا ہے۔ ایک صاع گیہوں حجازی پیمانے کے مُطابق پونے تین سیر اور عراقی پیمانے کے اعتبار سے کم و بیش چار سیر ہوتے ہیں۔ پہلا مسلک محدثین کا ہے اور دوسرا فقہائے کوفہ نے اختیار کیا ہے۔ عام طور پر نصف صاع صدقہ فطر دینے کا رواج ہے لیکن سنداً قوی تر روایات میں ایک صاع کا ذکر ہے۔ اِس معاملہ میں بھی وُہی پہلو

اختیار کرنا چاہیئے جس سے فقراء و مساکین کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے اور آج کل کے زمانے میں راشننگ اور کنٹرول کی جو مجبوریاں ہیں وہ بھی پیش نظر رکھی جائیں۔

دین کی روح تعمیل احکام اور آسانی ہے نہ کہ لفظی رعایتوں اور مشکلات میں مبتلا کرنا یہ احکام زاد المعاد اور حجۃ اللہ البالغہ سے مستفاد ہیں۔

فطرانہ کے چند مزید احکام یہ ہیں جو فقہاء کی کتابوں سے مستنبط ہیں:۔

۱ - فطرانہ ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے یا وہ فطرانہ دینے کی استطاعت رکھتا ہے خواہ زکوٰۃ واجب نہ ہو۔

۲ - فطرانہ عید الفطر کے دن صبح سویرے دینا مناسب ہے۔ اگر کسی نے عید سے پہلے رمضان میں فطرانہ دے دیا تو وہ بھی ادا ہو گیا اگر کوئی عید کے دن نہیں دے سکا تو بعد میں کسی دن دے دے۔

۳ - فطرانہ اپنی اپنی نابالغ اولاد اور ملازموں کی طرف سے دینا واجب ہے ـــــ اگر اولاد بالغ ہے تو اس کا فطرانہ واجب نہیں۔ ہاں اگر وہ دیوانہ ہو تو باپ پر واجب ہے خاوند بیوی کی طرف سے اور بیوی خاوند کی طرف سے فطرانہ دے سکتی ہے۔ ہاں دونوں اپنے ماں باپ کی طرف سے فطرانہ نہیں دے سکتے۔

۴ - اگر کسی نے رمضان کے روزے کسی وجہ سے نہ رکھے ہوں تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔

۵ - ایک آدمی کا صدقہ ایک ہی حاجت مند کو دیا جا سکتا ہے اور کئی آدمیوں کا صدقہ بھی ایک آدمی کو دیا جانا درست ہے۔

خطبۂ عید الفطر:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُنْعِمِ الْمُحْسِنِ الدَّيَّانِ ۝ ذِى الْفَضْلِ وَالْجُوْدِ وَالْاِحْسَانِ ۝ ذِى الْكَرَمِ وَالْمَغْفِرَةِ وَالْاِمْتِنَانِ ۝ ـــ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ـــ الخ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ النَّبِىُّ اَرْسَلَ حِيْنَ شَاعَ الْكُفْرُ فِى الْبُلْدَانِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمَعَ الْقَمَرَانِ وَتَعَاقَبَ الْمَلَوَانِ ۝ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ يَوْمَكُمْ هٰذَا يَوْمُ عِيْدٍ لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ فِيْهِ عَوَائِدُ الْاِحْسَانِ ۝

وَرَجَاءُ نَيْلِ الدَّرَجَاتِ وَالْعَفْوِ وَالْغُفْرَانِ ٥ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ
اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا ٥
وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِىْ يَوْمَ فِطْرِهِمْ
بَاهٰى بِهِمْ مَلٰٓئِكَتَهٗ فَقَالَ يَا مَلٰٓئِكَتِىْ مَا جَزَآءُ اَجِيْرٍ وَّفّٰى عَمَلَهٗ ٥ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَآءُهٗ
اَنْ يُّوَفّٰى اَجْرُهٗ ٥

قَالَ مَلٰٓئِكَتِىْ عَبِيْدِىْ وَاِمَآئِىْ قَضَوْا فَرِيْضَتِىْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى
الدُّعَآءِ ٥ وَعِزَّتِىْ وَجَلَالِىْ وَكَرَمِىْ وَعُلُوِّىْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِىْ لَاُجِيْبَنَّهُمْ ٥ فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا
قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ ٥ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ
اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۔

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ
كَصِيَامِ الدَّهْرِ ۔ وَكَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ بَيْنَ اَضْعَافِ الْخُطْبَةِ يُكْثِرُ
التَّكْبِيْرَ فِىْ خُطْبَةِ الْعِيْدَيْنِ ٥ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ٥

عید قرباں

اَللّٰہُ اَکْبَرُ —— (۹ بار) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ —— اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَہُ الْبَیَانَ ٥ سُبْحَانَ الَّذِیْ جَعَلَ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ وَجَعَلَ الْحَرَمَ اٰمِنًا لَّھُمْ مِّنْ کُلِّ شَرٍّ وَّطُغْیَانٍ —— سُبْحَانَ الَّذِیْ جَعَلَ الْحَجَّ مُطَھِّرًا مِّنَ الذُّنُوْبِ وَدَافِعًا لِّلْکُرُوْبِ ٥ وَوَعَدَ لِلْحُجَّاجِ وَالْمُعْتَمِرِیْنَ بِدَارِ الْجِنَانِ ٥ اَللّٰہُ اَکْبَرُ —— اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ ٥ —— سُبْحَانَہٗ مَآ اَعْظَمَ شَانُہٗ - وَضَعَ لِلنَّاسِ اَوَّلَ بَیْتٍ وَّجَعَلَہٗ مُبَارَکًا وَّاٰمِنًا -

اَللّٰہُ اَکْبَرُ —— اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ ٥ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ وَعَلٰی سَآئِرِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ لَاسِیَّمَا سَیِّدِنَا اِسْمٰعِیْلَ ذَبِیْحِ اللّٰہِ وَسَیِّدِنَا اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلِ الرَّحْمٰنِ -

اَللّٰہُ اَکْبَرُ —— اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا - (الحج : ۷۸)

ترجمہ :- اور محنت کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جیسے اس کے لیے محنت کا حق ہے - اُس نے تمھیں برگزیدہ کیا ہے اور تمھارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی - تمھارے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہے اس نے اس سے پہلے تمھارا نام مسلمین رکھا تھا اور اس (کتاب) میں بھی (تمھارا نام مسلمین ہے)

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا (۴ : ۱۲۵)

ترجمہ :- اور اُس سے بہتر دین کس کا ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا

دیا اور وہ نیک اعمال بھی کرتا ہے اور اُس نے ابراہیمؑ کی ملت کی پیروی کی جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے۔

مسلمانو! خلوصِ قلب سے اللہ کو پکارو اور اِس بات کو سمجھو کہ آج ہم عید قرباں کی تقریب پر جمع ہوئے ہیں —— یہ عید (عید الاضحیٰ) اس عظیم الشان پیغمبر کی یادگار ہے۔ جس کی زندگی قربانی کی تصویر تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام آج سے قریباً چار ہزار سال پہلے ملک بابل میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آذر بُت گر تھا۔ آپ کی قوم نمرود کی پجاری تھی نمرود نے اپنا بُت سونے کا بنوا کر مندر میں رکھ دیا تھا تاکہ لوگ اس کو سجدے کریں۔

حضرت ابراہیمؑ نے جس گھر میں جنم لیا۔ وہاں ہر طرف عیش و راحت کا سامان تھا۔ دولت بھی تھی وقار بھی تھا۔ عزت بھی تھی۔ لیکن فطرت سلیم تھی۔ غور و فکر کی عادت نے انھیں ظاہری قیود سے آزاد کر رکھا تھا۔ نہ اپنے گھر کے ماحول سے متاثر ہوئے اور نہ شہر کا اثر لیا۔ آہستہ آہستہ سوچ بچار سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ پہلے نجوم پرستی کے خلاف اعلان کیا اور پھر بت پرستی اور شاہ پرستی کے خلاف اور یہ اعلانات بھی اچھوتے طریقے سے کئے۔ سب سے پہلے تو یہ خیال فرمایئے کہ جس شخص کو معاشرہ میں دولت اور عزت اور مرتبہ حاصل ہو، اُسے کیا ضرورت ہے کہ وہ معاشرے کے عقائد کے خلاف اعلان کر کے ان کی مخالفت مول لے۔ دولت، عزت اور مرتبہ کو چھوڑنا بہت مشکل کام ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے عین جوانی کے دنوں میں حق و صداقت کو چُن لیا اور باقی ہر چیز کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

حکومت اور دولت کے سارے وسائل صرف دو طبقوں میں تھے۔ امراء اور پروہت۔ اِس تمدن میں بادشاہ کو خدا سمجھا جاتا تھا اور مندروں میں اِس کی اور بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ اہلِ بابل علمِ نجوم میں بھی دسترس رکھتے تھے اور ستاروں کے اثرات کے بڑے قائل تھے۔

سورہ الانعام کی آیات ۷۵ تا ۸۴ میں حضرت ابراہیمؑ کے اعلانِ حق اور بُت پرستی اور نجوم پرستی سے بیزاری کے اظہار کا ذکر ہے۔ پہلے تو بُت پرستی کے خلاف صاف صاف اپنے باپ سے کہہ دیا۔

إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

ترجمہ: بے شک و شبہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

پھر کواکب پرستی کے خلاف اعلان کیا۔ ستارہ نکلا تو کہا: "یہ میرا رب ہے؟" جب چھپ گیا تو کہنے لگے "میں تو چھپ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا" مطلب یہ تھا کہ یہ تو کسی اور حکم کے تابع ہے۔ یہ میرا رب کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر جب روشن چاند نکلا تو کہا "یہ میرا رب ہے؟" جب وہ

بھی چھپ گیا تو اُس سے بھی بیزاری کا اظہار کیا اور کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہیں دے گا تو میں بھی گمراہوں کی قوم میں سے ہو جاؤں گا۔ رات ختم ہوئی تو آفتاب طلوع ہوا۔ اُسے چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے؟ یہ بڑا ہے۔ جب وُہ بھی غروب ہو گیا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جو شرک کرتے ہو، میں اِس سے بری ہوں۔ اِس کے بعد وُہ الفاظ فرمائے جو ہم ہر نماز کو شروع کرنے سے پہلے پڑھتے ہیں۔

(۶:۸۰)

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

ترجمہ:- بے شک میں اپنا چہرہ متوجہ کرتا ہوں اس کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، بالکل اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

مگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی، انھوں نے اِس بارہ میں اُلٹا ان سے جھگڑنا شروع کر دیا حضرت ابراہیمؑ نے ان کی ذرا بھر پروا نہ کی اور مضبوطی سے توحید پر ڈٹے رہے اور نجوم پرستی اور بُت پرستی کی مخالفت کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم نے تن تنہا حکومت پروہتیت، اکبر شاہی اور عوام کے باطل اعتقادات کے خلاف ٹکر لے لی۔ اب اُنھوں نے اپنے پیغامِ حق کو لوگوں کے دلوں کے اندر لے جانے کے لیے ایک اور سکیم بنائی۔

سُورۃ الصّٰفّٰت (۳۷) اور سُورۃ الانبیاء (۲۱) میں خاص طور سے اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے ایک روز کسی تیوہار کے سلسلے میں شہر کے مردوں اور عورتوں نے باہر جانا تھا۔ ابراہیمؑ بھی اُن کے ساتھ باہر گئے۔ پھر ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا: "میں تو بیمار ہوں"۔ یہ ایک لطیف طنز تھی، ان لوگوں کے طرزِ عمل پر کہ وہ اپنے بیمار ہونے کا اندازہ بھی ستاروں کی طرف دیکھ کر کرتے تھے حالانکہ اپنے متعلق تو انسان کو خود محسوس ہو جانا چاہیئے۔ بہرکیف حضرت ابراہیمؑ وہاں سے شہر میں آگئے۔ پھر سیدھے بڑے بُت خانہ میں گئے۔ بُتوں کے سامنے کھانا پڑا تھا۔ انھیں کہنے لگے کھاتے کیوں نہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟ پھر تبر لیا اور سارے چھوٹے بُتوں کو پاش پاش کر دیا اور تبر بڑے بُت کے کندھے پر رکھ دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کے ذہنوں کو دھچکا لگایا اور صدماتی طریق سے اُن کا علاج کرنے کی کوشش کی۔ لوگ واپس آئے اور بتوں کا یہ حال دیکھا تو ششدر رہ گئے۔ کسی نے کہا: ابراہیمؑ جو بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے۔ اس سے پوچھنا چاہیئے حضرت ابراہیمؑ کو بُلایا گیا۔ لوگوں نے پوچھا: ابراہیمؑ! کیا تُو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟ ابراہیمؑ نے فرمایا: شاید اس بڑے بُت نے کیا ہو۔ پھر کہا۔ انہی سے پوچھو اگر یہ بولتے ہیں۔ کیسی لطیف

چوٹ تھی کہ یہ اچھے خدا ہیں جو نہ تو اپنی حفاظت کر سکے اور نہ اب بتا سکتے ہیں کہ انھیں کس نے مارا۔ یہ تمھیں کیا نفع دیں گے؟ آگے قرآن پاک کی آیت ہے۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۙ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ (۲۱ : ۶۴، ۶۵)

ترجمہ : پھر وُہ مڑے اپنے آپ کی طرف اور کہنے لگے یقیناً تم ہی ظالموں میں سے ہو پھر اُلٹے کئے گئے اپنے سروں کے اُوپر

ابراہیمؑ کے اس عملی استدلال سے سچائی ایک بار تو ان کے ذہنوں کے اندر کوند گئی اور وُہ ایک دُوسرے سے کہنے لگے ہماری زیادتی ہے جو ہم ان بتوں کو پُوجتے ہیں۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ ان کی کھوپڑی اوندھی ہوگئی اور وُہ دوبارہ اپنی گمراہی میں گر گئے اور جیسا کہ ان لوگوں کی عادت ہوتی ہے، جو دلیل نہیں لا سکتے۔ تعصّب اور انتقام کے جذبات کو اُبھارنے لگے اور کہنے لگے اپنے خداؤں کی بےعزتی کا بدلہ لو اور اسے آگ میں جلا دو۔ چنانچہ آگ کا بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور انھیں اس میں ڈالا گیا۔ اُدھر رحمتِ الٰہی جوش میں آئی۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۙ (۲۱ : ۶۹)

ترجمہ : ہم نے کہا: اے آگ ابراہیمؑ کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا!

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

(اقبالؔ)

بُت خانہ کے واقعہ کے بعد ابراہیمؑ کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا وہ اس قوم کا خُدا تھا اور اسی کے بُت کی بڑے بُت خانہ میں پرستش ہوتی تھی۔ اُس نے ابراہیم سے پُوچھا۔ اچھا، اگر میں خدا نہیں تو کون خدا ہے؟ ابراہیمؑ نے جواب دیا: جو مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ اُس نے کہا: میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ غلط مبحث کیا۔ ایک شخص جس کو موت کی سزا دی جا چکی تھی اُسے چھوڑ دیا اور کہا میں نے اسے زندہ کر دیا ہے۔ حالانکہ وُہ مردہ نہیں تھا۔ زندہ تھا۔ بادشاہ نے صرف اتنا کیا تھا کہ زندہ کو زندہ رہنے دیا۔ یہ مُردہ کو زندہ کرنا نہ تھا۔ لیکن ابراہیمؑ اس بحث میں نہ پڑے اُنہوں نے ایک نئی دلیل پیش کر دی۔ کہنے لگے: میرا اللہ تو سُورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تو بھی خدا ہے تو اسے مغرب سے نکال لا۔" اب بادشاہ لاجواب ہو گیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی بڑی کوشش کی مختلف طریقے استعمال کیئے۔ اللہ نے معجزہ بھی دکھایا کہ آگ میں بھی صحیح وسلامت رہے۔ مگر وہ لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ابراہیمؑ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو انھیں چھوڑ دیا اور ان سے صاف کہہ دیا کہ جب تک تم اللہ پر ایمان نہ لے آؤ ہمارے تمہارے درمیان کھلی عداوت اور مخالفت ہے اور وطن سے نکل گئے۔ اللہ کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیا۔ باپ۔ خاندان۔ دولت۔ عزت عیش وعشرت اور آخر میں وطن بھی اور صحرا میں جا کر آباد ہو گئے۔

اِنِّی مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّی — میں اللہ کی طرف ہجرت کرتا ہوں

کہہ کر بابل سے ہجرت کر گئے۔

حضرت ابراہیمؑ بابل سے روانہ ہو کر جگہ بہ جگہ پیغامِ حق پہنچاتے ہوئے مصر میں پہنچے تو اخیون نامی بادشاہِ مصر نے آپ کی بہت عزت کی اور انہیں اپنی بیٹی ہاجرہ بیاہ دی — حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام پیدا ہوئے۔ جب یہ بڑے ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا کہ آپ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو ذبح کر رہے ہیں صبح آپ نے بیٹے سے فرمایا:-

یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی — بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تیری رائے کیا ہے؟

پاک باز باپ کے سرفروش بیٹے نے جواب دیا:-

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

ترجمہ: ابّا جان! آپ حکم خدا کی تعمیل کریں بفضلِ خدا مجھے صابر پائیں گے۔

اب باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا — اور پھر وہی چھری اٹھائی جو اس سے پہلے اللہ کے لیے باپ، قوم، خاندان اور وطن کے رشتوں کو ایک ایک کر کے کاٹ چکی تھی حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے چاہا کہ اسلاف کی طرح اولاد کی گردن بھی کاٹیں اور دونوں طرف کے رشتوں کو تلوار کے حوالہ کر کے کائناتِ عالم میں مقامِ ابراہیمؑ کی یکتائی کا ڈنکا بجائیں لیکن خدا کی رحمت نے پیش قدمی کی اور ارض وسماء میں قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا کے نقارے بج گئے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا ۚ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (۳۷ : ۱۰۳ تا ۱۰۵)

ترجمہ :- پھر جب دونوں (باپ بیٹے) نے (اللہ کے حکم کے سامنے) سرِ تسلیم خم کر دیا، اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ تو ہم نے اُسے پکارا اے ابراہیم! (بس، رُک جا) تُو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ نیکو کاروں کو اسی طرح کیا بدلہ دیتے ہیں؟ یہی، کہ انہیں پہلے آزمائش میں پُورا اُترنے کی توفیق دیتے ہیں اور پھر اُس پر انعامات سے نوازتے ہیں۔

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ

اور ہم نے ذبحِ عظیم کا فدیا دیا اور ہم نے اُسے آگے آنیوالوں کیلئے قائم رکھا کا اعلان کر دیا۔

عیدُ الاضحیٰ کی موجُودہ قُربانیاں اسی واقعۂ عظیم کی یادگار ہیں۔

برادرانِ اسلام! نمازِ عید کے بعد آپ جس فرض کو ادا کریں گے وُہ قُربانی ہے — قُربانی ہر آزاد اور صاحبِ نصاب مُسلمان پر واجب ہے۔

(۱) شرعاً بکری، بھیڑ، دُنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا اور اُونٹ کی قُربانی کرنا جائز ہے (۲) شرعاً بھیڑ بکری اور دُنبہ کے علاوہ بقیہ جانوروں میں اگر سات آدمی شریک ہوکر قُربانی کریں تو بھی جائز ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصّہ ساتویں حصّہ سے کم نہ ہو اور سب کی نیت رضائے الٰہی حاصل کرنے کی ہو (۳) بکرا بکری سال بھر سے کم کی دُرست نہیں۔ جب پورے سال بھر کے ہوں تب قُربانی جائز ہے اور گائے اور بھینس دو سال سے کم کی جائز نہیں۔ جب پُورے دو سال کی ہو جائے تب قُربانی جائز ہے اور اُونٹ پانچ برس سے کم کا جائز نہیں۔ البتہ بھیڑ یا دُنبہ اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہو تو ایسے بھیڑ اور دُنبے چھ ماہ کے بھی جائز ہیں۔

قُربانی کا جانور ہر قسم کے عیب سے پاک ہونا چاہیئے۔ قُربانی کے جانور کی کھال خیرات کر دے اگر چاہے تو اس سے کوئی چیز بنوالے۔ مثلاً مُصلّیٰ وغیرہ (۲) قُربانی کا گوشت کھال یا کھال کی قیمت قصاب کی اُجرت میں دینا جائز نہیں۔ اسی طرح امام و مؤذن کو خدمتِ مسجد کی اُجرت میں دینا یا کسی مُلازم کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔ البتہ کسی مسجد میں یہ دستور تو نہ ہو اور صاف کہہ دیا گیا ہو کہ یہاں کھال وغیرہ نہیں ملے گی تو پھر کوئی امام غریب ہو تو قیمت یا کھال دینا جائز ہے۔

(۱) دو رکعت نماز بطور شکریہ پڑھنا واجب ہے (۲) عید کا وقت آفتاب روشن ہونے سے زوال تک ہے (۳) عید کی نماز کا طریقہ: نیت یہ کرے کہ دو رکعت نماز عیدُ الضحیٰ ہو واجب ہے چھ تکبیروں کیساتھ پڑھتا ہوں اور پہلی تکبیر کے بعد

ہاتھ باندھ لے اور سُبحانک اللّٰھمّ پڑھ کر تین مرتبہ امام کے ساتھ اللہ اکبر کہے اور ہر مرتبہ مثل تکبیرِ تحریمہ کے دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھائے اور تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑے اور ہر تکبیر کے بعد امام اتنی دیر کرے کہ سب لوگ تکبیر کہہ سکیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ چھوڑے، بلکہ باندھ لے اور پھر مُقتدی خاموش کھڑے رہیں اور امام کے ساتھ رکوع اور سجدہ کریں۔ پھر دوسری رکعت میں امام الحمد اور سُورت پڑھ کر رکوع میں جانے سے پہلے تکبیریں کہے گا مقتدی بھی پہلے کی طرح تین تکبیریں کہیں یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھیں بلکہ کھُلے رکھیں اور پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں (۴) عید کا خطبہ پڑھنا مثل جمعہ کے شرط و فرض نہیں ہے۔ لیکن سُنّت ہے۔ مگر جمعہ کے خطبہ کی طرح سُننا واجب ہے (۵) اگر کسی کو عید کی نماز نہ ملے یا ایسے وقت شریک ہُوا ہو کہ امام تکبیروں سے فارغ ہو چکا ہے۔ تو فوراً نیت باندھنے کے بعد تکبیریں کہہ لے۔ ورنہ حالتِ رکوع میں بجائے تسبیح کے بلا ہاتھ اُٹھائے تکبیریں کہہ لے۔

نویں تاریخ کی فجر سے تیرھویں کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد تکبیر با آوازِ بلند پڑھنا چاہیئے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ؕ

قُربانی کے جانور کے گلے پر چھُری پھیرنے سے پہلے یہ دُعا پڑھنا مسنون ہے :-

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ؕ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ؕ

ترجمہ :- میں نے متوجہ کیا اپنا رُخ اُسی ذات کی طرف جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو سب سے مُنہ موڑ کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں سے۔ بلاشُبہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو پالنے والا ہے سب جہانوں کا۔ نہیں کوئی شریک اس کا اور اس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور اسی سبب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

پھر بسم اللہ۔ اللہ اکبر کہہ کر جانور کے گلے پر چھُری پھیر دی جائے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ قربانی دینے والا خُود جانور کو ذبح کرے ——— یہ ہے قربانی کی ظاہری صُورت مگر اُس کی رُوح کی طرف اللہ تعالیٰ نے سُورۂ حج کے پانچویں رکوع میں اس طرح اشارہ کیا ہے۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانیوں کے گوشت اور خُون نہیں پہنچتے۔ اس کے ہاں تو اس

تقویٰ کی قدر و قیمت ہے —— (جو قربانی کرنے والے کے دل میں ہوتا ہے)

قربانی اس لیے ہے کہ اللہ کی رضا حاصل ہو —— نام و نمود اور دکھاوا اس رُوح کو ختم کر دیتا ہے۔ قربانی یہ سبق سکھاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں ہم بھی حضرت ابراہیم کی طرح اپنی ہر عزیز چیز قربان کرنے کو تیار ہو جائیں —— ہمارا فرض ہے کہ قربانی کرتے وقت ہم جذباتِ ابراہیمی سے سرشار ہوں اور تقویٰ ہمارا مقصود و مطلوب ہو۔

احکامِ الٰہی کی تعمیل میں اولاد، مال، اعزہ و اقارب، دُنیا کی تجارت اور کسی دوسری چیز کو روک نہ بننے دیں۔ بلکہ اللہ کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر ہر وقت تیار رہیں۔

(خطبۂ ثانیہ عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ دونوں کے لیے ہے)

اَللّٰہُ اَکْبَرُ (۹ بار) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَھُوَالْعَلِیُّ الْاَکْبَرُ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْعَالَمَ وَدَبَّرَہٗ وَاَحْکَمَ نَظْمَ الْعَالَمِ وَقَدَّرَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَہُ الْبَیَانَ وَبِاَحْسَنِ الصُّوَرِ صَوَّرَ ۝ وَجَعَلَہٗ اَشْرَفَ الْمَخْلُوْقَاتِ فِی الدُّنْیَا وَالْمَحْشَرِ —— اَللّٰہُ اَکْبَرُ —— وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَاحِبُ الْفَضْلِ الْاَکْبَرِ وَالْعِزِّ الْاَنْوَرِ ﷺ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَعَلٰی رَفِیْقِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ فِی الْغَارِ سَیِّدِنَا اَبِیْ بَکْرٍ عَبْدِ اللّٰہِ الصِّدِّیْقِ الْاَکْبَرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعَلٰی قَامِعِ اَسَاسِ الْکُفْرِ وَالْاِلْحَادِ سَیِّدِنَا عُمَرَ فَازَ بِالْحَظِّ الْاَوْفَرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعَلٰی جَامِعِ الْقُرْاٰنِ —— صَاحِبِ الْحَیَاءِ الَّذِیْ ھُوَ شُعْبَۃٌ" مِّنَ الْاِیْمَانِ سَیِّدِنَا عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ —— رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ —— وَعَلٰی بَابِ مَدِیْنَۃِ الْعِلْمِ النَّبَوِیِّ ذِی الْفَضْلِ الْجَلِیِّ وَالْخَفِیِّ سَیِّدِنَا عَلِیِّ بْنِ الْحَیْدَرِ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ وَطَھَّرَ وَعَلَی السِّبْطَیْنِ النَّیِّرَیْنِ السَّعِیْدَیْنِ الشَّھِیْدَیْنِ سَیِّدِنَا الْحَسَنِ وَسَیِّدِنَا الْحُسَیْنِ رَضِیَ عَنْھُمَا الْعَلِیُّ الْاَکْبَرُ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْیَاءِ مِنْھُمْ وَالْاَمْوَاتِ الْاَکْبَرِ مِنْھُمْ وَالْاَصْغَرِ ط اَللّٰھُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ بِالسُّلْطَانِ الْعَادِلِ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ الْاِسْلَامِ الْاَزْھَرِ —— وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ الدِّیْنَ الْمُنَوَّرَ ۝

اُذْکُرُوا اللّٰہَ یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْہُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَھَمُّ وَاَقْوٰی وَاَکْبَرُ۔

ترجمہ : اللہ بہت بڑا ہے (۹ بار) نہیں کوئی معبود مگر اللہ ـــــ اللہ بہت بڑا ہے اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور وہ بلند مرتبہ اور بہت بڑا ہے ۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے ۔ جس نے کائنات کو پیدا کیا اور اس کا انتظام کیا ۔ نظامِ عالم کو ایک اندازے اور حکم سے چلایا ـــــ اللہ بہت بڑا ہے ۔

پاک ہے وہ ذات جس نے انسان کو پیدا کیا ۔ اس کو کلام کرنا سکھایا اور اسے اچھی صورت عطا کی اور اسے دُنیا اور محشر میں اشرفُ المخلوقات بنایا ـــــ اللہ بہت بڑا ہے ۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۔ بڑی عزت والے اور روشن بزرگی والے ہیں ـــــ اللہ ان پر رحمت بھیجے اور ان کے یارِ غار سیدنا عبداللہ صدیق اکبرؓ پر (اللہ ان سے راضی ہوا) اور کفر و الحاد کی بنیاد اکھاڑنے والے ہمارے آقا عمرؓ پر جو پورا حصہ (علم و عمل کا) لینے میں کامیاب ہوئے ۔ اللہ اُن سے راضی ہوا ـــــ اور قرآن جمع کرنے والے صاحبِ حیا جو ایمان کی جُز وہے (یعنی ہمارے آقا) عثمان ابن عفان ـــــ اللہ اُن سے راضی ہوا ـــــ اور مدینۂ علمِ نبی کے دروازے صاحبِ فضل جلی وخفی ہمارے آقا علی حیدرؓ پر اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت عطا کی اور پاک کیا اور سعید و شہید رسولِ پاک کے نواسوں سیدنا امام حسنؓ و حسینؓ پر ـــــ اللہ ان دونوں سے راضی ہوا ـــــ اللہ بہت بڑا اور بلند ہے

اے اللہ تو مومن مردوں اور عورتوں ـــــ مسلم مردوں اور عورتوں کو جو زندہ ہیں یا فوت ہو گئے ہیں ۔ چھوٹے ہیں یا بڑے ہیں سب کو بخش دے ۔

اے اللہ حاکمِ عادل سے اسلام کو مدد دے ـــــ اور مدد کر اس کی جس نے دینِ روشن کی مدد کی ـــــ اور ذلیل کر اس کو جس نے دینِ روشن کو ذلیل کیا ۔

اللہ کو یاد کرو ۔ وُہ تمہیں یاد کرے گا ـــــ اس سے دُعا مانگو وہ قبول کرے گا ـــــ اللہ کا ذکر بلند ۔ اعلیٰ اور برتر و غالب ہے ۔ وہ کامل ۔ اہم اور قوی و اکبر ہے ۔

سنہ ۱۰ھ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا ـــــ حج کے تمام ابتدائی فرائض ادا کرنے کے بعد نویں ذی الحجہ کو حضور طلوعِ آفتاب کے بعد وادیٔ نمرہ میں اُترے ۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کا مجمع احکامِ الٰہی کی تعمیل کے لیے ہمہ تن گوش حاضر تھا ـــــ آپؐ نے پہاڑی پر چڑھ کر اور قصوا نامی ایک اُونٹنی پر سوار ہو کر یہ خطبہ دیا ـــــ اس کے ضروری حصے یہ ہیں ۔

لوگو! ــــ میں خیال کرتا ہوں کہ مَیں اور تم پھر کبھی اِس مجلس میں اکٹھے نہ ہوں گے مُسلمانوں کی جان، مال اور آبرو ایک دُوسرے پر اسی طرح حرام ہیں، جیسا کہ آج کے دن، اس شہر کی اِس مہینہ کی تم حرمت کرتے ہو۔

لوگو! تمھیں عنقریب خُدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وُہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا ــــ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دُوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ جاہلیّت کی ہر بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے روندتا ہُوں ــــ جاہلیت کی قتل و خونریزی کے تمام جھگڑے ملیا میٹ کرتا ہُوں ــــ پہلا خُون جو میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ ابن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دُودھ پیتا تھا اور ہُذیل نے اسے مار ڈالا تھا میں چھوڑتا ہوں جاہلیّت کے زمانے کا سُود ملیا میٹ کر دیا گیا ــــ پہلا سُود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہُوں وُہ عباس بن عبدالمطلب کا ہے وُہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا۔

لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خُدا کے نام کی ذمہ داری سے تُم نے ان کو اپنے لیئے حلال بنایا ــــ تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں۔ اگر وُہ ایسا کریں تو اُن کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو۔

عورتوں کا تُم پر یہ حق ہے کہ تُم اُن کو اچھی طرح کھلاؤ ــــ اچھی طرح پہناؤ

لوگو! میں تُم میں وہ چیز چھوڑ کر چلا ہوں کہ اگر اس کو مضبُوط پکڑ لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے:

وُہ ہے اللہ کی کتاب ــــ قرآن

لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ کوئی جدید اُمّت پیدا ہونے والی ہے ــــ خُوب سُن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنجگانہ نماز ادا کرو ــــ سال بھر میں ایک مہینے کے روزے رکھو ــــ اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہایت خوش دلی سے دیا کرو ــــ خانۂ خُدا کا حج بجالاؤ اور تُم میں سے جو صاحبِ امر ہوں، ان کی اطاعت کرو۔ جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کی فردوسِ بریں میں داخل ہو گے۔

لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔

مجھے ذرا بتا دو کہ تم کیا جواب دو گے؟

سب نے کہا کہ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دیئے۔ آپ نے رسالت اور نبوّت کا حق ادا کر دیا ــــ آپ نے ہم کو کھوٹے کھرے کی پہچان کرا دی۔

(اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت کو اُٹھایا) آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے (فرماتے تھے) :

اے خدا! گواہ رہنا (کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں) اے خداوند! گواہ رہ (کہ یہ سب کیسا صاف اقرار کر رہے ہیں)۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ یہ سب باتیں اُن لوگوں کو پہنچا دینا جو اِس وقت یہاں موجود نہیں"
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ سے فارغ ہوئے۔ تو اُسی جگہ یہ آیت نازل ہوئی :-

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

ترجمہ : آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پُورا کر دیا اور میں نے تمھارے لیے اسلام کا دین پسند فرمایا۔

حج سے فارغ ہو کر روانگی کے وقت یہ دُعا پڑھی جاتی ہے :-

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ اٰخِرَ الْعَهْدِ مِنْ بَيْتِكَ الْحَرَامِ - وَاِنْ جَعَلْتَ فَعَوِّضْ مِنْهُ الْجَنَّةَ آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ لِلرَّحْمَةِ قَاصِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ -

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

ترجمہ : اے اللہ! نہ بنا میرے اس حج کو آخری زیارت گاہ ——— اپنے گھر کی جو حُرمت والا ہے اور اگر تو اس کو آخری زیارت گاہ بنائے تو اس کا بدلہ جنّت عطا کر۔ ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اپنے رب کی ——— حمد کرنے والے ——— اس کی رحمت کا قصد کرنے والے ہیں۔ سچ کر دکھایا اللہ نے اپنا وعدہ ——— نصرت دی اپنے بندے (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اور شکست دی کفّار کے لشکروں کو اکیلے نے۔
نہیں طاقت نیکی کی اور گناہ سے بچنے کی، مگر اللہ کی مدد سے جو بہت عظمت والا ہے!
اور حضور صلعم کی اِس دُعا پر ہم یہ خطبہ ختم کرتے ہیں۔

ایمان مجمل و مفصّل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی -

اَمَّا بَعْدُ - فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ قف (۲ : ۲۸۵)

ترجمہ: ایمان لائے رسولؐ اس چیز کے ساتھ جو ان پر اتاری گئی ان کے رب کی طرف سے اور مومن (بھی اس پر ایمان لائے - یہ سب ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور ان کے فرشتوں پر اور ان کی کتابوں پر اور ان کے رسولوں پر۔

حضرات! ہر شخص کے دل میں کبھی نہ کبھی یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے، یہ کائنات کیا ہے، انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ کیا کائنات اور انسان خود بخود وجود میں آگئے ہیں یا انہیں پیدا کرنے والا کوئی ہستی ہے۔ اگر ایسی کوئی ہستی ہے تو اس کی صفات کیا ہیں۔ کیا اس ہستی کا انسانوں کو پیدا کرنے کے بعد اب بھی ان سے کچھ تعلق باقی ہے یا وہ تعلق بالکل منقطع ہو چکا ہے۔ اگر تعلق ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے۔ وہ تعلق کمزور کیسے ہو جاتا ہے اور اس تعلق کو مضبوط کیسے کیا جاسکتا ہے۔ کیا انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا یا اسے اس ذات کی طرف سے راہ نمائی حاصل ہوتی رہی ہے۔ اگر راہ نمائی حاصل ہوتی رہی تو اس کی کیا صورت تھی۔ پھر اس زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد آیا کوئی دوسری زندگی یا دوبارہ حیات ہے یا نہیں ان سوالات کے صحیح اور حقیقی جواب کو سمجھ لینے اور ان پر پورا پورا یقین کر کے مان لینے کا نام ایمان ہے۔ اگر راز کائنات اور مقصد حیات کے بارہ میں غلط نظریہ قائم ہوگا تو انسان کی ساری زندگی ہی غلط ہو جائے گی۔ اگر بنیاد غلط ہوگی تو عمارت بھی غلط بنے گی۔ خواہ دیکھنے میں وہ کتنی خوبصورت نظر آئے۔ اسی طرح اگر ایمان صحیح نہیں ہوگا تو اعمال لازماً غلط ہوں گے یعنی ان کا اثر خود کرنے والے اور دوسروں کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ یا وہ بالکل بے اثر ہوں گے، خواہ ان کی ظاہر صورت کتنی دل پذیر اور خوش آئند ہو۔ اِن سے نہ فرد کی تعمیر ہوگی اور نہ معاشرہ کی۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اس نظریہ حیات کے غلط یا صحیح ہونے اور کمزور یا مستحکم ہونے کے مطابق ہی عمل کا دریا روانی سے محروم، رواں یا زور شور سے رواں دواں ہوگا۔ اگر آپ زندگی روانی سے محروم ہوگا تو اس میں بدبو اور تعفن پیدا ہوجائے گا۔ اگر معمولی طور سے رواں ہوگا تو چھوٹی چھوٹی رکاوٹوں سے متاثر ہوتا رہے گا اور اس سے کوئی اعلیٰ نتائج برآمد نہیں ہوسکیں گے۔ لیکن اگر وہ جوش و خروش سے رواں دواں ہوگا تو کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے پہاڑوں اور جنگلوں پر سے گزرتا ہوا جائے گا اور سرزمین کو زرخیز بناتا چلا جائے گا۔ اسلام کائنات و انسان کے متعلق صرف نظریہ اور تھیوری ہی نہیں پیش کرتا بلکہ وہ یہ علم یقین عطا کرتا ہے کہ یہ یونہی خود بخود اور کسی مقصد کے بغیر وجود میں نہیں آگئے بلکہ ان کا ایک پیدا کرنے والا ہے۔ جس نے انھیں ایک خاص مقصد کے لیے پیدا فرمایا ہے اور جیسے ہر انسان کی اس دنیا میں رہنے کی مدت معین ہے، اسی طرح پوری کائنات کی مدت بھی متعین ہے اس کے بعد اس کائنات کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ یہی قیامت ہے قیامت کے بعد ایک نئی زندگی اور نئے دور کا آغاز ہوگا۔ اس دور میں ہر انسان کی نئی زندگی کے اچھے یا برے ہونے کا دارومدار اس کے یہاں کے ایمان و اعمال پر ہوگا۔ اگر یہاں اس دنیا میں اس کے اعمال اچھے ہیں تو اس کی آئندہ زندگی اچھی ہوگی۔ اگر یہاں اس کے اعمال برے ہیں تو اس کی آئندہ زندگی بری ہوگی۔

اچھے اور برے اعمال کی تمیز سکھلانے کے لیے حق تعالیٰ ہر دور میں اپنے پیغامبر بھیجتے رہے ہیں اور ان میں بعض پر کتابیں بھی نازل ہوتی رہی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ سب پیغمبر تھے اور توریت، انجیل، زبور اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتابیں تھیں۔ آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن پر اللہ کی آخری کتاب قرآن پاک نازل ہوئی۔ حضورؐ پر نبوت ختم ہوگئی ہے اور قرآن پاک کے بعد اور کسی الہامی کتاب کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مکمل ترین کتاب ہے اور محفوظ ترین صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کی حفاظت حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ اس لیے اس کا ہر لفظ اور حرف بلکہ نقطہ نقطہ اور شوشہ شوشہ تاقیامت محفوظ رہے گا۔ نہ صرف کاغذ کے اوراق ہی میں بلکہ ان لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے سینوں میں بھی جو حفاظ کے نام سے مشہور ہیں۔

حق تعالیٰ کی وحی انسانوں تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچتی ہے۔ فرشتے نوری مخلوق ہیں جیسے انسان خاکی مخلوق ہیں۔ یہ فرشتے اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے جس کام میں ان حق تعالیٰ

نے لگا دیا ہے، اسی میں لگے ہوئے ہیں۔ اِس بھول میں پڑکر کہ شاید فرشتے اپنے آپ بھی کچھ کام کر سکتے ہیں اور جیسے چاہیں خود فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے ہیں، اسلام سے پہلے بعض لوگ فرشتوں کو پوجتے تھے اور ان کو نعوذ باللہ، اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ نے اِس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اور اپنے سوا کسی اور کی عبادت کرنے سے سختی سے روکا ہے۔

ایمان جب دُرست ہوتا ہے کہ اللہ اور جنابِ رسُولِ پاک کو سب باتوں میں سچّا سمجھے۔ اور اُن سب کو مان لے۔ زبان سے بھی کہے کہ میں مانتا ہوں اور دِل بھی اس کی تصدیق کرے۔ اللہ اور جنابِ رسُولِ پاکؐ کی کسی بات میں شک کرنا یا اُس کو جھُٹلانا یا اُس میں عیب لگانا یا اُس کا مذاق اُڑانا ـــ ان سب باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ جن باتوں کو اللہ تعالےٰ نے جنابِ رسالت مآبؐ کے ذریعے بُرا بتایا ہے انھیں گناہ کہا جاتا ہے۔ گناہ کو حلال وجائز سمجھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے لیکن گناہ خواہ کتنا بڑا ہو، جب تک اُسے بُرا سمجھتا رہے، ایمان سے خارج نہیں، البتہ اس کا ایمان کمزور بہت ہے۔

کتابوں میں ایمان دوطرح بیان کیا گیا ہے۔ ایمان مفصل اور ایمان مجمل۔ ایمان مفصل یہ ہے:۔

آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ۝

ترجمہ: میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسُولوں پر، اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر کہ خیر و شر اللہ ہی کے اندازے سے طے شدہ ہیں، اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر۔

ایمان مجمل یہ ہے:۔

آمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ ۝

ترجمہ: میں ایمان لایا اللہ پر جیسے کہ وہ اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ ہے اور میں نے اس کے سارے حکموں کو قبول کیا۔ زبان سے اقرار ہے اور دل سے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔

یہی دینِ فطرت کی اساس ہے۔ جسے ہر دور میں پیغمبر حضرات پیش کرتے رہے اور ان میں سے بعض نے اس نظریہ پر مبنی زندگی کے پروگرام بھی پیش کئے۔ جنھیں ان پیغمبروں کی شریعتیں کہا جاتا ہے آخری شریعت وہ ہے جسے جناب رسالتمآبؐ نے پیش کیا اور جس میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی

ترقی کا ہی نہیں بلکہ اس کی اقتصادی، روحانی اور عقلی ترقی کا بھی ایسا صحت مندانہ اور متوازن امتزاج ہے کہ اس سے بہتر کا تصوّر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر یہی نہیں کہ حضورؐ نے اس پروگرام کو محض بطور نظریہ پیش کر دیا ہو۔ نہیں، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس پر عمل کر کے دکھایا اور ساتھ ہی ایسا معاشرہ پیش کر کے دکھایا جو ایسا ہی مثالی معاشرہ تھا جیسا حضورؐ اکرم کا اپنا اُسوہ حسنہ مثالی تھا جو ہمیشہ کے لیے سب پہلوں اور پچھلوں کے لیے نمونہ اور قابلِ تقلید ہے۔

ایمان یا دینی نظریہ حیات کے مقابل ایک اور نظریہ حیات ہے جسے لادینی نظریہ حیات یا کُفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی اور کل کائنات کے متعلق یہ سمجھے کہ اِن کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں اور موجودہ زندگی کے بعد کوئی اور زندگی نہیں۔ ایسا شخص اپنے آپ کو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھے گا۔ اور اِس دُنیا کی چند روزہ زندگی کے فوری مفادات ہی اس کا مقصدِ حیات ہوں گے۔ ہر وقت دولت، مراتب اور عشرت کا حصول اس کے سامنے ہوگا اور وہ جس طریق سے بھی انھیں حاصل کر سکے گا، کرے گا۔ نہ اسے مکر و فریب سے باک ہوگا۔ اور نہ ظلم و جور سے نہ اسے کسی کے حق کا لحاظ ہوگا اور نہ کسی کے جذبات کا احترام۔ نہ اسے کسی اور کی عزت کی پروا ہوگی اور نہ اپنی عزت کی۔ ایسے ہی لوگ معاشرہ کی تمام بُرائیوں کی جڑ بنتے ہیں یہ وُہ زندہ لاشیں ہیں، جو خود بھی گلتی سڑتی رہتی ہیں اور اپنے ارد گرد بھی بدبُو اور تعفّن پھیلاتی رہتی ہیں اور آہستہ آہستہ پورے معاشرہ کی فضا کو مسموم اور زہر آلُود کر دیتی ہیں۔ پھر یہ تنگ نظری اور خود غرضی وبائی امراض کی طرح ایک سے دوسرے میں سرایت کرتی ہوئی آہستہ آہستہ سارے معاشرے کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور چونکہ ہر شخص اور ہر گروہ کا ذاتی مفاد بالعموم دوسروں سے متصادم ہوتا ہے، اس لیے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سارا معاشرہ فتنہ و فساد سے بھر جاتا ہے۔ نہ کسی کا مال محفوظ ہوتا ہے، نہ جان اور نہ عزت۔ انسان بھیڑیوں اور کتوں کی طرح آپس میں ایک دوسرے کو لُوٹنا پھاڑنا اور ایک دوسرے کی عزت پر حملہ کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اسی پر فخر کرتے ہیں۔

اِس لادینی نظریہ حیات یا کفر کا مزید بُرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص یا گروہ کے اپنا ذاتی مفاد کے پیشِ نظر رکھنے کے باعث اجتماعی مفاد خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مثال اِس کشتی کے مُسافروں کی سی ہو جاتی ہے جن میں سے کوئی اپنا چولھا گرم کرنے کے لیے کشتی کا تختہ اُکھاڑ کر جلا لے اور کوئی آگ تاپنے کے لیے اور وُہ یہ نہ سمجھیں کہ ع

ڈوبے گی ناؤ تو ڈوبیں گے سارے

جب کائنات کے خالق و مالک پر ایمان نہ ہو، نہ اُن کی خوشنودی مقصدِ حیات ہو اور نہ ہی اُن کے سامنے ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ہو تو پھر زندگی صرف خود غرضی، ذاتی مفاد اور حیوانی خواہشات کے گرد گھومنے لگتی ہے، جس کا نتیجہ ہم اوپر بیان کر ہی چکے ہیں۔

جب تک موت کے بعد کی زندگی پر ایمان نہ ہو اور اس بات کا یقین نہ ہو کہ اُس آنے والی زندگی کا دار و مدار موجودہ زندگی میں کئے گئے اعمال پر ہے، اُس وقت تک انسان کے اعمال میں وزن پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ راکھ سے بھی کم وزن ہوتے ہیں جنھیں ہوا و ہوس کی آندھیاں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر اُڑائے پھرتی ہیں۔ ایسے شخص کی ساری زندگی سراب بن کر رہ جاتی ہے۔ اسے اپنے اِرد گرد پانی کی موجیں نظر آتی ہیں۔ جن میں درختوں کے سائے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مگر جب موت کے وقت اس کی آنکھیں کھلتی ہیں تو وہ دیکھتا ہے کہ وہاں پانی نہیں بلکہ ہر طرف ریت ہی ریت ہے۔

یوں تو سارا قرآنِ پاک ایمان داروں کے تذکرہ سے بھرا پڑا ہے۔ مگر حق تعالیٰ نے ایمان کی سب سے بڑی نشانی مندرجہ ذیل آیت میں بیان فرما دی ہے کہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (۲ : ۱۶۵)

ترجمہ : اور جو ایمان والے ہیں ان کی محبت اللہ سے بہت شدید ہے۔

ایمان داروں کی دوسری نشانی یہ ہے کہ ان کے اموال و اولاد انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔ بلکہ وہ انھیں اللہ کی راہ میں صرف کر کے اسے اللہ کے قرب کا ذریعہ بناتے ہیں۔ سورہ المنافقون میں فرماتے ہیں :-

ترجمہ : اے ایمان والو! تمھیں تمہارے اموال اور اولاد اللہ کی یاد سے نہ روکیں اور جو کوئی ایسا کرے پس یہی لوگ خسارہ اٹھانے والوں میں ہیں (آیت ۹)

ایمان کی تیسری نشانی یہ ہے کہ باہمی جھگڑوں میں حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو بدل و جان تسلیم کر لیا جائے۔ سورۃ النساء میں فرماتے ہیں

ترجمہ : پس قسم ہے تیرے پروردگار کی، یہ اُس وقت تک ایمان والے نہیں ہوں گے جب تک اپنے جھگڑوں میں تجھے حکم نہ بنائیں اور پھر تیرے فیصلہ سے اپنے اندر کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے مان لیں جیسے ماننے کا حق ہے (۴ : ۶۵)

حضورؐ کی مندرجہ ذیل حدیث گویا اسی آیت مبارک کی توضیح ہے۔
حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا۔ "اس پاک ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"
گویا اللہ تبارک و تعالیٰ اور جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر محبت زیادہ ہوگی اسی نسبت سے ایمان افضل ہوگا۔ اس کسوٹی سے ہر شخص خود اپنے ایمان کی جانچ کرسکتا ہے اور اندازہ کرسکتا ہے کہ اس کا ایمان کس درجہ کا ہے۔
حضرت انسؓ سے ایک اور حدیث مروی ہے جس میں حضورؐ نے ایمان کی مزید وضاحت فرمائی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا :-
"یہ تین باتیں جس کسی میں ہوں گی وہ ایمان کی شیرینی کا مزہ پائے گا۔ اللہ اور اس کا رسولؐ اس کے نزدیک تمام ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ وہ جس کسی سے محبت کرے، اللہ کے لیے محبت کرے۔ کفر میں واپس جانے کو ایسے برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو"
حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "حیا، ایمان سے ہے"۔
اس بارہ میں حضورؐ کا ایک اور ارشادِ گرامی ایمان جانچنے کے لیے مزید کسوٹی ہے :-
حضورؐ نے فرمایا : "تم میں سے کوئی ایمان دار نہ ہوگا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہو"۔
ایک مشہور حدیث مبارک ہے جس میں حضرت جبریلؑ کا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونا اور لوگوں کی تعلیم کے لیے حضورؐ سے ایمان اور اسلام اور احسان کے بارہ میں استفسار کرنا روایت کیا گیا ہے۔ "ایمان کیا چیز ہے؟" اس کے جواب میں حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا :-
"ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اللہ سے ملاقات پر اور اللہ کے پیغمبروں پر یقین کرو، نیز قیامت پر یقین کرو"۔
جبرائیل علیہ السلام نے لوگوں کی تعلیم کے لیے دوسرا سوال کیا مَا الْاِسْلَامُ اسلام کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں نماز روزہ وغیرہ ارکان اسلام بیان فرما دیئے۔ پھر سوال کیا احسان کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

ترجمہ: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو۔ جیسے کہ تم ان کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم ان کو نہ دیکھ سکو (اور ایسی کیفیت و محویت حاصل نہ ہو) تو وہ تو تم کو یقیناً دیکھ رہے ہیں

اس ایک حدیث پاک نے مسلمانوں کو پورا پورا علم عطا فرما دیا ہے۔ ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ارشادات کو سچا سمجھنے اور دل سے اس کو قبول کر لینے کا۔ اس میں فرشتوں پیغمبروں۔ روزِ قیامت۔ تقدیر اور آسمانی کتابوں کو سچا جاننا اور سچا ماننا سب کچھ آگیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے ایک ایک ارشاد کی تصدیق بھی اس میں داخل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص قرآنِ پاک کی ایک آیت یا ایک حکم کا بھی انکار کرے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا حکم نہ سمجھے یا اس کی توہین کرے۔ وہ نعمتِ ایمان سے محروم ہوگا۔ اس سے ایمانِ مجمل و ایمانِ مفصل دونوں سمجھ میں آسانی سے آگئے۔ اسی طرح اس حدیث سے اسلام کا معنی بھی واضح ہوگیا کہ سچا جاننے اور دل سے سچا مان لینے کے بعد اس کے تقاضوں کے مطابق ان کے احکام کی تعمیل بھی کی جائے۔ کلمے کا اقرار روزہ۔ نماز۔ حج اور زکوٰۃ کے احکام کی تعمیل کی جائے اور احسان یہ ہے کہ اعمال زندگی کے بجالانے میں اتنا اخلاص پیدا ہو جائے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا اور ان کے حکموں کی تعمیل کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ محویت نصیب ہو تو کس شوق و ذوق اور محبت و خشیت سے احکام کی بجا آوری ہوگی اور اگر یہ حالت نصیب نہ ہو تو پھر یہ تصور پختہ کیا جائے کہ ہمارے آقا ہر وقت مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس طرح بھی خشوع و خضوع کی کیفیت بلند ہوگی اور نسلِ انسانی خالق و مخلوق کی حق تلفی اور ہر طرح کی بداعمالی سے بچ کر انسانی معاشرہ کی پاکیزگی کا موجب ہوگی مطلب یہ ہوا کہ ایمان کے بغیر اعمال کوئی چیز نہیں ہیں اور اعمالِ صالحہ نہ ہوں تو اگرچہ درخت کی جڑ باقی ہے مگر ایمان کا درخت بے رونق اور سرسبزی سے محروم ہے اور اگر احسان بھی نصیب ہو تو للّٰہیت اور اخلاص کی بجلی ہمارے اعمال و افعال کو لاکھوں گنا زیادہ اور قابلِ قبول بنا دیگی۔ دینِ اسلام اسی لیے اللہ تعالیٰ کی صفات و مصنوعات میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ اس کا خوف اور اس کی محبت ہمارے دل و دماغ پر غالب آکر ہمیں بہائم اور درندوں کی سطح سے اونچا کر کے عدل و انصاف امن و امان اور بہترین اخلاق کا داعی بنا دے۔

اس آیت میں ــــــــــ

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝ (۴ : ۱۴۰)

ترجمہ : بے شک اللہ سب منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔
منافقوں کو کافروں کے ساتھ رکھا۔ منافق وُہی ہیں جو ایمان کے دعوے دار ہیں اور دکھاوے کے لیے یا ڈر کے مارے اسلامی اعمال بھی کرتے ہیں مگر دل سے دین اسلام کو سچا نہیں سمجھتے۔ قرآن ایسے لوگوں کو منافق کہتا اور کافروں کے زمرے میں شریک کرتا ہے بلکہ ایک آیت میں اِن کو جہنم کے درکِ اسفل کا مستحق قرار دیتا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

ہاں سچائی اور اخلاص سے کلمہ پڑھنے والے کتنے ہی گنہ گار کیوں نہ ہوں ابدی عذاب کے مستحق نہ ہوں گے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے، حضورؐ نے فرمایا :۔

"جس شخص نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا اور اس کے قلب میں جَو برابر نیکی ہو، وُہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

اور جس شخص نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا اور اُس کے قلب میں گیہوں کے دانے برابر نیکی ہو، وُہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

اور جس شخص نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا اور اس کے قلب میں ذرہ برابر نیکی ہو وُہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا"

بے شک اللہ تعالیٰ ایمان کی قدر کرتے ہوئے کسی مسلمان کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہ رہنے دیں گے۔ لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ نیک اعمال ترک کر دیئے جائیں اور ارتکاب جرائم میں بے باکی اختیار کی جائے۔ اِس لیے کہ ہزاروں لاکھوں برس جہنم میں رہنا معمولی بات نہیں ہے۔ جب کہ دنیا میں ہم ایک دن کیا ایک منٹ کے لئے بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔

حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہے۔ گویا ایمان اُسی کا صحیح ہے جو نہ تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو اور نہ اُن کی ناخوشنودی سے لاپروا ہو۔ اللہ کی رحمت کی اُمید ہی انسان کی زندگی کا واحد سہارا اور چراغ ہے۔ اس کے بغیر زندگی شب تاریک ہو جاتی ہے اور اس کا جہاز لنگر سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کی خوشنودی کا خوف غفلت اور برے وسوسوں اور بُرے کاموں کے خلاف انسان کی ڈھال ہے، جو اسے سب بُرائیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

حضرات ! یہ ہے ایمانِ مجمل اور ایمانِ مفصل کا مختصر بیان۔ ایمانِ مجمل میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات

کا زبان سے اقرار اور دل سے اُس کی تصدیق کے ساتھ ساتھ اللہ کے سارے احکام کو اجمالاً دل سے مان لینا بھی ہے۔ ایمانِ مفصل میں اللہ پر ایمان ہے اور ساتھ ہی اس بات پر کہ اللہ اپنے رسولوں کے ذریعے انسانوں کی راہ نمائی فرماتے رہے ہیں۔ راہ نمائی کے لیے انھوں نے ان رسولوں پر اپنے فرشتہ کے ذریعے کتابیں نازل فرمائیں۔ علاوہ ازیں ایمانِ مفصل میں اس زندگی کے بعد کی زندگی پر ایمان ہے۔ نیز یوم آخرت پر، جب موجودہ زندگی میں کیے گئے اعمال کی جانچ پرتال ہوگی اور اس کے نتیجہ کے مطابق نئی زندگی عطا ہوگی۔ مزید برآں اس میں اچھی اور بری تقدیر کا بھی ذکر ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

تقدیر کے بارہ میں غیر مسلموں خصوصاً اہلِ مغرب میں بہت غلط فہمیاں ہیں اور بعض مسلمانوں میں بھی اہلِ یورپ میں سے بیشتر نے اِس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ عملی پستی کا سب سے بڑا سبب تقدیر پر ایمان ہے۔ حالانکہ ہمارا ایمان یہ ہے کہ اچھے اور بُرے حالات اللہ کی طرف سے پیش آتے ہیں اور اِن سے مقصود آزمائش ہوتی ہے کہ کوئی شخص یا قوم ان حالات میں کیا رویّہ یا طرزِ عمل اختیار کرتی ہے۔ اِس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم لوگ بُرے حالات میں مایوس اور سُست نہیں ہوتے۔ بلکہ ہماری اُمید قائم رہتی ہے اور ہم اپنے نامساعد حالات کو بدلنے کے لئے پیہم کوشش کرتے ہیں اور اپنی اِس کوشش کو جاری رکھتے ہیں۔ گھبراتے نہیں سُست نہیں پڑتے۔ نہ کوشش کو ترک کرتے ہیں۔

دُوسری طرف ہم اچھے حالات کو اپنی طرف منسوب کر کے مغرور نہیں ہوتے، نہ شیخی بگھارتے ہیں اور اس طرح دولت اور اِقتدار ہمیں مدہوش نہیں کرتا۔ نہ ہم اِن کے باعث ذہنی توازن سے محروم ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ کہ اچھے اور بُرے حالات حق تعالےٰ کی طرف سے ہیں تاکہ ہماری آزمائش اور تربیت ہوتی رہے، ہمیں ہمیشہ پُر اُمید، مُستقل مزاج صابر شاکر اور اَن تھک عمل میں منہمک رکھتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت اس نکتہ کو کس خوب صورتی سے ادا کرتی ہے۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ (الحدید ۲۳)

ہمارے ہاں تقدیر کا یہ تصور ہرگز نہیں کہ انسان نامساعد حالات میں ہاتھ پاؤں توڑ کے بیٹھ جائے۔ نہ ان کا مقابلہ کرے اور نہ انہیں بدلنے کی کوشش کرے۔ ہماری تقدیر یہی تو ہے کہ ہم ہر قسم کے حالات میں خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے احکامِ الٰہی کے پابند رہیں اور ان پر مبنی نظامِ حیات ۔ شریعتِ اسلامیہ کے مُطابق خود بھی زندگی بسر کریں اور اس نظام کو

دُنیا میں نافذ کرنے کے لئے بھی کوشاں رہیں تاکہ حق تعالیٰ کے قرب سے ہر سینہ منوّر ہو جائے۔ اور دُنیا میں اخوّت، مساوات، عدل اور اقتصادی خوش حالی کا دَور دورہ ہو۔

مومن کی تقدیر یہی تو ہے کہ وُہ آسمانی روشنی میں راہِ حق پر صبر و استقامت سے قائم رہے تو انسانوں اور قوموں کی تقدیریں بدل دے۔ جب مومن کا دل اِس یقین سے بھرا ہو کہ موت کا وقت بدل نہیں سکتا۔ وُہ بے جگری سے لڑتا اور نقشہ جنگ بدل دیتا ہے۔ جب وُہ سمجھتا ہے کہ ہمارے اچھے یا بُرے اعمال، ہمارے اچھے یا بُرے انجام کی نشانیاں ہیں تو وُہ اپنی زندگی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھالتا اور عمل ہی عمل بن کے رہ جاتا ہے۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (قرآن)

کُتب احادیث

الحمد للہ الذی کفیٰ وسلامٌ علیٰ عِبادِہِ الّذِینَ اصطفیٰ - امّا بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ۝ (آل عمران ۳۱-۳۲)

ترجمہ : کہہ دیجئے : اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمھاری کوتاہیاں بخش دے گا - اور اللہ بخشنے والا رحیم ہے۔

کہہ دیجئے : اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ لوگ روگردانی کریں، تو اللہ ایسے کافروں سے محبت نہیں رکھتا

سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے قرآنِ کریم کی متابعت میں بہ حیثیت ایک سچے مسلمان کے جس طرح زندگی بسر کی ہے اُس کا اتباع ہم سب پر فرض ہے تاہم سنّت یا حدیث قرآنِ مجید کے تابع ہے۔ کیونکہ وہ قرآنِ مجید کا بیان اور تفسیر ہے۔ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خود فرمایا ہے تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمرین لن تضلوا ما تمسّکتم بھما۔ کتٰبُ اللّٰہِ وَسنّۃُ رسُولہٖ (میں تمھارے لیے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں - ایک اللہ کی کتاب، دوسرے اپنی سنّت۔ جب تک ان دونوں پر قائم رہوگے۔ دین دُنیا میں کامیاب رہوگے اور جب ان کو چھوڑ دوگے تو بھٹک جاؤگے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے حضورؐ کے اُسوۂ حسنہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا :

خُلُقُہُ القرآن۔ حضورؐ کی سیرت قرآن ہے۔

گویا حضورؐ چلتا پھرتا قرآن تھے۔

آسمانی کتابیں سراسر ہدایت ہوتی ہیں۔ مگر یہ کتابیں اسی وقت انقلاب پیدا کرتی ہیں جب کوئی شخص ان کی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرے۔ اسی لیے یہ کتابیں ہمیشہ پیغمبر حضرات پر نازل

ہوئیں تاکہ وہ حضرات اپنی اپنی کتابوں کا عملی نمونہ بنیں، ان کی چلتی پھرتی تفسیر ہوں اور لوگ ان سے ان کتابوں کا صحیح مفہوم اخذ کریں اور ہر شخص ان کتابوں کی من مانی تفسیر نہ کر سکے اور کثرتِ تعبیر سے ان کی تعلیم خواب پریشان ہو کے نہ رہ جائے۔

یہی وجہ ہے کہ خود قرآنِ پاک کے اندر کئی جگہ واضح الفاظ میں جنابِ رسولِ پاکؐ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک جگہ صاف فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

بنابریں ضروری تھا کہ حضورِ اکرمؐ کے اقوال و اعمال محفوظ رکھے جاتے، تاکہ بعد میں آنے والے ان کی روشنی میں قرآنِ پاک کو صحیح طور سے سمجھ سکتے اور اس پر صحیح طور سے عمل کر سکتے۔

(۴) لیکن احادیث کی تدوین و ترتیب کا سلسلہ تیسری صدی ہجری میں شروع ہوا۔ خلفائے راشدین احادیث کی زیادہ روایت کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ان لوگوں کو یہ خدشہ تھا کہ قرآن پاک کا متن اور احادیث آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ ان میں سے بیشتر حضرات نے اپنی آنکھوں سے حضورؐ کا عمل دیکھا تھا اور اپنے کانوں سے حضورؐ کے ارشادات سُنے تھے۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ حضورؐ کا طریقہ عملاً قائم تھا۔ چوتھا سبب یہ تھا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ حضورؐ سے ایسی باتیں اور عمل منسوب کرنے پر دلیر ہو جائیں جو حضورؐ نے نہیں کیے۔

امام سیوطیؒ نے تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک میں ایک روایت کی ہے جس کا سلسلہ حضرت عروہؓ بن زبیرؓ تک جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں حضرت عمرؓ نے احادیث کو لکھوانا چاہا، اور اس بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ عام صحابہؓ نے اس کے حق میں مشورہ دیا۔ مگر وہ خود ایک ماہ تک استخارہ کرتے رہے۔ اس کے بعد ایک دن انھوں نے یقینی رائے قائم کر لی اور فرمایا .... تم سے پہلے اہل کتاب میں سے بہت لوگوں نے کتاب اللہ کے ساتھ اور کتابیں لکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی کتابوں میں مشغول ہو گئے اور انھوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔ گویا صحابہ کرام کی عام رائے احادیث کو قلمبند کرانے کی طرف تھی مگر حضرت عمرؓ کو جس چیز نے احادیث قلمبند کرنے سے روکا، وہ یہ خطرہ تھا کہ کہیں لوگ قرآنِ پاک نہ چھوڑ بیٹھیں اور حضرت عمرؓ کا یہ خطرہ

بے بنیاد نہ تھا۔ اسلامی معاشرہ کے دورِ زوال و انحطاط میں ایسے دور بھی آئے ہیں جب لوگ قرآنِ پاک کو پڑھنا سمجھنا اور اِس پر غور کرنا بالکل چھوڑ بیٹھے اور حدیث بھی نہیں بلکہ صرف فقہ پر اکتفا کر کے بیٹھ گئے۔ اُنھوں نے فقہ کو قرآن اور سنّت کا تابع رکھنے کی بجائے حدیث و قرآن کو اپنی اپنی فقہ کا تابع کر لیا۔

حضورؐ کے بعد پہلے دَور میں احادیث جمع کرنے سے گریز اور بیان کرنے میں احتیاط برتی گئی۔ لیکن حضورؐ کے قائم کردہ طریقہ کو بجنسہٖ عملاً نافذ کرنے کے لئے دن رات ان تھک کوشش کی گئی۔ اس کے بعد جب ایسے لوگ جوان ہوئے جنھوں نے حضورؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور حضورؐ کے ارشادات کو اپنے کانوں سے سُننے کی سعادت نہیں پائی تھی، تو اُن کے اندر حضورؐ کے اقوال و افعال کی بڑی تشنگی پیدا ہوئی۔ اِن کی نظروں میں وُہ تمام حضرات بہت خوش قسمت اور قابلِ عزّت تھے جنھوں نے حضورؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وُہ ان کی بہت عزّت کرتے اور اُن سے حضورؐ کی باتیں سُنتے۔ اس دَور میں احادیث کی روایت بہت بڑھی اور لوگوں کے شوق کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کی جو جو بات اور واقعات انہیں یاد تھے، وُہ لوگوں سے بیان کئے۔

پھر سیاسی خانہ جنگیوں کا آغاز ہُوا۔ اور ایسے لوگ سیاست میں آ گئے جنھوں نے محض سیاسی مقاصد کی کامیابی کے لئے اپنی طرف سے حدیثیں گھڑنی شروع کر دیں۔ علاوہ ازیں بعض اسلام دشمن غیر مسلموں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو کمزور کرنے کے لیے بھی حدیثوں کے نام سے اسلام کے اندر بعض ایسی باتیں داخل کرنی چاہیں۔ جو اِسلام کے لیے مضرّت رساں و نقصان دہ تھیں۔

ایسے حالات میں بعض بزرگوں نے احادیث کی چھان بین کی ضرورت کو شدّت سے محسوس کیا اور اِس کٹھن مگر اہم کام کا بیڑا اُٹھایا۔ ان میں سے بعض حضرات نے صرف ایک ایک حدیث کے لیے ہزاروں میل کے سفر طے کئے۔ حدیث کی پہلی کتاب موطا امام مالکؒ ہے۔ قرآن پاک کی روشنی میں حضورؐ نے جس معاشرہ کی تخلیق فرمائی، اس کا خاکہ موطا میں موجود ہے۔ موطا ایسی مرکزی کتاب ہے جس پر تقریباً سارے محدثین اور فقہا متفق ہیں۔ اس میں اگرچہ زیادہ احادیث نہیں ہیں مگر جو ہیں ان کی یہ خصوصیت ہے کہ روایت کرنے والوں کی پرکھ زیادہ مشکل نہیں۔ کیونکہ عموماً ایک سلسلۂ روایت میں ایک دو راوی ہیں، جن میں سے بیشتر علمائے مدینہ سے ہیں اور معتمد علیہ اور ثِقہ مانے جاتے

ہیں۔ امام مالکؒ کا رتبہ اسی سے ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ اور سفیان ثوریؒ جیسے بزرگ آپ کے شاگردوں میں ہیں۔ موطا امام مالکؒ میں کل احادیث ۱۰۲۷ ہیں جن میں سے ۶۰۰ مسند، ۲۲۲ مرسل ۶۱۳ موقوف اور ۲۸۵ تابعین کے اقوال ہیں۔ دوسری صدی ہجری کے بعد احادیث کے کئی اور مجموعے مرتب ہوئے۔ جن کی ترتیب اور چھان بین میں بہت محنت اور کاوش سے کام لیا گیا۔ راویوں کی پرکھ کے لیے ایک علیحدہ علم اسماء الرجال وجود میں آیا جس میں ہر راوی کے متعلق تحقیقات کی گئیں۔ اس کے حالات اور عادات مہیا کیے گئے۔ اس کی اپنے زمانے میں شہرت معلوم کی گئی اور پھر اس کے متعلق رائے قائم کی گئی کہ وہ قابلِ اعتماد ہے یا ناقابلِ اعتماد۔ بعض راویوں کو کاذب اور دروغ گو قرار دیا گیا۔ بعض کو شر پسند۔ بعض کو غیر ذمہ دار اور بعض کو غیر محتاط اور اس طرح سارے علم احادیث کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا گیا۔

محدثین کی اصطلاح میں حدیث جناب رسولِ پاکؐ کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں حضورؐ کا قول بھی حدیث ہے۔ حضورؐ کے فعل کا بیان بھی حدیث ہے۔ حضورؐ کے خصائل اور شکل و صورت کا بیان بھی حدیث ہے۔ اور حضورؐ کی تقریر بھی حدیث ہے۔ اصطلاح میں "تقریر" کے معنی یہ ہیں کہ مثلاً حضورؐ کے سامنے کسی نے کوئی کام کیا، اور آپؐ نے اُس کام کو دیکھا یا اس کے متعلق سُنا مگر نہ تو آپؐ نے اِس سے منع فرمایا اور نہ تائید کی بلکہ خاموش رہے، تو آپؐ کا یہ سکوت تقریر کہلائے گا۔ اِسلام میں حضورؐ کے سوا اور کسی کی "تقریر" حجت نہیں۔

صحابی اُس شخص کو کہتے ہیں جس نے اسلام کی حالت میں حضورؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو یا آپؐ کی صحبت پائی ہو۔ تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے حالتِ اسلام میں کسی صحابی کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہو یا اس کی صحبت پائی ہو۔ تبع تابعین میں وہ اشخاص داخل ہیں جنھوں نے اِسلام کی حالت میں کسی تابعی کو دیکھا ہو یا اس کی صحبت پائی ہو۔

روایت کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں مرفوع، موقوف اور مقطوع۔

مرفوع ۔ وہ حدیث ہے جس کا سلسلہ صحابی اور تابعی حضورؐ تک پہنچائیں۔

موقوف۔ وہ حدیث ہے جس کا سلسلہ کسی صحابی تک رہے اور حضورؐ تک نہ پہنچے

مقطوع ۔ وہ حدیث ہے جس کا سلسلہ کسی تابعی تک رہے۔

منفصل۔ وہ حدیث ہے جو تبع تابعی کسی صحابی سے روایت کرے۔ بیچ سے تابعی کا سلسلہ غائب ہو۔ اس کے بعد راویوں کے اعتبار سے بھی حدیث کی قسمیں کی گئی ہیں۔

حدیث متصل وُہ ہے، جس کے تمام راوی سلسلہ وار مذکور ہوں بیچ سے کوئی راوی غائب نہ ہو۔

حدیث منقطع وُہ ہے، جس کے راویوں میں سے صرف ایک راوی رہ گیا ہو۔

حدیث مُعلّق جس کے شروع کے بہت سے راوی معلوم نہ ہوں۔

حدیث مُرسل جس کے آخر کے راوی یعنی کوئی ایک صحابی یا ایک سے زیادہ صحابہ معلوم نہ ہوں۔

پھر سند کے اعتبار سے احادیث کی قسمیں کی گئی ہیں۔

صحیح حدیث وُہ ہے جس کے شروع سے آخر تک تمام راوی عدالت وضبط کے اوصاف سے متصف ہوں اور ہر راوی اس حدیث کو پہنچاتے، سُنانے یا لکھانے کے وقت مُسلمان، عاقل اور بالغ ہو۔ اصطلاحِ حدیث میں عدالت کے یہ معنی ہیں کہ راوی کامل پرہیزگار اور متقی ہو، جھُوٹ نہ بولتا ہو۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ اگر ہُوا ہو تو توبہ کرلی ہو۔ گناہ صغیرہ سے بھی بچا ہو۔ فسق وفجور سے محفوظ ہو۔ بامروّت با اخلاق اور ثقہ قسم کا انسان ہو۔

ضبط سے یہ مُراد ہے کہ راوی ہشیار اور سمجھدار ہو۔ حدیث کے الفاظ کو غور سے سُنتا اور سمجھتا ہو۔ اور پھر انھیں حافظہ میں محفوظ رکھتا ہو اور احتیاط سے بیان کرتا ہو۔ الفاظ حدیث کو نہ بھُولا ہو اور نہ اُس کو الفاظ حدیث کے بارہ میں کوئی شک وشبہ پیدا ہُوا ہو۔

حسن وُہ حدیث ہے جس کے چند ایک راوی عدالت وضبط کے معیار پر پُورے نہ اُترتے ہوں مگر ان کا نقص ایسا نہ ہو، جو حدیث میں شک وشبہ پیدا کرے۔

ضعیف وُہ حدیث ہے جس کے زیادہ راوی عدالت وضبط کے معیار پر پُورے نہ اُتریں

غریب۔ وُہ حدیث ہے جس کے راویوں میں سے کوئی راوی کسی طبقہ میں صرف ایک ہو اور کسی دُوسرے شخص سے وُہ روایت منقول نہ ہو۔

متواتر وُہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں اتنے زیادہ ہوں کہ عقل کے نزدیک اُن کا جھُوٹ بولنا یا جھُوٹ پر اتفاق کرنا محال وناممکن ہو۔

مشہور وُہ حدیث ہے جس کو بہت سے راویوں نے ہر زمانہ میں روایت کیا ہو۔

اِن کے علاوہ احادیث کی اور قسمیں بھی ہیں

شاذ وُہ حدیث ہے جو ثقہ راویوں کی کسی حدیث کے خلاف ہو۔

منکر وہ حدیث ہے جس کو کسی غیر ثقہ راوی نے نقل کیا ہو اور وہ اس حدیث کے خلاف ہو جسے کسی بہتر راوی نے روایت کیا ہو۔

حضور صلعم کے اقوال کو سنّت بھی کہتے ہیں۔ صحابہؓ کے اقوال **آثار** کہلاتے ہیں۔

احادیث کے کئی مجموعے ہیں۔ مگر ان میں سے مشہور ترین چھ ہیں جو "صحاح ستہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے مرتب کرنے والے بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ ہیں۔ 'صحاح ستہ' میں بخاری و مسلم نہایت مستند کتابیں ہیں اور صحیحین کہلاتی ہیں۔ ان کی تقریباً تمام احادیث صحیح اور حسن ہیں۔ باقی چار کتابیں بھی اگرچہ معتبر ہیں۔ مگر ان میں ضعیف حدیثیں بھی ملتی ہیں۔

صحیح بخاری کو امام ابوعبداللہ محمدؒ بن اسماعیل بخاری نے سولہ برس کے طویل عرصہ میں مرتب کیا۔ پہلے انھوں نے جتنی احادیث انھیں مل سکیں سب جمع کیں بعض کے نزدیک ان کی تعداد چھ لاکھ تھی اور بعض کے نزدیک چار لاکھ پھر ان میں سے ہر ایک کو پرکھنا شروع کیا اور بالآخر صرف نو ہزار حدیثوں کو، جو ان کے معیار پر پوری اتریں۔ اپنی کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت جمع کیا اور ہر باب کے طویل عنوانات قائم کیے۔ امام بخاری نے ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔

ان کے تقریباً چھ صد برس بعد علامہ حسینؒ بن مبارک الزبیدی نے صحیح بخاری سے مکررات پوری اسناد، بعد کے واقعات اور مرفوع و مقطوع حدیثوں کو چھوڑ کر ۲۲۵۰ حدیثیں منتخب کیں اور اس مجموعہ کو **تجرید البخاری** کا نام دیا۔

امام مسلمؒ کا پورا نام ابوالحسن مسلمؒ بن الحجاج قشیری ہے۔ ۲۰۴ھ یا ۲۰۶ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئے اور وہیں ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔ آپ نے اپنی کتاب تین لاکھ احادیث کے مجموعہ سے انتخاب کر کے ترتیب دی۔ آپ نے راویوں کے نام اور کنیت کی معقول تحقیق کی ہے اور ہر راوی کی کیفیت اس طرح بیان کر دی ہے کہ اس کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ باقی نہیں رہتا۔

امام ترمذیؒ امام بخاریؒ کے مشہور شاگردوں سے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب میں جو حدیث کسی مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق درج کی ہے۔ اس کے بارہ میں علماء کے اختلاف کو بھی بیان کر دیا ہے نیز راویوں کے قابل اعتماد ہونے کے متعلق بھی اپنی رائے دی ہے۔

امام ابوداؤدؒ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے صرف سولہ سو احادیث انتخاب کی ہیں جن میں

سے بیشتر صحیح اور حسن ہیں۔

"صحاح ستہ" کے علاوہ مسند امام احمدؒ بن حنبل بھی احادیث کی بلند پایہ کتابوں سے ہے۔ اس میں صرف تین ہزار حدیثیں ہیں جنھیں ڈیڑھ لاکھ کے مجموعہ سے منتخب کیا گیا ہے۔ کتاب کی ترتیب ان کے بیٹے عبداللہ کی ہے۔

سنن نسائیؒ۔ (سنن صغریٰ و سنن کبریٰ) یہ دونوں امام ابوعبدالرحمٰنؒ بن شعیب نسائیؒ کی تالیف ہیں۔ بعد میں ان دونوں میں سے صرف صحیح احادیث کا انتخاب "مجتبیٰ" کے نام سے کیا گیا۔

سنن ابن ماجہ۔ امام ابوعبداللہ محمدؒ بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ کی تالیف ہے۔ بقول امام رازیؒ "احادیث کو بلا تکرار بیان کرنے اور حسنِ ترتیب و اختصار کے لحاظ سے کوئی کتاب (احادیث) اس کی ہمسر نہیں ہے۔" اس میں کل چار ہزار حدیثیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ تیس ایسی حدیثیں ہوں گی جن کی سندوں میں کچھ خلل ہے۔

حدیث کی ایک اور کتاب مشکوٰۃ المصابیح ہے، جسے امام ولی الدینؒ تبریزی نے مرتب کیا ہے۔ پہلے ابومحمد حسینؒ بن مسعود بغوی نے صحاح ستہ اور دیگر مستند کتب احادیث سے ضروری احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے اور اس کا نام مصابح رکھا۔ امام ولی الدینؒ نے اسی مصابح کو ایک نئی شکل دے دی ہے۔ اس میں کل ۵۹۹۴ احادیث ہیں جنھیں مختلف عنوانات کے تحت اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

قرآن پاک کو سمجھنے اور اس پر صحیح طور سے عمل کرنے کے لیے ہمیں حضورؐ کے فرمودات، حضورؐ کے معمولات اور حضورؐ کے قائم کردہ معاشرہ کے صحیح خدوخال جاننے کی اشد ضرورت ہے۔ حدیث رسولؐ ہمارے لئے موجب ہدایت ہے اور کتاب اللہ پر عمل پیرا ہونے میں ممد و معاون۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کو صحیح طور سے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دیں۔

فقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّۃً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ ٥

(التوبۃ : ۱۲۲)

ترجمہ : اور نہیں (چاہیئے) تھا مومنوں کے لئے کہ نکل جاتے سارے (لڑائی کے لئے) پس کیوں نہ رہا ان میں ہر فرقہ سے ایک گروہ کہ غور کرنا سیکھتے (تفقّہ) دین میں اور تاکہ وہ ڈراتے اپنی قوم کو جب وہ ان کی طرف واپس آتے تاکہ وہ (گناہوں سے) بچتے۔

علمائے دین نے طلب علم دین میں غور کرنا اور جہاد دونوں کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ جیسے جہاد پر ملت اسلامیہ کے وجود کا دار و مدار ہے۔ ویسے ہی تفقہ فی الدین پر ملت اسلامیہ کا دار و مدار ہے۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے اس آیت مبارک میں جو جہاد کے سلسلہ میں ہے یعنی جہاد میں ہر فرقہ میں سے کچھ لوگوں کو تفقہ فی الدین کے لئے مخصوص کر دینے کا ارشاد فرمایا ہے اسی سے تفقہ فی الدین کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب شریحؒ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو انھیں ہدایت فرمائی کہ جو کچھ تمھیں کتاب اللہ سے معلوم ہو سکے اس کو اسی میں دیکھو اور اس کے متعلق کسی سے دریافت نہ کرو اور جو کچھ تمہیں اس میں معلوم نہ ہو سکے، اس کے متعلق حدیث نبویؐ کا تتبع کرو اور جو چیز تم کو حدیث میں بھی معلوم نہ ہو، اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کرو (تاریخ فقہ اسلامی ص۱۱)

اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک بار حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو لکھا : " قضاءت فریضہ محکم یا سنت متبعہ کا نام ہے۔ لیکن جو چیز تمھیں قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو تو تم اس پر غور کرو اور خوب غور کرو۔ اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو۔ پھر

ان سے قیاس کرو"۔

حضرت عمرؓ فاروق کے ان دونوں واقعات سے فقہ کے تین بنیادی ماخذوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ قرآن پاک، سنت رسول مقبولؐ اور اجتہاد یا قیاس و رائے۔

حضور اکرمؐ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد دونوں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ، ایسے قانونی معاملات کو جن کے متعلق وہ قرآن پاک اور سنت رسول مقبولؐ میں فیصلے نہ پاتے، صحابہ کرامؓ کی جماعت کے سامنے پیش کرتے اور ان سے مشورہ لیتے۔ ایسے معاملات میں صحابہ کرامؓ کی جماعت جو متفقہ فیصلہ دے دیتی، بالعموم اس پر عمل کیا جاتا۔ اس طرح فقہ کا چوتھا ماخذ اجماع ظہور میں آیا، اور صحابہ کرامؓ کے اجماعی فیصلوں کو نظائر (PRECEDENTS) کی حیثیت حاصل ہوئی۔ گویا اب فقہ کے چار ماخذ قرار پائے۔

۱- قرآن پاک - یہی اصل ماخذ ہے۔

۲- سنت رسول مقبولؐ - یعنی حضورؐ نے مختلف مقدمات میں جس طرح قرآن پاک کے احکام کو نافذ فرمایا۔ یہ چیز قرآن پاک کے ساتھ لازم ملزوم ہے۔

۳- اجماع - صحابہ کرامؓ نے بعض نئی پیش آنے والی صورتوں میں قرآن و سنت کی روشنی میں جو متفقہ فیصلے دیئے وہ اجماع کہلاتے ہیں۔

۴- قیاس رائے یا اجتہاد - مندرجہ صدر تینوں ماخذوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور ان کی روشنی میں نئے مقدمات کا فیصلہ اپنی سمجھ کے مطابق کرنا اسے قیاس رائے یا اجتہاد کہا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کے جو واضح احکام ہیں وہ ہر ایک مسلمان کے لئے فرائض محکمہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ قرآن پاک میں جو احکام اور سزائیں بیان کی گئی ہیں، بہت تھوڑی ہیں (طلاق، وراثت، چوری اور ڈاکہ، زنا اور بد چلنی کا جھوٹا الزام اور اسی قسم کے چند اور امور) اور یہ تعزیرات اسلامی کی بنیادی دفعات ہیں۔ قرآن پاک کے بغور مطالعہ سے عالموں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قرآنی احکام میں تین باتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے

۱- عدم حرج

۲- قلت تکلیف

۳- تدریج

ان میں سے تیسری بات یعنی قرآنِ پاک کے احکام کے تدریجاً نازل ہونے کا تعلق اسی زمانہ سے تھا۔ بعد کے زمانوں کے لئے جملہ احکام قرآن اپنی آخری نازل شدہ صورت میں قابلِ اتباع ہیں

عدمِ حرج ۔ عربی زبان میں حرج کے معنی تنگی کے ہیں۔ قرآن پاک میں ایسی بہت سی آیات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ محمدیؐ کا مقصد تنگی کو دور کرنا ہے۔ سورۃ الاعراف میں حضورؐ کی تعریف میں فرماتے ہیں ـــــــ

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ الاعراف ۱۵۷

ترجمہ : اور وہ لوگوں سے ان کا بوجھ اور ان پر جو بیڑیاں تھیں، دور کرتا ہے۔

سورۃ الحج میں ہے ـــــــ

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ط الحج ۷۸

ترجمہ : اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی

وَمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ

ترجمہ : اللہ تم پر کوئی تنگی (روا) نہیں رکھنا چاہتا۔

حضورؐ کا فرمان ہے ـــــــ

بعثت بالحنيفية السمحة

ترجمہ : میں سہل اور سیدھا مذہب لے کر آیا ہوں۔

حضورؐ کے طرزِ عمل کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے

ما خير بين امرين الا اختار ايسرهما مالم يكن اثما

ترجمہ : آپؐ کو جب کبھی دو چیزوں کے متعلق اختیار دیا گیا، آپؐ نے ان میں سے آسان تر کو اختیار کر لیا، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔

اسی طرح قلتِ تکلیف کے متعلق قرآنِ پاک کی ایک مشہور آیت کا یہ ٹکڑا ہے ـــــــ

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

سورۃ المائدہ کی مندرجہ ذیل آیتوں سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے ـــــــ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا .... تا

.... ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ (المائدہ ۱۰۱،۱۰۲)

ترجمہ : اے ایمان لانے والو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں نقصان پہنچائیں گی۔ اگر تم نے ان کے متعلق نزولِ قرآن کے وقت سوال کیا تو وہ تم پر ظاہر ہو جائیں ۔ اللہ نے ان سے چشم پوشی کی اور اللہ بخشنے والا اور بُردبار ہے۔ تم سے پہلے ایک قوم نے ایسی باتوں کے متعلق پوچھا (مگر جب ان کے متعلق احکام بتائے گئے) تو فوراً ان کی بجا آوری سے انکار کر گئے۔

حضورؐ سے کسی نے پوچھا : کیا حج ہر سال کرنا چاہیئے؟ اِس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: اگر میں کہتا "ہاں" تو وہ ہر سال فرض ہو جاتا۔ آگے ارشاد فرمایا :

جب تک میں تم کو چھوڑ دوں تم بھی مجھے چھوڑ دو۔ کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ کثرت سوالات اور اپنے انبیاء کی مخالفت کے باعث ہلاک ہوئے۔

اِس حدیث سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ حضورؐ کے فرما دینے سے وُہ کام فرض کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

حضورؐ کا ایک اور فرمان ہے

"مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں کی گئی تھی لیکن اس کے سوال کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی"

آگے فرمایا ———

" اللہ نے چند فرائض مقرر کر دیئے ہیں پس ان کو ضائع نہ کرو۔ چند حدود مقرر کر دی ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔ چند چیزیں حرام کر دی ہیں، ان کی پردہ دری نہ کرو۔ چند چیزوں سے خاموش رہا، تم پر رحمت کرنے کے لئے نہ اس لئے کہ وُہ انھیں بھول گیا تھا، پس ان کے متعلق کرید نہ کرو"

قرآن حکیم کی ان آیات اور حضورؐ کے اِن ارشادات سے صاف واضح ہے کہ قیاس ورائے اور اجتہاد میں قرآن وسنت سے مسائل کا استنباط اور استخراج کرتے وقت اس بات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ وہ فیصلے لوگوں کے لئے بے جا تنگی اور تکلیف کا موجب نہ ہوں۔

حدیث رسول مقبولؐ کے سند ہونے کے متعلق بھی خود قرآنِ پاک ہی کا فیصلہ ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر)

ترجمہ ۔ جو کچھ رسول تمھیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں، اُس سے باز آجاؤ۔

اِس سے بھی واضح تر آیت یہ ہے ———

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (النساء ۶۵)

ترجمہ: تیرے رب کی قسم وہ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک اپنے اندر پیدا ہونے والے جھگڑوں میں تجھے حکم نہ بنائیں۔ پھر تیرے فیصلہ سے اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں بلکہ انھیں بدل و جان تسلیم کر لیں۔

حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے ــــــــ

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي

ترجمہ: نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا۔

اسی طرح آپ نے حج کے موقع پر فرمایا ــــــــ

خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ

ترجمہ: مجھ سے اپنے ارکان (حج) سیکھو۔

تفقہ کی تائید بھی قرآن پاک اور خود حضور اکرمؐ کے ارشاد سے ہوتی ہے۔ خلفائے راشدینؓ نے نئے پیش آنے والے امور کے فیصلے قرآن و سنت ہی کی روشنی میں کیے۔ مگر انھوں نے اپنے ان فیصلوں کو دوسروں پر زبردستی ٹھونسنے سے گریز کیا۔ انھوں نے اپنے فیصلوں کو صرف اپنے فیصلے سمجھا اور دوسروں کو ان سے اختلاف کرنے کی اجازت دی۔

حضرت عمرؓ ہی کا ایک واقعہ ہے: انھوں نے ایک فریق مقدمہ سے پوچھا "تمہارے معاملہ میں کیا ہوا؟" اس نے بتایا: "علیؓ اور زیدؓ نے یہ فیصلہ کیا"۔ فرمایا: "اگر میں ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا"۔ اس نے کہا آپ کو کس نے روکا ہے۔ خلیفہ تو آپ ہیں"۔ بولے: "یہ میری رائے ہے اگر یہ قرآن کا حکم ہوتا یا حضورؐ کا فیصلہ یا طرزِ عمل ہوتا تو میں اسے ضرور نافذ کرتا۔ مگر رائے کا ہر ایک کو اختیار ہے"۔ اور انھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے فیصلے کو منسوخ نہیں کیا بلکہ اختلافِ رائے کو تسلیم کیا اور اس کی اجازت دی۔

گویا حضورؐ کے بعد جو نئے نئے معاملات پیش آتے رہے، ان کے متعلق نئے نئے فیصلوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ حضورؐ کے زمانہ میں اسلامی سلطنت کی حدیں بہت مختصر تھیں اور ان میں وہی لوگ بستے تھے، جن کی معاشرت ایک جیسی تھی۔ نئی نئی فتوحات سے نئے نئے ممالک سلطنتِ اسلامی میں شامل ہوئے۔ نئے ممالک کے لوگوں کی معاشرتیں مختلف تھیں۔ اس لیے نئے نئے

معاشرتی، سیاسی اور بین الاقوامی معاملات پیش آتے رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اسلام کی سیاسی زندگی میں کئی مدوجزر آئے۔ خیالات و جذبات کی نئی نئی لہریں اور پھر ان لہروں کے مخالف لہریں پیدا ہوئیں ضرورت کے مطابق نئی بحثوں کے دروازے کھلے۔ دوسری اقوام کے علوم کے ترجمے ہونے سے اسلامی معاشرہ بیرونی خیالات سے روشناس اور متاثر ہوا۔ اس لیے نئے نئے معاملات کو نئے نئے زاویوں سے دیکھنے کا رجحان بھی ترقی پذیر ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فقہ نے ایک باقاعدہ علم کی صورت اختیار کرلی اور بعض حضرات نے اس سلسلہ میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔

تقریباً تیسری صدی ہجری کے آغاز تک سلطنتِ اسلامیہ کے مختلف ممالک اور حالات میں پیش آنے والے مختلف واقعات کے پیشِ نظر علم فقہ کو ایک معیّن صورت دے دی گئی تھی۔ اس وقت تک بعض مقتدر اماموں نے اپنی ان تھک کوششوں سے نئے پیش آنے والے ان تمام واقعات کے متعلق، جن کے بارہ میں نہ قرآن پاک میں احکام تھے اور نہ حدیثوں میں ان کے نظائر تھے ان جیسے واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے آزادانہ سوچ بچار سے فیصلے کئے اور انہیں باقاعدہ مدوّن کر دیا۔ یہ فقہ زندگی کے تمام پہلوؤں ـــ مذہبی سیاسی اور معاشرتی پر حاوی تھی۔ اس میں عبادات کے علاوہ تمام دیوانی اور فوجداری امور، نیز انتظامِ حکومت، جنگی قوانین، آئینِ سلطنت اور بین الاقوامی قانون کی دفعات شامل تھیں۔ اس سلسلہ میں جن چار اماموں کے مذاہب کو بہت فروغ حاصل ہوا، وہ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل ہیں۔ اس زمانہ میں فقہ کے باقاعدہ تشکیل پذیر ہو جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت تک احادیثِ رسولِ پاکؐ کے متعلق سیر حاصل بحث و تنقید ہو چکی تھی اور بہت سی حدیثوں کے بارے میں یہ بات کھل کر سامنے آچکی تھی کہ ان کی اسناد کیسی ہیں اور اسناد کی بنا پر حدیثوں کو مختلف اقسام و درجات میں رکھا جا چکا تھا۔ نیز دو سو برس کی اسلامی حکومت کے تجربات اور نیز اس حکومت کی حدود کی بہت بڑی وسعت کے سبب نہ صرف نئے معاملات کے متعلق فیصلے ہو چکے تھے بلکہ ان نئے فیصلوں پر بحث و تنقید بھی ہو چکی تھی۔

فقہ کے ان چاروں مذاہب میں امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو سب سے زیادہ قبولیت حاصل ہوئی۔ اس کا ایک باعث تو یہ ہے کہ اس فقہ میں معاملات کے عملی پہلو کو زیادہ پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ لوگوں کو بے جا تنگی اور تکلیف سے بچایا جائے۔ اس کے علاوہ

اِس میں ضرورت کے مطابق اجتہاد ورائے سے کام لینے میں بخل نہیں برتا گیا۔ خُلفائے عباسیہ نے فقہ حنفی کو اپنی سلطنت کا قانون مان لیا اور اس کے بعد وسط ایشیا کی سلطنتوں، برِعظیم پاک وہند کی سلطنتوں اور عثمانی ترکوں کی خلافت میں بھی یہی فقہ ان حکومتوں کا قانون رہی اور آج تک ان علاقوں کے عوام پر اسی کا اثر ہے۔

سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ امام ابُوحنیفہؒ کے کلام کی خصُوصیت یہ ہے کہ وُہ ثقہ کو لیتے ہیں۔ بُرائی سے بھاگتے ہیں، اور لوگوں کے معاملات پر نیز اس چیز پر جس پر لوگ استقامت کے ساتھ قائم ہیں اور اس کی وجہ سے ان کے معاملات ٹھیک ہو گئے ہیں، نظر ڈالتے ہیں۔ وہ تمام مسائل کے متعلق قیاس کرتے ہیں۔ لیکن جب قیاس ٹھیک نہیں ہوتا، تو جب تک استحسان سے کام چلتا ہے، استحسان سے کام لیتے ہیں۔ جب استحسان سے کام نہیں چلتا تو مسلمانوں کے عمل درآمد کی طرف رجُوع کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کو بڑے قابل شاگرد ملے۔ ان میں سے مشہور یہ ہیں۔ امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ۔ امام ابوحنیفہؒ کے ان شاگردوں کی وجہ سے ان کی فقہ کو مرتب ہونے اور فروغ پانے میں بہت مدد ملی۔

فقہ کے دوسرے امام مالکؒ بن انس ہیں۔ ان کے دادا ابوعامرؓ رسولِ پاک کے صحابی ہیں۔ آپ ۹۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہُوئے۔ وُہ بالاتفاق علمِ حدیث کے امام ہیں۔ فقہ میں ان کے شیخ ربیعہ بن عبدالرحمٰن ہیں۔ جو رائے کے استعمال کے باعث ربیعۃ الرائے مشہور تھے۔ اس طرح امام مالکؒ میں دو وصف جمع ہو گئے تھے۔ وہ محدث بھی تھے اور مفتی بھی۔

امام مالکؒ کی فقہ میں کتاب اللہ اور احادیث رسُولِ پاک کے بعد اہلِ مدینہ کے عمل کو سب سے زیادہ وقعت دی گئی ہے۔ امام مالکؒ اپنے قیاس کو انھی تین چیزوں کے تابع رکھتے ہیں۔ فقہ مالکی زیادہ تر اُن ملکوں میں رائج رہی جہاں عربوں کا زور تھا مثلاً حجاز، بالائی مصر، مغربی افریقہ اندلس، مراکو، ٹیونس، الجزائر وغیرہ۔

فقہ کے تیسرے امام شافعیؒ ہیں۔ آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن ادریس تھا۔ آپ عبدمناف میں سے تھے۔ آپ کی والدہ یمنی تھیں۔ آپ ۱۵۰ھ میں بمقام غزہ (صوبہ عسقلان) پیدا ہوئے۔ ابتدائی علوم کے حصول کے بعد مدینہ پہنچ کر امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر یمن میں سرکاری مُلازمت میں رہے۔ ان دنوں ہارون الرشید خلیفہ تھے۔ پھر عراق میں رہ کر وہاں کے فقہا

سے استفادہ کیا۔ عراق سے مکہ معظمہ آئے اور وہاں تحصیلِ علم کے لیے ٹھہرے رہے۔ پھر دوبارہ عراق گئے اور وہاں سے جاکر مصر میں مقیم ہوگئے اور وہیں وفات پائی۔

امام شافعیؒ احادیث صحیحہ کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے قرآن مجید کو دیکھتے ہیں اور دونوں کو واجب العمل سمجھتے ہیں۔ حدیث کے بعد وہ اجماع پر عمل کرتے ہیں۔ جب کوئی دلیل منصوص نہ ہو۔ پھر وہ قیاس پر اس شرط کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی اصل معیّن ہو۔ اور ساتھ استدلال سے کام لیتے ہیں۔

جہاں تک قرآنِ پاک کا تعلق ہے۔ امام شافعیؒ ظواہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ کسی دلیل سے ثابت ہوجائے کہ ظاہر قرآن مراد نہیں۔ اس کے بعد حدیث کو لیتے ہیں۔ راوی ثقہ ہو تو خبر واحد پر عمل کرنے کی سخت حمایت کرتے ہیں۔ اگر حدیث کا سلسلہ جناب رسولِ پاکؐ تک پہنچ جائے تو پھر امام مالکؒ کی طرح اہلِ مدینہ کے عمل یا اہلِ عراق کی طرح شہرتِ حدیث کی شرط نہیں لگاتے۔ شافعی مذہب کا زور مصر، جزائر غرب الہند، ملایا، مشرقی افریقہ اور شام میں رہا۔

چوتھے امام احمدؒ بن حنبل ہیں جو ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بغداد میں امام شافعیؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد خود اجتہاد کیا۔ وہ ان اہلِ حدیث مجتہدین میں سے ہیں جو امام شافعیؒ کی طرح صحیح سند والی حدیث واحد پر کسی شرط کے بغیر عمل کرتے ہیں اور اقوال صحابہؓ کو قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں۔ فقہ حنبلی کو عراق، مصر، شام اور فلسطین میں قبولیت رہی ہے۔ اب اس کا اثر زیادہ تر نجد میں ہے۔

حضرات! آپ دیکھ چکے ہیں کہ فقہ کے چاروں مذاہب ایک ہی درخت کی مختلف شاخوں کی مانند ہیں۔ اس درخت کی جڑ قرآنِ پاک ہے اور تنا سنّتِ رسولِ مقبول۔ اجتہاد سے ان شاخوں پر مختلف کونپلیں پھوٹتی رہی ہیں اور پھوٹتی رہیں گی۔ لیکن ایسا اجتہاد جو قرآنِ پاک اور سنّتِ رسولؐ مقبول اور اجماع صحابہ کرام کو چھوڑ کر کیا جائے، درخت کا حصّہ نہیں ہوسکتا۔

اسلام ایک زندہ اور فعال قوّت ہے۔ اور اسے ہر روز نئے حالات و واقعات سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ نئے حالات سے نئے تقاضے وجود میں آتے ہیں اور ان سے نپٹنے کے لیے روحِ اجتہاد کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ روحِ اجتہاد سے انکار زندگی سے انکار کے مترادف ہے۔ مسلمانوں کے دورِ انحطاط و زوال میں انھوں نے اپنے اوپر اجتہاد کا دروازہ بند کرلیا تھا

اور فقہ کے اُن مذاہب میں اس قدر منہمک ہوئے کہ اُن کی اصل بنیادوں قرآنِ پاک اور سُنّت رسُولِ مقبول کو بھی چھوڑ بیٹھے۔ حالانکہ فقہ کے امام افراط تفریط سے پاک اور صائب الرائے حضرات تھے۔ اسلاف کے متعلق امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ "وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں"۔ امام مالکؒ کہتے ہیں: "رسُولِ پاک کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں جس کا قول ردّ و قبول کے قابل نہ ہو"۔ اور خود قرآنِ پاک میں جگہ جگہ سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کے لیئے کہا گیا ہے حضورؐ نے بھی نئے حالات و واقعات پر غور کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل بھی یہی رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ رُوحِ اجتہاد کو زندہ رکھا جائے تاکہ اسلام ایک زندہ اور فعّال قوّت کی حیثیت سے موجودہ دُنیا میں اپنی شان کے شایان مقام حاصل کر سکے۔ اللہ آپ کو اور مجھے اپنے دین کی سچی خدمت کی توفیق دیں۔

تصوّف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

ترجمہ:۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں، لیل و نہار کے اختلاف میں صاحبِ عقل کے یہاں نشانیاں ہیں، جو کھڑے ہوتے، اور بیٹھے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش (کے اسرار) پر غور کرتے ہیں۔

اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ (۸۴-۶)

ترجمہ:۔ اپنے پروردگار کی ملاقات کے لئے خوب محنت کر۔ پس تجھے ملنا ہے اس سے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا (۹۱-۹،۱۰)

ترجمہ:۔ بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ کیا

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ (۸-۲)

ترجمہ:۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے

یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝

ترجمہ:۔ اے نفس مطمئنہ چلا آ اپنے رب کی طرف۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پس شامل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں (۹۰-۲۷ تا ۳۰)

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ

وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (۵ - ۶۹، ۷۰)

ترجمہ:- اور جو لوگ اللہ اور رسول کا حکم مانتے ہیں۔ ایسے لوگ اُن حضرات کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں اور ان کے ساتھ رفاقت محض اللہ کا فضل ہے اور اللہ بس ہے خبر رکھنے والا۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (۴۱ - ۵۳)

ترجمہ:- یعنی ہم اُن کو جلد دکھا دیں گے۔ اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور اُن کے نفسوں میں۔ یہاں تک کہ وہ پکار اُٹھیں تحقیق یہی حق ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۝ (۲۹ - ۶۹)

ترجمہ:- اور جن لوگوں نے مجاہدہ کیا۔ ہماری راہ میں یقیناً ہم دکھائیں گے انھیں راہ اپنی

فَسَوْفَ يَأْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (سورۂ مائدہ آیت ۵۴)

ترجمہ: بہت جلد اللہ ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ کو محبت ہوگی اور اُن کو اللہ سے محبت ہوگی۔ وہ مسلمانوں پر مہربان ہوں گے اور کافروں پر تیز۔ جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور بڑا علم والا ہے۔

تصوف کے سلسلے میں محولہ بالا آیاتِ قرآنی کے بعد ذیل کی حدیث مبارک اللہ تعالیٰ کے نزدیک صوفیا کی منزلت اور مقام کی نشان دہی کرتی ہے۔

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَاهُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ! قَالَ رَجُلٌ: فَمَنْ هُمْ؟ وَمَا اَعْمَالُهُمْ؟ لَعَلَّنَا نُحِبُّهُمْ!

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! قَوْمٌ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ، وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ" قَالُوْا! ثُمَّ قَرَأَ: اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"

ترجمہ :۔ اللہ کے بندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا شمار نہ انبیاء میں ہے ، نہ شہداء میں لیکن انبیاء و شہداء جن پر قیامت کے دن ان کی سرفرازی دیکھ کر رشک کریں گے۔ ایک آدمی نے سوال کیا ، وہ کون لوگ ہیں ؟ تاکہ ہم انھیں محبوب رکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کے چہرے پرنور ہیں۔ اور جب لوگ خوف زدہ ہوں گے تو یہ ذرا بھی ہراساں نہیں ہوں گے۔ اور جب لوگ غمگین ہوں گے تو ان کے پاس غم پھٹکنے نہیں پائے گا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ جان لو اولیاء اللہ پر نہ خوف طاری ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا !

اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ كَهَيْئَةِ الْمَكْنُوْنِ لَا يَعْلَمُهٗ اِلَّا اَهْلُ الْمَعْرِفَةِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا تُحَقِّرُوْا عَالِمًا اٰتَاهُ اللّٰهُ عِلْمًا مِنْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُحَقِّرْهُ اِذَا اٰتَاهُ اِيَّاهُ

ترجمہ :۔ یعنی البتہ بعض علم درمکنون کی مانند ہیں۔ کوئی نہیں جانتا ان کو عارفان خدا کے سوا۔ جب وہ عارف اس علم کو بیان کرتے ہیں تو سوائے ان لوگوں کے جو اللہ کی نسبت دھوکا کھانے والے ہیں اور کوئی اس علم سے جاہل نہیں رہتا۔ پس جس عالم کو (مراد عارف ہے) خدا تعالیٰ نے اس علم (معرفت) میں سے حصہ دیا ہو۔ اس کو حقیر مت جانو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر نہیں کیا۔ جب کہ اُسے وہ علم عطا فرمایا۔

تصوّف کے موضوع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور قول ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

جس نے اپنی ذات کو پہچانا ، اُس نے اپنے رب کو پہچانا

تصوّف خُدا رسی کا ایک مکمل ضابطہ اور نظام ہے جس کے ماتحت محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی محبت پر نظر رکھتے ہوئے نفس کی تربیت مقصود ہے حضوریٔ قلب تصوّف کا اصل مقصود ہے۔ رُوحانی نظام تربیت میں بیعت اور اطاعت بُنیادی شرطیں ہیں بیعت سے مُراد اُستاذِ فن کی مکمل اطاعت کا اقرار ہے۔ جان و دل خُدا کی راہ میں وقف کر دینا اصل بیعت ہے۔ تصوّف میں شیخ یا معلّم اور ہادی کی بیعت ضروری ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق شیخ یا ہادی کی رہنمائی کے بغیر میسّر نہیں آسکتی۔

تصوف کے ذریعے عبادت، اخلاق حسنہ اور روحانیت جیسی اہم اقدار و اوصاف کی ترویج و ترقی مقصود ہے۔ انسان کی اصلی منزل حق جل و علا ہے اور منزل کی طرف چلنے کا نام سلوک و تصوف ہے۔ یعنی محدود انسان کا لامحدودیت کی جانب ایک سفر ہے انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض کا جو درجہ فضیلت دیا گیا ہے۔ صحیح معنوں میں اس منصب کا مستحق ہونے اور قرب خداوندی کے حصول کا تصوف ایک ذریعہ ہے۔ انسانیت کی آزادی و خود مختاری کے اس منصب کو قوتِ غضب اور قوتِ شہوت سے پیدا ہونے والی برائیوں سے بچانے کے لئے تصوف ایک ذریعہ ہے تاکہ خود غرضی، اقربا پروری، خویش نوازی، بد اعمالی، نسلی عصبیت، لاقانونیت، بے ایمانی، بددیانتی اور اسی قسم کی دیگر اخلاق سوز حرکات سے معاشرہ محفوظ رکھا جا سکے۔

صوفی کے لیے توحید و رسالتِ محمدیؐ کا قائل ہونا اور علم و عمل کے اعتبار سے شریعت طریقت اور معرفت کا پابند ہونا ضروری ہے۔ صوفی صرف ملتِ اسلامیہ کے رشتہ میں ہی منسلک نہیں بلکہ وہ تمام عالمِ انسانیت کو محبت و اخوت کی لڑی میں پرونے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ صوفی کا یہ وصف ہے کہ وہ تعلقِ خدا کی خدمت محض خلوص و دیانت اور محبتِ خداوندی کی بنا پر کرتا ہے۔ انسانی کردار کی تعمیر کا تصوف بہترین وسیلہ ہے روحانی قوت کے ذریعہ اپنی کمزوریوں اور معاشرہ کی بے راہ رویوں پر غلبہ پانے کا نام تصوف ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے تصوف پر اپنے عظیم شاہکار "کشف المحجوب" میں صوفیا کے امام حضرت جنیدؒ کا ایک قول نقل فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے یعنی سخاوتؑ و رضاؑ و صبرؑ، اشارہؑ و غربتؑ و صوفؑ پہننا و سیرؑ و فقرؑ۔

اور ان خصلتوں کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں کہ سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا ہے اور وہ اس طرح کہ آپ نے راہِ حق میں اپنے بیٹے کو فدا کر دیا۔ رضا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اقتدا ہے کہ خدا کے حکم پر راضی ہو کر اپنی جانِ عزیز پیش کر دی۔ صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا اتباع ہے کہ آپ نے کیڑوں کی مصیبت اور ابتلاءِ الٰہی پر صبر کیا۔ اشارہ حضرت ذکریا علیہ السلام کی پیروی ہے کہ آپ نے تین دن صرف اشارے سے بات کی اور اپنے رب کو مخفی طور پر پکارا۔ غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیروی ہے کہ

وُہ وطن میں رہتے ہوئے بے وطن تھے اور رشتہ داروں سے بیگانہ۔ صُوف پہننا حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کی اقتدا ہے کہ آپ اُونی لبادہ اوڑھتے تھے۔ سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا اتباع ہے کہ ساری عمر مجرّد رہے اور تبلیغ حق کے لیے سیاحت فرمائی۔ اور فقر سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اقتدا ہے کہ رُوئے زمین کے خزانوں کے مالک ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ بار خدایا مجھے ایک روز سیر کیجو اور ایک روز بھوکا رکھیو۔ کیونکہ یہی اصول عمل اور بندگی کے لیے اچھے ہیں۔ تصوّف صرف رُسوم اور علوم کا نام نہیں۔ بلکہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ تو اخلاق حسنہ کا نام ہے یعنی اگر تصوف کوئی رسم ہوتا تو مجاہدے سے حاصل ہو جاتا۔ اگر کوئی علم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہو جاتا۔ لیکن تصوّف تو صرف اخلاق و آداب کا نام ہے۔ اِس ضمن میں ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تصوّف آزادی و جوانمردی و ترکِ تکلّف و سخاوت (دُنیا کا مال راہِ حق میں خرچ کرنا ہے۔ آزادی یہ ہے کہ بندہ خواہشِ نفس سے آزاد ہو جائے۔ جوانمردی یہ ہے کہ جوانمردی کے دیکھنے سے کنارہ کش ہو جائے اور ترک تکلف یہ ہے کہ اپنے متعلقات اور نصیب میں کوشش نہ کرے اور سخاوت یہ ہے کہ دُنیا کو اہلِ دنیا کے لیے چھوڑ دے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں صوفیوں کا کوئی الگ فرقہ نہ تھا۔ حضور سرورِ کائنات اپنی ذاتِ اقدس میں مجموعہ صفات تھے۔ اور آپؐ کی زندگی عملی، علمی اور رُوحانی تمام پہلوؤں سے مزیّن تھی۔ حضورؐ کے صحابہ کرامؓ پر آپ کی شخصیت مبارک کا اثر تھا۔ وُہ بھی حضورؐ ہی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اِس لیے ان میں بھی بالعموم عملی، علمی اور رُوحانی پہلوؤں کا امتزاج تھا۔ البتہ طبائع کے لحاظ سے بعض حضرات پر ایک رنگ غالب تھا اور بعض پر دوسرا۔ چنانچہ اصحاب صفہ پر روحانی رنگ غالب تھا۔

صوفیا کے اماموں میں سر فہرست حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر بن خطاب حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ اہلِ بیت میں سے سیدنا امام حسن و امام حسین، امام زین العابدین، امام محمد باقر و امام جعفر صادق اہل تصوف کے امام ہیں پھر اہل صفہ ہیں ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین ہیں۔ متاخرین کے کئی امام گزرے ہیں۔ جن کا تذکرہ کتبِ تصوّف اور مشائخ کے تذکروں میں ملتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ "دینِ محمدی کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر

کی حفاظت فقیہوں، محدثوں، غازیوں اور قاریوں نے اپنے ذمہ لی۔ باطنِ دین و معزدین کہ "اِحسان" ہے، اِس کی اشاعت اور اقامت کا کام اولیاء اللہ کے سپرد ہوا۔
بقول شاہ ولی اللہؒ سید الطائفہ جنیدؒ کے زمانہ میں اور ان سے ذرا پیشتر فیضانِ غیبی سے ایک اور رنگ پیدا ہوا۔ عام لوگ تو ارکانِ شریعت پر ہی متوقف رہے اور خواص نے مجاہدات ریاضتوں اور ذکر و اشغال میں سخت انہماک کیا ....
جب علماء اور فقہاء نے حکومتوں کی ملازمتیں اختیار کر لیں اور اسلام کے ارکان کی پابندی محض ظواہر تک محدود ہو کے رہ گئی۔ اللہ کی محبت اور اخلاص سے دل خالی ہو گئے، تو اس وقت ایسے لوگ سامنے آئے جنہوں نے حکومتوں سے الگ رہ کر لوگوں کے اندر رُوحِ اسلام محبّتِ الٰہی اور اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کی اور لوگوں کے دلوں کے احوال اور عہدول کی بے جا محبت اور حسد، بغض، کینہ، انتقام، نفرت اور شہوت جیسی نفسانی برائیوں سے پاک کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ یہی لوگ صوفیا کہلائے اور آہستہ آہستہ ان کے مختلف گروہ بنے اور ہر گروہ نے اپنے مراکز قائم کر لئے
جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ تصوّف کا مقصد دلوں کو برائیوں سے پاک کرنا اور ان میں اللہ کی محبّت تازہ کرنا ہے حضورِ اکرمؐ کی بعثت کا ایک مقصد قرآن پاک نے یُزَکِّیْھِمْ (تاکہ وہ ان کے دلوں کا تزکیہ کریں) فرمایا ہے۔ اس مقصد کے لیے صوفیا ذکر کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ ذکر کی تلقین ہے۔ حدیث رسُولِ پاکؐ میں بھی ذکر کی بہت فضیلت آئی ہے۔ قرآنِ پاک میں کئی جگہ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ (اپنے ربّ کے نام کا ذکر کرو) آتا ہے۔ کئی جگہ وَاذْکُرْ رَبَّکَ (اپنے رب کا ذکر کر) آتا ہے۔ پہلے زبان سے اللہ کے اسمائے مبارکہ میں سے کسی کا ورد کیا جاتا ہے۔ پھر اس کی یاد دل میں بس جاتی ہے اور بدن کے روئیں روئیں کو سرور سے بھر دیتی ہے۔ ایک جگہ مومنوں کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (۳ : ۱۹۱)

ترجمہ :- جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

اِن اذکار و اشغال سے انسان کی توجّہ اپنے باطن پر زیادہ مرکوز ہو جاتی ہے۔ ایک طرف اس کا قلب حسد، کینہ، نفرت، عداوت جیسی برائیوں سے صاف ہونے لگتا ہے اور دوسری طرف اُس کے اندر اللہ کی محبّت زیادہ ضَوفگن ہونے لگتی ہے اور اس سے وہ شریعت کی حقیقتوں

کو اپنے قلب کی گہرائیوں کے اندر محسوس کرنے لگتا ہے۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ صرف انہی صوفیا نے اسلام کو فائدہ پہنچایا جو علم شریعت سے اچھی طرح واقف تھے۔ جیسے غزالیؒ، رومیؒ، حضرت پیران پیرؒ، حضرت داتا صاحبؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور اس قسم کے اور بہت سے بزرگ۔

بقول مولانا عبید اللہ سندھیؒ زمانہ عروج میں کسی معاشرہ کے اسفل افکار و رجحانات دبے رہتے ہیں اور عام جمہور ان سے بیزار ہوتے ہیں۔ لیکن جب قوم کا مزاج بگڑ جائے تو اعلیٰ افکار دھندلے ہو جاتے ہیں اور اسفل خیالات کا سکہ رواں ہو جاتا ہے۔ جب اسلامی معاشرے میں زوال نے راہ پائی تو ہمارا تمام اثاثہ اس سے متاثر ہوا۔ نہ ہماری فقہ بچی، نہ تفسیر، نہ فلسفہ اور نہ تصوف۔

جس طرح فقہ کے چار باقاعدہ مدارس فکر ہیں اور چاروں ایک ہی اصل سے پھوٹے ہیں اسی طرح تصوف کے بھی چار بڑے بڑے سلسلے ہیں اور ان سب کی اصل اور غایت بھی ایک ہی ہے البتہ ان میں طریق کار کی جزئیات مختلف ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف ممالک کے مقامی حالات بھی ان میں تھوڑی بہت تبدیلیاں پیدا کرنے کا باعث ہوئے ہیں۔

تصوف کے چار مشہور سلسلے سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور چشتیہ ہیں۔ برعظیم پاک و ہند میں اسلام کی زیادہ خدمت چشتیہ کے ذریعہ ہوئی۔ حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ ۵۵۶ھ میں یہاں تشریف لائے اور ہندوؤں کے گڑھ اجمیر میں ۵۶۱ھ میں فروکش ہوئے۔ آپ کے طریق میں محبت اور وسیع مشربی بہت ہے۔ آپ نے ہندوؤں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے ان کے ایسے عادات و رسوم کو اپنانے سے گریز نہیں کیا جو اصلاً روح اسلام کے منافی نہ تھیں۔ آپ کے سلسلہ میں بہت بڑے بڑے بزرگ ہوتے۔ جیسے بابا قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ بابا فریدؒ گنج شکر۔ مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابرؒ۔ خواجہ نظام الدین اولیا۔ حضرت بو علی قلندرؒ وغیرہم۔

چشتیہ سلسلہ میں سماع کی اجازت ہے اور سازوں کے استعمال پر بھی اعتراض نہیں کیا جاتا اس سلسلہ میں جدید نفسیات کی اصطلاح کے مطابق محبت کو اسفل سے اٹھا کر اعلیٰ ترین ذات سے جوڑ دیا جاتا ہے۔

قادری سلسلہ حضرت پیر پیران سید عبد القادر جیلانیؒ سے شروع ہوتا ہے۔ آپ نے ۵۶۱ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ برعظیم پاک و ہند میں اس سلسلہ نے بھی بہت فروغ حاصل کیا اور حضرت

ابوالمعالی قادری حضرت میانمیرؒ جیسے بڑے بڑے بزرگ پیدا کئے۔ قادری سلسلہ میں بلند آواز سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اِس سلسلہ میں جذب کا رنگ غالب ہوتا ہے۔

نقشبندی سلسلہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت یعقوبؒ چرخی اور خواجہ عبیداللہؒ احرار اِس سلسلہ کے مشہور بزرگوں سے ہیں۔ برِعظیم پاک و ہند میں اِس سلسلہ کا آغاز حضرت خواجہ باقی باللہ سے ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانی سے اِس سلسلہ کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ نقشبندی سلسلہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ذرہ بھر خلافِ شریعت چیز بھی گوارا نہیں کی جاتی اور اتباعِ سنّت پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اِس سلسلہ میں نہ سماع کی اجازت ہے اور نہ بلند آواز سے ذکر کرنے کی۔ ذکرِ خفی پر زور ہے۔

سہروردی سلسلہ کے بانی شیخ ابوالنجیب محمد عمرؒ سہروردی تھے۔ اس سلسلہ میں شیخ شہاب الدین بن عمر بن عبداللہ سہروردی بہت مشہور ہیں۔ شیخ سعدیؒ انہی سے بیعت تھے۔ برِعظیم پاک و ہند میں سہروردی سلسلہ کے مشہور بزرگ خواجہ بہاؤ الدینؒ ذکریا ملتانی، سید جلال الدینؒ جہانیاں جہاں گشت اور خواجہ قطب الدین بہاری ہیں۔

یہ تمام رُوحانی سلسلے سوائے نقشبندی سلسلہ کے جنابِ رسالتمآبؐ سے بواسطہ حضرت علیؓ چلتے ہیں۔ صرف نقشبندی سلسلہ حضرت صدیقؓ کی وساطت سے چلتا ہے۔ شہنشاہِ فقر حضورؐ سرورِ کونین ہیں اور روحانی اعتبار سے بہترین لوگ حضرات صحابہ کرامؓ ہیں جنہیں حضورؐ کی صحبت سے براہِ راست فیضیاب ہونے کا موقع حاصل رہا۔ (تصوّف میں صحبت کو بہت اہمیت حاصل ہے اور صحبتِ شیخ سے بہت سے فیوض و برکات وابستہ سمجھے جاتے ہیں)۔

بیعت دراصل شیخ کے ہاتھ پر اللہ کے سامنے پچھلے گناہوں سے تائب ہونے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا اقرار ہے۔ اور شیخ کی صحبت او تعلیم کے ذریعہ اپنی اصلاح کرنے اور اپنے قلب کی صفائی کے لیے کوشاں ہونے کا پیمان ہے۔ جیسے کسی امیرِ حکومت کی بیعت اللہ کی نافرمانی پر نہیں کی جاسکتی، اسی طرح کسی شیخ کی بیعت بھی شریعت کی خلاف ورزی پر نہیں ہو سکتی۔

مغربی پاکستان میں تمام رُوحانی فیض کے سرچشمہ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمتہ ہی ہیں۔ آپ اِس برِعظیم کے ان سابقون الاولون میں سے ہیں جن کی مساعیِ جمیلہ سے یہاں اسلام کا پودا کاشت ہُوا۔ آپ سلطان محمود غزنویؒ کے بیٹے سلطان مسعود کے عہد میں وارِدِ لاہور ہوئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ آپ کی توجہ اور کوشش سے یہاں اِسلام نے ترقی کی۔ اور آج تک اِس خطۂ زمین پر

آپ کے روحانی انوار و برکات محسوس کیئے جا رہے ہیں۔

شروع میں تصوف ایک فعال قوت تھا جس نے اسلام کو پھیلانے میں بہت حصّہ لیا۔ بعد میں دورِ زوال کے اندر تصوف بھی انحطاط کا شکار ہو گیا اور اس میں خلاف شریعت اور خلاف اسلام رجحانات راہ پا گئے۔ ایک تو لوگوں نے شریعت اور تصوف کو دو الگ الگ چیزیں سمجھنا شروع کر دیا۔ دوسرے تصوف کو دنیا سے گریز اور سر بزیری کے مرادف سمجھ لیا گیا۔ اب پھر تصوف نکھر کر سامنے آ رہا ہے۔ اور امید ہے کہ اسلام کے نئے دورِ ترقی میں تصوف ایک بار پھر شریعت کی روح بن کر چمکے گا۔ اور تشنہ لب پیاسوں کو اسلام سے قریب تر لانے میں اہم کردار ادا کریگا۔ جب سے مادیت نے دم توڑا ہے۔ اہل مغرب بھی روحانیت کا سہارا ڈھونڈ رہے ہیں۔ علمائے مغرب اس وقت جو روحانیت کے نظریئے پیش کر رہے ہیں وہ ہمارے ہی صوفیائے کرام کے کلام کی خوشہ چینیاں ہیں۔ مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم خود بھی اپنے ان پوشیدہ خزینوں سے استفادہ کریں اور پھر ان پر عمل کر کے ان میں تحقیق و جستجو کے نئے موتیوں کا اضافہ کریں۔ جب تک ہم اصل تصوف کو جو شریعت کی روح اور زندگی کی حقیقت ہے اپنے آپ پر وارد کر کے دوسروں کے سامنے پیش نہیں کریں گے، وہ ہم سے متاثر نہیں ہوں گے۔

اے اللہ! اپنے محبوب پاک اور صوفیائے کرام کے صدقہ ہمارے دلوں کو اپنی محبت سے منوّر کر دے اور ہمیں سچی اسلامی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرما! آمین

حقوق اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - امابعد - فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰہُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ ہَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَمْ ہَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْہِمْ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّہُوَ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ ○ (۱۳ : ۱۶)

ترجمہ :- پوچھیے : کون ہے پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا - کہ دیجئے : اللہ - پوچھیے : کیا تم اس کو چھوڑ کر اور کارساز پکڑتے ہو، وہ جو اپنے نفع و نقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتے ؟ پوچھیے : کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں ؟ یا اندھیرا اور اُجالا برابر ہوتے ہیں ؟ کیا انہوں نے (اس لئے) اللہ کے شریک بنائے ہیں کہ انھوں نے بھی اللہ کی تخلیق کی مانند کوئی تخلیق کی ہے جس سے وہ شبہ میں پڑ گئے - کہ دیجئے : اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور وہ ایک ہے غالب و زبردست

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِہٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَہْجَۃٍ مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَہَا ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ بَلْ ہُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ○ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَہَآ اَنْہٰرًا وَّجَعَلَ لَہَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ بَلْ اَکْثَرُہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ - اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ○ اَمَّنْ یَّہْدِیْکُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ تَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَمَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ قُلْ ہَاتُوْا بُرْہَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ (۲۷ : ۶۰ تا ۶۴)

ترجمہ :- کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور اُتارا ہے تمہارے لیے آسمان سے پانی

پھر اُگائے ہم نے اس (پانی) سے باغ رونق والے تمہیں قدرت نہ تھی کہ ان (باغوں) کے درخت اُگاؤ۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ نہیں، بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (راہِ راست سے) اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں۔

کس نے بنایا زمین کو ٹھکانا اور بنائیں اس کے درمیان نہریں اور بنائے اس کے لیے پہاڑ اور بنایا دو سمندروں کے درمیان پردہ۔ ہے کوئی معبود اللہ کے ساتھ؟ مگر ان میں سے اکثر (کچھ) نہیں جانتے۔ کون قبول کرتا ہے دعا مضطرب کی جب وہ اُسے پکارتا ہے اور کون دُور کرتا ہے (اس کی) بُرائی؟ اور اس نے بنایا ہے تمہیں جانشین زمین میں۔ ہے کوئی معبود اللہ کے ساتھ؟ تم بہت تھوڑی نصیحت حاصل کرتے ہو

کون ہے جو تمہیں راہ دکھاتا ہے بحر و بحر کے اندھیروں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری لانے والی اس کی رحمت سے پہلے؟ کیا ہے کوئی اور معبود اللہ کے ساتھ؟ بہت بلند ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں؟

کون پیدا کرتا ہے مخلوق کو پہلی بار پھر اسے بار بار لوٹاتا ہے اور کون تمہیں رزق دیتا ہے آسمانوں سے اور زمین سے۔ کیا ہے کوئی اور معبود اللہ کے ساتھ؟ کہہ دیجئے لاؤ کوئی دلیل اگر تم سچے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا پہلا حق توحید:

حضرات! اللہ کے حقوق میں سے پہلا حق یہ ہے کہ نہ اس کے برابر کسی کو سمجھا جائے اور نہ اس کے کاموں میں کسی کو شریک کیا جائے۔ یہ کائنات اِس کی تخلیق ہے۔ اور اِس میں اس نے کسی کی مدد نہیں لی، ان تمام موجودات و کائنات میں صرف اسی کا حکم چل رہا ہے، اور کوئی ایسا نہیں جو اس حکم سے سرتابی کر سکے۔

آسمانوں اور زمین میں وُہی ہر ایک کو رزق پہنچا رہا ہے اور ہر چیز اُس کی نگاہِ فیض سے نشوونما اور ترقی کے مراحل طے کر رہی ہے، پھر کسی کو اس کے برابر سمجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا دوسرا حق اِس کے احکام کی تعمیل:

جب پیدا اُس نے کیا ہے، حفاظت وُہ کر رہا ہے۔ زندگی کے ہر لمحہ پر جو جو ضروریات ہیں اور جس قسم کی ضروریات ہیں اُنھیں پورا وُہ کر رہا ہے۔ پھر حکم بھی اُسی کا ماننا چاہیئے۔ بالخصوص جب وُہ ہم سے اپنے لیے کچھ نہیں چاہتا۔ نہ اسے کسی چیز کی ضرورت ہے

نہ ہم عاجز بندے کوئی چیز دینے کے قابل ہیں۔ بلکہ جو بھی اس کے احکام ہیں، وہ ہمارے ہی فائدے کے لیے ہیں۔ ہماری تربیت اور نشوونما کے لئے ہیں۔ اس لئے ہیں کہ ہم جلدی جلدی ترقی کی منازل طے کرتے جائیں اور اس لئے ہیں کہ انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے ہم بآسانی نوعِ انسانی کی خدمت اور انسانیت کے فطری تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے منشا تخلیق کو پورا اور مقصدِ حیات کو حاصل کر سکیں

اللہ تعالیٰ کا تیسرا حق، اسی سے محبت کرنا :

اور ایسا اللہ، جو ہر چیز کا خالق اور حافظ ہے اور جو ہر ایک کو اس کی تمام ضروریات ٹھیک ٹھیک موقع پر اور ٹھیک ٹھیک صورت میں مہیا کرتا اور ہر وقت ہر چیز کا خیال رکھتا ہے۔ جس کی نظرِ کرم ہر لمحہ ہر چیز پر ہے۔ اور جس نے انسان کو اس روئے زمین پر اپنا نائب بنا کر اسے اپنی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ عزت بخشی، بلکہ سب کو اسی کی خاطر بنایا ہے کیا یہ اس کا حق نہیں کہ سب سے زیادہ محبت اسی سے کی جائے؟

پھر جس سے محبت ہو اس سے قریب ہونے کو بھی جی چاہتا ہے۔ محبت اور قرب لازم ملزوم ہیں ـــــ سچی محبت محبوب کی اطاعت پر مجبور کرتی ہے اور قرب سے انسان محبوب کے رنگ میں رنگا جاتا ہے ـــــ پھر اللہ کے رنگ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے۔ اللہ کے رنگ میں رنگا جانا گویا اپنا مقصود پالینا اور اپنے آپ کو ترقی کی معراج پر لے جانا ہے۔

رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کا قرب کیسے حاصل ہوتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی صفات و عادات کو سمجھا جائے اور پھر حدیث شریف تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللّٰہِ کے مطابق اخلاق و عاداتِ خداوندی اپنے اندر پیدا کئے جائیں۔ وہ خالقِ کائنات ہے ہم اس کی مخلوق میں غور و تدبر کر کے ایجادات کریں وہ رازق ہے۔ ہم اپنے اندر داد و دہش اور غریب پروری کی صفت پیدا کریں۔ وہ رحمٰن و رحیم ہے ہم بھی اس کی مخلوق کے لیے رحمت ثابت ہوں۔ جذبۂ خدمتِ خلق سے سرشار ہوں۔ وہ غیور ہے ہم بھی غیرت و حمیت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

(ب) اس کی اتھاہ کائنات میں غور و تدبر کر کے حکمت کے بے بہا موتی حاصل کریں۔ اس کی ارضی اور سماوی مخلوقات کی بوقلمونیوں کا تصور و تفکر کر کے اس کی بے انتہا حکمتوں اور قدرتوں کا بقدرِ امکان اندازہ لگا کر اس کی عظمت و جلال کے سامنے جھک جائیں اور خوشی خوشی اس کے احکام کی تعمیل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا چوتھا حق اُس کی عبادت :

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں آسمانوں اور زمین، دریاؤں اور پہاڑوں، ہواؤں اور سمندروں، پھولوں اور درختوں، جانوروں اور اُن کی مختلف اقسام، انسانوں کے مختلف رنگوں اور زبانوں ہر چیز کو اپنی آیات اور قدرت کی نشانیاں بتاتا ہے۔ نماز تو عبادت کی ایک خاص اور پابند ترین صورت ہے۔ دربارِ حق تعالیٰ میں باقاعدہ اور سرکاری حاضری ہے۔ ورنہ اللہ کی جملہ آیات میں غور و فکر اور ہر لمحہ اس کی یاد یہ سب عبادت میں داخل ہیں اور انہی سے اِس خاص عبادت (نماز) میں حلاوت پیدا ہوتی ہے اور اس کے فوائد کھلتے ہیں۔

گویا اللہ کا چوتھا حق یہ ٹھہرا کہ عبادت اس ہی کی، کی جائے۔ اس طرح کہ اپنی پوری زندگی اس کی عبادت ہو جائے اور ہمارا مرنا جینا سب اُس کی رضا جوئی کی خاطر ہو۔

اللہ تعالیٰ کا پانچواں حق شکر و صبر :

اللہ تعالیٰ کا پانچواں حق یہ ہے کہ ہر لحظہ اُس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا جائے۔ ہر حالت میں اللہ کی شکر گزاری ہو۔ ہر دم اس کی ممنونیت کا احساس رہے۔ دل میں اس کا گہرا نقش ہو، زبان سے اُس کا اظہار ہو اور اگر کبھی ایسے حالات پیش آجائیں جن میں زیادہ کوشش و محنت کی ضرورت ہو تو صبر یعنی خندہ پیشانی اور مستقل مزاجی سے ان کو برداشت کیا جائے اور ان سے فائدہ اٹھا کر اپنی اندرونی اور بیرونی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے۔ شکر سے مُراد محض زبان سے نعمتوں کا اعتراف ہی نہیں۔ بلکہ عمل سے یہ اظہار ہونا چاہیئے کہ ہم خداوند تعالیٰ کی ودیعت کردہ نعمتوں اور صلاحیتوں کا جائز اور صحیح استعمال کر کے اُس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اُس کی عطا کردہ عقلِ سلیم کو دنیوی اور دینی امور میں راہبر مانتے ہوئے جہالت اور گمراہی کی روش اختیار نہ کریں اور سیدھے راستے پر چلیں۔

حضرات! اللہ کے حقوق تو بے شمار ہیں۔ وُہ تو گنے ہی نہیں جا سکتے۔ البتہ ہم نے بات کو آسان کرنے اور سمجھنے کے لیے پانچ موٹے موٹے حقوق گِنائے ہیں۔

(۱) توحید کا عقیدہ اور اقرار کہ وہ ایک ہے یکتا ہے کوئی اس کا شریک اور اس جیسا نہیں ہے (۲) اُس کے احکام بجالانا (۳) اس سے محبت رکھنا (۴) اس کی عبادت کرنا (۵) اور شکر و صبر کا شیوہ اختیار کرنا

اِس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ شرک بدترین عمل ہے۔ حضرت لقمانؑ نے

شرک کو "ظلم عظیم" کہا ہے اور قرآنِ پاک نے اِن کی اِس بات کو بیان کیا ہے ظلم کہتے ہیں وَضْعُ الشَّیْءِ فِی غَیْرِ مَحَلِّہٖ یعنی کسی چیز کو غلط محل پر رکھ دینا۔ جب ایک آدمی خالق کی صفات مخلوق میں مانتا اور غیر محدود طاقت اور قدرت رکھنے والے خدائے برتر کے حکیمانہ افعال و تخلیق کا کریڈٹ عاجز اور بے بس مخلوق کو دیتا ہے تو اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہو سکتا ہے۔ اِنسان کا معراجِ کمال تو یہ تھا کہ وہ بے مثل خالق کے حکیمانہ افعال اور اس کے ارضی و سماوی مصنوعات کے اسرار میں غور کرتے ہوئے اس کی غیر محدود قدرتوں کا طاقتِ بشری کے مطابق اتا پتا لگائے۔ صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات اور حکمِ خلافت الہیہ کا ثبوت بہم پہنچائے۔ بجائے اس کے وہ محدود و کمزور مخلوق کے سامنے جھک کر اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کو ضائع اور فکری قوتوں کو پارہ پارہ کر کے تقسیم در تقسیم کی لعنت کا شکار ہو کر ختم ہو جائے۔ جب نوعِ انسانی آپس میں ہی متصادم ہو تو تعمیر و ارتقاء کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

شرک کے خلاف قرآنی استدلال :

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ (۴ : ۴۸)

ترجمہ : بے شک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور بخش دیتا ہے سوائے اس کے جس کو چاہے۔ اِس لیے فرمایا کہ شرک سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ (۶ : ۸۹)

ترجمہ : اور اگر وہ شرک کرتے تو کھویا جاتا اُن سے جو بھی عمل وہ کرتے تھے۔

قوانینِ کائنات میں تضاد و تصادم نہ ہونے کو اس بات کے ثبوت کے طور پر بیان فرمایا کہ یہاں صرف ایک خدائے واحد کی حکومت ہے۔ اگر یہاں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا اپنی اپنی قلمرو میں اپنے اپنے قوانین رائج کرتا اور پھر بات یہیں تک نہ رہتی۔ بلکہ ہر خدا یہ کوشش بھی کرتا کہ وہ دوسرے کی حکومت پر قابض ہو جائے اور کائنات میں یہ ہم آہنگی نہ رہ سکتی جو اس وقت نظر آ رہی ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ۝

ترجمہ : کہہ دیجیے اگر اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ اس صاحبِ عرش کی طرف راہ ڈھونڈتے۔

موضح القرآن۔ یعنی پرایا محکوم رہنا کیوں قبول کرتے۔ تخت کے مالک کو الٹ ڈالتے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ (۲۳ : ۹۱)

ترجمہ: اللہ نے کوئی اولاد اختیار نہیں کی اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ (اگر ایسا ہوتا) تو ہر معبود اپنی مخلوق کو ساتھ لیتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔

احکامِ الٰہی کی تعمیل:

کائنات کی ہر چیز اللہ کے حکم کے سامنے سربسجود ہے کسی کی مجال نہیں کہ ان کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حکم سے بھی سرتابی کر سکے۔ البتہ انسان کو بعض حدود کے اندر رہتے ہوئے بعض معاملات میں اپنا اختیار استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ انسان کا یہ اختیار اس کا طرۂ امتیاز ہے اور اس زمین پر اسے جو خلافت دی گئی ہے اس کا لازمہ ہے۔ جب وہ اس روئے زمین پر حق تعالیٰ کا جانشین یا نائب السلطنت ٹھہرا تو پھر اس کے پاس کچھ اختیارات بھی ہونے چاہئیں۔ چنانچہ یہاں کی تمام چیزیں اس کے لئے مسخر کر دی گئی ہیں۔ مگر ان کا استعمال اس پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہ چاہے تو ان کا اچھا استعمال کرے اور چاہے تو بُرا استعمال کرے۔ یہی وہ امانت تھی جس کے ڈر سے آسمان، زمین اور پہاڑ کانپ گئے تھے۔ مگر انسان نے ساری کائنات کے سامنے اسے اٹھا لیا تھا اور حق تعالیٰ نے اسے یہ امانت سونپ دی تھی۔ دوسرے لفظوں میں حق تعالیٰ نے صبحِ ازل سے کائنات کی تمام اشیاء کے سامنے انسان پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اسے اختیارات کی یہ امانت سونپ دی تھی۔ اب انسان کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو اس امانت کا اہل ثابت کرے اور اپنے اس عہدۂ نیابت کی لاج رکھے۔ اور جس طرح باقی کائنات مجبوراً حق تعالیٰ کے قوانین کی پابند ہے، اس طرح انسان اپنی مرضی اور اختیار سے اللہ کے احکام کی پابندی کرے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ یوسفؑ میں حضرت یوسفؑ کی زبانی فرماتا ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (۱۲ : ۴۰)

ترجمہ: نہیں ہے حکم مگر واسطے اللہ کے

اللہ کے سوا اور کسی کا حکم ہے ہی نہیں۔ حکم دینے کا اختیار صرف اسی کی شان کے شایان ہے، اور کوئی اس قابل نہیں۔ اس لیے صرف اسی کا حکم ماننا اور بجا لانا چاہیے۔ سورۃ المائدہ میں فرماتا ہے

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (۵ : ۵۰)

ترجمہ: اور یقین کرنے والی قوم کے لئے حکم میں اللہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے؟

اللہ کا حکم اس لیے احسن ہے کہ وُہ جو بھی حکم دیتا ہے، اس میں ہماری بہتری پنہاں ہوتی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم اس کی مصلحت سمجھنے سے قاصر ہوں۔ بسا اوقات معمولی فوری فائدہ کے مقابلہ میں آئندہ کی بہت زیادہ بہتری ہوتی ہے۔ مگر ہم چونکہ فوری فوائد کے پیچھے بھاگنے والے اور جلد باز ہیں۔ اس لیے ہم گھبرا جاتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ اس حکم میں اجتماعی فائدہ مضمر ہوتا ہے اور بظاہر انفرادی فائدہ نظر نہیں آتا۔ حالانکہ تمام انفرادی فوائد اجتماعی فوائد کے تابع ہیں اور اجتماعی فوائد کا مطلب ہی یہ ہے کہ انفرادی فوائد کو آسان اور عام کیا جائے۔

جب جماعت کامیاب ہوتی ہے تو اس کا فائدہ اِس جماعت کے ایک ایک فرد کو حاصل ہوتا ہے۔ جماعت نام ہی افراد کے مجموعے کا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت :

جہاں تک اللہ سے محبت کا تعلق ہے، اللہ کی محبت ہی نہیں بلکہ اشد محبت ایمان کا نشان ہے۔ سُورۃ البقرہ میں فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲ : ۱۶۵)

ترجمہ : اور جو لوگ ایمان لائے ان کی محبت اللہ سے بہت شدید ہے

اور اللہ سے شدید ترین محبت کیوں نہ ہو جبکہ انسان کا وجُود، اس کی بدنی، عقلی اور روحانی زندگی کا لمحہ اور ہر مرحلہ پر اس کی تربیت اور نشوونما حق تعالیٰ ہی کی مرہُون منت ہے۔ اس کا قیام اور بقا اسی کی نظرِ کرم کا محتاج ہے۔ ہر ضرورت کی چیز اُس نے مُہیا کر رکھی ہے۔ ہر چیز وہ خود دیتا ہے۔ پھر اس کے اچھے استعمال پر خواہ وُہ اپنے اوپر ہو یا دوسروں پر انعام دیتا ہے عمل کی سمجھ بھی خود دیتا ہے، توفیق بھی خود دیتا ہے اور پھر اس پہ اجر بھی خود دیتا ہے۔ اپنی ربوبیت رحمت اور عدل سے ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ پھر اس کے ساتھ محبت نہ ہو تو کس سے ہو دوسروں کی محبت سے منع نہیں فرمایا۔ بے شک اوروں سے محبت ہو۔ اولاد سے، بیوی سے، والدین سے، بہنوں بھائیوں سے، وطن سے۔ سب سے محبت ہونی چاہیئے۔ مگر یہ ساری محبتیں اللہ کی محبت کی تابع ہوں۔ بیٹوں سے محبت ہو۔ لیکن اگر کبھی انہیں اللہ کی راہ میں قربان کرنا پڑے تو بخوشی کر سکے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی طرح بیٹے کے مقابلہ میں تلوار کھینچ کے اسکے۔ دولت ہو لیکن جب اللہ کی خوشنودی کے لیے اس دولت کو بہا دیا تبلیغ میں خرچ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو بِلا توقف اِسے پیش کر سکے۔ جیسے حضرت صدیقؓ نے اپنی تمام دولت حضورؐ کے

قدموں میں لا کے ڈال دی تھی۔ اللہ کی راہ میں وطن چھوڑنا پڑے تو چھوڑ سکے۔ عزیز و اقارب اور احباب کو خیر باد کہہ سکے۔ اللہ سے ایسی محبت ہو تو پھر ایمان کا دعویٰ پورا ہوتا ہے اور ایسے ایمان والوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں وہ بھی پورے ہوتے ہیں۔ خیر القرون کی تاریخ اس پر شاہدِ عدل ہے۔

اللہ کی عبادت :

اب رہ گئی اللہ کی عبادت اور اس کا ذکر و فکر۔ اس کے متعلق تو کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ عبادت پر زور ہے اور ایک جگہ جنوں اور انسانوں کی پیدائش کا مقصد ہی عبادت بتایا گیا ہے :-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝

ترجمہ : اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں

اسی طرح قرآنِ پاک میں ذکر و فکر پر بھی بار بار زور دیا گیا ہے۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرو اور اس کی آیات میں غور کرو۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا :-

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ ....

.... فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳ : ۱۹۰، ۱۹۱)

ترجمہ : بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں ضرور عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ وہ جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (غور و) فکر کرتے ہیں۔

یہ غور و فکر خود بھی عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا دھیان رہتا ہے اور دوسری عبادتوں کے لیے محرک بھی ہے۔ عبادت تبھی آسان ہوتی ہے جب معبود کی قدرت و عظمت اور اُس کا خوف و خشیت دل و دماغ پر مستولی اور غالب آ جائے۔

شکر و صبر :

آخری چیز شکر و صبر ہے۔ جن کا تعلق زندگی کے متعلق انسان کے طرزِ عمل سے ہے شکر و صبر وہ پَر ہیں جو بہت جلد اللہ کے قریب لے جاتے ہیں۔ ان سے انسان کی طبیعت بشاش اور مضبوط رہتی ہے۔ زندگی کا راستہ بطریقِ احسن کٹ جاتا ہے۔ ذہنی اور روحانی ترقی کی منازل جلد سے جلد طے ہو جاتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہی مردانہ اور دلیرانہ طرزِ عمل ہے۔ اللہ کی

نعمتوں کا تو شمار ہی نہیں۔ پھر شکر کیوں نہ ہو، اور ہو تو کیونکر ادا کیا جا سکے اور یہی چیز ہے جسے بہت کم لوگ اختیار کرتے ہیں۔

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (السبا)

ترجمہ: اور میرے بندوں میں بہت تھوڑے شکر گذار ہیں

جب سورۃ الفتح کی آیت نازل ہوئی جس میں حضورؐ کے پہلے اور پچھلے تمام گناہوں کی معافی کا اعلان تھا تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا: حضور! اب آپ کو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

ایک بار حضورؐ نے فرمایا۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہو تاکہ اللہ کا شکر کروں اور دوسرے دن فاقہ رہے تاکہ صبر کروں۔

قرآنِ پاک میں صبر کو بڑے حوصلے کا کام کہا گیا ہے اور صبر کرنے والوں کے لئے بے حساب اجر کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

ہماری دنیاوی زندگی امتحان ہے اور ہمیں یہاں جو واقعات پیش آتے ہیں۔ اُن سے ہماری آزمائش مقصود ہے۔ اگر مشکل حالات میں ہم ثابت قدم اور پُرہمت رہیں، نہ مایوس ہوں نہ گھبرائیں اور اچھے حالات میں ہمارا دماغ خراب نہ ہو۔ نہ ہم شیخی بگھاریں اور نہ ہی ہمارے اندر غرور پیدا ہو۔ پھر ہماری کامیابی ہی کامیابی ہے۔

صبرِ و شکر کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک فوجی ملازم کو جو اپنی روزمرہ کی ڈیوٹی اور پریڈ کرتا رہے باقاعدہ تنخواہ ملتی رہتی ہے۔ مگر حالاتِ جنگ میں خطرناک حالات میں ثابت قدمی اور وفاداری کا ثبوت دے تو وہ تمغوں کا مستحق ہوتا اور مقربین میں سے بن جاتا ہے۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کی راہ میں حق کی خاطر مشکلات کو برداشت کرنے کا ہے جس سے سالوں کی منازل منٹوں میں طے ہو جاتی ہیں۔

حضرات! صبر و شکر سے اِس امتحان میں بآسانی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے بشرطیکہ انسان اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ اس سے محبت رکھے۔ اس کے احکام کا پابند رہے اور ذکر و فکر اور عبادت سے اُس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

حقوق العباد

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی - اما بعد - فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ

(۴ : ۳۶، ۳۷)

ترجمہ : اور عبادت کرو اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو - اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور اپنے زیردستوں کے ساتھ یقیناً اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا شیخی باز ہو - ایسے لوگ جو خود بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیں اور جو کچھ اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے ، اُسے چھپائیں -

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَنْ كَانَتْ لَهٗ مَظْلَمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَيْءٌ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهٖ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ -

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، سے روایت ہے - رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - جس شخص نے اپنے کسی مسلم بھائی کی آبرو یا کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو ، اُسے چاہیئے کہ آج اس سے معاف کرالے - قبل اس کے کہ (اس کے پاس) درہم و دینار نہ رہیں - کیونکہ (بروزِ قیامت) اگر اس کا کوئی عمل صالح ہوگا تو اس میں سے اس کے ظلم کے برابر لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی -

(صحیح بخاری)

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ ہی سے ایک اور روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں سے مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ سامان و اسباب۔ حضورؐ نے فرمایا: قیامت کے دن میری اُمت میں سے مفلس وہ شخص ہوگا جو دُنیا سے نماز، روزہ، زکوٰۃ لے کر آئے گا اور ساتھ ہی کسی کو گالی دینے، کسی پر تہمت لگانے، کسی کا مال کھا جانے، کسی کو ناحق مار ڈالنے کے گناہ بھی لائے گا۔ پھر ہر مظلوم کو اس کی ان نیکیوں میں سے کچھ حصّہ دے دیا جائے گا۔ جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور لوگوں کے حقوق پھر بھی باقی رہ جائیں گے تو ان کی برائیاں اور گناہ اِس پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اُس کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

تمام عُلماء کے نزدیک یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ حقوقُ العباد اُس وقت تک معاف نہیں ہو سکتے جب تک وہ لوگ خود انہیں معاف نہ کریں جن کے حقوق غصب کیئے گئے ہوں۔

حقوقُ العباد میں سے پہلا حق یہ ہے کہ دوسروں کی عزت و آبرو کا احترام کیا جائے، اُسے گزند نہ پہنچائی جائے۔ دوسرا حق یہ ہے کہ کسی کی جان نہ لی جائے۔ سوائے اس کے کہ باقاعدہ جنگ ہو یا کسی جرم کی باقاعدہ سزا دینے کے حکم کو بروئے کار لانا۔ یہ دونوں صورتیں مستثنیات میں سے ہیں۔ تیسرا حق یہ ہے کہ کسی کا مال ناحق نہ کھائے۔ چوتھا حق یہ ہے کہ کسی انسان کو حقیر نہ جانے اور پانچواں حق یہ ہے کہ جو اشخاص ابتدائی معاشی ضروریات سے محروم ہیں اُن کی مدد کرے اور جو معاشی بدحالی کے چکر میں پھنس گئے ہیں ان کو پاؤں پر کھڑا کرنے کی کوشش کرے۔

حجۃُ الوداع میں حضورؐ نے جو بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اِس میں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی فرمایا۔

"لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تم اس دن میں، اس مہینے میں اور اس شہر میں قتل و غارت گری کو حرام سمجھتے ہو۔" (صحیح مسلم)

لوگ حج کے مہینے میں ویسے ہی قتل و غارت گری سے ہاتھ روک لیتے تھے۔ پھر عرفہ کا دن خاص طور سے متبرک سمجھا جاتا تھا۔ مکہ معظمہ اسلام سے پہلے بھی بیتُ الحرام تھا۔ اِنسانی جان تو بڑی چیز ہے، وہاں کسی جانور تک کو مارنا ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ اور اب بھی یہی حکم ہے۔ اس طرح حضورؐ نے بات کی اہمیت واضح کی کہ جیسے اِس ماہ میں، اِس دن میں، اس شہر میں کسی کی جان یا مال لینا ممنوع سمجھتے ہو، اسی طرح ساری عمر ہر جگہ دوسروں کی جان یا مال لینا ممنوع سمجھو۔

کسی کی عزت پر حملے کا معصومانہ طریق اس کی عدم موجودگی میں اس کے عیوب بیان کرنا ہے

جسے غیبت کہتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں اسے مُردہ بھائی کا گوشت کھاتے سے تعبیر کیا گیا
ہے اور ساتھ ہی غیبت کے محرکات یا اس کے تمہیدی گناہوں بدگمانی، تجسس اور عیب جوئی
سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح قرآنِ پاک نے چغلی کھانے کو بھی منع فرمایا ہے چغل خور
دراصل دو آدمیوں یا دو قوموں میں فساد کی آگ بھڑکاتا ہے۔ اسی لئے حضورِ اکرمؐ کا
فرمانا ہے کہ چغل خور جنت میں نہیں جائیں گے (بخاری و مسلم)

اِسی سے اندازہ کر لیجئے کہ غیبت کتنا بڑا جرم ہے۔ ہم اسے معمولی بات سمجھ کر
دن رات اِس میں لگے رہتے ہیں اور ہمیں ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا کہ ہم کوئی جرم کر رہے
ہیں۔ مسند ابوداؤدؒ میں حضرت سعیدؓ بن زید سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا: "سب سے بڑا سُود مسلمان کی عزت و ناموس پر ناحق حملہ ہے۔" اب
یہ بھی خیال فرمائیے کہ قرآنِ پاک میں سُود کھانے والوں کو اللہ اور جناب رسول پاکؐ سے
لڑائی کے لیے تیار ہو جانے کو کہا گیا ہے۔ گویا سُود خور اللہ اور جنابِ رسول پاکؐ کا باغی
ہے۔" اور غیبت گو اس سے بھی بدتر ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے اور اپنے دلوں کو ٹٹولا جائے تو غیبت کا باعث حسد، یا
کینہ یا عداوت ہوتا ہے۔ اگر دوسروں سے دل صاف ہو، تو انسان بالعموم ان کی بُرائی
نہیں کرتا، نہ ان کی بُرائی سنتا ہے۔ اِس لیے غیبت سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ انسان
عفو و درگزر کا شیوہ اختیار کرے۔ دوسروں کا دلی خیر خواہ رہے اور ان کے متعلق نیک
گمان رکھے۔ یہی اصل مسلمانی ہے اور حضورؐ نے انہی باتوں کو ایمان کی نشانیاں بتایا ہے۔
صحیحین کی ایک حدیث ہے۔ جریرؓ کہتے ہیں۔ میں نے تین باتوں پر حضورؐ کی بیعت
کی۔ نماز، زکوٰۃ اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر۔

انسؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا: بندہ اُس وقت تک مومن نہیں ہوتا، جب تک
اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے، جیسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے (بخاری و مسلم)

خیال فرمائیے کہ کسی میں جو عیب موجود ہیں، انھیں اس کی عدم موجودگی میں بیان کرنا
اتنا بڑا گناہ ہے اور مُنہ پر کسی کو بُرا کہنا بھی اللہ کو ناپسند ہے۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَہْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ط (۴ : ۱۴۸)

ترجمہ: اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ بری بات کو علانیہ کہا جائے، سوائے اس

کے جس پر ظلم کیا جائے۔

تو جو عیب کسی میں نہ ہو، اُس سے اُسے متہم کرنا کتنا بڑا گناہ ہوگا۔ بہتان یا افترا پردازی بدترین جرائم میں سے ہے اور اس سے دُور دُور رہنا چاہیئے۔ پوری تحقیق اور ثبوت کے بغیر کسی پر اس کی موجودگی یا عدم موجودگی میں قطعاً کوئی الزام نہیں لگانا چاہیئے اور اس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ کیونکہ جو شخص دوسروں کو رسوا کرتا ہے، اللہ اُسے رسوا کرتا ہے۔

کسی کی عزت و ناموس پر ہاتھ ڈالنا بھی بدترین قسم کی بُرائی ہے۔ اسی لیے اگر ایک شخص دوسرے پر زنا کی تہمت لگائے تو اُس کو چار چشم دید گواہوں سے یہ ثابت کرنا ہوگا ورنہ قرآنِ پاک نے اُس کے لیے اسیّ کوڑوں کی سزا تجویز فرمائی ہے۔ حضورؐ نے مومن کی تعریف ہی یہ فرمائی کہ جس سے دوسروں کی عزت آبرو، جان اور مال محفوظ رہیں۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ (۱۷ : ۳۲)

ترجمہ : اور زنا کے قریب تک نہ جاؤ۔ یقیناً وُہ بے حیائی ہے اور بُرا راستہ ہے

جہاں تک جان کا تعلق ہے، ہر شخص کی جان ایک مقدس امانت ہے، جسے وہ خود بھی ضائع نہیں کر سکتا۔ جان لینا صرف حق تعالیٰ ہی کا خاص حق ہے، فرماتے ہیں :-

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ (۱۷ : ۳۳)

ترجمہ : اور نہ قتل کرو کسی جان کو جسے حرام کیا ہے اللہ نے مگر ساتھ حق کے۔

دوسری جگہ فرمایا :-

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝ (۴ : ۹۳)

ترجمہ : اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو جان بوجھ کر اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اس کے لیے اللہ نے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

گویا مومن کے قتلِ عمد کی سزا ابدی جہنم ہے۔ اور ہمارے ہاں قتل کرنا بہت معمولی کام سمجھا جاتا ہے۔ ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ ایسا عمل ہے جس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی عاقبت خراب ہو جاتی ہے۔

عزت و آبرو اور جان کے بعد تیسری چیز مال ہے۔ حق تعالیٰ کے نزدیک اس مال کو جس پہ اپنا حق نہ ہو لینا اتنی برائی ہے کہ اس نے حکم فرما دیا کہ جو ہاتھ کسی دوسرے کے مال کی طرف بڑھے جس پر اس کا کوئی حق نہیں اسے کاٹ دو۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ط

(۵ : ۳۸)

ترجمہ: اور چوری کرنے والے مرد و زن دونوں کا ہاتھ کاٹ دو (یہ) بدلہ ہے اس چیز کا جو کمایا انھوں نے تاکہ عبرت ہو اللہ کی طرف سے

آج بدقسمتی سے معاشرہ کی یہ حالت ہو چکی ہے کہ معاشی برائیاں رسوائی اور ذلت کی بجائے جھوٹے وقار کا ذریعہ بن چکی ہیں۔ حضورؐ کی نظروں میں جائز مال کا یہ احترام ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے اس کو حضورؐ نے شہید فرمایا ہے دوسری طرف حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو مال کسی نے چرایا ہوگا وہ قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگا۔

حضرات! اب تک حقوق العباد میں سے پہلے تین حقوق کے متعلق کچھ مختصراً عرض کیا گیا ہے۔ وہ حقوق یہ ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک دوسروں کی عزت و آبرو، جان اور مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ آیئے ہم اپنے اندر نظر ڈالیں کہ ہم کس حد تک اپنے ان فرائض سے عہدہ برآ ہوتے اور کس حد تک دوسروں کے ان حقوق کا خیال رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں فرمایا ہے ــــــــــ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط

(۴۹ : ۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! تحقیق ہم نے پیدا کیا ہے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنایا ہے تمھیں کنبے اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اس آیت کی رو سے خاندان، قبیلہ، نسل، رنگ وغیرہ کے تفاخر کو یکسر ختم کر دیا اور تمام بنی نوع انسان کی بطور انسان مساوات کا اعلان فرما دیا۔ اب برتری کا صرف ایک ہی معیار ہے ــ تقویٰ۔ پرہیزگاری، برائی سے بچنا۔ نیکی کا ذوق طبیعت میں رچ جانا

دوسرے لفظوں میں وہی معزز ہے جو دوسروں کے لیے زیادہ منفعت رساں ہے اور وہ ذلیل ہے جو دوسروں کے لیے مضرت رساں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انسان کے لیے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر و ذلیل جانے"۔ (صحیح مسلم)

حضور کا ایک اور ارشاد ہے کہ "جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا"۔ (صحیح مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے ہے۔ افراد اور اقوام میں بہت سی خرابیاں صرف دوسروں کو حقیر سمجھنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی باعث انسان ان سے متکبرانہ انداز میں بات کرتے ہیں۔ ان کی جائز ضروریات سے اعراض کرتے ہیں ان کے حقوق غصب کرتے ہیں۔ ان پر دست درازی کرتے ہیں۔ پھر اس کے جواب میں دوسرے بھی یا تو کھلم کھلا معاندانہ اور منتقمانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور یا انتقام کی آگ آہستہ آہستہ ان کے اندر اسلگتی رہتی ہے جو بعد میں کسی وقت بھڑک اٹھتی ہے۔ جس سے کوئی خونیں انقلاب بپا ہو جاتا ہے۔ یا یہ جذبہ مختلف جرائم کی صورت میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ سارا معاشرہ شر و فساد کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

مساوات انسانی پر جتنا زور دیا جائے کم ہے۔ کیونکہ خدائے واحد پر ایمان کے بعد سب سے بڑا درجہ اسی نظریہ کا ہے اور اسلام کو اس بات پر فخر ہے کہ اس نے دنیا کو نہ صرف زبانی یہ نظریہ دیا بلکہ اسے عملاً پیش کیا۔ آج بھی دنیا میں جہاں جہاں مسلمان ہیں اُن کے معاشروں میں رنگ و نسل کا کوئی مسئلہ نہیں۔ دوسری طرف مغربی تہذیب کے علمبرداروں کے ہاں آج بھی یہ مسئلہ بارہا خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے کسی مسلم ملک میں جاکر دیکھیے حضور اکرم کے طفیل مسجدوں میں سب لوگ خواہ وہ کسی رنگ، نسل یا ملک سے تعلق رکھتے ہوں کندھے سے کندھا ملائے اکٹھے کھڑے نظر آئیں گے۔ مسجد میں اگر کوئی شخص پہلے پہنچ گیا ہے تو دوسرا خواہ وہ مرتبہ یا دولت کے لحاظ سے کتنا ہی خوش قسمت کیوں نہ ہو، اسے اٹھا نہیں سکتا۔ نہ اُس کی جگہ لے سکتا ہے۔ یہاں تک کہ مسجد میں کسی کے لیے تعظیماً کھڑا ہونا بھی اچھا نہیں قرار دیا گیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی دنیا میں مسلمان بنیادی انسانی حقوق کے احترام کے لحاظ سے دوسروں سے کہیں بلند نظر آتے ہیں۔

اسلام کے معاشرتی نظام میں ملازمین اور خدمت گذاروں سے مساوات کا سلوک روا

رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ہمسایوں کے ساتھ باہمی ہمدردی اشتراکِ عمل اور تعاون کے متعلق ایسی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں کہ صحابہ کو گمان گذرتا تھا کہ ہمسائے کے حق میں وراثت کی آیات نہ نازل ہو جائیں۔

حقوق العباد میں سے آخری حق یہ ہے کہ معاشرہ کے وہ افراد جو اقتصادی لحاظ سے ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں۔ انھیں ضروریاتِ زندگی بہم پہنچائی جائیں اور جو وقتی طور پر معاشی بدحالی کا شکار ہوں، انھیں ان کے پاؤں پر کھڑا کر دیا جائے۔ زکوٰۃ اور صدقات کا یہی مقصد ہے۔ حضورؐ نے زکوٰۃ کی یہی تعریف فرمائی کہ ان کے اغنیاء سے لی جائیگی اور ان کے فقراء پر لوٹا دی جائے گی۔"

قرآنِ پاک کا ارشاد ہے :

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ

ترجمہ : اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہے

سائل وہ ضرورت مند ہے جو سوال کرے۔ اور محروم وہ ہے جو ضروریاتِ زندگی سے محروم ہے۔ مگر مُنہ سے سوال نہیں کرتا۔ فرمایا کہ مومنوں کے اموال میں ان کا بھی حق ہے۔ اگر وہ ان کو دیتے ہیں تو ان کا حق دیتے ہیں، ان پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ خاک نشینوں کو اٹھانے اور یتیموں پر شفقت کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ

ترجمہ : ہرگز نہیں۔ مگر تم یتیم کی عزت نہیں کرتے، اور مسکین کو کھانا کھلانے کی طرف رغبت نہیں کرتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی ہے۔ "جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا، اس بستی سے اللہ کی حفاظت و نگرانی کا ذمہ ختم ہوا"

(مسند امام احمدؒ)

علاوہ ازیں والدین اور پڑوسیوں کا خاص حق ہے۔ حق تعالیٰ نے ہر جگہ اپنی عبادت کا ذکر کرنے کے بعد حاضرین سے حسنِ سلوک کا بیان فرمایا ہے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے "ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے والدین سے حسنِ سلوک کرے، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے اور اپنے عہد کا پابند رہے۔ خواہ وہ نیک سے ہو یا بد سے"۔

قرآنِ پاک میں رشتہ دار پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے کا بھی جگہ جگہ ذکر ہے۔ حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جبرائیلؑ مجھے ہمیشہ ہمسایوں کا حق ادا کرنے کے متعلق کہتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ میں نے خیال کیا وہ وراثت میں حصہ دار بنا دیئے جائیں گے۔ (صحیحین)

حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ شخص (صحیح طور سے) ایمان نہیں لایا جس کے پڑوسی اُس کی بُرائیوں سے محفوظ و مامون نہ ہوں۔ (صحیحین)

اِسلام کی پاکیزہ تعلیم کا تصور کیجئے۔ اگر اس ایک ہی مسئلہ پر عمل ہو جائے کہ کوئی آدمی دوسرے کی جان و مال یا عزت و آبرو کے درپے نہ ہو بلکہ اُس کو اپنی طرح انسان سمجھ کر اُس کی مشکلات میں اس کا ہاتھ بٹاتا رہے۔ تو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک امن و امان قائم ہو جائے اور دُنیا جنت نشاں بن جائے

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اسلامی تعلیم و اخلاق سے آراستہ کرے۔ (آمین)

حقوقِ والدین و زوجین و اولاد

الحمدُ للهِ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہِ الذین اصطفیٰ - امابعد - فاعوذ باللہِ من الشیطٰنِ الرجیم - بسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیمِ ۝

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَا اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ۝ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِکُمْ ؕ اِنْ تَکُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّہٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ۝ (۱۷ : ۲۳ تا ۲۵)

ترجمہ : اور حکم کیا تیرے ربّ نے کہ نہ عبادت کرو مگر اسی کی اور احسان کرو والدین سے اگر تیری موجودگی میں ان دونوں میں سے ایک یا دونوں کبر سنی کو پہنچیں تو انہیں اُف تک نہ کہہ نہ ان سے سخت لہجہ میں بات کر۔ بلکہ ان دونوں سے ادب کے ساتھ بات کر۔ اور جھکا دے ان دونوں کے لیے بازو عاجزی کا رحمت سے۔ اور کہہ : اے میرے رب ! ان دونوں پر رحمت کر جیسے انھوں نے مجھے چھوٹا سا پالا۔ جو کچھ تمہارے دلوں کے اندر ہے۔ اسے تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ اگر تم اپنی اصلاح کرنے والے ہو جاؤ گے تو یقیناً وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا ۝ (۱۷ : ۳۱)

ترجمہ : اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے۔ ہم رزق دیتے ہیں انہیں اور تم کو بھی بے شک ان کا قتل بہت بڑی خطا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ

بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ (۱ : ۴)

ترجمہ : اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائے۔ ڈرو اللہ سے جس کے نام پر تم سوال کرتے ہو۔ اور ڈرو قرابت سے (یعنی قرابت کے حقوق کا پاس کرو) یقیناً اللہ تم پر نگہبان ہے (تمھارے اعمال پر اس کی نظر ہے)

حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاں کہیں اپنے حقوق کا ذکر فرمایا ہے۔ ساتھ ہی والدین کے حقوق کے متعلق بھی ارشاد فرما دیا ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں اگر حق تعالیٰ کی بے مثال ربوبیت اور رحمت کی کوئی تھوڑی بہت مثال مل سکتی ہے، تو وہ والدین کے سلوک ہی میں مل سکتی ہے بالخصوص والدہ کے سلوک میں۔ جیسے حق تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کو ہر مرحلہ پر اس کے قیام و بقا اور اس کی ترقی و نشو و نما کے لئے مناسب اور ضروری سامان و اسباب مہیا کرتے ہیں، اسی طرح والدین بھی اپنے بچہ کو ہر مرحلہ پر اس کی ضرورت اور نشو و نما کے لیے ایسے مناسب اور ضروری سامان مہیا کرتے ہیں۔ جن سے اس کی زندگی بھی قائم رہے اور وہ ترقی کے مراحل بھی طے کرتا چلا جائے۔ پہلے تو ماں بچہ کو جب وہ اس کے پیٹ میں ہوتا ہے اپنے خون اور غذا کے علاوہ محبت اور شفقت کے جذبات سے بھی اس کی پرورش کرتی ہے۔ حالانکہ اسے اس دوران میں خاصی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن وہ اسی تکلیف کو راحت سمجھتی ہے۔ اس کی فطری مامتا کے باعث اسے یہ تکلیف کبھی گراں نہیں گزرتی۔ پھر بچہ کی پیدائش کے وقت اسے جس تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ لیکن ادھر بچہ پیدا ہوا اور ادھر ساتھ ہی ماں کے لبوں پر تبسم نمودار ہوا۔ بچے کو دیکھتے ہی اس کی تمام کلفتیں فوراً دور ہو گئیں۔ پھر دودھ پلانے کا وقت آیا۔ جیسے جیسے بچہ کی ضرورت بدلتی گئی ماں کے دودھ میں تبدیلی آتی گئی پہلے دودھ پتلا اور زود ہضم تھا۔ پھر گاڑھا اور زیادہ طاقت بخش ہوتا چلا گیا۔ ساتھ ہی ماں نے دودھ کے علاوہ اور مناسب غذائیں مناسب مقدار میں دینی شروع کر دیں۔ باتیں سکھانی بھی شروع کر دیں۔ عادتیں سنوارنے کا کام بھی اپنے ذمہ لے لیا حفاظت اور نگہبانی تو خیر پہلے دن سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ باپ کے فرائض الگ ہیں۔ وہ ماں اور بچے کو تحفظ مہیا کرتا ہے۔ معاش و لباس کے لیے باہر سے کما کے لاتا ہے۔ کہ یہ بھی تحفظ ہی کی ایک صورت ہے۔ اس کی وجہ سے گھر کا قیام ہے اور گھر ایک ادارے کی صورت

میں قائم ہے، جس کے اندر بچہ کو مختلف سہولتیں حاصل ہیں۔ جوں جوں بچہ بڑا ہوتا ہے اس کی تعلیم اور تربیت اور تحفظ آہستہ آہستہ ماں کے ہاتھوں سے نکل کر باپ کے ہاتھوں میں آتے جاتے ہیں۔

سورۂ لقمانؑ میں فرماتے ہیں :

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ (۳۱ : ۱۴)

ترجمہ : اور ہم نے وصیت کی انسان کو والدین (سے حسنِ سلوک) کی۔ اٹھائی ہے اس کی ماں اسے کلفت پر کلفت سے اور اس کا دودھ چھڑانا ہے دو برس میں۔ کہ شکر بجالا میرا اور اپنے والدین کا۔ (آخر میں) میری طرف لوٹ کے آنا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ حضورؐ نے تین بار "غبار آلودہ ہو اس کی ناک" فرمایا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کی ناک ؟ آپؐ نے فرمایا: اُس شخص کی، جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک یا دونوں کو پایا اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔ (یعنی اُن کی خدمت کر کے)۔

طبریؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین باتیں ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو معافی نہیں دی۔

۱ - والدین کے ساتھ حسنِ سلوک میں، خواہ وُہ نیک ہوں یا بد۔
۲ - عہد پورا کرنے میں خواہ وہ نیک کے ساتھ ہو یا بد کے۔
۳ - امانت ادا کرنے میں خواہ وہ نیک کی ہو یا بد کی۔

شرک ظلم عظیم ہے اور اس کے مرتکب کے لیے مغفرت کے دروازے بالکل بند ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ کی مغفرت کا دامن بہت وسیع ہے۔ سورۂ لقمانؑ میں والدین کے بارے میں جہاں اور باتیں فرمائیں وہاں یہ بھی فرمایا کہ اگر وُہ شرک کرنے کے لیے اصرار کریں تو ان کی بات نہ مان۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اس کے باوجود

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا

ترجمہ : مگر ساتھ دے ان کا دنیا میں اچھے طریق سے

حضورؐ کا جو ارشاد میں نے ابھی پیش کیا ہے، وہ گویا اسی آیت مبارک کی تفسیر ہے۔

قرآنِ پاک میں جہاں کہیں خرچ کرنے کے متعلق فرمایا، والدین کو سرِ فہرست رکھا۔ جو کچھ بھی انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اس میں سے سب سے پہلے والدین کا حق ہے شروع میں میں نے جو آیت پڑھی تھی، اُس میں کس خوبی سے یہ یاد دلا کر، کہ انھوں نے تجھے چھوٹے سے کو پالا تھا، والدین کی خدمت پر رغبت دلائی ہے۔ اور خدمت کے ساتھ ساتھ ان کے حق میں دُعا کے لیے بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی اِن پر رحمت فرمائیں۔ دُعا ایسی سکھائی کہ اِس سے بچپن اور شیر خوارگی کے حالات سامنے آگئے، جب انسان بالکل بے بس تھا۔ ان دنوں والدین نے اس کے لیے جو تکلیف اُٹھائی تھی، وُہ نظر کے سامنے رہا۔ جس سے بڑھاپے میں جب والدین کمزور اور بے بس ہوئے، ان کی خدمت آسان ہوگئی۔

حقوقِ والدین کے بعد حقوقِ اولاد ہیں، اولاد ہی کے ذریعے نسلِ انسانی قائم ہے اور اولاد ہی سے انسانی ترقی آگے چلتی ہے۔ یعنی والدین کے خصائص کا نچوڑ اولاد میں جاتا ہے اور پھر والدین کے ماحول میں پرورش پانے سے بچہ والدین کے رنگ میں اور زیادہ رنگا جاتا ہے۔ انسانیت کی مسلسل ترقی کا اس سے بہتر طریق اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ چونکہ نسلِ انسانی کے ذریعہ انسانیت کی بقا اور ترقی ضروری تھی۔ اِس لیے ہر انسان کی فطرت میں قوی جنسی جذبہ اور اولاد کی شدید محبت رکھ دی، تاکہ کسی پر یہ چیز گراں نہ گزرے۔ اور چونکہ یہ جذبہ ہر شخص کی جبلت میں داخل ہے، اِس لیے اس کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی کسی کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اولاد پیدا کرو۔ یا اپنی اولاد کو اچھی خوراک، اچھا لباس اور اچھی تعلیم و تربیت دو یا اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ ہر شخص خود بخود اس طرف مائل ہے۔ اور اِس سے اُسے خوشی حاصل ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ پاک میں جہاں خرچ کے مصرف گنائے گئے ہیں، وہاں اولاد کا ذکر نہیں۔ البتہ شروع میں جو دوسری آیت تلاوت کی گئی تھی، اِس میں یہ ضرور فرمایا گیا ہے کہ اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ اِنھیں بھی ہم رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ عرب میں دُختر کشی کا عام رواج تھا۔ اولادِ نرینہ کو تو کبھی کسی نے بُرا نہیں سمجھا۔ بلکہ اس پر ہمیشہ سے لوگ فخر کرتے آئے ہیں اور اسے اللہ کا انعام سمجھتے رہے ہیں۔ اِس لیے اولادِ نرینہ کے قتل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ فرما کہ "انہیں بھی ہم رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی" دُختر کشی سے بھی روکا۔ جب رزق اللہ کی طرف سے ہے، تو وہ اولاد کے لیے

اور رزق دے دیں گے۔ پریشان اور دل تنگ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ والدین تو محض واسطہ ہیں، دینے والے خود اللہ ہیں۔ جیسے شروع میں بچّہ کو ماں کے ذریعے خوراک پہنچتی ہے۔ اسی طرح بعد میں بھی والدین کے ذریعہ انھیں ضروریاتِ زندگی کا سامان پہنچتا رہتا ہے۔ والدین کا صرف یہ فرض ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے جہاں تک ہو سکے اپنے بچّوں کو اچھی اور صحت مند خوراک، اچھا لباس اور اچھی تربیت اور تعلیم دیں۔ اور اپنے بعد یہاں اپنے سے بہتر انسان چھوڑ جانے کی کوشش کریں۔

حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ! اللہ نے تم پر ماں کی اذیت رسانی لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا اور بخل و گدائی کو حرام کیا ہے نیز قیل و قال یعنی بے فائدہ گفتگو زیادہ سوال کرنے اور مال ضائع کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (صحیحین)

حضورؐ بچّوں سے بہت پیار فرماتے تھے۔ اور آپ نے دل میں بچّوں کا پیار ہونے کو اللہ کی رحمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں حضورؐ نے قریش کی نیک بخت عورتوں کو عرب کی عورتوں میں سے بہترین قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ فرمائی ہے کہ وہ چھوٹے بچّوں پر نہایت شفیق ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی محافظ اور امین ہوتی ہیں۔ اِس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔ جدید علم نفس کی رُو سے بھی بچّوں سے جتنا پیار کیا جائے کم ہے۔ صرف اِس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ پیار اس قسم کا نہ ہو جو ان کی عادات و اطوار بگاڑ دے۔ کیونکہ جب تک بچّہ کو محبّت اور تحفّظ کی فضا اور ماحول مہیّا نہ کیا جائے، اس کا اخلاق صحیح بُنیادوں پر استوار نہیں ہو سکتا۔

والدین اور اولاد کے حقوق کے بعد مناسب ہے کہ حقوقِ زوجین کے متعلّق بھی وضاحت کی جائے یعنی میاں بیوی کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں۔ اِنسانیّت کی بقا اور ترقی اچھی اولاد پر منحصر ہے۔ اور اولاد کا اچھا ہونا میاں بیوی کے طرزِ عمل اور ان کے باہمی تعلق پر مبنی ہے۔ کیونکہ اسی سے گھر کا ماحول بنتا ہے اور بچّے کی کردار سازی پر زیادہ تر اثر گھر کے ماحول ہی کا ہوتا ہے۔ اِس سلسلہ میں یہ ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ مرد اور عورت حیات کی برتر اور کمتر صورتیں نہیں بلکہ یہ زندگی کی دو مختلف اور تکمیلی صورتیں ہیں۔ اِن میں سے ہر ایک دوسری کی تکمیل کرتی ہے اور ہر ایک کو اپنی تکمیل کے لیے دوسری کی ضرورت ہے۔ چونکہ بچّے کو اپنی پرورش اور تربیت کے دوران ماں کی محبّت اور باپ کی حفاظت دونوں کی ضرورت ہے

اس لئے عورت کو ماں بننے کی صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں۔ اس میں ہمدردی، محبت اور ایثار جیسے اوصاف رکھے گئے ہیں۔ ساتھ ہی جذبات سے جلدی متاثر ہونا بھی اس کی طبیعت میں رکھ دیا گیا ہے۔ دوسری طرف چونکہ مرد کو اولاد کا محافظ بننا ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں جسمانی مشقت برداشت کرنے، جذبات کی رَو میں جلد نہ بہ جاتے اور تحمل اور خندہ پیشانی سے خطرات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیتیں رکھی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا دوسرے سے برتر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دونوں کے الگ الگ فرائض ہیں اور دونوں کے فرائض اپنی جگہ خاصے اہم ہیں۔ اس لیے مردوں کو مرد ہونے پر فخر ہونا چاہیئے۔ اور عورتوں کو عورتیں ہونے پر اور قدرت نے ان کے ذمہ جو فرائض سونپے ہیں ان کی بطریقِ احسن بجا آوری میں کوشاں رہنا چاہیئے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ

ترجمہ: اور اس بڑائی کی آرزو نہ کرو جو اللہ نے تم (مردوں اور عورتوں) میں سے بعض کو بعض پر دی ہے (۴ : ۳۲)

اس سے آگے فرماتے ہیں :-

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (۴ : ۳۴)

ترجمہ: مرد عورتوں پر اختیار رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے جو اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ نیز اس وجہ سے کہ وہ ان کے اخراجات برداشت کرتے ہیں (۴ : ۳۴)

آیت کے پہلے حصہ میں فضیلت کا ذکر نہیں، اختیار کا ذکر ہے۔ دوسرے حصہ میں جس انداز سے فضیلت کا ذکر ہے۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ سب مردوں کو سب عورتوں پر فضیلت حاصل ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ بعض عورتوں کو بھی بعض مردوں پر فضیلت ہوگی۔ ساتھ ہی مردوں کے عورتوں پر اختیارات رکھنے کی دوسری وجہ بھی فرمادی کہ وہ عورتوں کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ اور جو اخراجات برداشت کرے گا، اُسے خواہ مخواہ اختیارات حاصل ہو جائیں گے۔ یوں بھی گھر کا نظام چلانے کے لیے میاں بیوی دونوں میں سے کسی ایک کو یہ حیثیت حاصل ہونی ضروری ہے۔ کہ اختلاف رائے کی صورت میں اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہو۔ ورنہ دوعملی سے کوئی نظام نہیں چل سکتا اور گھر سکون و اطمینان سے

محروم ہو جاتا ہے اور اس کی فضا بچوں کی پرورش و تربیت کے لیے سمِ قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرماتے ہیں۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ (۲ : ۲۲۸)

ترجمہ : عورتوں کے لیے بھی ایسے ہی (واضح) حقوق ہیں جو مردوں کو ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو اُن پر درجہ حاصل ہے۔ (۲ : ۲۲۸)

قرآنِ پاک میں میاں بیوی کے تعلقات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (۲ : ۲۳)

ترجمہ : وہ (عورتیں) تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے لباس ہو۔

اور لباس انسان کے لیے پردہ پوش بھی ہے اور زینت بھی۔ عورت سے مرد کی زینت ہے اور مرد سے عورت کی زینت ہے۔ عورت سے مرد کی پردہ پوشی ہے اور مرد سے عورت کی۔

سورۂ رُوم میں فرمایا ————

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ (روم : ۲۱)

ترجمہ : اور اس اللہ کی آیات میں سے ایک یہ ہے کہ اُس نے پیدا کیں تُم (تمہاری جنس) میں سے تمہاری بیویاں تاکہ تم ان سے سکون پاؤ اور رکھ دی تمہارے درمیان مودّت اور رحمت

قرآنِ پاک میں ایک جگہ یہ دُعا سکھائی :

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ

ترجمہ : اے ہمارے رب عطا کر ہمیں اپنی ازواج اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک

میاں بیوی کے تعلقات کو ان دو ٹکڑوں میں اس طرح سمو کے رکھ دیا کہ بڑی بڑی ضخیم کتابیں بھی ان کی گرد کو نہیں پہنچ سکتیں۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ تمہیں بیوی سے سکون حاصل ہوتا ہے اور میاں بیوی کے تعلقات کو مودّت اور رحمت کے تعلقات فرمایا۔ اور دوسری آیت میں بیویوں کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے جانے کی دُعا تعلیم فرمائی گویا بیوی وہ ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، اس کی وجہ سے تسکین حاصل ہو اور میاں بیوی کے آپس میں محبت اور رحمت کے تعلقات ہوں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :-

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ

ترجمہ: تم میں سے بہتر وُہ ہے جو تم میں سے اپنے اہل کے لیے سب سے زیادہ اچھا ہے۔

سُورۃ النساء میں حق تعالیٰ نے چند لفظوں میں عورتوں کی نہایت جامع تعریف فرما دی ہے:-

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ (نساء: ۳۴)

ترجمہ: پس نیک بیبیاں وُہ ہیں جو فرماں بردار ہوں اور حفاظت کرنیوالی ہوں (شوہرن کی) عدم موجودگی میں ان چیزوں کی جن کی حفاظت اللہ نے اُن کے سپرد کی ہے۔

ابوامامہؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کا بندہ اللہ کے تقویٰ کے بعد اپنے لیے جو بہترین چیز انتخاب کرتا ہے وہ نیک بخت عورت ہے جسے وُہ کچھ کرنے کے لیے کہے تو وہ فوراً اس پر عمل کرے۔ اس کی طرف دیکھے، تو وُہ اُس کا دل خوش کرے اور وہ موجود نہ ہو تو اپنی عصمت اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ (ابن ماجہ)

خاوند کے ذمہ بیوی کے یہ حقوق ہیں کہ وُہ اس کے لیے نان ونفقہ مہیّا کرے اور اس سے حُسنِ سلوک رکھے۔ بیوی کے ذمّہ خاوند کے یہ حقوق ہیں کہ وہ اُس کی عدم موجودگی میں اپنی عصمت اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ گھر کے معاملات میں اس سے تعاون کرے اور اسے سکون واطمینان بہم پہنچائے۔ اُس کے لیے دل کی تسکین اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ تاکہ اس کا گھر جنّت کا نمونہ ہو اور اس کی اولاد کی پرورش وتربیت کے لیے بہترین ماحول مہیّا ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ماں باپ، اولاد اور ازواج کے حقُوق اچھے طریق سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

حقوق النفس

اَلحمدُ للہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ علیٰ عبادہٖ الذین اصطفٰی - امابعد - فاعوذ باللہِ من الشیطٰنِ الرّجیمِ - بِسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیمِ ٥

لَا یُکَلِّفُ اللہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ۭ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ٥ (۲:۲۸۶)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتے - جو کچھ کسی نے (نیک) کمایا اس کا (ثواب) اس کے لیے ہے - اور جو کچھ کسی نے (بد) کیا اس کا (وبال) اس پر ہے - اے ہمارے رب ! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں تو ہمیں نہ پکڑ - اے ہمارے رب ! ہم پر اس طرح بوجھ نہ رکھ جیسے تو نے ہم سے پہلوں پر بوجھ رکھا - اے ہمارے رب ! ہم سے وہ چیز نہ اٹھوا ، جس کی ہم میں طاقت نہیں - ہم سے درگزر کر ہم کو بخش دے ہم پر رحم کر - تو ہمارا سرپرست ہے - پس کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما -

سورۃ الاعراف میں حضورؐ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے ـــــــ

یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰىھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ ۭ ٥

ترجمہ : انہیں معروف کا حکم دیتے ہیں - ناپسندیدہ باتوں سے روکتے ہیں - ان کے لیے طیبات کو جائز قرار دیتے ہیں - اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان پر جو بوجھ اور طوق تھے ، وہ ان سے اتارتے ہیں -

انسان کے ذمہ کچھ اس کے اپنے حقوق بھی ہیں جنھیں حقوق النفس کہتے ہیں - پہلی چیز یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان اپنے تمام کام بدن ہی کے ذریعہ سرانجام دیتا ہے بدن ایک

حیرت انگیز کل یا مشین ہے، جس کے نئے نئے انکشافات سائنسدانوں کو روز بروز متحیر کر رہے ہیں۔ اگر بدن صحیح حالت میں نہ ہو تو اعلیٰ سے اعلیٰ خیالات یا بلند سے بلند جذبات کو بھی عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ اس لیے انسان کے ذمہ جو اپنے حقوق ہیں ان میں سے پہلا حق یہ ہے کہ وہ اپنے بدن کو اچھی حالت میں رکھے۔ اس کی صحیح غور و پرداخت کرے نہ اس قدر زیادہ کھائے کہ بدن بیماریوں کا شکار ہو جائے۔ نہ اس قدر کم کھائے کہ بدن کمزور اور لاغر ہو جائے۔ نہ چٹخارے کے لیے ایسی غذائیں کھائے جو معدے کے لیے نقصان دہ ہوں اور نہ نفس کشی کے لیے بدن کو قوت بخش غذا سے محروم کرے۔ بدن کو صاف ستھرا رکھے۔ جس سے وہ خود بھی چست اور چاق و چوبند رہے اور اسے دیکھنے والوں اور ملنے والوں کا جی بھی خوش ہو۔ اسے دیکھ کر یا مل کر دوسروں کی طبیعت منغص نہ ہو۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں۔ حضورؐ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے سر کے بال پراگندہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا اسے وہ چیز میسر نہیں، جس سے وہ اپنے بالوں کو درست کر سکے۔ پھر ایک شخص کو دیکھا جس کے کپڑے میلے تھے۔ فرمایا: کیا اسے وہ چیز میسر نہیں جس سے وہ اپنے کپڑوں کو دھو ڈالے۔ (احمد نسائی)

قرآنِ پاک میں لباس کو پردہ کی چیز اور زینت دونوں فرمایا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

يَا بَنِيٓ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ط (۷ : ۲۶)

ترجمہ: اے نبی آدم! بے شک ہم نے تمھارے لیے ایسا لباس اتارا ہے جو تمھاری پردے کی چیزوں کو ڈھانپتا ہے اور زینت ہے۔

اِسی سُورۃ میں چند اور آیات کے بعد فرماتے ہیں ——————

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط (۷ : ۳۲)

ترجمہ: کہہ دیجیے: کس نے حرام کی ہے اللہ کی زینت جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے اور رزق میں سے طیبات۔ کہہ دیجیے: یہ چیزیں اس دنیا کی زندگی میں ایمان لانے والوں کے لیے ہیں۔ (کافر تو ایمان والوں کی طفیل ان سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں) (اور) قیامت کے دن خالِصَۃً ان کے لیے ہوں گی۔

یہاں لباس کو صرف زینت فرمایا۔ نیز فرمایا کہ یہ چیزیں تو ہیں ہی ایمان داروں کے لیے

کافر تو ایمان والوں کی طفیل ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کیونکہ یہاں مومن و کافر ملے جُلے ہیں۔ ورنہ قیامت کے روز جب مومن و کافر جُدا جُدا ہوں گے۔ کافر اعلیٰ لباس اور اچھے رزق سے محروم ہوں گے البتہ اسراف و تبذیر سے بچنا اور اپنے حدود کے اندر رہنا ضروری ہے اور شریعت کی حدود سے تجاوز نہ کرنا بھی لازم ہے۔ سونے چاندی کے برتن رکھنے کی اجازت نہیں۔ مردوں کے لیے ریشم اور سونا پہننا ممنوع ہے۔ بڑے بڑے مکان بنانا مکروہ ہے ضرورت سے زیادہ مکانات، ضرورت سے زیادہ لباس کے جوڑے، ضرورت سے زیادہ برتن رکھنا ناپسندیدہ ہے۔

عمروؓ بن شعیب اپنے والد سے اور وُہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: "اللہ کو یہ بات بہت مرغوب ہے کہ اس کی نعمتوں کا اظہار اس کے بندوں پر ظاہر ہو۔" (مشکوٰۃ)

نعمتوں کا اثر لوگوں پر کیسے ظاہر کیا جائے؟ اسی طرح کہ اپنے وسائل کے مطابق اچھی خوراک کھائی جائے، اچھا لباس پہنا جائے اور اچھا رہن سہن اختیار کیا جائے۔ لیکن اسراف و تبذیر سے بچ کر۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں اس بات کو زیادہ واضح طریق سے بیان کیا گیا ہے۔

ابی الاحوصؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ وُہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کا لباس خراب و خستہ تھا۔ آپؐ نے پوچھا: کیا تیرے پاس مال ہے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: کس قسم کا مال ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ "اللہ نے مجھے ہر قسم کا مال عنایت فرمایا ہے۔ اُونٹ، گائیں، بکریاں، گھوڑے اور غلام سب کچھ ہے۔" حضورؐ نے فرمایا: "اللہ نے تجھے مال دیا ہے تو تُو اس کی نعمتوں کا اظہار بھی کر اور اس نے تجھے جو عزت دی ہے اسے نمایاں کر"۔ (مشکوٰۃ)

حضورؐ نے فرمایا: "جو شخص اللہ سے ڈرے، اس کے لیے دولت مندی بری چیز نہیں ہے۔ اور متقی کے لیے صحت دولت سے بہتر ہے۔ اور خوشحالی اور خوش دلی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔" (مشکوٰۃ)

ایک بار یہ بھی فرمایا کہ "اللہ کو قوی مومن کمزور کی نسبت زیادہ پسند ہے"۔ ظاہر ہے جو سپاہی یا کاریگر اپنی مشین کو اچھی حالت میں نہ رکھے وہ اپنے فرائض کو اچھی طرح سرانجام

نہیں دے سکتا۔ اسی طرح ہر اچھا انسان اپنے بدن کو اچھی حالت میں رکھے گا۔ تاکہ اللہ کی راہ میں اس سے زیادہ سے زیادہ کام لے سکے۔ دوسروں کی خدمت کر سکے اور خود کسی پر بوجھ نہ بنے۔

بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے۔ عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں حضورؐ نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو دن کو روزہ رکھتا ہے اور ساری رات عبادت کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا: ہاں، یا رسول اللہؐ۔ آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کر۔ روزہ بھی رکھ اور روزہ کو ترک بھی کر، رات کو عبادت بھی کر اور آرام بھی کر۔ اس لیے کہ تیرے بدن کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تیری آنکھ کا تجھ پر حق ہے۔ تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے جس شخص نے ہمیشہ روزہ رکھا، اس نے گویا کبھی روزہ نہیں رکھا۔

خود عبادت کے لیے بھی ضروری ہے کہ بدن کو آرام دیا جائے۔ اسی لیے فرمایا تیری آنکھ کا تجھ پر حق ہے۔ یعنی نیند پوری کرنا بھی ضروری ہے۔ ہمیشہ روزہ رکھنے والے کے متعلق فرمایا کہ اُس کا روزہ نہیں۔ اِس لیے روزہ سے جو مقصد ہے یعنی ضبطِ نفس یا تقوےٰ وہ ہمیشہ روزہ رکھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ ہمیشہ روزہ ہوا، تو پھر یہی چیز عادت بن گئی۔ دراصل بدن کو دُکھ اور اذیت دینے کا تصور اسلامی تصور نہیں۔ ہمارے ہاں بدن اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ بدن کی پرورش بجائے خود مقصود نہیں۔ کہ جیسے بھی ہو اور جہاں سے بھی ملے اس کے لیے لذات حاصل کی جائیں۔ نہ حلال و حرام کی تمیز ہو، اور نہ کسی فائدہ و نقصان کی پروا۔ یا انسان اِنسانیت چھوڑ کر بس جانوروں کی طرح ہو جائے۔ ایسا نہیں۔ لیکن اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ انسان اِس طریق سے ریاضت کرے کہ اُس کا جسم سُوکھ کر کانٹا ہو جائے۔ یا ایک ٹانگ پر اتنی دیر کھڑا رہے کہ دُوسری ٹانگ سُوکھ جائے۔ یا بازو کو اتنی دیر اُٹھائے رکھے کہ بازو سُوکھ جائے۔ اِسلام اس افراط و تفریط سے منع کرتا ہے۔ ابھی جو حدیث بیان کی جا چکی ہے اس میں پہلے یہ فرمایا کہ جو شخص اللہ سے ڈرے، اُس کے لیے دولت مندی بُری نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دولت کو ناجائز وسائل سے نہ کمایا جائے اور بُرے کاموں پر خرچ نہ کیا جائے۔ بلکہ اچھے اور جائز طریقوں سے کمایا جائے اور نیکی پھیلانے پر صرف کیا جائے تو وہ کوئی بُری چیز نہیں۔ پھر فرمایا متقی کے لیے صحت دولت سے بہتر ہے۔ صحت کو ایسی دولت سے بھی بہتر قرار دیا جو اچھے

طریقوں سے کمائی جائے اور اچھے کاموں پر صرف ہو۔ آگے فرمایا خوش حالی اور خوش دلی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے صحت کو دولت سے اوپر رکھا اور ہر حالت میں خوش رہنے اور دوسروں سے اچھی طرح پیش آنے کو اس پر بھی ترجیح دی۔

حضورؐ نے ایک بار فرمایا : مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے لوگوں نے پوچھا : حضورؐ! مومن اپنے آپ کو ذلیل کیسے کر سکتا ہے ؟ فرمایا۔ ایسا کام اپنے ذمہ لے جو اس کی استطاعت سے باہر ہو۔ اِس خطبے کے شروع میں جو پہلی آیت تلاوت کی گئی ہے اِس میں اللہ نے اپنے بندوں کو یہ دُعا سکھائی ہے کہ " اے رب! ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوا جس کی ہم میں طاقت نہیں "۔ دُوسرے لفظوں میں حق تعالیٰ نے ہمیں یہی طرزِ عمل اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ حضورؐ کا یہ فرمان کہ مومن اپنے ذمہ وہ کام نہ لے جس کی اسے استطاعت نہ ہو، گویا اسی آیت کی توضیح ہے۔ اس آیت کا پہلا جملہ " اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتے "۔ اسی حقیقت کا اعلان ہے۔ اس آیت میں جو دُعا سکھائی گئی ہے اس کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اسے شرفِ منظوری حاصل ہو چکا ہے۔

خطبہ کے شروع میں جو دوسری آیت تلاوت کی گئی تھی، اس میں حضورؐ کی تشریف آوری کا مقصد ہی یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ لوگوں پر جو لایعنی رسموں کا بوجھ تھے، وہ اُسے اتارتے ہیں اور لوگوں کی گردنوں میں جو طوق پڑے تھے، اُن سے انھیں نجات دلاتے ہیں۔ حضورؐ سے پہلے عام طور پر یہ حال تھا کہ لوگوں نے اپنے مذاہب کو رسوم کے ذریعہ بہت مشکل اور اپنے لیے بوجھ بنا لیا تھا۔ لوگ مذہب کی رُوح یعنی نیکی کو کھو چکے تھے اور اپنے مذاہب کی بے رُوح رسموں کو مشکل سے مشکل تر بناتے چلے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک مذہب جفاکشی کا دوسرا نام تھا۔ حضورؐ نے انھیں اِس چیز سے نجات دلائی اور مذہب کو آسان، سادہ اور عام فہم بنایا۔ تاکہ یہ ایسا بوجھ نہ رہے۔ جس کے نیچے لوگوں کے بدن اور ذہن دبے رہیں۔ بلکہ یہ ایسا پروگرام ہو جو اُن کے لیے پر پرواز ثابت ہو۔ جس کے تحت وہ بآسانی انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے معاشی، ذہنی اور روحانی ترقی حاصل کر سکیں۔ گویا حضورؐ نے مذہب کو روزمرّہ کی قابلِ عمل چیز بنا دیا، اور اسے غیر ضروری تکلفات سے آزاد کیا۔ حضورؐ نے خود بھی بے ضرورت اپنے آپ کو مشکل میں ڈالنے سے احتراز فرمایا اور دوسروں کو بھی اس سے روکا۔ صحیحین کی ایک مشہور حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ سے روایت کی گئی ہے وہ فرماتی

ہیں : جب حضورؐ کو دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنا ہوتا، تو آپ آسان کام کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ لیکن اگر وہ کام گناہ کا سبب ہوتا، تو آپ اس سے دور رہتے۔
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا :

یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ : آسانی (دین کے معاملات میں) پیدا کرو اور سختی نہ کرو۔ لوگوں کو خوشخبری سناؤ اور تنفر نہ کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اسی مضمون کی ایک حدیث منقول ہے جس میں اس بات کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا۔

اِنَّمَا الدِّیْنَ یُسْرٌ وَلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا

ترجمہ : بے شک دین آسان سی چیز ہے۔ جو کوئی دین میں سختی اختیار کرتا ہے وہ سختی اس پر مسلط ہو جاتی ہے۔ اس لیے میانہ روی اختیار کرو اور (اعتدال کے) قریب رہو۔

یعنی دین میں شدت اختیار کرنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان روح سے غافل ہو جاتا ہے اور محض رسوم ہی میں گم ہو کے رہ جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا : اللہ کے نزدیک بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہو۔ (صحیحین)

اسلام میں ضبطِ نفس پر زور ہے۔ نفس کشی کی اجازت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے نکاح کو اپنی سنت فرمایا کہ جنسی جذبہ کا صحیح استعمال بنایا۔ یعنی دوسرے مذاہب کی طرح اسے کچلنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ کیونکہ اس طرح لیے ایسے فتنے اور ذہنی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، جن کے تصور سے بھی انسان کانپ جاتا ہے۔ عیسائیت کی تاریخ راہبوں اور ننوں کے ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "جس نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین پورا کیا۔ اب اسے چاہیئے کہ باقی آدھے دین میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے"۔ (بیہقی)

ابو امامہ کہتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "اللہ کا مومن بندہ تقویٰ کے بعد جو بہترین چیز اپنے لیے انتخاب کرتا ہے، وہ نیک بخت عورت ہے"۔ (ابن ماجہ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جو شخص اس کا خواہشمند ہو کہ اللہ سے پاکیزہ حال میں ملاقات کرے اسے چاہیئے کہ وہ شریف عورت سے نکاح کرے۔ (مشکوٰۃ)

انسان کے ذمہ جو اس کے اپنے حقوق ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نیک عورت سے نکاح کرے اور اپنا گھر بسائے۔ کیونکہ معاشرہ میں گھر پہلی اکائی ہے۔ جہاں سے اخلاقی تربیت کا آغاز ہوتا ہے اور کردار کی بنیاد پڑتی ہے۔ نکاح سے اولاد حاصل ہوتی ہے۔ جسے انسان اپنے علم اور تجربہ کے مطابق تربیت دیتا ہے اور اس طرح معاشرہ میں اپنے سے بہتر انسان چھوڑنے کی کوشش کر کے انسانیت کی مجموعی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔

لیکن انسان کے ذمے جو اس کے اپنے حقوق ہیں، وہ انھیں اسی صورت میں پورا کر سکتا ہے جب وہ کچھ کمائے۔ اس لیے انسان کے حقوق النفس میں سے اہم ترین حق یہ ہے کہ وہ کوئی محنت کرے تاکہ اسے حلال وطیب کمائی حاصل ہو اور اس سے اپنے حقوق پورے کر سکے۔

عبداللہ رضہ بن مسعود سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا: "پاک و حلال کمائی فرض ہے فرائض کے بعد۔" (بیہقی)

حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا: جو چیز تم کھاتے ہو، اس میں سب سے بہتر وہ ہے، جو تم اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاؤ، اور تمھاری اولاد بھی تمھارے کسب کا نتیجہ ہے یعنی اولاد کی کمائی کھانا جائز ہے۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابی داؤد)
اولاد کی کمائی کا ذکر فرما کر گویا اولاد کے علاوہ اوروں کے کمائی کھانے کے بارہ میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما دیا۔

صحیح بخاری میں مقدام رضہ بن معدیکرب سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا کسی نے اس کھانے سے بہتر نہیں کھایا، جو اس کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہو۔ اور اللہ کے نبی داؤدؑ اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے۔

گویا اپنے ہاتھ سے کام کر کے یا جائز تجارت کے ذریعہ روزی کمانا ہر شخص پر فرض ہے تاکہ وہ معاشرہ پر بوجھ نہ ہو بلکہ دوسروں کا بوجھ اٹھائے۔ اسی سے وہ اپنے اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ دوسروں پر بوجھ بننا، مرد کے شایانِ شان نہیں۔

انسان کے ذمہ اس کی اپنی طرف سے جو حقوق عائد ہوتے ہیں، ان میں سے ایک حق

یہ بھی ہے کہ وہ کم از کم اتنا علم ضرور حاصل کرے، جس سے اُسے زندگی کا مقصد اور اسے صحیح طور سے گزارنے کے متعلق ضروری واقفیت حاصل ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں ایمان اور اوامر و نواہی کے متعلق واقفیت حاصل کرنا بھی انسان کے ان حقوق میں سے ہے جو اس پر اس کی اپنی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ زندگی کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے کون سے کام کرنے چاہئیں اور کن کاموں سے بچنا چاہیئے۔ جب تک اُسے یہ معلوم نہ ہوگا، اس کی زندگی بے معنی رہے گی اور وہ صحیح سمت قدم نہیں اُٹھا سکے گا۔

اللہ ہم سب کو توفیق دے کہ دوسروں کے حقوق کے ساتھ ہم اپنے حقوق کا بھی لحاظ رکھیں اور ان سے بطریق احسن عہدہ برآ ہوں۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن ٥

تقویٰ

الحمد للہِ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادِہِ الّذِینَ اصطفیٰ ۔ امّا بعدُ فاعوذُ باللہِ مِنَ الشّیطٰنِ الرّجیمِ ۔ بسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیمِ ہ

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقٰکُمْ (حجرات ۔ آیت ۱۳)

ترجمہ : اے لوگو! تحقیق ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھارے کنبے اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہی ہے۔ جو زیادہ تقویٰ والا ہو۔

حق تعالیٰ جلّ شانہٗ نے اس آیت مبارک میں تقویٰ کو عزت اور بزرگی کا معیار قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی فرما دیا ہے کہ خاندان یا قبیلہ عزت یا بزرگی کا معیار نہیں ہے۔ وہ تو صرف اس لیے ہیں تاکہ لوگ اپنے اپنے خاندان اور قبیلوں کے ذریعے پہچانے جا سکیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے جو تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں اس بنیادی حقیقت کو جو قرآن پاک کی آیت مذکورہ میں بیان فرمائی گئی ہے، اور زیادہ واضح کر دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا :-

ایُّھا النّاسُ ۔ اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وانّ اباکم واحِدٌ ۔ کُلُّکُمْ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ من تراب اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقٰکُمْ ۔ ولیس لعربی علیٰ عجمی فضلٌ اِلّا بالتّقویٰ ۔

ترجمہ : اے لوگو! یقیناً تمھارا سب کا پروردگار ایک ہے اور یقیناً تمھارا سب کا باپ ایک ہے۔ تم سب آدمؑ سے ہو اور آدم مٹی سے تھے (آگے سورۂ حجرات کی آیت کا وہ ٹکڑا پڑھا) یقیناً تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہو۔" (پھر فرمایا) اور کسی عرب کو کسی غیر عرب پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنا پر۔

محسنِ انسانیت کا یہی وہ اعلانِ عام تھا جس نے خاندانی اور نسلی برتری کے تصور کی جڑ بن کلٹ کر دی

اور ان باتوں پر فخر کرنے کو ہمیشہ کے لیے روک دیا۔ یہ مساواتِ انسانی کا وہ چارٹر ہے جو اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر سے چودہ صدیاں پیشتر وجود میں آیا اور جس پر دنیائے اسلام میں عمل بھی ہوتا آیا ہے۔ آج بھی کالے اور گورے کی جو تمیز بلکہ ان میں جو منافرت اور عداوت موجودہ تہذیب کے علمبردار ملکوں اور اس تہذیب کے دعوے دار ممالک میں نظر آتی ہے یا ہمارے ہمسائے ملک میں شودروں اور دراوڑوں سے جو سلوک ہو رہا ہے، دنیائے اسلام پچھلے چودہ صد برس سے ایسی انسانیت سوز باتوں سے پاک ہے۔

یہاں حضورؐ نے کمال بلاغت سے انسانی مساوات کی دو بلکہ تین بنیادیں ارشاد فرمائیں ایک سب انسانوں کا ایک خدا کی مخلوق اور بندے ہونا اور دوسرے سب کا ایک ہی باپ کی اولاد ہونا اور تیسرے سب کا مٹی سے پیدا کیا جانا۔ اگر تمام انسان اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں تو پھر نسل یا خاندان یا ملک کی بنا پر دوسروں کو حقارت سے دیکھنے کا کبھی سوال ہی پیدا نہ ہو اور عزت و شرف کا معیار کس چیز کو قرار دیا؟ تقوےٰ کو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کوئی بہت اہم چیز ہے جسے خود حق تعالیٰ جل شانہٗ اور ان کے محبوب، سرکارِ دو عالم محمد مصطفٰےؐ احمد مجتبٰےؐ نے زندگی میں عزت اور بزرگی کی جانچ اور کسوٹی مقرر فرمایا ہے یہی نہیں، بلکہ قرآنِ پاک میں تقویٰ ہی کو تمام ارکانِ شریعت اور خود عبادت کا مقصود فرمایا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:-

۱۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

ترجمہ: اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے کے لوگوں کو تاکہ تمہیں تقوےٰ حاصل ہو۔

روزہ کا مقصد بھی تقویٰ ہی ہے۔ چنانچہ روزوں کے رکوع کی ابتدا اور اختتام اسی ارشاد سے ہوتا ہے۔ پہلی آیت میں فرماتے ہیں۔

۲۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

(۲ : ۱۸۳)

ترجمہ: تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جیسے تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تم تقوےٰ حاصل کرو۔

اسی رکوع کی آخری آیت میں روزوں کے متعلق بیان کو پھر اسی بات پر ختم کیا۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○

ترجمہ: اسی طرح اللہ بیان کرتا ہے اپنی آیات لوگوں کے لیے، تاکہ وہ تقویٰ حاصل کریں۔

حج کے سلسلہ میں جہاں یہ فرمایا کہ زادِ راہ لے لیا کرو۔ وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ حج کے لیے بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (۲ : ۲۵)

ترجمہ: اور زادِ راہ لے لیا کرو۔ اور یقیناً بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔

حج ہی کے بیان میں مزید فرمایا ——

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ (سورہ الحج - ۳۲)

ترجمہ: اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے۔ پس یقیناً یہ (چیز) دلوں کا تقویٰ ہے۔

یعنی شعائر اللہ کی تعظیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ دلوں میں تقویٰ موجود ہے۔ یہاں سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تقوے کا مقام قلب ہے۔

سورۂ اعراف میں لباس کے متعلق فرماتے ہوئے کہ لباس میں پردہ پوشی اور زینت دونوں باتیں ہونی چاہئیں، ساتھ ہی فرماتے ہیں ——

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ط

ترجمہ: اور تقویٰ کا لباس، بہترین لباس ہے۔

غالباً اشارہ اس طرف ہے کہ محض ظاہری پہناوے ہی کا خیال نہ رکھو، بلکہ اپنی زندگی میں تقویٰ کا لباس پہنو یعنی تقویٰ کا طرزِ عمل اختیار کرو۔

تقویٰ کے متعلق یہ واضح ہو گیا کہ ایک تو اس کا مقام قلب ہے اور دوسرے یہ زندگی کے خاص طرزِ عمل کا نام ہے۔

تقویٰ کے لفظی معنی بچنے کے ہیں اور عام زبان میں متقی اُسے کہیں گے جس کے کچھ اصول ہوں۔ جو بعض باتوں سے بچتا ہو۔ جس شخص کا کوئی اصول نہ ہو، جو اپنی غرض پوری کرنے کے لیے ہر حد سے تجاوز کر سکتا ہو اور بُرے سے بُرا کام اختیار کر سکتا ہو، ایسا دل جو تقوے سے خالی ہو قرآن پاک کی اصطلاح میں فاجر کہلاتا ہے۔ ایک جگہ قرآنِ پاک میں آیا ہے۔

اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ

ترجمہ : کیا ہم متقین کو فاجروں کی طرح کر دیں گے؟
ایک جگہ عُدوان یا حدود سے تجاوز کرنے کو تقویٰ کی نقیض فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے
وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔
یہاں بِر (نیکی) کے مقابلہ میں اثم (گناہ) ——— اور تقویٰ کے مقابلہ میں عدوان آیا ہے۔
ترجمہ یہ ہے : اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو اور گناہ اور عدوان میں تعاون نہ کرو۔
قرآن پاک میں جگہ جگہ متقین کے عادات و خصائل اور تقویٰ کے اثرات بیان کئے گئے ہیں جن سے بآسانی تقویٰ کا مفہوم ذہن نشین کیا جا سکتا ہے۔
سورۂ بقرہ میں فرماتے ہیں ———
لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (۲ : ۱۷۷)
ترجمہ : نیکی یہی نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو۔ بلکہ نیکی اس کی ہے جو اللہ اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی محبت سے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں اور گردنیں چھڑانے میں مال دیا۔ اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی۔ اور جو وہ عہد کرتے ہیں اُسے پورا کرتے ہیں۔ اور سختی اور تنگی اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے سچائی اختیار کی اور یہی وہ ہیں جو متقین ہیں۔
سورۂ المائدہ میں فرمایا ———
اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔
ترجمہ : عدل کرو کہ یہ تقوے سے زیادہ قریب ہے
ایک جگہ فرماتے ہیں ———

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ط (۲ : ۲۳۷)

ترجمہ: اور تمہارا معاف کر دینا پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

طبیعت میں بُرائی سے بچنے کا ذوق پیدا ہو جانا اور بُرائی سے ہر طرح کی نفرت یہی تقویٰ ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ دنیا میں ہر چیز کا ذوق کچھ نہ کچھ تو پہلے سے طبیعت میں موجود ہوتا ہے، لیکن پھر اس ذوق کو تربیت اور جلا دینے کے لیے بہت سی محنت بھی کرنی پڑتی ہے یہی حال حسنِ عمل کا ہے۔ اگرچہ ہر شخص کے دل میں حسنِ عمل سے لگاؤ موجود ہے۔ مگر اس ذوق کی تربیت بھی محنت اور باقاعدہ محنت چاہتی ہے۔ اس سلسلہ میں بہترین مثال صفائی کی ہے۔ صفائی ہر کسی کو پسند ہے۔ مگر شروع میں بچے کو بالعموم زبردستی صاف رکھا جاتا ہے۔ صبح اُٹھنے کے بعد ماں زبردستی اس کا منہ دھلاتی ہے۔ بال سنوارتی ہے۔ صاف لباس پہناتی ہے۔ وہ بار بار ہاتھ منہ اور لباس گندہ کر لیتا ہے۔ ماں اُسے ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہے اور بار بار اُس کے کپڑے بدلتی اور ہاتھ منہ صاف کرتی رہتی ہے۔ نہانا تو بچے پر بسا اوقات جبر ہوتا ہے۔ لیکن وُہی بچہ جب ذرا جوان ہوتا ہے اور درسگاہ میں پہنچتا ہے تو خود بخود اپنا بدن اور لباس صاف ستھرا رکھتا ہے۔ ہر روز نہاتا ہے۔ وقت پر حجامت بنواتا ہے نہ وہ غلیظ بدن رکھ سکتا اور نہ غلیظ لباس پہن سکتا ہے۔ یہ تبدیلی محض تربیت کی وجہ سے عمل میں آتی ہے جبھی تو غلاظت سے بچنا طبیعت کا جزو بن جاتا ہے۔

اسی طرح اگر بُرائی سے بچنا انسان کی طبیعت کا جزو یا اس کی طبیعت ثانیہ ہو جائے۔ تو یہی تقویٰ ہے۔ جیسے انسان گندی چیز نہیں کھا سکتا۔ اسی طرح وہ حرام کی کمائی نہ کھا سکے جیسے وہ غلاظت کے پاس نہیں بیٹھ سکتا، اسی طرح بُرائیوں کی جگہ کے قریب نہ بیٹھ سکے۔ جیسے وہ گندی چیز زبان پر رکھنے کا تصور نہیں کر سکتا، اسی طرح ناپاک باتوں کا تصور نہ کر سکے اور نہ حرام طریقوں سے کمائی ہوئی چیز کھا سکے۔

بس یہی تقویٰ ہے۔ جو عبادت اور شریعت کا مقصد ہے، اور اُن کی رُوح ہے ہم میں سے ہر ایک کو ایسی کسوٹی پر پرکھ کر اپنا جائزہ خود ہی لے لینا چاہیے۔ اگر ہم میں یہ بات پیدا ہو چکی ہے پھر تو ہم نے اپنا مقصد پا لیا۔ اور اگر ہم میں یہ بات پیدا نہیں ہوئی، تو پھر ہم اپنے مقصد سے دُور ہیں۔ ہم ابھی تک عبادت اور شریعت کی رُوح کو نہیں پا سکے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر ہم تقویٰ کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکے۔ تو ہم نماز روزے وغیرہ کی

پابندی کو بے رُوح سمجھ کر چھوڑ بیٹھیں تقویٰ اور شریعت کے اعلیٰ مقاصد تک رسائی نہ ہو تو ارکانِ اسلام اور شریعت کی پابندی جتنی بھی کچھ ہو سکے فرض ہے تاکہ رُوح بالکل مُردہ ہو کر کفر کی سرحدیں شروع نہ ہو جائیں۔ شریعت کے جتنے بھی احکام کی عادت ہو جائے غنیمت ہے اور اگر بالفرض نماز کی اتنی سخت عادت ہو جائے کہ یہ طبیعت ثانیہ بن جائے تو یہ بھی اس کلّی تقویٰ کا ایک جُز ہے اور اسلام نے اسی لیے ان ارکان کے بار بار دُہرانے کی تاکید فرمائی ہے کہ ان کی عادت طبیعت ثانیہ ہو کر صحیح معنوں میں عبادت بن جائے اور اس کی برکت سے اور احکام کی تعمیل بھی آسان ہو جائے۔

آخر میں اہلِ تقوےٰ کی پہچان بھی سُن لیجیے۔ حق تعالیٰ سورۃ الاعراف میں فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَيْفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ
وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ○ (۷ : ۲۰۱ ، ۲۰۲)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے) کہ جب انھیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ چھو (بھی) جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہو کر ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور ان کے بھائی (جو تقویٰ شعار نہیں ہوتے) اپنے آپ کو گمراہی میں کھینچے لیے پھرتے ہیں۔ اور اپنے اس طرزِ عمل میں کمی نہیں کرتے۔

جو شخص بُرائی سے بچنے میں کوشاں رہتا ہے۔ اُس میں یہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ اگر معمولی سا بُرا وسوسہ بھی اس کے اندر پیدا ہو تو وہ فوراً خبردار ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ جو بُرائی سے بچنے کا کبھی خیال نہیں کرتے آہستہ آہستہ اُن کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ سرتا پا بُرائی میں غرق ہوتے ہیں پھر بھی انھیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔ جیسے جو شخص ہمیشہ صاف ستھرا رہے۔ اس کے لباس یا بدن پر معمولی سا دھبّہ بھی پڑ جائے تو وہ بے چین ہو جاتا ہے۔ اور جو غلاظت میں رہنے کا عادی ہو چکا ہو، اُس کو سخت تعفّن کا بھی احساس نہیں ہوتا۔

ایک نکتہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ ہر شخص کے اندر فطرت نے ایک ایسا حِس کرنے والا مادّہ رکھا ہے جس سے وہ تقویٰ اور فجور کی تمیز کر لے۔ جیسے سورۃ الشمس میں فرمایا ——

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔

ترجمہ: اور قسم ہے نفس کی اور اُس ذات کی جس نے اسے ٹھیک ٹھیک بنایا۔ پھر

اسے اس کے فجور اور تقویٰ کا الہام کر دیا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی فطری احساس تقویٰ کی تربیت کے لیے تشریف لاتے رہے ہے۔ ہمارے حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی کے لیے ایک آخری اور مکمل لائحہ حیات انسانوں کو عطا کیا۔ چنانچہ قرآنِ پاک کی ابتدائی آیات کا مضمون یہی ہے۔

الم۔ ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔

ترجمہ : اس کتاب (قرآن پاک) میں کوئی شک نہیں۔ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔

جو شخص تھوڑا بہت برائی سے بچنے کا احساس رکھتا ہے، وہی اِس سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔ اگر دل میں برائی سے بچنے کا احساس ہی نہیں، تو پھر قرآنِ پاک سے ہدایت بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

اور جیسے ہر ذوق کو پروان چڑھانے اور جلا دینے کے لئے خاص ضابطہ اختیار کرنے اور اس کے لیے محنت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی حال برائی سے بچنے کی صلاحیت کا ہے ضابطے اور شریعتِ محمدیؐ پر عمل کرنے سے تقویٰ کو جلا حاصل ہوتی ہے۔ اور اس سے تقویٰ کی تربیت ہوتی ہے۔ پھر انسان اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔ جیسے حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں

ان الله يحب المتقين (توبہ)

ترجمہ : بے شک اللہ متقین کو محبوب رکھتے ہیں۔

والذی جاء بالصدق وصدق به اولٰئك هم المتقون ۝ لهم ما يشاؤن عند ربهم ذالك جزاء المحسنين ۝

ترجمہ : اور وہ جو سچائی لے کر آیا اور جس نے اس (سچائی) کی تصدیق کی یہی وہ لوگ ہیں جو متقین ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ چیز ہے جو وہ چاہیں، اور نیک عمل کرنے والوں کی یہی جزا ہے۔

حضورؐ کا ادب بھی تقویٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ سورۂ حجرات میں فرمایا :

اِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوٰى۔

ترجمہ : بے شک جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، وہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچا ہے۔

آگے فرمایا : لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيمٌ

ترجمہ : ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

تاریخ اسلام ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جہاں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلفائے راشدین و اکابرینِ اسلام نے اپنی آسائش و آسودگی اور جائز حقوق کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر قربان کر دیا!

حضرت فاطمۃ الزہرا نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر شہنشاہِ کونین سے درخواست کی کہ مالِ غنیمت میں آئے ہوئے لوگوں میں سے انہیں ایک لونڈی مرحمت فرمائی جائے۔ جو گھر کے کام کاج میں اُن کا ہاتھ بٹا سکے۔ (جس کی مشقت سے ان کے ہاتھوں میں آبلے پڑ چکے تھے)، اور اس کے ذریعے انھیں عبادت کے لیے مہلت مل سکے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر کو بھی یہی تاکید فرمائی کہ اسے آخرت کی راحت کو اس دنیا کے رنج و کلفت پر ترجیح دینی چاہیئے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے خلیفۃ المومنین کی حیثیت میں دیانت اور امانت کی یادگار مثالیں چھوڑی ہیں۔ باوجود امیر کبیر ہونے کے خلیفہ منتخب ہونے پر تمام اثاثہ بیت المال کے سپرد کر دیا۔ اور اپنے اور اپنے خاندان کے لیے صرف اتنا وظیفہ مقرر کیا جس سے مشکل سے روزمرہ کی بنیادی ضرورتیں ہی پوری ہو سکتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے آپ سے شیرینی خرید کر لانے کے لیے کہا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اس کے خریدنے کے لیے دام نہیں۔ اس پر بیوی نے کہا کہ وہ اپنے وظیفے میں سے اتنی رقم جمع کر لے گی کہ شیرینی خریدی جا سکے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد جب حضرت ابوبکرؓ کو اُن کی اہلیہ نے شیرینی خریدنے کے لئے رقم دی تو اُس پیکرِ صداقت نے یہ کہہ کر یہ پونجی بھی بیت المال میں جمع کرا دی کہ ان کا وظیفہ یقیناً اس حد تک ان کی ضروریات سے وافر ہی ہوگا کہ ان کی اہلیہ یہ رقم پس انداز کر سکی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق روایت کیا گیا ہے۔ جن کی خلافت کے ایام میں دنیا کے وسیع و عریض علاقے اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں تھے۔ ایک رات جب وہ خلافت کے امور سرانجام دے رہے تھے تو ان کی اہلیہ جو خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھی کسی ذاتی معاملے پر گفتگو کے لیے حاضر ہوئی تو انھوں نے بتی یہ کہہ کر گل کر دی کہ بیت المال کا یہ تیل ایسے اوقات کے لیے استعمال نہ ہونا چاہیئے۔ جب وہ بجائے امورِ خلافت کے گھریلو معاملے کو انجام دے رہے ہوں۔

خدا ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کی رضا کے لیے اپنی آسائش اور جائز حقوق کو قربان کر سکیں۔ آمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ٥

اولی الامر

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ - اما بعد - فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم - بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝ (سورہ ۵ نساء - آیت ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو، نیز رسولؐ کی اور (اُن کی) جو تم میں سے صاحبِ حکم ہوں اطاعت کرو۔ پھر اگر تم میں سے کسی چیز کے متعلق تنازع پیدا ہو جائے تو اسے اللہ کی طرف اور رسولؐ کی طرف واپس لے جاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بات اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے احسن ہے۔

حضرات! اسلام سرتاپا نظم و ضبط ہے۔ اسلامی ضابطہ حیات، شریعتِ محمدیؐ کے پانچ ارکان میں سے رکنِ اول، ایمان نظریہ حیات سے متعلق ہے۔ باقی چار ارکان عمل سے متعلق ہیں۔ اور ان کا لازمی تقاضا ضبط اور نظم ہے۔ روزہ ضبطِ نفس یعنی اپنے اوپر قابو پانا سکھاتا ہے اور ضبطِ نفس حاصل کرنے کا اس سے بہتر اور آسان تر طریقہ اور کوئی نہیں۔ نماز منجملہ اور باتوں کے، جماعتی ضبط کا پابند بناتی ہے۔ اور اس کی ظاہری صورت بالکل فوجی پریڈ کی سی ہے۔ اسی طرح صف بندی، اسی طرح ایک پکار پر حاضری، اسی طرح ایک امیر کی اطاعت، اسی طرح وقت کی پابندی اور دیگر بہت سی چیزیں۔

ابوسعیدؓ خدری کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا: اگر سفر میں تین آدمی ہوں، تو ایک کو اپنے میں سے سردار مقرر کر لیں۔ اسی سے ظاہر ہے کہ اسلام کے نزدیک نظم و ضبط کی کیا اہمیت ہے۔ اگر تین آدمیوں کے لیے سفر میں جو بہرحال عارضی چیز ہے اپنا امیر مقرر کرنا ضروری ہے اور ظاہر ہے۔ امیر اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اطاعت کی جائے، تو مملکت کے

لیے صاحبِ امر کی اطاعت کی اہمیت کس قدر ہو گی۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے ایک روایت ہے۔ جس سے اطاعت امیر کی اہمیت اور واضح ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا۔ اگر تمھارے اوپر ایک چھوٹے سر والے حبشی غلام کو بھی امیر مقرر کر دیا جائے۔ تو اس کی بات سُنو اور اس کی اطاعت کرو، جب تک وہ تم میں اللہ کے احکام قائم کرے۔

اس آیتِ جلیلہ میں جو ابھی تلاوت کی گئی ہے۔ اللہ کی اطاعت کا حکم ہے۔ رسولِ پاکؐ کی اطاعت کا حکم ہے اور اس کے ساتھ ہی اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے۔ اولی الامر کے لیے اطاعت کا الگ لفظ نہیں لائے۔ بلکہ اس کی اطاعت کو رسول پاکؐ کی اطاعت کے ساتھ رکھا۔ تاہم رسولِ پاکؐ کا مقام اور ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ مگر اولی الامر جناب رسولِ پاک کے تابع ہے۔ وہ آپؐ کی قائم کردہ حدوں سے باہر نہیں جا سکتا۔ اولی الامر کے سلسلہ میں دوسری یاد رکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ اس کا "ہم میں سے" ہونا ضروری ہے۔ اولی الامر منکم فرمایا۔ ہمارے دورِ محکومی میں بعض لوگوں نے ان غیر مسلموں کو بھی اولی الامر ثابت کرنے کی کوشش کی، جو ہم میں سے نہیں تھے۔ جو باہر سے یہاں آکر زبردستی قابض تھے۔ بلکہ مسلمان تک نہیں تھے۔ حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ جو شخص مسلمان نہ ہو، وہ حضورؐ کا جانشین کیسے بن سکتا ہے۔ اولی الامر کے لیے تیسری ضروری بات یہ ہے کہ عام لوگ جن پر وہ اولی الامر ہے، اسے پسند کرتے ہوں۔

عوفؓ بن مالک اشجعی کہتے ہیں میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سُنا ہے۔ تمھارے بہترین امام یعنی حاکم وہ ہیں جن سے تم اور جو تم سے محبت کریں۔ وہ تمھارے لیے دُعا کریں اور تم ان کے لیے دُعا کرو۔ اور تمھارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم اور جو تم سے بغض رکھیں، جن پر تم لعنت بھیجو اور جو تم پر لعنت بھیجیں۔

اسلام میں اولی الامر کا مقام سمجھنے کے لئے بہترین چیز نماز اور اُس کا امام ہے۔ نمازی جسے چاہیں اپنا امام بنا سکتے ہیں۔ مسجد کمیٹی یا کوئی اور ادارہ بھی ان کے لئے امام مقرر کر سکتا ہے۔ لیکن ایسا شخص امام نہیں مقرر کیا جا سکتا جسے نمازیوں کی اکثریت ناپسند کرے۔ اسی طرح اولی الامر بھی منتخب یا مقرر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت صدیقؓ اکبر منتخب کئے گئے، حضرت عمرؓ کو انھوں نے مقرر فرمایا۔ مگر ایسا شخص اولی الامر اس لیے نہیں مقرر کیا جا سکتا، کہ یہ مقرر کرنے والا کا قریبی رشتہ دار ہے۔ جیسے کسی شخص کو نسل، یا رنگ یا کسی خاندانی

استحقاق پر نماز کا امام مقرر نہیں کیا جاتا، اسی طرح اولی الامر بھی کسی نسلی یا خاندانی استحقاق پر اولی الامر نہیں بنتا۔ بلکہ اسے تقویٰ اور اپنے فرائض ادا کرنے کی اہلیت اور قابلیت کی وجہ سے منتخب یا مقرر کیا جا سکتا ہے اور جیسے نماز کے امام کو معقول وجوہ کی بنا پر ہٹایا یا معزول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اولی الامر کو بھی ہٹایا یا معزول کیا جا سکتا ہے۔

امام کا یہ کام ہے کہ وہ مقررہ قوانین و قواعد کے مطابق نماز پڑھا دے۔ وہ نمازوں کی تعداد نہیں بدل سکتا۔ قیام، رکوع اور سجود کی ترتیب نہیں بدل سکتا۔ سورۃ فاتحہ کی جگہ کچھ اور نہیں پڑھ سکتا۔ نہ فاتحہ کے بعد قرآن پاک کی آیات کے علاوہ کچھ اور پڑھ سکتا ہے۔ البتہ قرآن پاک میں سے جو آیات چاہے پڑھ سکتا ہے۔ نمازیوں کی ضرورت کے مطابق قراءت لمبی یا مختصر کر سکتا ہے۔ نماز اول یا آخر یا درمیانی وقت میں پڑھ سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر اسے بعض پابندیوں کے تحت کچھ اختیارات بھی ہیں۔ تقریباً یہی حال اولی الامر کا ہے۔ اولی الامر صرف اللہ کے قوانین کو جناب رسول پاک کے اسوۂ حسنہ اور آپؐ کے قائم کردہ معاشرہ کی روایات کی روشنی میں نافذ کرتا ہے۔ البتہ وہ اپنے وقت کے کسی تقاضے سے ان کو نافذ کرنے کے طریق میں ایک حد تک تبدیلی کا مجاز ہے۔ بالفاظ دیگر وہ اصولوں کو نہیں بدل سکتا نہ سنت قائم میں رد و بدل کا مجاز ہے، البتہ ان کو عملی جامہ پہنانے کے طریق میں اپنی رائے استعمال کر سکتا ہے۔

اگر نماز کے دوران امام غلطی کرے تو اسے اس کی غلطی سے آگاہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر مقتدیوں کی طرف سے دیئے گئے مشورہ کو ماننا یا نہ ماننا امام کی مرضی پر موقوف ہے۔ اسی طرح عوام اولی الامر کو مجلس شوریٰ کے ذریعہ یا کسی اور طریق سے (آج کل کے حالات میں مثلاً اخبارات کے ذریعہ یا خط کے ذریعہ) اس کی غلطی سے آگاہ کر سکتے ہیں، ایسے مشوروں کو تسلیم کر لینا اولی الامر کے لیے کبھی مباح اور کبھی ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اگر اولی الامر کی بصیرت اس میں صریحاً نقصان محسوس کر رہی ہو تو اس کے لئے اسے ماننا ضروری نہیں اور اسے چاہیئے کہ عوام کو اس کے نقصانات سے آگاہ کر دے مثلاً حضرت صدیقؓ اکبر کے وقت مجلس شوریٰ کا متفقہ فیصلہ تھا کہ زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں کے خلاف جنگ نہ کی جائے۔ مگر حضرت صدیقؓ نے یہ فیصلہ مسترد کر دیا اور وجہ بھی بتا دی۔ اسی طرح مجلس شوریٰ کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اسامہؓ بن زیدؓ کے لشکر کو باہر نہ بھیجا جائے۔ مگر حضرت صدیقؓ نے اسے بھیج دیا اور سبب بھی واضح کر دیا۔

اور بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ ساری مجلسِ شوریٰ کے متفقہ فیصلہ کے مقابلے میں اکیلے حضرت صدیقؓ کے فیصلے درست تھے۔ آیہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ کے تحت اولی الامر کے لیے تمام اہم معاملات میں مجلسِ شوریٰ کا مشورہ لینا ضروری ہے، اور وہ ان کے مشوروں کا پابند ہے بشرطیکہ کوئی مصلحت اس کے خلاف نہ ہو۔ اگر امام غلطی پر ہو۔۔۔ مثال کے طور پر وہ غلطی سے دو رکعتوں کے بعد بیٹھنے کی بجائے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، مقتدی اُسے آگاہ کرتے ہیں، مگر وہ سمجھتا ہے کہ وہ درست کر رہا ہے ۔۔۔۔ تو بھی مقتدیوں کا فرض ہے کہ اس کا ساتھ دیں۔ البتہ اگر امام اللہ کی بجائے کسی اور کی عبادت شروع کر دے یا نماز میں قبلہ کی بجائے کسی اور طرف رُخ پھیر دے تو پھر مقتدیوں کے لیے اس کا ساتھ نہ دینا ضروری ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی نافرمانی میں اولی الامر کا ساتھ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ حضور اکرمؐ کی سنت کی خلاف ورزی پر بھی اس کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ جیسا کہ شروع میں تلاوت کردہ آیت سے ظاہر ہے۔ اولی الامر کی اطاعت حضورؐ کی اطاعت کے تابع ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے انتظامِ سلطنت سنبھالنے کے بعد جو پہلی تقریر فرمائی، اُس میں اِس کلیہ کا وضاحت سے ذکر ہے۔ آپؓ نے فرمایا "تم پر میری اطاعت اس وقت تک واجب ہے، جب تک میں اللہ کے احکام کا فرماں بردار رہوں"۔

عام طور سے نماز میں امام کی اطاعت کا سخت حکم ہے۔ رکوع و سجود وغیرہ میں امام پر سبقت کرنے سے روکا گیا ہے۔ مؤطا امام مالکؒ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص نماز میں امام سے پہلے سر اُٹھاتا یا جھکاتا ہے، اُس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح عام طور سے اولی الامر کے احکام کی پابندی لازمی ہے۔ اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنا گویا شیطان کے ہاتھ میں پڑنا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ کَرِهَ مِنْ اَمِیْرِهٖ شَیْئًا فَلْیَصْبِرْ فَاِنَّهٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِیْتَةً الْجَاهِلِیَّةِ (بخاری)

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جس شخص کو اپنے امیر کی کوئی بات ناگوار گزرے، تو اُس کو چاہیئے کہ صبر کرے۔ کیونکہ جو شخص سلطان (اولی الامر) کی اطاعت سے بالشت بھر باہر ہوا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اسی طرح حضورؐ کا ایک اور فرمان ہے۔

صَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيعُوا إِذَا أُمِرْتُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔

ترجمہ: پانچ وقت نماز ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو۔ اور جب تمہیں حکم دیا جائے، تو اس کی اطاعت کرو۔ تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گے۔

اولی الامر کے متعلق صحیح اسلامی نظریہ اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتا، جب تک پہلے خلیفۃ الرسولؐ، حضرت صدیق اکبرؓ کا وہ خطبہ پیشِ نظر نہ ہو، جو آپؓ نے عنانِ خلافت سنبھالنے کے بعد ارشاد فرمایا تھا۔ آپؓ نے فرمایا۔

اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں، لیکن میں تم سے بہتر نہیں۔ اگر میں نیک کام کروں تو میری مدد کرو۔ اگر برا کام کروں تو مجھے ٹوک دو اور روک دو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک اُس وقت تک قوی ہے، جب تک میں اُسے اس کا حق نہ دلا لوں۔ اور تمہارا قوی آدمی میرے نزدیک اس وقت تک کمزور ہے، جب تک اس کے ذمہ جو حق ہے، اُس سے نہ لے لوں۔ جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد ترک کر دیتی ہے، اُس پر ذلت و خواری مسلط کر دی جاتی ہے۔ جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے، اُس پر بلائیں اور عذاب عام کر دیا جاتا ہے۔ تم میری اطاعت کرو، جب تک میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا رہوں۔ اگر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو، جس سے اللہ اور اُس کے رسولِ پاک کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو، تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔

یہ مختصر سی تقریر اپنی جامعیت کے اعتبار سے سیاست کی بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ پہلے ہی فقرہ میں اسلامی سیاست کے بنیادی نکتہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اولی الامر کی اطاعت اس لئے نہیں کی جاتی کہ وہ دوسروں سے برتر ہے، خاندانی لحاظ سے یا کسی فوق الفطری قوت یا استحقاق کی بنا پر ——— بلکہ اس کی اطاعت اس لیے واجب ہے کہ اسے عوام نے خود اپنے میں سے حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے

زیادہ موزوں سمجھا ہے۔ اگلے فقرے میں فرمایا کہ اولی الامر سے تعاون نیکی کے کاموں میں ہو سکتا ہے، بُرائی کے کاموں میں نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بُرائی کے کاموں پر اُسے ٹوکنا ضروری ہے۔ صدق کو اسی لحاظ سے امانت فرمایا۔ فرماتے ہیں جمہور کا فرض ہے کہ وہ حاکم کے بارہ میں سچائی سے کام لیں۔ اس کی جھوٹی تعریف نہ کریں۔ اس کے غلط کاموں پر اسے نہ سراہیں کیونکہ ایسا کرنا کذب ہوگا اور کذب خیانت ہے۔ ایسا شخص اپنے فرائض میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے، جو حاکم کے غلط اور بُرے اقدامات پر اسے ٹوکتا نہیں بلکہ اُس کی تعریف کرتا ہے۔

اس کے بعد اولی الامر کے خاص فرض اور ذمہ داری کا اعلان فرمایا کہ اسے نہ تو کسی طاقتور سے دبنا چاہیئے اور نہ کسی کمزور کو نظر انداز کرنا چاہیئے۔ کوئی شخص اپنی طاقت یا پارٹی کے گھمنڈ پر دوسروں کے حقوق پامال نہ کر سکے۔ ان کے مال و جان اور عزت آبرو پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔ نہ کوئی شخص صرف اس لیے دادرسی سے محروم رہے کہ وہ طاقت، جتھا یا پارٹی نہیں رکھتا۔ اور حضرت صدیق رضؓ نے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ ہر طرف سے باغی اُٹھ کھڑے ہوئے، مگر آپ نہ کسی سے دبے اور نہ کسی کے مقابلہ سے کتراتے۔ بلکہ فرمایا کہ اگر کوئی زکوٰۃ میں سے معمولی رسّی (جس سے اُونٹ کا گھٹنا باندھا جاتا ہے) نہیں دے گا، تو میں اُس کے خلاف بھی جنگ کروں گا۔ اور ایسا ہی کیا اور اللہ کی مدد سے اپنے مشن میں کامیاب ہوئے۔

آگے دو اجتماعی اصول بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں یعنی قیامِ حق اور نیکی کی اشاعت کے لئے کوشش و محنت سے جی چُراتے ہیں، وُہ ضرور ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ دُوسرے یہ کہ جس قوم میں بیحیائی پھیل جاتی ہے وُہ عذاب میں مُبتلا کر دی جاتی ہے۔ بے حیائی بجائے خود عذاب ہے۔ جنسی بے راہ روی بڑھ جانے سے ہر ایک کا اطمینانِ قلب ختم ہو جاتا ہے۔ اور انسانیت حیوانیت کے درجہ پر آجاتی ہے۔ پھر اس معاشرہ میں قتل، ڈاکے، چوریاں، اغوا اور آبرو ریزی عام ہو جاتی ہے۔ نہ کسی کی عزت محفوظ رہتی ہے نہ جان نہ مال۔

آخر میں پھر لوگوں کو اس بات پر توجہ دلائی کہ وہ صرف اسی وقت تک اولی الامر کی اطاعت کے پابند ہیں جب تک وُہ اللہ اور جناب رسُولِ پاک ؐ کا فرماں بردار رہے۔ گویا

اصل اطاعت اللہ کی ہے جس کا واحد ذریعہ رسولؐ کی اطاعت ہے اور اولی الامر کی اطاعت صرف اس لیے ضروری ہے تاکہ اللہ اور رسولِ پاکؐ کی اطاعت بہترین طور سے اور اجتماعی رنگ میں کی جا سکے۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ نے عنانِ خلافت سنبھالنے کے بعد جو تقریر فرمائی، اس سے بھی اولی الامر کی حیثیت واضح ہوتی ہے۔ آپؓ نے فرمایا ____

میں ایک عام مسلمان اور کمزور بندہ ہوں مجھے صرف اللہ کی مدد کا بھروسہ ہے۔ میں جس منصب پر مقرر کیا گیا ہوں انشاء اللہ وہ میری طبیعت میں ذرہ بھر بھی تغیر پیدا نہیں کر سکے گا۔ بزرگی اور بڑائی ساری کی ساری اللہ کے لیے ہے بندوں کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں۔ تم میں سے کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا۔ کہ عمرؓ خلیفہ بن کے کچھ سے کچھ ہو گیا۔ میں اپنی ذات سے بھی حق وصول کروں گا اور جس معاملہ میں ضرورت ہوگی، خود آگے بڑھ کے اپنی صفائی پیش کروں گا۔

جس شخص کو کوئی ضرورت ہو یا جس پر کوئی ظلم ہوا ہو یا جو شخص میری کسی بات پر نکتہ چینی کرنا چاہتا ہو، وہ براہِ راست میرے پاس آئے۔ میں تم ہی میں سے ایک انسان ہوں۔ تمہاری بہبود مجھے عزیز ہے۔

جو امانت میرے سپرد کی گئی ہے، مجھے اس کی جواب دہی کرنی ہے۔ جو معاملات میرے علم میں آئیں گے میں ان کی براہِ راست تحقیق کروں گا۔ ان کو کسی اور کے سر نہیں ڈالوں گا۔ البتہ جو معاملات مجھ سے دور ہیں ان کے انتظام کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ میں انھیں تم میں سے ایسے لوگوں کے سپرد کروں جو قابلِ اعتماد اور عوام کے خیر خواہ ہوں۔ اور میں یہ امانت انشاء اللہ ایسے لوگوں کے سوا اور کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کے اس خطبہ میں بھی سب سے پہلے اولی الامر اور دوسرے انسانوں کی مساوات پر زور دیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں فرمایا کہ میری حیثیت بھی قانون کے سامنے ایک عام شہری کی سی ہے۔ آگے فرمایا کہ ہر شہری اولی الامر کے پاس بغیر کسی جھجک کے آ سکتا ہے۔ اگلے دو فقروں میں اسلامی تصورِ ریاست کی روح بیان فرما دی

ہے۔ ایک یہ کہ اولی الامر کو ہر وقت عوام کی بہبود نہ صرف پیشِ نظر، بلکہ عزیز رکھنی چاہیئے اور ان کی خفگی سے بچنا چاہیئے۔ اور دوسرے یہ کہ ایک برتر ذات کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھنا چاہیئے۔

آگے اپنی حکومت کی پالیسی کا اعلان فرمایا۔ کہ جو معاملات میرے سامنے آئیں گے۔ ان کی خود براہِ راست تحقیق کروں گا۔ دُور کے علاقوں میں حاکم مقرر کیے بغیر چارہ نہیں۔ وہاں ایسے حاکم مقرر کروں گا جو قابلِ اعتماد اور عوام کے خیر خواہ ہوں۔

ربیعؓ بن زیاد الحارثیؒ حضرت عمرؓ کے متعلق ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو ان کے تصورِ حکومت کی خوب وضاحت کرتا ہے۔ کہتے ہیں میں نے ایک بار حضرت عمرؓ سے کہا "آپ لوگوں میں سب سے زیادہ اس بات کے مستحق ہیں کہ لذیذ غذائیں کھائیں، عمدہ سواری پر سوار ہوں اور نرم کپڑے پہنیں"۔

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر ایک چھڑی اُٹھائی اور میرے سر پہ دے ماری۔ اس کے بعد فرمایا۔ "اگر تمھارا مقصد یہ ہے کہ تم ایسی باتوں سے اللہ کا یا میرا قرب حاصل کر لو گے تو یہ خیال اپنے دماغ سے نکال دو۔ میری اور میری رعایا کی مثال تو اس جماعت کی سی ہے جو سفر پہ روانہ ہوئی۔ سارے لوگوں نے اپنی چیزیں ایک شخص کے حوالہ کر دیں اور اسے اپنی تمام ضرورتیں پوری کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ تم ہی بتاؤ کیا اس شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر ترجیح دے؟"

حضرت عمرؓ نے جس خوب صورتی اور سادگی سے اولی الامر کا تصوّر بیان فرمایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ لوگوں نے اپنی مرضی سے انتظام اس کے سپرد کیا ہے اور وہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اسے یہ حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر ترجیح دے۔

پاکستان میں صحیح اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیئے برصغیر کے مسلمانوں نے بھاری قربانیاں دی ہیں، مگر یہ اُس وقت تک استوار نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے عوام اور ہم میں سے وہ لوگ جو اولی الامر کی حیثیت میں ہم پہ اقتدار پائیں۔ شریعت اور اسوۂ حسنہ کی وہ کڑی شرائط پوری نہ کریں جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ خدا ہم سب کو شریعتِ محمدیہؐ پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

جہاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى - اما بعد - فاعوذ باللّٰہ من الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ ——————— (۲۲ : ۷۸)

ترجمہ : اور جہاد کرو اللہ (کی راہ) میں جیسے حق ہے اس کی راہ میں جہاد کا

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (۲۹ : ۶۹)

ترجمہ : اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش بلیغ کی یقیناً ہم انھیں اپنے راستے دکھائیں گے -

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ○ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ (۲۲ : ۳۹ ، ۴۰)

ترجمہ : اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو (قتال کی) جن سے لڑائی کی جاتی ہے - کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے - اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر پوری طرح قادر ہے - (یہ وہ لوگ ہیں) جنھیں ان کی بستیوں سے ناحق نکالا گیا ہے - صرف اس لیے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ بعض انسانوں کو بعض کے ذریعے نہ روکے تو راہب خانے ، گرجے ، یہود کے عبادت خانے ، مسجدیں ، جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے ، ڈھا دیئے جاتے اور جو کوئی اللہ کی مدد کرے گا ، اللہ اس کی یقیناً مدد کرے گا - بے شک اللہ بہت قوی اور غالب ہے -

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ

يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (۵۷ : ۲۵)

ترجمہ: یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو ظاہر دلائل کے ساتھ بھیجا اور نازل کی ان کے ساتھ کتاب اور میزان۔ تاکہ وہ قائم رکھیں لوگوں کو عدل پر۔ اور ہم نے اتارا لوہا کہ اس میں سخت لڑائی کا سامان ہے۔ اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں اور (لوہا اس لیے بھی ہے) تاکہ اللہ کو معلوم ہو کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ قوی اور غالب ہے)

اسلام صلح و امن کا مذہب ہے اور اس کا اصل مقصد انسانی اخلاق کو اتنا ارفع و اعلیٰ کرنا ہے کہ انسان صحیح معنوں میں دنیا میں خدا کا نائب بن سکے۔ اسلام جس امن کو قائم کرنے کا دعوے دار ہے اس کی قوت اخلاقی اقدار میں پنہاں ہے جو نفس پر قابو پانے اور عبادت گذاری ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ظلم کو صفحۂ ہستی سے مٹانا اور اس کے بدلے انسانوں میں باہمی اخوت و مساوات پیدا کرنا اسلامی جہاد کی اصل روح ہے۔

اسلامی جہاد جنگ کے عام مفہوم سے کوسوں دور ہے۔ اسلام میں کسی دوسرے پر ہاتھ اٹھانا اور خوں ریزی قطعی ممنوع ہے۔ نہ ہی اسلام مذہب میں کسی جبر کو روا رکھتا ہے جہاد محض مدافعت کی صورت ہی میں جائز ہے کیونکہ جہاد کا مقصد دفع ظلم ہے اور جہاں کہیں بھی اسلامی شعائر پر عمل کرنے میں دشواریاں حائل ہو جائیں اور مسلمانوں کے لیے اسلامی طرز زندگی پر عمل پیرا ہونے میں جبر و استبداد کے ذریعے دقت ہو جائے تو ایسی صورت میں جہاد ہر توانا و صحت مند مسلمان پر فرض ہے۔ جہاد عددی تفوق اور مادی وسائل کی کثرت کا ہرگز قائل نہیں اور نہ ہی انہیں وسیلۂ فتح و ظفر یابی سمجھتا ہے وہ تو محض زندگی کی فلاح و اصلاح، اخلاقی اقدار، مساوات و انصاف کے برقرار رکھنے کا ایک مجاہدانہ عمل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جہاد کو دنیوی و اخروی زندگی میں موجب اجر و انعام قرار دیا گیا ہے۔ مال غنیمت کی خاطر جہاد قطعی ممنوع ہے۔ ایمان کی قوت و حرارت سے جہاد جرأت و بیباکی شجاعت و تہور، سخاوت و وسعت قلبی، نظم و ضبط، اتحاد و ایثار کا راہ حق میں ایک انوکھا بے مثال عمل ہے جو دوسروں کے مال و متاع پر دستبرد اور ملک گیری کی ہوس سے قطعی مبرا ہے۔

جہاد چونکہ ظلم و جور کے قلع و قمع کا دوسرا نام ہے اس لئے اس کے ذریعے سے حاصل کردہ فتح و نصرت کا ایک ایسا عالم گیر پیام امن آزادی ہے جس کے ماتحت مفتوح کو مجبور و بے بس

نہیں بنایا جاتا اور نہ اسے دائمی غلامی میں جکڑ بند کر کے اس کی معاشرتی، اقتصادی اور روحانی اقدار کو مجروح اور ملیامیٹ کر کے دلوں میں انتقام کی آگ بڑھائی جاتی ہے جو بالعموم آئندہ جنگوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ دنیا کا شاید ہی کوئی فاتح جرنیل ایسا ہوگا جس نے صلح کو بطور حربہ استعمال نہ کیا ہو اور کینہ و انتقام کے قدرتی جذبات مفتوح لوگوں کے دلوں میں پیچھے نہ چھوڑے ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جنگوں کا خاتمہ صحیح امن و امان پر منتج ہوا ہے۔ فتح مکہ تاریخ کے اوراق میں اپنی مثال آپ ہے دشمنانِ اسلام ہر قسم کی شقاوت قلبی اور انسانیت سوز مظالم کا مظاہرہ کرنے کے بعد جب سرنگوں ہو چکے ہیں اور ہر شخص اپنے کیے کی پاداش میں سزا بھگتنے کے لیے لرزہ براندام ہے تو فاتح اعظم، پیکرِ اخلاق اور فخرِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کا نعرہ بلند فرماتے ہوئے اپنے بدترین دشمنوں تک کی جاں بخشی کا حکم صادر فرماتے ہیں۔

اسلامی جہاد کا یہی تقاضا ہے کیونکہ ہادیٔ اسلام نے ہمارے لیے یہی راستہ متعین فرمایا ہے اور اسی میں دنیوی اور دینی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔

اسلام کے جہاد میں کسی قسم کی زیادتی۔ بدعہدی ظلم اور سفاکی روا رکھنے کی اجازت نہیں حتیٰ کہ دھوکا اور فریب سے قتلِ عام یا جنگی قیدیوں سے بدسلوکی بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر ظلم، فصلوں کا جلا دینا، درختوں کو کاٹ ڈالنا، پانی کا سلسلہ منقطع کرنا اور اسی قسم کی دیگر وحشت و بربریت کی حرکات جو بالعموم جنگ میں جائز بلکہ ضروری سمجھی جاتی ہیں اسلامی رُوحِ جہاد کے قطعی منافی ہیں اور انہیں اسلام میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

جہاد چونکہ راہِ خدا میں مصائب برداشت کرنا اور جان پر کھیل جانا ہے۔ اس لیے اُس کا اجر و ثواب بھی خدائے تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہاد کرنے والے کے لیے اللہ نے اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ اسے موت دے گا تو جنت میں داخل کرے گا یا اسے ثواب اور مالِ غنیمت کے ساتھ واپس لوٹائے گا۔ شہادت اور جہاد کی لذت کے متعلق حضور کا فرمان ہے کہ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں مقاتلہ کروں پھر شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔

جہاد نہ صرف اللہ کی راہ میں جان قربان کر دینے ہی کا نام ہے بلکہ اس کی راہ میں مال خرچ کرنا بھی جہاد ہے۔

(زندگی میں بنیادی چیزیں صرف دو ہیں۔ ایک صحیح نظریۂ حیات کا حاصل ہونا اور دوسرے اس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی طور پر عمل کرنا۔ پہلی چیز کو ہم **ایمان** سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری چیز **جہاد** ہے۔ اگر زندگی کے متعلق صحیح نظریہ نہ ہو تو انسان کا کوئی عمل صحیح اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کی ساری زندگی ایک مسلسل جرم کی نوعیت اختیار کر لیتی ہے اور اگر اس کے مطابق زور شور سے عمل نہ کیا جائے تو دریائے زندگی روانی سے محروم ہو جاتا ہے اور جیسے کھڑے پانی میں بدبو اور سڑاند پیدا ہو جاتی ہے، یہی حال ایسے افراد اور معاشرہ کا ہو جاتا ہے۔

— یہ عمل **عالم النفس** اور **عالم آفاق** دونوں میں ہونا چاہیئے۔ پہلے زندگی کی اعلیٰ اقدار کا نقش اپنے اندر مرتسم کرنا ہوتا ہے (جب تک انسان اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہ کرے وہ باہر کی دنیا میں کوئی انقلاب نہیں لا سکتا۔ تمام انقلابات پہلے اذہان و قلوب انسانی میں پیدا ہوتے ہیں۔ پھر باہر کی دنیا میں جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ زبان اور قلم سے جہاد اور فوجی قوت سے جہاد جسے قتال بھی کہا جاتا ہے!

اس خطبے کے آغاز میں جو آیات جلیلہ تلاوت کی گئی ہیں، ان میں سے پہلی دو کا تعلق جہاد بالنفس سے ہے اور دوسری دو کا تعلق قتال سے ہے۔ جہاد بالنفس کے متعلق حضورؐ کے بھی متعدد ارشادات ہیں۔ خطیب نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے ان صحابہؓ سے جو میدان جنگ سے واپس لوٹے تھے، یہ فرمایا: "تمہارا آنا مبارک! تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو — بڑا جہاد بندہ کا ہوائے نفس سے لڑنا ہے۔" (کنز العمال)

ابن نجار نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ "بہترین جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنی خواہش کے خلاف جہاد کرے۔"

حضورؐ نے ایک بار دریافت فرمایا "تم پہلوان کسے سمجھتے ہو؟" لوگوں نے کہا "وہ جسے کوئی پچھاڑ نہ سکے"۔ آپؐ نے فرمایا۔ "پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔" (صحیح مسلم)

یہ جہاد بالنفس ہے جس میں انسان آخری وقت تک لگا رہتا ہے۔ اس میں ذرا سی غفلت اور سستی انسان کی اخلاقی ہلاکت کا باعث بنتی ہے۔ انسان کے لیے پہلا چیلنج اس کی ہوائے نفس ہے۔ جب تک وہ اس سے عہدہ برآ نہ ہو، وہ آگے قدم نہیں بڑھا سکتا۔ اگر یہ چیلنج نہ ہوتا، تو انسانی شعور کبھی بیدار نہ ہو سکتا۔ بلکہ ہمیشہ اونگھ اور نیند ہی کی حالت میں رہتا اور جب تک شعور بیدار نہ ہو، انسانی شخصیت کے لیے نشوونما پانے اور ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

انسان کے لیے دوسرا چیلنج عالم آفاق یا بیرونی دنیا ہے۔ یہاں بھی بظاہر بدی کا اتنا زور ہے کہ اس کے لیے زبان و قلم اور ضرورت پڑنے پر فوجی طاقت سے مقابلہ کیے بغیر چارہ نہیں۔ زبان و قلم کا جہاد تو ہمہ وقت جہاد ہے۔ کیونکہ اپنے اندر تبدیلی کر لینے کے بعد اگر انسان خاموشی سے بیٹھ جائے تو پھر اس کی ذاتی تبدیلی ایک ایسے دریا کی طرح ہو جاتی ہے جو ریگ زاروں ہی میں جذب ہو کے رہ جاتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ انسان دوسروں کو اپنا ہم خیال بنائے اور پھر ہم خیال نیک افراد کا یہ گروہ منظم طریق سے برائی کا مقابلہ کرے۔ ورنہ بدی کا اندھیرا ہر لمحہ چاروں طرف سے امڈتا چلا جائے گا۔

سورۃ النحل میں فرماتے ہیں ——————

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (آیت ۱۶)

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور خوبصورت نصیحت کے ساتھ بُلا اور ان سے احسن طریق سے بات چیت کر

ابن مسعودؓ سے روایت ہے حضورؐ اس طرح موعظت فرماتے تھے کہ ہم اکتا نہ جائیں متعدد احادیث میں مذکور ہے کہ حضورؐ ان حضرات کو جو معلم بنا کر بھیجے جاتے تھے، یہ فرماتے تھے کہ وہ نصیحت اس طرح نہ کریں کہ لوگ بیزار ہو جائیں۔

اصل میں تبلیغ کی اولیں شرط ہی یہ ہے کہ تبلیغ کرنے والا دوسروں کو حقیر نہ سمجھے۔ بلکہ اُن سے ہمدردی رکھے۔ اور دلسوزی سے پیش آئے اور خوب صورت انداز اور مناسب الفاظ میں انہیں بات سمجھائے۔

قتال یعنی فوجی قوت سے جہاد بھی مال کے بغیر ممکن نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک

میں اکثر جانی جہاد کے بیان کے ساتھ ہی، بلکہ اس سے پہلے مالی جہاد کا ذکر آیا ہے۔ سورہ الانفال میں فرماتے ہیں ۔۔۔۔۔۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے اموال سے اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

سورۃ التوبہ میں فرماتے ہیں ۔۔۔۔۔۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ .....

ترجمہ: نکلو ہلکے یا بھاری (سازوسامان سے یا اس کے بغیر) اور جہاد کرو اپنے اموال سے اور جانوں سے اللہ کی راہ میں۔

سورۃ النسا میں فرمایا ۔۔۔۔۔۔

فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَۃً۔

ترجمہ: اللہ نے اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی ہے۔

گویا اموال کا بہترین مصرف یہی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں قتال پر صرف ہوں۔ جہاد کی فضیلت میں بہت سی آیات اور احادیث ہیں۔ جہاد روحِ حیات ہے۔ جان اور مال کو حق تعالیٰ کی راہ میں اس کی خوشی کے لیے قربان کر دینا افضل ترین عمل ہے۔
مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت اسی صورت میں دی گئی ہے۔ جہاں اُن سے لڑائی میں پہل کی گئی اور وہ مظلوم ہوں اور انھیں ان کے گھروں سے صرف اس بنا پر نکالا جا رہا ہو کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے ہیں۔ کلام مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔ کہ اگر اللہ مومنوں کے ذریعہ ظالموں کو نہ روکے تو کسی مذہب کے عبادت خانے محفوظ نہ رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جنگ کا مقصد ہی ایسا امن قائم کرنا ہے کہ ہر قوم کی مذہبی آزادی برقرار رہے، ان کے عبادت خانے محفوظ رہیں اور سب کی جان، مال، آبرو وغیرہ بھی محفوظ رہیں۔ آخر میں یقین دلایا کہ جو اللہ کی مدد کرتا ہے، اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ اللہ کی مدد یہی ہے کہ اگر باطل کو روکنے اور حق کو نافذ کرنے کے لیے قوتِ بازو یا مال سے کام لینا پڑے، تو اس سے دریغ نہ کیا جائے۔

سورۃ النساء میں فرمایا ـــــــ

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا (النساء: ۷۵)

ترجمہ : اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے۔ حالانکہ ناتوان مرد، عورتیں اور بچے ہیں جو کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں اِس بستی سے نکال جہاں کے رہنے والے ظالم ہیں۔

آگے فرمایا :

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝ (النساء: ۷۶)

ترجمہ : جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔ اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس تم شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ یقیناً شیطان کا داؤ بہت بودا ہے۔

جہاد باطل کی قوتوں کے خلاف نبرد آزمائی ہے۔ اور بسا اوقات جارحیت ہی دفاع ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ فتنہ قتل سے بھی شدید تر ہے کے اصول کو پیشِ نظر رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

جنگ شروع کرنے سے پہلے احتیاط پر زور دیا گیا ہے۔ جنگ کے دوران انصاف کرنے اور زیادتی نہ کرنے پر زور دیا۔ لیکن ساتھ ہی سُستی، کاہلی، بے تدبیری، بزدلی اور بے ہمتی سے روک کر جنگ کو مردوں کی طرح اختتام تک پہنچانے کا حکم دیا۔ جنگ سے بھاگ آنے کو بدترین جرم قرار دیا۔ ثابت قدم رہنے کا طریقہ بھی خود ہی بتا دیا کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ ساتھ ہی اترانے سے اور دکھاوے سے روکا کہ یہ اہلِ باطل کی عادات ہیں۔ حضورؐ نے دس برس میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ علاقہ فتح کیا۔ یعنی ۲۷۴ میل روزانہ۔ مسلمانوں کا جانی نقصان اوسطاً صرف ایک جان ماہانہ بنتا ہے اور دشمنوں کا ۱۵۰ ماہانہ اتنی وسیع مملکت کی تسخیر اور اتنا کم جانی نقصان۔ پھر کہیں شکست نہیں۔ کہیں پسپائی نہیں کہیں کوتاہی نہیں۔ ہر جگہ پیش قدمی۔ ہر جگہ کامیابی اور دشمن کی نسبت بہت کم وسائل کی مدد سے

حضرت صدیق اکبرؓ نے عنانِ خلافت سنبھالتے ہی جو مختصر مگر بلیغ خطبہ دیا تھا، اس میں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی تھا کہ "جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد کو ترک کر دیتی ہے، اُس پر

ذلت و خواری مسلط کر دی جاتی ہے"۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وُہ ہمیں ظلم و جور اور باطل کی قوتوں پر فتح و غلبہ عطا فرمائے۔ اور راہِ حق میں جان و مال فدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

اسلام اور دیگر مذاہب

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ - اما بعد - فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (۳ : ۶۴)

ترجمہ : کہہ دیجئے - اے اہل کتاب! آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہو اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور نہ اللہ کے بالمقابل ہم میں سے بعض بعض کو رب بنائیں - پھر اگر وہ پھر جائیں تو تم کہو - گواہ رہو کہ ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں -

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ ۡ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (۳ : ۸۴)

ترجمہ : کہہ دیجئے - ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہم پر اور جو نازل کیا گیا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر - نیز جو کچھ موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دیگر نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا - ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور ہم اسی (اللہ) کے فرمانبردار ہیں -

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ

ترجمہ : اے لوگو! خدا سے ڈرو اور پرہیزگاری اختیار کرو جس نے تمہیں ایک تن واحد سے پیدا کیا -

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُھَیْمِنًا

عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً۔

ترجمہ: اور ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف کتاب جو برحق ہے اور جو تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور وہ ان کتابوں کی محافظ ہے۔ لہٰذا ان کے درمیان فیصلہ کیجیے۔ اس کی مطابقت میں جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ظاہر کیا اور نہ پیروی کیجیے ان کی خواہشات کی جو اس حق وصداقت سے دُور لے جائیں۔ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے وضع کر دیا ہے قانون اور ایک راستہ اور اگر چاہتا اللہ تو بنا دیتا تم سب کو ایک ہی اُمت۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥

ترجمہ: تحقیق وُہ جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہدایت پائی یہودیوں میں سے اور نصرانیوں میں سے اور صابئین میں سے اور جو ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور انھوں نے کام کیے نیک پس ان کے لیئے ان کے رب کے پاس اجر ہے بہت بڑا اور نہ ان کے لیے خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ص ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥

(۶ : ۱۰۸)

ترجمہ: اور نہ دشنام وہی کرو ان کو جنھیں وہ پکارتے ہیں اللہ کے ماسوا کہیں حد سے گزر کر وہ دشنام طرازی نہ کریں اللہ پر بوجہ اپنی جہالت کے، پس ہر قوم کو دکھائی دیتے ہیں اپنے کارنامے بھلے، بالآخر لوٹنا ہے انھیں اپنے رب کی طرف اور وُہی انھیں آگاہ کرے گا اس سے جو کچھ انھوں نے کیا۔

ان آیاتِ قرآنی سے صاف پتہ چلتا ہے کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور ہر ایک قوم کو اُس نے اپنے موقف پر گام زن ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اسلام ایک ایسے انسانی معاشرے کا تصور پیش کرتا ہے جس میں مختلف مذاہب کے لوگ اپنے عقائد

اور رسوم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے امن و آشتی کے ساتھ دوش بدوش زندہ رہ سکتے ہیں اسی عقیدے کی بنا پر اسلام تمام ان پیغمبروں کی تصدیق کرنا بھی جزو ایمان سمجھتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزر چکے ہیں نہ صرف پیغمبروں بلکہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں پر بھی جو مختلف زبانوں میں انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوتے رہے۔ ایمان لانا ارکانِ اسلام کا بنیادی ستون ہے۔

اسلام کے سیاسی اور سماجی نظام میں حاکمیت یا خلافت الٰہیہ کا تصور واضح ہے۔ اسلام کے تمام اصولوں اور حکموں کے پیچھے ایسے مختار اعلیٰ کی سند موجود ہے جس کے لیے ہر دل میں عزت اور خوف ہے۔ اسلامی نظام میں انسانی اقتدار اور خواہشات پر قیود عائد کر دی گئی ہیں جنھیں حدود اللہ کہا جاتا ہے اور جن کا احترام ہر مسلمان کا فرض ہے۔ یہی حدود افراد اور اقوام کے حقوق کی محافظ ہیں۔

اسلامی نظام میں غیر ذمہ دار طاقت، غیر ذمہ دار دولت، غیر ذمہ دار حکومت کا کوئی تصور نہیں۔ ہر صاحب اقتدار اور صاحب اختیار اور دولت رکھنے والے مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جواب دہ تصور کرے کہ طاقت، دولت اور اختیار کو شریعت کے مطابق استعمال میں لائے۔

اسلام میں جارحانہ قومیت کا تصور بالکل مفقود ہے۔ اسلام میں قومی عصبیت محض مدافعانہ یا خود حفاظتی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلامی نظریات کے ماتحت ہر نسل، جماعت اور رنگ انسانی اخوت میں منسلک ہے، یہ ہمہ گیر انسانی اخوت خالص اسلامی تصور ہے۔ اور جارحانہ قومیت اس اسلامی تصور کے قطعی منافی ہے۔ حتیٰ کہ جنگ میں بھی اسلام نے حدود مقرر کر دی ہیں۔ مثلاً معاہدوں کا احترام، دشمن کے ذرائع خوراک تباہ نہ کرنے کا حکم، غیر جنگجو آبادی کا لحاظ، شکست خوردہ دشمن سے نرم سلوک کرنے کی ہدایت وغیرہ۔

غیر مسلموں سے سلوک کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ارشادات قول فیصل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"وہ ہم میں سے نہیں ہے جو ظلم میں اپنی قوم کا ساتھ دیتا ہے۔"

آپ نے فرمایا ہے۔

"نہ وہ ہم میں سے ہے جو ناانصافی کرنے کے لیے دوسروں کو اپنی مدد پر بلاتا ہے۔"

"نہ وہ ہم میں سے ہے جو ظلم میں اپنے قبیلے کی حمایت کرتے ہوئے مارا جاتا ہے"۔
اسلامی ریاست کا تصور جہاں خدائی حکومت ہو صرف اخلاق اور اٹل فطرتی اصولوں پر ہی استوار کیا جا سکتا ہے۔ قانون کے سامنے سب لوگوں کی حیثیت مساوی ہے اور ہر شخص کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ وہ ریاست جس میں ہمہ گیر انسانی اخوت اور رواداری ملحوظ نہ ہو حقیقتاً غیر اسلامی ہے۔ اسلامی فرائض کی پابندی ہمیں مجبور کرتی ہے۔ کہ ہم غیر مسلموں کے حقوق کی پوری نگہداشت کریں۔ ایسا کئے بغیر وہ شائستہ، خوش حال، ترقی یافتہ اور منظم معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا جس کی خلافت الٰہیہ تقاضا کرتی ہے۔ اسلام میں غیر مسلموں کے خلاف جنگ کہیں بھی فرض نہیں۔ مگر باطل، جارحانہ برائی، سستی اور کاہلی، غفلت اور جہالت کے خلاف اور سچائی کے حق میں زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر جگہ جنگ جاری رکھنے کا حکم موجود ہے۔
صرف مسلمانوں کا طرزِ عمل ہی اسلام اور اس کے اصولوں کو دنیا کے دوسرے لوگوں کی نظروں میں قابلِ احترام بنا سکتا ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کی رسموں اور طریقوں کا احترام کریں۔ ان سے اچھے ہمسایوں کی طرح لحاظ اور رواداری کا برتاؤ رکھیں تعصب کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں یہ اسلام تمام انسانوں کے لئے ایک جیسے انصاف، تمام مخلصانہ عقائد کے لئے رواداری، اور تمام نیک ہستیوں کے لئے احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلامی رواداری ہی انسانیت کے زخموں کو مندمل کر سکتی ہے اور آج ہمیں اس رواداری کو اپنا شعار بنانا چاہیئے۔ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی اسلام میں قطعاً ممنوع ہے۔ حتیٰ کہ دوسرے مذاہب کے جھوٹے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے بھی باز رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم نے یہاں تک تاکید فرمائی ہے کہ اگر بت پرست تک تمہاری پناہ میں آ جائیں تو ان کی حفاظت کرو شاید اسی طرح پیغام خداوندی ان کے کانوں تک پہنچ جائے اور انھیں امن و حفاظت کی جگہ پر پہنچا دے۔ اسلامی رواداری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم کو حق و صداقت قرار دینے کے باوجود اللہ تعالٰی نے انسانوں کو اختیار دے دیا کہ جو چاہے اس پر ایمان لائے اور جو راہِ راست پر نہ آنا چاہے وہ بے شک کفر و ضلالت میں رہے۔
ایسی مملکت جو اپنے معاشرے کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کا دعویٰ رکھتی ہو اس

کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی نہ کرے اور غیر مسلموں سے حسن سلوک کے ذریعے اسلام کے اٹل اور بنیادی اصولوں کے لئے خراجِ تحسین حاصل کرے۔ خدا اہالیانِ پاکستان کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اخوتِ انسانی کی ان بلند اسلامی اقدار پہ عمل پیرا ہو کر اقلیتوں کی ہر طرح سے حفاظت اور آزادی کے محافظ و پاسبان ثابت ہوں۔

اسلام اور دوسرے مذاہب میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ اسلام اپنے آپ کو کوئی نئی چیز نہیں کہتا۔ بلکہ یہ وہی چیز ہے جو شروع سے چلی آ رہی ہے اور جسے تمام پیغمبر اور نبی پبلش کرتے رہے ہیں۔ پہلے رسولوں اور ان کی کتابوں پہ ایمان رکھنا مسلمانوں کے ایمان کا جزو ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ قف (۲ : ۲۸۵)

ترجمہ : ایمان لائے رسولِ پاکؐ اس چیز پہ جو نازل کیا گیا ان پہ ان کے رب کی طرف سے اور (باقی) مومن بھی (اس پہ ایمان لائے) سب ایمان لائے اللہ پہ، اس کے فرشتوں پہ، اس کی کتابوں پہ اور اس کے رسولوں پہ (ان کا طرزِ عمل یہ ہے کہ) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

قرآنِ پاک کے شروع ہی میں قرآن کے ساتھ پہلی نازل شدہ کتابوں پہ ایمان لانے کو بھی کامیابی و فلاح کا ذریعہ فرمایا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ج وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ؔ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؔ (۲ : ۴، ۵)

ترجمہ : جو ایمان لاتے ہیں اس پہ جو نازل کیا گیا آپؐ پہ اور جو نازل کیا گیا آپؐ سے پہلے اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

دوسری طرف قرآنِ پاک ایسے لوگوں کو پکا کافر کہتا ہے جو یہ کہیں کہ ہم بعض پیغمبروں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ؔ

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا (۴ : ۱۵۰، ۱۵۱)

ترجمہ : بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں - اور جو اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راستہ اختیار کریں - یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی کافر ہیں -

صحیحین کی ایک حدیث ہے - ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا -

میری اور دوسرے انبیاء کی مثال ایک اس قصر کی سی ہے جس کی عمارت یا دیواریں نہایت عمدہ ہوں - لیکن دیواروں میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو - لوگوں نے اس عمارت کے گرد پھر کر دیکھا ، لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی دیکھ کر تعجب و حیرت میں رہ گئے - بس اس اینٹ کی جگہ کو پُر کرنے والا اور اس عمارت کی تکمیل کرنے والا میں ہوں - اور میں ہی نبیوں کا خاتم ہوں -

گویا اسلام ایک مسلسل عمل ہدایت ہے جس میں تمام نبیوں اور پیغمبروں نے حصہ لیا - البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مکمل کیا اور اختتام تک پہنچایا - حضورؐ سے پہلے نبی اور رسول بھی اسلام ہی کو پیش کرتے رہے ، مگر محدود شکل میں - کیونکہ ہر نبی یا رسولؑ کا خطاب اپنے وقت کی کسی خاص قوم یا گروہ سے رہا - پوری انسانیت کو ہمیشہ کے لئے صرف حضورؐ نے خطاب فرمایا - اِس لیے اسلام کی نعمت کا اتمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ہوا -

اسلام نے پہلے نبیوں اور رسولوں کے احترام اور وقار کو بحال کیا - اور دُنیا کے ہر نبی اور رسول کا احترام سکھایا -

قرآن پاک نے اہل کتاب کو توحید پر اشتراکِ عمل کی دعوت دی ہے - توحید پر اشتراکِ عمل ہو جائے تو پھر جزئیات کو طے کرنا کوئی مشکل کام نہیں - توحید یعنی کائنات کے خالق اور مالک اللہ کو ایک ماننا اور ان کے برابر کسی کو نہ سمجھنا - نیز اُس کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھنا اور یقین رکھنا کہ اس زندگی کے بعد اور زندگی ہے ، جس کا دارومدار یہاں کئے ہوئے اعمال پر ہے اور وہ زندگی ہمیشہ ہمیشہ رہے گی - ہر آسمانی مذہب دراصل اسی بنیاد پر قائم ہے - حقیقت میں اسلام تمام آسمانی مذاہب کی تعلیمات کی مجموعی

دعوت ہے۔ جو خدائے واحد اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، زندگی کو بامقصد سمجھتے ہیں اور حسنِ عمل پر زور دیتے ہیں۔ یہ وہ متحدہ محاذ ہے۔ جہاں جملہ مذاہب کے لوگ کھڑے ہو کر لادینی اور برائی کے خلاف متحدہ محاذ بنا سکتے ہیں۔ ساڑھے تیرہ سو برس سے قرآنِ پاک کی یہ دعوت چلی آ رہی ہے۔ آج پھر دنیا دوراہے پر کھڑی ہے۔ لادینی اور فحاشی کا ایک سیلاب ہے جو ہر طرف سے اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ اس کے مقابلہ کے لئے ضروری ہے کہ تمام دینی قوتیں اشتراکِ عمل کریں اور متحدہ محاذ بنائیں۔ اسلام کی یہ دعوت ابھی تک قائم ہے اور تاقیامت قائم رہے گی۔ اہل کتاب سے اشتراکِ عمل کو آسان بنانے کے لئے ان کا کھانا ہمارے لئے حلال کر دیا گیا ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دے دی گئی ہے۔

انسانی معاشرہ میں اُمتِ محمدیہؐ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے چنانچہ خود ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ؕ (۲ : ۱۴۳)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے بنایا تمہیں بیچ کی اُمت تاکہ تم لوگوں کے لئے اور رسولؐ تمہارے لئے عملی گواہ ہوں۔

دعا ہے کہ خدا ہمیں انسانی اُخوت کے ہمہ گیر خالص اسلامی تصور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم صداقت، شجاعت، عدالت کے فرائض انجام دے کر دنیا کی امامت کے منصب سنبھالنے کے اہل ثابت ہو سکیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اَخلاقِ حسنہ

الحمدُ للہِ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہِ الّذین اصطفیٰ - اما بعد - فاعوذُ باللہِ من الشیطٰن الرجیم - بسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیم -

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُ ۙ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ

(۶۷ : ۲۰۰)

ترجمہ: بہت برکت والا ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے اور دیکھے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔

وَ لَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَ لَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا

(۱۷ : ۳۷)

ترجمہ: اور زمین میں اکڑتا ہوا نہ چل۔ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے۔

وَ لَا تُصَعِّرۡ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ ۚ وَ اقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ وَ اغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ ؕ اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ۔

(۳۱ : ۱۸، ۱۹)

ترجمہ: اور لوگوں سے اپنے گال نہ پھلا اور نہ زمین پر اکڑ کر چل۔ یقیناً اللہ ہر تکبر کرنے والے شیخی خورے کو ناپسند کرتا ہے اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز آہستہ رکھ بے شک آوازوں میں سب سے ناپسندیدہ گدھے کی آواز ہے۔

وَ عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ہَوۡنًا وَّ اِذَا خَاطَبَہُمُ الۡجٰہِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ۔

(۲۵ : ۶۳)

ترجمہ: اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے

مخاطب ہوں تو سلامت روی کا انداز اختیار کرتے ہیں، یعنی نہ ان کے انداز میں فخر و غرور ہوتا ہے اور نہ وُہ جاہلوں سے بے فائدہ باتوں میں اُلجھتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔

ترجمہ : بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے، اللہ تعالیٰ اُن کے لیے دوستی پیدا کر دے گا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ

ترجمہ : سب مُسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صُلح کرا دو۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ

ترجمہ : بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور نیکی کا حکم فرماتا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا

ترجمہ : اچھی بات میں اُس شخص سے بڑھ کر کون اچھا ہے جس نے اللہ کی طرف دعوت دی اور نیک عمل کیا۔ وَقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ (نیک بات کہنی چاہیے)

لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ٥

ترجمہ : وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔

ساتھ ہی حق تعالیٰ کا فرمان ہے :

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ

ترجمہ : اور سوال کرنے والے کو مت جھڑک۔

حضرات! قرآنِ کریم کی جن آیات کی تلاوت کی گئی ہے اُن میں اللہ تعالیٰ نے اخلاق و آداب اور تہذیب و شائستگی کے چند معیار مقرر فرما دیئے ہیں۔ جن کے مطابق زندگی بسر کرنے سے ہم حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا دُنیاوی زندگی کو بھی خوشگوار بنا سکتے ہیں اور اُن اعلیٰ مدارج کے حاصل کرنے کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں جو ہمیں بحیثیت خلیفۃ اللہ فی الارض اللہ تعالیٰ نے بخشے ہیں۔ اچھے اور نیک اعمال کا نام اخلاقِ حسنہ ہے۔ انسان اگر کچھ کہے یا مُنہ سے بولے تو اُس کا قول اور کلام سچا ہونا چاہیئے۔ خواہ وُہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو۔ گفتگو اور خاموشی دونوں راستی پر ہونی چاہئیں۔ نفس کو ریاضت و مجاہدہ کا عادی بنانا

اعضا کو تادیب، حدود اللہ کی حفاظت اور نفسانی خواہشات کو ترک کرنا، دل کو پاک رکھنا عہد کو پورا کرنا، وقت کی نگہداشت اور خیالات پراگندہ کو کم کرنا سب اخلاقِ حسنہ ہیں اور حقیقت میں اخلاقِ حسنہ آدابِ دین پر چلنے کی توفیق کا نام ہے۔

اخلاقِ حسنہ کے ذریعہ ایسا معاشرہ منظم کرنا مقصود ہے جس میں انفرادی اور اجتماعی حقوق اور فرائض عملی زندگی کے ضوابط ثابت ہو کر دنیا کی مسرتوں اور آخرت کی سربلندیوں سے ہمکنار کر سکیں اور جو کئی نسلوں کے اخلاق کی تعمیر میں ممد و معاون ثابت ہو سکیں۔

انسان معاشرے کا جزو ہے۔ زندگی میں کسی نہ کسی ضابطہ حیات کی پابندی قبول کر کے ہی انسان اپنے افکار و کردار کو مسرت اور سکون سے ہم آہنگ کر سکتا ہے حیاتِ انسانی کا سلیقہ یا زندہ رہنے کا طریقہ جس کی پابندی سے انسان اپنی زندگی کو خوش گوار اور دوسروں کے لئے رحمت بنا سکتا ہے۔ صرف حضور صلعم کی ہدایات اور اُن کے ارشادات پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی وہ سیرت ہے جس کی پیروی کرنے کی تاکید خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمائی ہے۔ زندگی بسر کرنے کا بہترین نمونہ حضرت محمدؐ رسول اللہ کا اُسوہ حسنہ ہے۔ صرف اسی طریق زندگی پر عمل کر کے ہم انسانیت اور شرافت کا بہترین نمونہ بن سکتے ہیں اور اخلاق و آدابِ تہذیب و شائستگی اور فطرتِ سلیم کی جیتی جاگتی تصویر بن سکتے ہیں اور معاشرے کی تعمیر کردار اور اخلاق پر استوار کر سکتے ہیں۔

حضور صلعم اخلاق و عمل کی جو تلقین فرماتے تھے خود اُس کا عملی پیکر تھے۔ وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھے۔ اخلاقِ نبویؐ کا خود خداوند تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں اعتراف کیا ہے

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (اے محمدؐ تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو)

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ط

توبہ ۱۲۸

ترجمہ: تمہارے پاس تم میں سے خود ایک پیغمبر آیا۔ اُس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے۔ تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، اہلِ ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہے۔

قرآنِ کریم اخلاقِ نبویؐ کی خود تفسیر ہے۔ آپؐ نے مداومتِ عمل سے جن اخلاقِ حسنہ کا عملی نمونہ پیش فرمایا ہے اُن میں حسنِ خلق، حسنِ معاملہ، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار مہمان نوازی، تحفے دینا اور قبول کرنا، سادگی و بے تکلفی، مساوات، تواضع، شرم و حیا،

عزم و استقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایفائے عہد، زہد و قناعت، عفو و حلم، حسنِ سلوک، غریبوں سے محبت و شفقت، بچوں اور غلاموں پر شفقت، حیوانوں پر رحم، بیمار کی عیادت، مرنے پر تعزیت، اولاد سے محبت، لطیف طبع نمایاں خصائل تھے۔ جن چیزوں سے نفرت کا اظہار فرمایا یا منع کیا۔ اُن میں گداگری اور سوال، تشدد، عیب جوئی، ناروا مداحی، امارت وغیرہ شامل ہیں۔ حقیقت میں انسانی کردار کی تعمیر بھی محاسن کی مداومت اور مذموم و رذائل خصلتوں سے اجتناب کے بغیر ممکن نہیں۔

صحیحین کی ایک حدیث میں جو حارثہؓ بن وہب سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا۔ "ہر شخص دوزخی ہے جو جھوٹی اور لغو باتوں پر جھگڑا کرے، درشت مزاج ہو، مال جمع کرنے والا بخیل ہو یا متکبر ہو۔" ابن مسعودؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں رائی برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا" ایک شخص نے عرض کیا۔ "حضورؐ! ہر شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا ہو۔ (کیا یہ بھی تکبر میں داخل ہے؟)"۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ جمیل ہے اور جمال (حسن و آراستگی) کو پسند کرتا ہے تکبر حق کو باطل کرنا اور لوگوں کو ذلیل و حقیر سمجھنا ہے۔"
(مسلم)

اسماءؓ بنت عمیس سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "بُرا بندہ وہ ہے جس نے اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جانا اور تکبر کیا اور اللہ کو بھول گیا۔"
(مشکوٰۃ)

قرآن پاک میں بھی جگہ جگہ تکبر کی مذمت آئی ہے۔ سورۃ النحل میں ہے:۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ۝ (۱۶ : ۲۳)

یقیناً وہ (اللہ) تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

سورۃ النساء میں اللہ کی عبادت اور شرک سے بچنے کے حکم کے بعد والدین، قرابت والوں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار اور اجنبی ہمسایوں، پاس بیٹھنے والوں، مسافروں اور خادموں کے ساتھ احسان کی تلقین فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا (۴ : ۳۶)

ترجمہ: یقیناً اللہ تکبر کرنے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

تواضع اور ادب جو اخلاقِ حسنہ کی بنیاد ہیں، ان کا اظہار حسنِ گفتار سے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ط

ترجمہ : اور لوگوں سے خوب صورت بات کہو

ایک طرف ارشاد ہوتا ہے کہ حسنِ گفتار اختیار کرو۔ دوسری طرف فرماتے ہیں کسی کو برا نہ کہو۔ نہ منہ پر اور نہ اس کی عدم موجودگی میں۔

فرماتے ہیں :

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ط (۴ : ۱۴۷)

ترجمہ : اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ بری بات کو پکار کر کہا جائے سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا۔

کسی کو علی الاعلان برا کہنا حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ مگر مظلوم کے منہ سے اگر کوئی بات نکل جائے تو وہ معذور ہے۔

یہی نہیں بلکہ حق تعالیٰ تو یہ بھی نہیں چاہتے کہ لوگوں کو ان کے جھوٹے خداؤں کے باعث برا کہا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (۶ : ۱۰۹)

ترجمہ : اور اُن لوگوں کو برا نہ کہو جو اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو پکارتے ہیں۔ ورنہ وہ بے سمجھے محض عداوت کے باعث اللہ کو برا کہنے لگیں گے۔

مومن کی تعریف میں یہ چیز بھی داخل ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ مامون ہوں جیساکہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور بقول اقبالؒ

حرفِ بد را بر لب آوردن خطاست
کافر و مومن ہمہ خلقِ خداست

ترمذیؒ کی ایک حدیث کے مطابق سفیانؓ بن عبداللہ ثقفی سے مروی ہے حضورؐ نے انسان کی زبان کو سب سے زیادہ خطرناک چیز فرمایا۔ اسی بات کو ایک اور حدیث میں یوں واضح کیا۔

" آدم کا بیٹا جب صبح کرتا ہے تو اُس کے بدن کے سارے اعضا زبان کے سامنے عاجزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے معاملہ میں اللہ سے ڈر۔ اس لئے کہ ہم تیرے ساتھ وابستہ ہیں۔ اگر تو ٹھیک رہے گی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے۔ اور اگر تو کجروی اختیار کرے گی

تو ہم بھی کج رو ہوں گے"
(مشکوٰۃ)
معاذؓ بن جبل کہتے ہیں کہ جب وہ یمن کو روانہ ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آخری نصیحت یہ فرمائی ۔ "معاذؓ! لوگوں کی تربیت کے لئے اپنے خلق کو اچھا بناؤ"
حضورؐ نے فرمایا۔ دوسروں سے ہنس کر ملنا بھی صدقہ ہے۔ عبداللہ بن حارث کہتے ہیں میں نے کسی کو حضورؐ سے زیادہ مسکراتے نہیں دیکھا۔ حضورؐ ہر ایک ملنے والے سے خندہ روئی سے ملتے ۔ اُسے عزت سے بٹھاتے ۔ اس کے لئے جگہ خالی کر دیتے۔ اُسے تکریم سے بلاتے ۔
ابن مسعودؓ کہتے ہیں ۔ حضورؐ نے فرمایا۔ مومن نہ تو طعن کرنے والا ہوتا ہے ، نہ لعنت کرنے والا ۔ نہ فحش بکنے والا اور نہ زبان دراز
(ترمذی ۔ بیہقی)
سورۃ الحجرات میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں :
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○
(۴۹ : ۱۱)
ترجمہ : اے ایمان لانے والو ! نہ تمسخر کرے کوئی گروہ دوسرے سے ، شاید وہ (دوسرے) اُن سے بہتر ہوں ۔ نہ عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں ۔ ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ آپس میں عیب لگاؤ اور نہ برے القاب کے ساتھ (ایک دوسرے کو) بدنام کرو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کے ناموں سے دوسروں کو پکارنا برا ہے ۔ اور جس نے (اس سے) توبہ نہ کی پس یہی لوگ ظالم ہیں ۔
عورتوں اور مردوں ، دونوں کو تمسخر اور استہزا سے منع فرمایا ۔ حقارت انگیز نام رکھنے سے روکا ۔ اور جو ان کاموں سے باز نہ آئیں انھیں ظالم فرمایا اس سے اگلی آیت میں سوءِ ظن تجسس اور چغلی کی مذمت فرمائی اور اسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہہ دی ۔ کیونکہ غیبت کرنے والا اپنے بھائی کی عزت و نیکنامی کی بوٹیاں نوچ نوچ کے کھاتا ہے اور وہ اس سے بے خبر ہوتا ہے ، کیونکہ وہ وہاں موجود نہیں ہوتا ۔ فرماتے ہیں ۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ

وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ○ (۴۹ : ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان لانے والو! زیادہ گمانوں سے بچو۔ یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور (دوسروں کے معاملات کی) ٹوہ میں نہ رہو۔ اور نہ تم میں بعض بعض کی غیبت کریں۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اس سے کراہت کرو گے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ یقیناً اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

کسی نے حضورؐ سے دریافت کیا۔ "اگر اُس شخص میں وہ بُرائی موجود ہو، کیا پھر بھی وہ غیبت ہوگی؟" حضورؐ نے فرمایا۔ "اگر تو نے اپنے بھائی کی وہ بُرائی بیان کی جو اس میں پائی جاتی ہے تو تو نے اس کی غیبت کی۔ اور اگر تو نے اُس کی نسبت ایسی بات کہی جو اُس میں نہیں پائی جاتی تو تو نے اُس پر بہتان لگایا۔" صحیحین کی حدیث ہے کہ "غیبت کرنے والے جنت میں نہیں جائیں گے"۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو اگر وہاں جانے کی اجازت مل گئی تو وہ جنت کو بھی جہنم بنا دیں گے۔ معاشرہ کا بدترین دشمن عیب جو، غیبت گو شخص ہوتا ہے، جو ہر وقت دوسروں کے عیب تلاش کرنے میں لگا رہتا ہے اور ان کو پھیلاتا ہے۔ آخر عیب کس میں نہیں ہوتے۔ بے عیب ذات تو حق تعالیٰ ہی کی ہے۔ اور جب آدمی عیب تلاش کرنے پر کمر باندھ لے تو پھر اُسے اس کی خوبیاں بھی عیوب نظر آتی ہیں۔ عیب دیکھنے کے لئے انسان کے اپنے عیب کافی ہیں۔ اگر انسان ان پر نگاہ رکھے تو اُسے دوسروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرہ میں آج کل یہی چیز سب سے زیادہ ہے۔ حد یہ ہے کہ ہم لوگ مساجد میں بیٹھ کر غیبت کرتے ہیں۔ اور ہمیں ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا کہ ہم کس قدر بُری حرکت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اللہ ہم سب کو اس شر سے محفوظ رکھے۔

دوسروں کو سلام کرنا بھی حسنِ خلق میں داخل ہے۔ بلکہ حسنِ خلق کی ابتدا۔ اسی سے ہوتی ہے قرآنِ پاک میں اہلِ جنت کے لئے ارشاد ہے۔

وَتَحِیَّتُہُمْ فِیْہَا سَلَامٌ

ترجمہ: اور جنت میں ان کا شعار سلام ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْہَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا ○ اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ○ (۵۶ : ۲۵، ۲۶)

ترجمہ: وُہ جنت میں نہ لغو باتیں سُنیں گے اور نہ گناہ کی باتیں۔ بس سلامتی ہی سلامتی کی باتیں ہوں گی۔

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں ایک شخص نے حضورؐ سے پُوچھا "اسلام کی کون سی عادت بہتر ہے؟" آپؐ نے فرمایا "کھانا کھلانا اور آشنا نا آشنا سب کو سلام کرنا"۔ (صحیحین)

ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اُس وقت تک بہشت میں داخل نہ ہوگے جب تک ایمان نہ لاؤ۔ اور تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہ ہوگا جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو"۔ پھر فرمایا "کیا میں تمھیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ جب تم اس پر عمل کرو تو تمھارے درمیان محبت بڑھے اور وُہ بات یہ ہے کہ سلام کو رواج دو اور آشنا نا آشنا سب کو سلام کرو" (مشکوٰۃ)

ابوامامہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا "اللہ سے نزدیک تر وُہ شخص ہے جو پہلے سلام کرے" (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد)

ایک شخص نے ایک معاملہ میں بہت زیادہ بُخل دکھایا حضورؐ نے فرمایا "میں نے تجھ سے زیادہ بخیل کوئی نہیں دیکھا۔ البتہ وُہ شخص تجھ سے بھی زیادہ بخیل ہے جو سلام میں بخل کرتا ہے" (بیہقی)

عبداللہؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا "سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہوتا ہے" (مشکوٰۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے علاوہ مصافحہ کرنے اور ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھیجنے کے متعلق بھی ارشاد فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا "مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ دُور ہو جاتا ہے۔ اور ہدیہ و تحفہ بھیجا کرو۔ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ اور دشمنی جاتی رہتی ہے"۔ (مالک)

اگرچہ حضورؐ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ لوگ آپؐ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔ مگر خود بعض اوقات محبت کے باعث آنے والوں کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ انھیں گلے سے لگا لیتے۔ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے۔ اُن کے لیے جگہ خالی کر دیتے۔ لوگوں کو عزت سے بلاتے اور انھیں بہترین القاب سے یاد فرماتے۔ بچوں سے محبت و شفقت سے پیش آتے اور انھیں پہلے سلام کرتے۔ لیکن اخلاق حسنہ کا مخزن تو دل ہے۔ جب تک دل میں دوسروں کے لئے خیر خواہی نہ ہو، حسنِ خُلق پیدا نہیں ہو سکتا۔ جریرؓ کہتے ہیں "میں نے حضورؐ کے ہاتھ

پران باتوں کی بیعت کی۔ اقامت صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ اور ہر مسلمان کی خیر خواہی۔" (صحیحین)

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا۔ "قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بندہ اُس وقت تک مومن کامل نہیں ہوتا جب تک وُہ اپنے بھائی کے لئے بھی اس چیز کو پسند نہ کرے۔ جیسے وُہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔" (صحیحین)

یہ گویا ایمان کی کسوٹی ہے کہ دل کے اندر ہر ایک کی خیر خواہی ہو۔ زبان پر ہر ایک کے لئے سلامتی کے الفاظ ہوں۔ چہرہ پر ہر ایک کے لئے تبسم ہو۔ یہ عین اسلام ہے۔ لیکن اگر دل کے اندر حسد، کینہ، بغض اور انتقام ہو۔ زبان پر ہر ایک کی بُرائی ہو۔ چہرہ ہر لحظہ خشم آگیں رہے، تو یہ علامتیں اسلام کی نہیں۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں حضورؐ نے فرمایا۔ "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ کوئی مسلم کسی مسلم پر نہ تو ظلم کرے، نہ اُس کو رُسوا ہونے دے اور نہ اُسے ذلیل و حقیر سمجھے۔" پھر سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا! "مسلمان کے لئے اتنی بُرائی کافی ہے کہ وُہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر و ذلیل جانے مسلمان کا خون، مال اور آبرو مسلمان پر حرام ہیں" (مسلم)

اور اگر دل میں دوسروں کے لئے خیر خواہی اور محبت ہو تو انسان آسانی سے دوسروں کو مُعاف کر سکتا ہے اور ان کی غلطیوں کو نظر انداز کر سکتا ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ عفو و درگزر کی تلقین ہے اور اسے عزیمت کا کام بتایا گیا ہے یعنی ایسا کام جس کے لئے ہمت اور وُسعت قلبی درکار ہے۔

سُورۃ النور میں اولوالفضل حضرات سے فرمایا ہے۔

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ (۲۴ : ۲۲)

ترجمہ: انہیں چاہیئے کہ وہ مُعاف کر دیں اور درگذر کریں۔ کیا تمُ (اس بات کو) پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھیں بخش دے۔

سُورہ الشوریٰ میں فرمایا:

وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ (۴۲ : ۴۳)

ترجمہ: اور جس نے برداشت کیا اور بخش دیا۔ تو یقیناً یہ ایک ہمت کا کام ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ سے روایت ہے۔ "حضورؐ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں

مارا، بجز اس وقت کے جب آپ جہاد کر رہے ہوتے۔ اور اگر آپؐ کو کسی سے تکلیف پہنچتی تو آپؐ اُس سے انتقام نہ لیتے۔ مگر جب کوئی اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتا یا ممنوع کاموں کا مرتکب ہوتا تو اُس پر حدِ شرعی ضرور جاری فرماتے۔ (مسلم)

حضرت عائشہؓ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ آپؐ برائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دیتے بلکہ مُعاف فرما دیتے اور درگذر کرتے۔ (ترمذی)

ابُو ہریرہؓ سے روایت ہے حضُور کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ "یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کے حق میں بددعا فرمایئے۔" آپؐ نے جواب دیا۔ "مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔" (مسلم)

انسؓ اور عبداللہؓ کہتے ہیں حضُورؐ نے فرمایا۔ "مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ پس مخلوق میں سے بہترین شخص وُہ ہے جو اللہ کے کنبہ کے ساتھ نیک سلوک کرے۔" حضُورؐ کا ارشادِ گرامی ہے۔ "اللہ اُس شخص پر رحم نہیں کرتا، جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا" (صحیحین)

حضرات! جتنی ضرورت ہمیں آج کل اپنا خلق بہتر بنانے کی ہے، شاید کبھی نہ تھی۔ اچھا خلق قوموں کی ترقی کے لیئے قدمِ اوّل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وُہ بنیاد ہے جس پر قومی عظمت کی عمارت تعمیر ہو سکتی ہے۔ اگر پہلا قدم ہی نہ اُٹھے، یا غلط اُٹھے تو ترقی کی راہ پر نہیں چلا جا سکتا۔ اسی طرح اگر عمارت کی بُنیاد ہی نہ ہوگی تو عمارت کیسے تعمیر ہوگی۔ اللہ ہم سب کو حُسنِ خلق کی توفیق دیں۔

وَآخِرُ دَعوَانَا اَنِ الحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین ۝

عدل و رحم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی - اَمَّا بَعد - فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ - بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ -

اِنَّآ اَنزَلنَآ اِلَیکَ الکِتٰبَ بِالحَقِّ لِتَحکُمَ بَینَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰہُ ط وَلَا تَکُن لِّلخَآئِنِینَ خَصِیمًا ۙ وَّاستَغفِرِ اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُورًا رَّحِیمًا ۝ (سورہ ۴) آیت ۱۰۵، ۱۰۶)

ترجمہ: بے شک ہم نے نازل کی آپ کی طرف کتاب سچی تاکہ آپ فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان، اس کے مطابق جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اور آپ نہ ہوں خیانت کرنے والوں کے لئے جھگڑنے والے اور مغفرت طلب کیجئے اللہ سے، بے شک اللہ ہے بڑا بخشنے والا رحم کرنیوالا"

یٰٓاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا کُونُوا قَوّٰمِینَ بِالقِسطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَو عَلٰٓی اَنفُسِکُم اَوِ الوَالِدَینِ وَالاَقرَبِینَ ج اِن یَّکُن غَنِیًّا اَو فَقِیرًا فَاللّٰہُ اَولٰی بِھِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الھَوٰٓی اَن تَعدِلُوا ج وَاِن تَلوٗٓا اَو تُعرِضُوا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعمَلُونَ خَبِیرًا ۝ (۴ : ۱۳۵)

ترجمہ: اے ایمان لانے والو! انصاف پر جمے رہو - (صرف) اللہ کے لئے گواہی دو، خواہ وہ تمھارے اپنے متعلق ہو، یا تمھارے والدین یا اقربا کے متعلق ہو - اگر وہ غنی ہوں یا محتاج (تو تم اس خیال سے ان کی رو رعایت نہ کرو - بلکہ یہ خیال رکھو کہ) اللہ ان پر بہت مہربان ہے - اور عدل کے وقت ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو - اگر تم (بات کو) پیچ دو گے یا (کسی بات کو) نظر انداز کرو گے تو (یاد رکھو) کہ اللہ تمھارے عمل سے ضرور باخبر ہے۔

وَلَا تَقرَبُوا مَالَ الیَتِیمِ اِلَّا بِالَّتِی ھِیَ اَحسَنُ حَتّٰی یَبلُغَ اَشُدَّہٗ ج وَاَوفُوا الکَیلَ وَالمِیزَانَ بِالقِسطِ ج لَا نُکَلِّفُ نَفسًا اِلَّا وُسعَھَا ج وَاِذَا قُلتُم فَاعدِلُوا وَلَو کَانَ ذَا قُربٰی ج وَبِعَھدِ اللّٰہِ اَوفُوا ذٰلِکُم وَصّٰکُم بِہٖ لَعَلَّکُم تَذَکَّرُونَ ۝ (۶ : ۱۵۲)

ترجمہ: اور نہ قریب جاؤ مالِ یتیم کے مگر ایسے طور پر کہ وہ بہتر ہو - یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی جوانی کو اور پورا کرو ماپ اور تول انصاف کے ساتھ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی

جان کو مگر اُس کی طاقت کے مطابق اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ وہ ہو قریبی ہی اور اللہ کا عہد پُورا کرو۔ یہی حکم دیا ہے اُس نے تم کو تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ

ترجمہ: گواہی دی اللہ نے اور ملائکہ نے اور اہلِ علم نے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ انصاف کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

حضرات! جن آیاتِ قرآنی کی تلاوت کی گئی ہے۔ اُن سے عدل و انصاف کے متعلق خداوند تعالیٰ کی تاکید کسی مزید بیان کی محتاج نہیں رہتی۔ حق تعالیٰ خود انصاف و عدل پر قائم ہے۔ اور اُس نے عدل ہی پر کائنات کی بُنیاد رکھی ہے۔ اِس لیے اس کا یہی حکم ہے کہ ہم بھی انصاف پر قائم رہیں۔ اور اِس دُنیا کے نظام کو بھی انصاف ہی پر قائم کریں۔ عدل پر قائم رہنے کا آسان نسخہ بھی بیان فرما دیا ہے۔ اور اُس کی یہ تدبیر فرمائی کہ متنازع فیہ امر کے متعلق بات کرتے وقت صرف اللہ کی خوشنودی کو پیشِ نظر رکھو۔ اور کسی کو خوش کرنے کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ پھر اس امر پر زور دیا ہے کہ خواہ وہ بات تمھارے اپنے خلاف جائے، یا تمھارے والدین یا تمھارے عزیز و اقربا کے۔ سب سے مشکل کام اپنے مفادات کو ترک کرنا ہے، پھر والدین کی محبت آڑے آتی ہے، پھر دوسرے رشتہ داروں کی۔ آگے اس طرف اشارہ فرمایا کہ بعض دفعہ نفس یُوں فریب دیتا ہے کہ تمھاری سچی بات کہنے سے اس غریب پر تاوان پڑ جائے گا یا وُہ مالی فائدہ سے محروم ہو جائے گا۔ یا دوسرا فریق دولت مند ہے، اِس لئے اگر اسے کچھ نقصان پہنچ جائے یا فائدہ نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے متعلق فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر تُم سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔ تُم اس کی فکر نہ کرو، تم صرف انصاف کی بات کرو۔ ایک اور وجہ جس کے باعث انسان انصاف کی بات نہیں کہتا۔ یہ ہوتی ہے کہ کسی ایک فریق سے اسے کد یا عداوت ہوتی ہے۔ یا دوسرے سے پیار یا اُس کی طرف میلان ہوتا ہے یا اُس سے اُس کا کوئی مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ اس طرف اشارہ یُوں فرمایا کہ بعض لوگ کُھلم کُھلا بے انصافی تو نہیں کرتے، مگر گھما پھرا کے کُچھ کا کُچھ کر جاتے ہیں۔ اِس سے بھی بچنا چاہیئے۔ وُہ طریقے کیا ہیں۔ بات پیچیدار طریق سے کرنا اور اس طرح حق کو چھُپا جانا، یا غلط تاثر دے جانا۔ یا فیصلہ دیتے وقت بعض امور کو جانتے بوجھتے نظر انداز کر جانا۔ اس کا یہ علاج بتایا کہ ہر وقت اس بات کو پیشِ نظر رکھو کہ اللہ ہمارے اعمال سے

پوری طرح باخبر ہے ۔ اگر یہ بات دل میں بیٹھ گئی ۔ پھر نہ بات کو پیچ دو گے ۔ نہ معاملات کو چھپاؤ گے ۔

سورۃ الانعام میں فرمایا ـــــــــــ

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (۶ : ۱۵۳)

ترجمہ : اور جب تم بات کہو تو عدل سے کہو خواہ وُہ تمہارا قرابت دار کیوں نہ ہو ۔

قرآن پاک میں ایک اور جگہ فرمایا ـــــــــــ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (۵ : ۸)

ترجمہ : اے ایمان والو! اللہ کے لیے پوری طرح مستقیم ہو جاؤ اور انصاف کی گواہی دو ۔ کسی قوم کی دشمنی تمھیں بے عدلی پر آمادہ نہ کرے ۔ عدل کرو ۔ وُہ تقویٰ سے قریب تر ہے ۔

ان دو آیات میں صاف صاف فرما دیا کہ قرابت یا دشمنی تمھیں عدل کے راستے سے اِدھر یا اُدھر نہ کر دے ۔

سورۃ النساء میں طریق عدل کی مزید وضاحت فرمائی ۔ فرماتے ہیں :-

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ (آیت : ۵۸)

ترجمہ : اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے مستحق کو ادا کرو اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ کرو

"امانتوں" سے مراد لوگوں کے حقوق ہیں دُوسرے لفظوں میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہر ایک کو اس کا حق دو بالخصوص جب دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کیساتھ ہر ایک کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک دلاؤ ۔

سُورۃ المائدہ میں ان یہود کے بارہ میں جو شرارت سے حضورؐ کے پاس مقدمے لے کر آتے تھے ، یہ فرمایا کہ آپؐ چاہیں تو ان کا فیصلہ کریں اور چاہیں تو انھیں ٹال جائیں آگے فرمایا :-

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (۵ : ۴۲)

ترجمہ : لیکن اگر آپؐ فیصلہ کریں تو انصاف سے ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۔

جادۂ عدل و اعتدال ہی صراطِ مستقیم ہے ، جو انبیاء ، صدیقین ، شہدا اور صالحین کا راستہ ہے

اور جو سیدھا حق کی طرف لے جاتا ہے اور حق تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔
چنانچہ حضورؐ کو اہلِ کتاب کے سامنے یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا گیا :-

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ (۴۲ : ۱۵)

ترجمہ : اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔

سورۃ النحل میں فرمایا ———

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ج (۱۶ : ۹۰)

ترجمہ : اللہ عدل، احسان اور قرابت داروں سے حسنِ سلوک کا حکم فرماتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناپسندیدہ کاموں اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

عدل کے بالمقابل ظلم ہے اور ظالموں کے متعلق حق تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ انھیں آخرت میں کسی طرف سے کوئی مدد نہیں پہنچے گی۔

وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۵ (۳ : ۱۹۲)

ترجمہ : اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

نہ ایسے لوگوں کو فلاح نصیب ہوگی۔

اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۶ : ۱۳۶)

ترجمہ : یقیناً ظالم فلاح نہیں پانے کے۔

اگر ظالموں کو اِس دُنیا میں ان کے اعمال کی سزا فوراً نہیں مل جاتی، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ اِن کے اعمال سے غافل ہے۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہاں قانونِ مہلت کام کر رہا ہے اور ہر شخص کو اُس کی موت تک اور پوری نسلِ انسانی کو اختتامِ کائنات یا قیامت تک عمل کی مہلت ملی ہوئی ہے۔ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ط اِنَّمَا یُؤَخِّرُھُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْہِ الْاَبْصَارُ ۵ (۱۴ : ۴۲)

ترجمہ : اور نہ گمان کر کہ اللہ ظالموں کے عمل سے غافل ہے۔ وہ تو انھیں ڈھیل دے رہے ہیں اس دن تک جس میں نظریں پتھرا جائیں گی۔

عدل و انصاف صرف دوسرے لوگوں کے درمیان ہی نہیں بلکہ اپنوں کے درمیان بھی ویسا ہی ضروری ہے۔ ایک صحابی نے اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو کچھ عطیہ دیا۔ مگر جب حضورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ اُس نے اپنی اولاد کے درمیان مساوی سلوک روا نہیں رکھا تو حضورؐ نے فرمایا فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم (یعنی اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے مابین عدل کرو)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جنت میں داخلہ اس شرط پر مشروط ہے کہ داخل ہونے والا ظالم نہ ہو۔ اُس نے ابنائے جنس پر ظلم نہ کیا ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل و انصاف ہی کے ذریعے انسان ابدی نجات حاصل کر کے انعام خداوندی کا مستحق ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ شرعی حق کا امیر و غریب کے لئے یکساں ہونے کی اس سے بہتر کیا نظیر ہو سکتی ہے کہ جب بنی مخزوم کے قبیلہ سے ایک عورت چوری کے الزام میں بارگاہ نبوت میں پیش ہوئی تو لوگوں نے کہا کون ہے کہ اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرے۔ کسی نے اس بات کی جرأت نہ کی کہ آپ سے سفارش کرے۔ آخر اسامہ بن زید کے ذریعہ سفارش کی گئی تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر فاطمہؓ بنت رسولؐ بھی ہوتی تو اُن کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا۔

عدل و انصاف کی حمایت اور تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ذیل کے سنہری اصول ہمیشہ مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہونے چاہئیں۔

۱۔ وہ ہم میں سے نہیں جو ظلم میں اپنی قوم کا ساتھ دیتا ہے

۲۔ نہ وہ ہم میں سے ہے جو ناانصافی کرنے کے لیے دوسروں کو اپنی مدد پر بلاتا ہے۔

۳۔ نہ وہ ہم میں سے ہے جو ظلم میں اپنے قبیلے کی حمایت کرتے ہوئے مارا جاتا ہے۔

اسلام کے ابتدائی ایام میں جب دفاعی اغراض کے لئے ہر مسلمان فرد واحد کی اشد ضرورت تھی اور جب یہودی اسلام دشمنی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُو برو ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ایک یہودی نے ایک مسلمان کے خلاف یہ الزام لگایا کہ اُس نے یہودی کی زرہ چرالی ہے۔ حضورؐ نے واقعات کے سُننے اور مسلمان کے خلاف ثبوت مہیا ہو جانے پر یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ اسے نہ بھولنا چاہیے کہ حضورؐ نے یہ فیصلہ ایسے وقت میں صادر فرمایا۔ جب اس امر کا انتہائی خدشہ تھا کہ ایک آدمی کے سزایاب ہو جانے سے اُس کا تمام قبیلہ ہی مُرتد نہ ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کے نفاذ میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز روا نہ رکھا اور قرآن مجید نے بھی اسی اٹل اصول اور صداقت کی تائید فرمائی۔ اسلام ہر مظلوم کے ساتھ خواہ اُس کا مذہب و مسلک کچھ

ہی ہو انصاف اور حسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ عدل و انصاف کے سلسلہ میں اسلام نے تاریخ کے صفحات پر جو شاندار روایات قائم کی ہیں وُہ زندۂ جاوید حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ شریعتِ محمدیہ میں ہر اُس شخص کے لئے لازم ہے جسے حکم مقرر کیا جائے کہ وُہ اپنوں اور غیروں کی تمیز کئے بغیر عدل و انصاف کرے۔ اور مزید برآں بے انصافی اور ظلم سے اللہ کی پناہ مانگے۔ کیونکہ محض اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کو یہ توفیق عطا فرما سکتا ہے کہ وُہ صاحبِ اختیار ہوتے ہوئے اپنے پرائیوں کا لحاظ نہ کرتے ہوئے محض رضائے الٰہی کی خاطر حق و صداقت کی علم برداری کرے اور اسی کے مطابق عدل و انصاف سے انسانوں کے مابین فیصلہ کرے۔ عدل و انصاف میں اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ فریقین میں سے کسی کا غریب یا امیر ہونا ایسی بات نہیں جو فیصلے پر اثر انداز ہو سکے اور نہ ہی حکم کے کسی فریق کے ساتھ ذاتی مراسم اور تعلقات اسے یہ اجازت دے سکتے ہیں کہ وُہ راہِ انصاف سے ہٹ کر کوئی رعایت روا رکھے۔ قرآنِ کریم کے احکام واضح ہیں کہ عدل و انصاف کی راہ میں رشتہ داری، اخلاص و محبت کے جذبات کسی قسم کا خوف یا طمع، مراعات حاصل کرنے کی خواہش یا جذبۂ ترحم، رکاوٹ کا موجب نہیں بن سکتے۔

سچ بولنا اور پورا تولنا بھی انصاف کے تحت ہی آتے ہیں کسی کے جاہ و منصب سے مرعوب ہو کر یا خوشامد و تملق کے باعث یا رشتہ داری اور تعلق کی بنا پر اصلیت اور حقیقت کے بیان کرنے سے گریز قطعی خلافِ شریعت ہے۔ علیٰ ہذا لین دین اور تجارتی معاملات میں دیانت اور امانت کے اصولوں سے انحراف یا ماپ تول میں کمی خواہ دوسرا فریق کتنا ہی انجان کیوں نہ ہو عدل و انصاف سے بعید اور مستوجب سزا فعل ہے۔ معاملات میں عدل و انصاف کا سلوک روا رکھنا اِس میثاق کی پابندی اور ایفا کا ایک جزو ہے جو انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک رشتۂ عبودیت میں باندھتا ہے۔ جو لوگ خداوند تعالیٰ کے بتلائے ہوئے راہِ ہدایت پر گامزن ہونا چاہتے ہیں۔ عدل و انصاف ان کے ادنیٰ فرائضِ منصبی میں حقوق اللہ کے طور پر شامل ہے۔ اِسلام میں حق و صداقت کو کسی مفاد کی خاطر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ہر مفاد کو عدل و انصاف کی راہ میں قربان کر دینا حکمِ الٰہی کی تعمیل ہے۔

عدل و انصاف کے سرانجام دینے کے لیے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی روایت کے مطابق حکم میں پانچ خصلتوں کا ہونا ضروری ہے اور اگر ان میں سے ایک خصلت بھی کم ہو تو وُہ کوتاہی پر محمول

ہو گی ۔ وُہ پانچ خصلتیں یہ ہیں :۔

۱۔ حکم بُردبار ہو اور اُسے اپنے جذبات پر ضبط حاصل ہو۔
۲۔ اُس کا اپنا دامن کسی طرح سے آلودہ نہ ہو یعنی وہ خود پاکباز ہو۔
۳۔ وُہ قوی ہو۔ یعنی حق و صداقت کے مطابق کئے ہوئے فیصلے پر عمل درآمد کرا سکے۔
۴۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ عالم ہو۔ یعنی جو معاملہ اس کے روبرو پیش کیا جائے وہ اس کا عقلی دلائل سے فیصلہ کر سکے۔
۵۔ اُس کے جوابات یعنی فیصلے مسکت ہوں اور فریقین کی تسلی ہو جائے کہ وُہ حرف آخر ہے

ایک طرف حق تعالیٰ جلشانہ، نے اپنے آپ کو قائم بالقسط فرمایا تو دوسری طرف یہ بھی فرمایا۔ کہ میری رحمت تمام چیزوں پر چھائی ہوئی ہے۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ط (۷ : ۱۵۶)

نیز فرمایا کہ اللہ نے اپنے اوپر رحمت کو ضروری فرض کر رکھا ہے۔

کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ ط (۶ : ۱۲)

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں عدل کے ساتھ ساتھ رحمت کا قانون بھی چل رہا ہے۔ رحم وُہ نیکی ہے جو کسی سے معاوضہ کا خیال کئے بغیر کی جائے۔ یتیموں کی غم خواری، بیکسوں کی تسکین۔ بیماروں کی تسلی، غریبوں کی امداد، مظلوموں کی حمایت اور زیردستوں کی اعانت سب ایسی صفات ہیں جو رحم کے جذبہ کے تحت عمل میں آتی ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا قیامت کے دن جو بھی اللہ کے عذاب سے بچے گا اللہ کی رحمت سے بچے گا، ورنہ محض اپنے عملوں کی بنا پر کوئی نہیں بچ سکے گا صحابہؓ نے پوچھا: حضورؐ! آپ بھی؟ فرمایا: ہاں، میں بھی۔ اور یہ قانونِ رحمت کیا ہے، جو کائنات میں جاری وساری ہے اور ساری کائنات کو ڈھانپے ہوئے ہے؟ پہلی چیز تو یہی دیکھئے کہ نیکی کا خیال ہی دل میں آنے پر انسان پر اس کے تعمیری اثرات شروع ہو جاتے ہیں اور بُرائی جب تک عمل میں نہ آجائے، اسے اعمالنامہ میں درج نہیں کیا جاتا۔ پھر ہر بُرائی کا بدلہ ویسی ہی ایک آئی ہوتی ہے۔ لیکن ہر نیکی کا نتیجہ کم از کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ ستر اور سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک چلا جاتا ہے۔

پہلے ہر انسان کے دل میں نیکی کی محبت اور بُرائی سے نفرت رکھی۔ پھر وقتاً فوقتاً اپنے انبیاؑ

اور رُسل بھیجے، جو نیکی کی محبت کو اپنے مواعظِ حسنہ اور عملی نمونہ سے لوگوں کے دلوں میں جاگر کرتے رہے اور ساتھ ہی نیک معاشرے قائم کر کے انفرادی نیکی کو آسان تر بناتے رہے آخر میں حضورؐ صلعم کو بھیجا اور ان پر آخری کتاب نازل فرمائی۔ اور اس کتاب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ پھر حضورؐ کا اُسوۂ حسنہ بھی محفوظ رہا۔ حضورؐ نے جو معاشرہ قائم کر کے دکھایا تھا۔ اس کے حالات و واقعات بھی محفوظ رہے اور حضورؐ نے زندگی کے لئے جو قرآنی پروگرام دیا تھا، جسے ہم شریعتِ محمدیؐ کہتے ہیں، وُہ بھی محفوظ رہا۔ حضورؐ کے بعد علماء، فقہا، صوفیا، مجاہدین اور شہداء نے اس پیام کو ہر دَور میں ہر انسان تک پہنچانے کا ذمہ لیا اور پھر انسان کو ہر دم اللہ کی طرف سے ہدایت اور توفیق پہنچ رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایک وقت خاص تک ہر انسان کو اور اس کائنات کی مدّت عمر تک پوری انسانیت کو مہلت دے دی ہے۔ فوراً گرفت نہیں کرتے۔ ورنہ وُہ چاہتے تو اس قسم کا قانون بھی بنا سکتے تھے کہ جو کسی کی طرف ظلم سے ہاتھ بڑھاتا، اس کا ہاتھ شل ہو جاتا۔ جو کسی کی طرف بُری نظر سے دیکھتا، اُس کی نظر پتھرا جاتی۔ جو زبان سے بُری بات نکالتا، اُس کی زبان گنگ ہو جاتی۔ لیکن نہیں۔ انھوں نے ایسا فوری گرفت کا قانون نہ بنایا۔ بلکہ مہلت کا قانون نافذ فرمایا۔ تاکہ اس مدّت کے اندر جو چاہے اپنے کئے سے باز آ سکے اور ہر ایک کے لئے آخر وقت تک رحمت کے دروازے کُھلے رکھے۔ انسان بار بار غلطی کرتا ہے اور بار بار توبہ سے اللہ کی رحمت بھی بار بار اُس کی طرف لوٹ کے آتی ہے۔

طبیعت میں نیکی کی محبّت رکھ دی۔ اس کے لئے اپنے بندوں کو بھی بھیجتا رہا۔ کتابیں بھی نازل فرمائیں۔ نمونے بھی قائم کرائے۔ توفیق بھی خود دیتا ہے۔ پھر اس پر اجر بھی دے گا۔

اِسی لئے فرمایا ——————

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۳ : ۱۵۷)

ترجمہ : اور تیرے رب کی رحمت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے، جو یہ لوگ اکٹھا کرتے ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا ——————

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ

ترجمہ : جو رحم نہیں کرتا، اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

حضورؐ کا ارشاد ہے:

ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

ترجمہ: یعنی تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

اگر عدل کے ساتھ رحمت نہ ملی ہوئی ہو، تو عدل عدل نہیں رہ سکتا۔ عدل وہی عدل ہے جس میں رحم کی آمیزش ہو۔ دوسرے کو معاف کر دینا، ان سے درگذر کرنا۔ ان کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا، اُن کی عیب پوشی کرنا سختی اور درشتی کی بجائے نرمی اور رافت کا شیوہ اختیار کرنا یہ سب رحم ہی کے مظاہر ہیں۔ جسے جتنی قوت اور عظمت ملی ہو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اتنا ہی حلیم اور بُردبار ہو اور لوگوں کے ساتھ مروت اور احسان سے پیش آئے۔

حضورؐ نے بار بار نرمی کی تلقین فرمائی۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روائت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

نرمی کو اپنے اوپر لازم سمجھو اور اپنے آپ کو سختی، درشتی اور بے حیائی سے بچاؤ۔ جس میں نرمی ہوتی ہے، وہ اُس کی زینت کا باعث بنتی ہے اور جس میں سے نرمی نکال لی جاتی ہے وہ اُسے عیب دار کر دیتی ہے۔

حضرت عائشہؓ ہی کی ایک اور روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

جس شخص کو نرمی عطا ہوئی اُس کو دُنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی اور جس شخص کو نرمی سے محروم رکھا گیا، اُس کو دُنیا اور آخرت کی بھلائی سے محروم رکھا گیا۔ (مشکوٰۃ)

اور حضورؐ کا تو لقب ہی رحمۃ للعالمین ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (۲۱ : ۱۰۷)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا آپؐ کو مگر رحمت عالموں کے لئے۔

آپؐ صرف عالمِ انسانیت ہی نہیں بلکہ ہر عالم کے لئے باعثِ رحمت تھے۔ آپؐ کے باعث ہر عالم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوئیں۔ آپؐ اللہ کی رحمت کا ظہور اور رحمتِ مجسم تھے۔ آپ کے احسانات لاتعداد ہیں۔

ہمیں بھی اللہ توفیق دیں کہ ہم حضور صلعم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اُس کی مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف اور رحم کا سلوک روا رکھیں۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

وصیّت و وراثت

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی ۔ اَمّا بعد ۔ فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ۔ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ○

کُتِبَ عَلَیکُم اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ المَوتُ اِن تَرَکَ خَیرَا ۨ الوَصِیَّۃُ لِلوَالِدَینِ وَالاَقرَبِینَ بِالمَعرُوفِ حَقًّا عَلَی المُتَّقِینَ ○ (۲ : ۱۸۰)

ترجمہ : فرض کیا گیا ہے تم پر کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کوئی مال چھوڑ دے تو وہ ماں باپ اور اقربا کے لئے معروف طریق سے وصیت کر جائے ۔ یہ حق ہے متقین پر ۔

وَالَّذِینَ یُتَوَفَّونَ مِنکُم وَیَذَرُونَ اَزوَاجًا وَّصِیَّۃً لِّاَزوَاجِھِم مَّتَاعًا اِلَی الحَولِ غَیرَ اِخرَاجٍ ۚ فَاِن خَرَجنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیکُم فِی مَا فَعَلنَ فِی اَنفُسِھِنَّ مِن مَّعرُوفٍ ط وَاللّٰہُ عَزِیزٌ حَکِیمٌ ○ (۲ : ۲۴۰)

ترجمہ : اور تم میں سے وہ لوگ جو فوت ہو جائیں اور چھوڑ جائیں بیویاں ، وہ وصیت کر جائیں اپنی بیویوں کے لئے اخراجات کی ایک برس تک بغیر انہیں نکالنے کے ۔ لیکن اگر وہ (خود) سال سے پہلے اور عدت کے بعد چلی جائیں تو تم پر اس بارہ میں جو وہ معروف طریق سے اپنے لئے کرتی ہیں کوئی گناہ نہیں ۔ اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے ۔

حضرات ! اسلام نے بعض دوسرے مذاہب کی طرح محض عبادات اور حسنِ اخلاق پر زور نہیں دیا ، بلکہ بنی نوعِ انسان کے مالی اور معاشی معاملات کا بھی مکمل حل پیش کر دیا ہے ــــ ایک ایسا حل جس سے معاشرہ کو اقتصادی ناہمواریوں سے نجات ملتی ہے ۔ نہ کسی کے پاس ضرورت سے اس قدر زیادہ جمع ہوتا ہے کہ اُسے تکبّر و بے غیرتی میں مبتلا کر دے اور نہ یہ صورت ہوتی ہے کہ کوئی شخص کھانے ، پہننے اور سر چھپانے کی معمولی ابتدائی ضروریات سے بھی محروم رہے ۔ اس سلسلہ میں آمدنی اور خرچ پر پابندیوں کے علاوہ آخری اقدام یہ فرمایا کہ جن لوگوں کے پاس ان حدود و تحفظات کے باوجود مال و دولت جمع ہو جائے ، اُن کے لئے لازمی

قرار دیا گیا کہ ان کا مال ان کے فوت ہونے کے بعد وصیت و وراثت کے ذریعہ تقسیم در تقسیم ہوتا چلا جائے۔ تاکہ کسی ایک شخص کے پاس زیادہ مال و دولت جمع ہونے کا امکان نہ رہے۔

اسلام میں متوفی کے مال کی تقسیم کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ خود قرآن پاک میں اقربا کے حصے مقرر فرما دیئے گئے ہیں اور اس طرح انہیں "فرائض" کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ مال کی گردش صرف چند افراد میں محصور ہو کر نہ رہ جائے۔ بلکہ اس کی گردش میں زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ ہو۔ تاکہ معاشرہ کے زیادہ سے زیادہ افراد اس سے فیض یاب ہوں چنانچہ سورۃ النساء کی تین آیات میں اس کے متعلق مفصل احکام دے دیئے گئے ہیں۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾ (سورۃ نساء ۱۱، ۱۲)

ترجمہ: تمہاری اولاد کے متعلق اللہ کا یہ تاکیدی حکم ہے کہ ترکہ میں لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں، تو ترکہ میں ان کا حصہ دو تہائی ہوگا۔ اور اگر اکیلی لڑکی ہو، تو اُسے آدھا ترکہ ملے گا۔ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ (⅙) ملے گا، بشرطیکہ وہ (متوفی) اپنے پیچھے اولاد بھی چھوڑ دے۔ اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اور وارث ماں باپ ہی ہوں، تو ماں کے لئے ایک تہائی (⅓) اگر ماں باپ کے ساتھ) بھائی بہن بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ (⅙) ہوگا۔ یہ وصیت اور قرض ادا کرنے کے

بعد ہے۔ تمہارے باپ اور بیٹے۔ تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع پہنچانے میں تم سے زیادہ قریب ہے۔ یہ حصّے اللہ کی طرف سے مقرر ہیں۔ بے شک اللہ علیم اور حکیم ہے اور تمہارے لئے نصف مال ہے۔ اس میں سے جو تمہاری بیویوں نے چھوڑا، اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو۔ لیکن اگر ان کی اولاد ہو، تو تم کو ایک چوتھائی (¼) ملے گا۔ اس کا جو وہ چھوڑ جائیں وصیت پوری کرنے کے بعد جو وہ کر جائیں یا قرض ادا کرنے کے بعد اور ان کے لیے ہے ایک چوتھائی (¼) اس میں سے جو وہ تم چھوڑ جاؤ، اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ لیکن اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر ان کا آٹھواں (⅛) حصّہ ہے۔ اس میں سے جو تم چھوڑ جاؤ، وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد۔ اور اگر جس مرد کی میراث ہے، نہ اُس کا باپ ہے نہ اولاد (کلالہ) ہو یا وہ عورت (جس کی میراث ہے) ایسی ہو، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو۔ تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا (⅙) حصّہ ہے۔ اور اگر وہ (بھائی بہن) زیادہ ہوں اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی (⅓) میں وصیت یا قرض ادا کرنے کے بعد۔ بشرطیکہ وصیت میں کسی کا نقصان نہ ہو۔ یہ (حصّے) اللہ کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں اور اللہ علیم اور حلیم ہے (۴ : ۱۱، ۱۲)

اِس سُورہ کی آخری آیت بھی میراث کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۱۷۶) (النساء ۱۷۶)

ترجمہ : آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں کہہ دیجئے : اللہ تمھیں کلالہ کے بارہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی مرد فوت ہو جائے جس کی کوئی اولاد یا باپ نہ ہو اور اُس کی ایک بہن ہو تو اُس بہن کو ترکہ کا نصف ملے گا۔ اور وہ اس بہن کا وارث ہو گا۔ اگر اس کے اولاد نہ ہو۔ اگر بہنیں دو ہوں تو ان دونوں کے لئے ترکہ کا دو تہائی (⅔) حصّہ ہو گا۔ اور اگر وہ بھائی بہن ملے جلے ہوں، تو مرد کا حصّہ دو عورتوں کے برابر ہو گا۔ اللہ تمہارے لئے کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم بھول نہ جاؤ۔ اور اللہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

میراث بظاہر ایک قانونی مسئلہ ہے۔ تاہم اس بنیادی اسلامی قانون کے متعلق موٹی موٹی باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ معاملات اکثر پیش آتے رہتے ہیں اور ان کے جاننے اور اُن پر

عمل کئے بغیر حقوق العباد پوری طرح سے ادا نہیں ہو سکتے۔

میراث کے چار حصے ہیں۔ اولاد، والدین، خاوند، بیوی اور کلالہ۔ کلالہ کے لفظی معنی ضعیف یا درماندہ کے ہیں۔ اصطلاح میں کلالہ وُہ ہے جس کا باپ اور اور اولاد نہ ہو۔ وراثت میں ایک اور اصطلاح "عصبہ" کی ہے عصبہ کا حصّہ مقرر نہیں۔ لیکن حصّہ داروں سے جو بچے وُہ عصبہ کو جاتا ہے اور اگر حصّہ دار نہ ہوں تو سارا ترکہ عصبہ کو جاتا ہے۔

۱۔ اگر اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہیں، تو ہر مرد کو عورت سے دُگنا حصّہ ملے گا۔

۲۔ اگر اولاد میں لڑکا کوئی نہیں اور صرف لڑکیاں ہیں دو یا دو سے زیادہ، تو ان لڑکیوں میں دو تہائی ترکہ تقسیم ہو جائے گا۔

۳۔ اگر اولاد میں صرف ایک لڑکی ہے، تو اسے ترکہ کا نصف ملے گا۔

۴۔ بیٹا یا بیٹے عصبہ ہیں۔ حصّہ داروں سے جو کچھ بچے، اُس پر ان کا حق ہے۔ یہ تو اولاد کے بارہ میں حکم ہوا۔

آگے ماں باپ کے حصّوں کا ذکر ہے:۔

۱۔ اگر متوفی کی اولاد بھی ہے اور ماں باپ بھی۔ تو ماں کو بھی چھٹا حصّہ اور باپ کو بھی چھٹا حصّہ۔ باقی دو تہائی اولاد میں تقسیم ہو گا۔ اِس تقسیم کی صورت ابھی بیان کی جا چکی ہے۔

۲۔ اگر متوفی کی اولاد نہیں۔ تو ماں کو ایک تہائی، باقی باپ کو۔

۳۔ اگر متوفی کی اولاد نہیں اور والدین کے ساتھ بھائی بہن ہیں، تو ماں کا حصّہ چھٹا ہو گا۔

خاوند بیوی کے حصّوں کی صُورت یہ ہے:۔

۱۔ اگر عورت فوت ہو جائے اور اُس کی اولاد نہ ہو، تو خاوند کو اس کے ترکہ میں سے نصف ملے گا۔

۲۔ اگر متوفیہ کی اولاد ہو، اسی خاوند سے یا اور سے تو خاوند کو ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا۔

۳۔ اگر خاوند فوت ہو جائے اور اُس کی اولاد نہ ہو، تو بیوی کو اُس کے ترکہ میں سے ایک چوتھائی ملے گا۔

۴۔ اگر خاوند فوت ہو جائے اور اُس کی اولاد ہو، تو بیوی کو ترکہ کا آٹھواں حصّہ ملے گا۔

آخری صُورت کلالہ کی ہے۔ یعنی وُہ میّت جس کا نہ والد ہے نہ ولد۔ البتہ اُس کے بھائی بہن ہیں۔ اس کی تین صُورتیں ہیں۔

① سگے بھائی بہن ہوں - ایک ماں باپ سے -
② سوتیلے بھائی بہن ہوں - باپ ایک ہو ، مائیں مختلف ہوں -
③ اخیافی بھائی بہن ہوں - ماں ایک ہو ، باپ مختلف ہوں -

پہلی دو قسموں کے بھائی بہن کا حصہ اولاد کی مثل ہے ، جب باپ بیٹا نہ ہوں - تیسری قسم میں ایک بھائی یا بہن ہو ، تو اسے چھٹا حصہ - ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں مرد اور عورت برابر کے شریک ہوں گے -

یہ وراثت کی موٹی موٹی صورتیں ہیں - بالعموم تقسیم وراثت میں جو ترتیب ملحوظ رکھی جاتی ہے ، وہ یہ ہے :-

سب سے پہلے خاوند یا بیوی کو حصہ ملے گا - پھر والدین کو اور اس کے بعد اولاد کو - اگر اولاد نہ ہو یا اولاد اور والدین میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو بھائی بہن حق دار ہوں گے - یہ سب اہل الفرائض کہلاتے ہیں - کیونکہ ان کے حصے قرآن پاک نے مقرر کر دیئے ہوئے ہیں - اہل فرائض کے حصے تقسیم کر دینے کے بعد کچھ بچ رہے ، تو یہ سب سے قریبی مرد ، رشتہ دار کا حق ہے -

وراثت کی دو آیات میں چار بار یہ الفاظ معمولی تبدیلی کے ساتھ آئے ہیں -

۱ - مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِىْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط

ترجمہ : وصیت کے بعد جو کی جائے یا قرضہ کے بعد

۲ - من بعد وصیۃ یوصین بھا او دین

۳ - مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط

ترجمہ : وصیت کے بعد جو تم کرو یا قرضہ کے بعد -

۴ - مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ 7

ترجمہ : وصیت کے بعد جو کی جائے یا قرضہ کے بعد مگر وصیت سے کسی کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو -

اس سے ظاہر ہے کہ پہلے میت کا قرضہ ادا ہو گا - پھر اس کی وصیت پوری کی جائے گی - اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو - بشرطیکہ اس وصیت سے کسی ایسے حصہ دار کو جس کا حصہ قرآن پاک نے مقرر کر دیا ہے ، نقصان نہ پہنچتا ہو - وصیت کے متعلق یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اپنے مال کے ایک تہائی سے زیادہ کے متعلق وصیت نہیں کی جا سکتی - اس کی بنیاد غالباً صحیحین کی وہ حدیث ہے

جو سعدؓ بن وقاص سے بیان کی گئی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ فتح مکّہ کے سال میں ایسا بیمار ہُوا کہ موت کے کنارے تک پہنچ گیا۔ حضورؐ میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! میرے پاس بہت مال ہے اور ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں۔ کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا آدھے مال کی؟ فرمایا۔ نہیں۔ عرض کیا۔ ایک تہائی مال کی؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں تہائی مال (خیرات کرنے) کی وصیت کر دو۔ اور تہائی بھی بہت ہوتا ہے۔ اگر تُو اپنے وارثوں کو مالدار اور خوش حال چھوڑے گا، تو یہ اِس سے بہتر ہے کہ تو ان کو مفلس چھوڑے اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ (بخاری و مسلم)

غالباً یہی واقعہ ہے جسے ترمذی میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ روایت کیا گیا ہے:۔

سعدؓ بن وقاص کہتے ہیں۔ میری بیماری کے دوران حضورؐ نے میری عیادت فرمائی۔ اور مجھ سے پُوچھا: کیا کچھ وصیت کرنے کا ارادہ ہے؟ مَیں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضورؐ نے پُوچھا: کتنے مال کی؟ مَیں نے عرض کیا اللہ کی راہ میں سارے مال کی؟ حضورؐ نے پُوچھا: اپنی اولاد کے لیئے تُو نے کیا چھوڑا؟ مَیں نے عرض کیا: وُہ مالدار اور خوش حال ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: دسویں حصّہ کی وصیت کر دے۔ مَیں برابر زیادہ پر اصرار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ حضورؐ نے فرمایا۔ اچھا ایک تہائی کی وصیت کر دے اور ایک تہائی بھی بہت ہے (مشکوٰۃ)

ابی امامہؓ کہتے ہیں۔ میں نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضورؐ کو یہ فرماتے سُنا۔ اللہ نے ہر صاحبِ حق کا حق مقرر کر دیا ہے۔ اب کسی وارث کے حق میں وصیت کی ضرورت نہیں (مشکوٰۃ)

ابُوہریرہؓ سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: کئی مرد و زن ساٹھ برس تک اللہ کی اطاعت و عبادت کرتے ہیں۔ مگر مرتے وقت وصیت سے اپنے وارثوں کو نقصان پہنچا کر اپنے لیئے دوزخ کو واجب کر لیتے ہیں۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

جابرؓ سے ایک اور حدیث بیان کی گئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص وصیت کر کے مرا۔ (یعنی کچھ مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وصیت کر کے) وُہ راہِ مستقیم طریق سنّت اور تقویٰ پر فوت ہُوا۔ اور اس حال میں فوت ہُوا کہ اُس کے لیئے بخشش کی گئی۔ (ابنِ ماجہ)

اِن تمام احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ متوفی مَوت سے پہلے اپنے مال کا کچھ حصّہ اللہ

کی راہ میں خرچ کرنے کی وصیت کر سکتا ہے۔ مگر زیادہ سے زیادہ ایک تہائی۔ وہ بھی اس صورت میں جب اس کے وارث آسودہ حال ہوں۔ ورنہ اس سے تھوڑا۔ وہ وارث جن کے حقوق مقرر ہیں، انھیں نقصان پہنچانے کے لئے وصیت کرنے کی اجازت نہیں۔

اس خطبہ کے شروع میں وصیت کے متعلق جو آیت تلاوت کی گئی تھی، وہ میراث کی آیات سے پہلے کی ہے۔ اب متوفی صرف اپنے مال کے تہائی حصہ میں وصیت کر سکتا ہے۔ وہ بھی تجہیز و تکفین اور ادائے قرض کے بعد جو مال بچے اس کے ایک تہائی میں۔ اور جیسا کہ صدقات کی آیات اور اس آیت سے ظاہر ہے، جو بھی اللہ کی راہ میں غریبوں کو دینا ہے اس پر سب سے پہلا حق والدین اور قریبی رشتہ داروں کا ہے۔ اگر وہ نادار ہوں۔ ان کے بعد دوسروں کا حق ہے۔ یہ نہیں کہ اپنے والدین اور عزیز و اقربا کو مفلس و قلاش اور دربدر کے دھکے کھانے کے لئے چھوڑ دیا جائے اور دوسروں کو اپنی وصیت و خیرات سے نوازا جائے۔ بعض لوگوں کے دماغوں میں یہ خیال جاگزیں ہے کہ اپنوں پر خرچ کرنے کا شاید ثواب نہیں ملتا۔ قرآن پاک نے جگہ جگہ اس خیال کی تردید کی ہے۔ اور عزیز و اقربا سے حسن سلوک پر بار بار رغبت دلائی ہے۔ حضور کے ارشادات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ جو مال متوفی کے وارثوں کو جاتا ہے، اس کا اجر بھی متوفی کو ملتا ہے۔

وصیت میں تبدیلی کرنا گناہ کا کام ہے۔ اگر کوئی وصیت کو بدل دیتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہے۔ وصیت کرنے والا اس سے بری الذمہ ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص وارثوں کی باہمی رضامندی سے وصیت میں کچھ رد و بدل کر دے تو اس کی اجازت ہے۔ بلکہ اگر وصیت میں کسی سے بے جا رعایت کی گئی ہو یا کسی کو اس کے حق سے کم ملا ہو، اور وصیت سننے والا یا کوئی اور وارثوں میں صلح صفائی سے یہ کمی پوری کرا دے تو یہ بات مستحسن ہے۔ وراثت کے متعلق حضور کے چند اور ارشادات بیان کر دینے ضروری ہیں کیونکہ ان سے ہماری ذمہ داریوں پر روشنی پڑتی ہے۔

صحیحین کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے حضور نے فرمایا: میں مسلمانوں کا ان سے زیادہ خیر خواہ ہوں۔ جو مسلمان فوت ہو جائے اور اس پر قرض ہو اور وہ اتنا مال نہ چھوڑے جس سے اس کا قرض ادا ہو سکے، اس کا قرضہ میرے ذمہ ہے۔ اور جو شخص مال چھوڑ مرے، وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

ایک روایت میں ہے۔ جو شخص قرض چھوڑ مرے یا بچے، اس کا ولی میرے پاس آئے۔ میں اُس کا انتظام کروں گا۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ جو شخص مال چھوڑ مرے وہ اُس کے وارثوں کا ہے اور جو قرض یا بچے چھوڑ مرے، اُن کا انتظام میرے ذمّہ ہے۔ (بخاری مسلم)

اسامہؓ بن زیدؓ سے روایت ہے : حضورؐ نے فرمایا مسلم کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ نہ کافر مُسلم کا وارث ہوتا ہے۔ (صحیحین)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا "قاتل مقتول کے مال کا وارث نہیں ہوتا" لوگوں کو اگر یہ حدیث معلوم ہو جائے یا اگر اسے موجودہ قانونِ وراثت کا جزو بنا دیا جائے تو قتل کے اتنے واقعات نہ ہوں۔ کیونکہ قتل کے محرکات میں سے بڑا محرک مقتول کی جائداد ہوتا ہے۔ بالخصوص دیہات میں جہاں زرعی اراضی کی بہت قدر و قیمت ہے۔ بہت سے قتل صرف مقتول کی وراثت حاصل کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔

جس شخص کا کوئی وارث نہ ہو اس کی وارث مملکت ہے اور اُس کا مال قومی بیت المال میں جمع ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اگر متوفی کا ترکہ بہت کم ہو یا نہ ہونے کے برابر ہو اور وہ قرضہ چھوڑ مرے یا اُس کی نابالغ اولاد پیچھے رہ جائے، تو اُس قرضہ کی ادائیگی اور ایسی نابالغ اولاد کی کفالت بھی مملکت کے ذمّہ ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور احادیثِ نبویؐ کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے جو مسلک واضح ہوتا ہے۔ وُہ یہ ہے کہ تقسیم میراث سے جمہوری اقدار کو مستحکم کرنا مقصود ہے۔ نہ مملکت کسی متوفی کی جائداد اور میراث کی وارث ہو سکتی ہے۔ نہ کوئی مخصوص طبقہ بلکہ اُس کے اعزہ و اقربا ہی اس کے جائز حقدار قرار دیئے گئے ہیں جن کے حصص شریعت اِسلام کے بموجب مقرّر کر دیئے گئے ہیں۔ میراث کی تقسیم کے اصول اِس لئے بھی وضع ہُوئے کہ عورتوں، یتامیٰ اور کمزور رشتہ داروں کو اُن کا جائز حصّہ مل سکے۔ اِسلام سے قبل خاندان کے ایسے افراد جو دفاعی اعتبار سے کسی کنبہ کے سربراہ ہوں اور اسلحہ بردار ہوں وُہی وارث بن بیٹھتے تھے۔ شریعت محمدیہ نے جنگ جوئی کی بجائے امن اور صلح پسندی کو صحیح معیار قرار دے کر پس ماندگان کی اقتصادی ضروریات اور تقاضوں کو پُورا کرنے کے لئے میراث کا قانون نافذ کر کے صحیح توازن قائم کر دیا ہے۔ عورت کے مقابلہ میں مرد کو دُگنا حصّہ دینے میں بھی یہی اقتصادی توازن اور مصلحت موجود ہے۔ کہ مرد پر تمام خاندان یا کنبہ کی اقتصادی ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اِسلام نے پس ماندگان

سے پہلے قرض خواہوں، عورت کے حق مہر کی ادائیگی اور ملازموں کے مشاہرہ اور مزدوری کی ادائیگی کو فوقیت دی ہے۔

وصیت کے متعلق بھی حدود مقرر کرتے ہوئے تاکید فرمادی کہ جنھیں ورثہ میں حصہ ملتا ہے اُن کے لئے وصیت کی ضرورت نہیں۔ وصیت صرف اُس مال کے متعلق ہو سکتی ہے جو فی سبیل اللہ دینا مقصود ہو۔

ہم مسلمانوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین وصیت یہی فرمائی ہے کہ ہم قرآن پر عمل کریں۔ حضورؐ کی دیگر وصیتوں میں سے یہ ہے کہ مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے اور قاصدوں کو حضورؐ کی روایات کے مطابق انعام دیا جائے۔

خداوند تعالیٰ ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن وصیتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

صدقات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ (سورۃ التوبہ - آیات ۱۰۳، ۱۰۴)

ترجمہ : ان کے اموال میں سے صدقہ لے اور انھیں اس (صدقہ) سے (ظاہر میں) پاک کر اور (ان کے باطن) کا تزکیہ کر نیز ان کے لئے دعا کر یقیناً تیری دعا ان کے لئے (وجہ) تسکین ہے - اور اللہ سمیع اور علیم ہے - کیا وہ نہیں جانتے کہ یہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے - اور صدقات لیتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی تواب اور رحیم ہے -

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ (۲۷۱:۲)

ترجمہ : اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو یہ (بھی) اچھا ہے - اور اگر انھیں چھپاؤ اور محتاجوں کو دو تو وہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے - اور وہ تمھاری برائیوں کا کفارہ ادا کرے گا - اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی پوری خبر ہے -

لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُھُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُھُمْ بِسِيْمٰھُمْ ۚ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ (۲ : ۲۷۳)

ترجمہ : (صدقات) اُن حاجت مندوں کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں زمین میں (آزادانہ) چلنے پھرنے کی استطاعت نہیں رکھتے - ناواقف ان کے سوال نہ کرنے کے سبب انھیں دولت مند سمجھتا ہے - مگر تو انھیں ان کے چہروں سے پہچان سکتا ہے وہ

لوگوں کے پیچھے پڑ کر نہیں مانگتے۔ اور تم مال میں سے جو کچھ خرچ کرو تو اللہ اسے خوب جانتا ہے

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (۲ : ۲۶۵)

ترجمہ: اور جو لوگ اپنے اموال اللہ کی خوشنودی اور اپنی شخصیت کی تثبیت کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اُن کی مثال اُس باغ کی سی ہے جو بلندی پر ہو۔ اگر اُس پہ بارش ہو تو وہ اپنا پھل دو گنا دے۔ اور اگر اُس پر بارش نہ ہو تو شبنم (ہی اسے کفایت کرے) اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

حضرات! قرآنِ پاک میں جہاں زکوٰۃ کی مدات بیان ہوئی ہیں وہاں اِس کے لیے لفظِ صدقہ استعمال ہُوا ہے اور دوسری طرف موطا امام مالکؒ میں صدقہ فطر کو زکوٰۃ الفطر لکھا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں صدقہ اور زکوٰۃ ہم معنی الفاظ ہیں۔ مگر آج کل بالعموم صدقہ سے انفرادی خیرات مُراد لی جاتی ہے اور زکوٰۃ سے اسلامی حکومت کے مقررہ واجبات۔

ابتدائی دو آیات سے پتہ چلتا ہے کہ صدقہ سے ظاہری پاکیزگی بھی ہوتی ہے اور باطنی تزکیہ بھی۔ علاوہ ازیں صدقہ سے مسلمان حضورؐ کی دُعا کا مستحق ٹھہرتا ہے اور حضورؐ کی دُعا ہر ایک کے لئے باعثِ تسکین ہے۔ مزید برآں صدقہ سے توبہ جلدی قبول ہو جاتی ہے۔

دُوسری آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ضرورت مندوں کو مخفی طور سے صدقہ دینا بہتر ہے۔ اِس سے اپنی بُرائیاں دُور ہوتی ہیں۔

تیسری آیت سے معلوم ہوا کہ صدقہ دیتے وقت ایسے حاجت مند مسلمانوں کو ترجیح دینی چاہیئے جو محض مسلمان ہونے کے باعث کہیں گھِر گئے ہوں۔ وہاں سے نکلنے کی اِستطاعت نہ رکھتے ہوں۔ اور خودداری کے باعث کسی سے پیچھے پڑ کر مانگ بھی نہ سکتے ہوں۔

چوتھی آیت سے معلوم ہُوا کہ اگر مال کو اللہ کی خوشنودی اور اپنی شخصیت کے استحکام کے لئے خرچ کیا جائے، تو پھر زیادہ خرچ کرو یا کم، اِس سے انشاءاللہ العزیز یہ فوائد ضرور مرتب ہوں گے۔ اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی اور اپنی شخصیت کی تعمیر اور استحکام بھی میسر آئے گا۔

اِسلام چونکہ دینِ فطرت ہے۔ اِس لئے اُس نے انسان کی معاشی ضروریات کو انتہائی اہمیت دی ہے اور اُن کے حل کو جزوِ دین قرار دیا ہے۔ اِسلام نے زندگی کا جو جامع مختصر

اور آسان پروگرام پیش کیا ہے، جسے ہم شریعتِ محمدیؐ کے نام سے جانتے ہیں، اس میں زکوٰۃ کو پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ صدقات کی صورت میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی بار بار ترغیب دی گئی ہے۔ اسلامی نظریہ حیات کا تمام تر رجحان اس طرف ہے کہ مسلمانوں میں یہ عادت راسخ کی جائے کہ وہ ضرورت مند افرادِ معاشرہ کی مدد کرنا۔ نیز اجتماعی مقاصد کے لئے خرچ کرنا اپنا فرض سمجھیں اور یہ چیز ان کی طبیعت ثانی ہو جائے۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے ـــــــــ

عَنِ ابنِ عبّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعَثَ مُعاذاً اِلَی الیَمَنِ فَقَالَ ادْعُھُمْ اِلٰی شَھَادَۃِ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَنِّی رَسُوْلُ اللہِ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللہَ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ خَمْسَ صَلَوٰتٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللہَ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً فِیْ اَمْوَالِھِمْ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ وَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ۔

ترجمہ : ابنِ عباسؓ سے روایت ہے حضورؐ نے معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا۔ انھیں اس شہادت کی طرف بُلانا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ اس کو مان لیں۔ پھر انھیں بتانا کہ اللہ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان کے اموال پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کیا ہے۔ جو اُن کے مالداروں سے لیا جائے گا اور محتاجوں پر لوٹا دیا جائے گا۔

یہی اصول اسلام کے معاشی نظریہ کی رُوح ہے کہ دولتمندوں سے فالتو مال لے لیا جائے اور اسے ضرورت مندوں پر خرچ کر دیا جائے۔ حضورؐ کا یہ ارشادِ گرامی سورۃ الحشر کے مندرجہ ذیل الفاظ ہی کی تفسیر ہے۔

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (آیت : ۷)

ترجمہ : تاکہ (مال) تم میں دولت مندوں ہی کے درمیان نہ پھرتا رہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں جگہ جگہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور مال روکے رکھنے کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ قرآنِ پاک کے شروع ہی میں جب اُن لوگوں کی صفات بیان فرمائیں جن کے لئے یہ کتاب باعثِ ہدایت ہے، تو ان میں ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ـــــــــ

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ -

ترجمہ : اور ہم نے اُنھیں جو کچھ دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں -

یہ قرآن پاک کا خاص انداز ہے کہ اس میں جو حکم دیا جاتا ہے، وہ اِس انداز سے دیا جاتا ہے - کہ اِس پر عمل کرنا آسان ہو جائے - مثلاً یہاں یُوں نہیں فرمایا کہ اپنے مال میں سے خرچ کرو - بلکہ ارشاد ہوتا ہے ہمارے دیئے ہُوئے میں سے خرچ کرو - اشارہ اِس طرف ہے - ہمارے دیئے ہُوئے میں سے ہمارے حکم کے مطابق خرچ کرو گے تو ہم اور دیں گے - اور یُوں بھی جو دے اس کا حق ہے کہ وہ بتائے کہ اسے کیسے خرچ کرنا ہے اور لینے والے کا فرض ہے کہ اُس کے مطابق خرچ کرے - اور جب دینے والے کے خزانے کبھی ختم نہ ہونے والے ہوں اور وہ اپنے لیئے کچھ نہ مانگے - بلکہ یہ کہے کہ تم میرے دیئے ہُوئے میں سے اپنے لیئے اپنی اولاد اور اپنے بھائی بندوں کے اجتماعی مفاد کے لیئے (جس میں تمھارا اپنا فائدہ بھی ہے) خرچ کرو، تو پھر یہ حکم ماننا کس قدر آسان ہو جاتا ہے - سورۃ البقرہ میں فرماتے ہیں :-

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (آیت : ۲۴۵)

ترجمہ : کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے تاکہ وہ اسے کئی گنا بڑھائے ! ور اللہ ہی (رزق) کم کرتا ہے اور (وہی رزق) کشادہ کرتا ہے اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے -

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (۶۴ : ۱۷)

ترجمہ : اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو وہ اُسے تمھارے لیئے دوگنا کرے گا اور تمھاری لغزشیں معاف کرے گا - اور اللہ قدر دان اور بُردبار ہے -

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ (۷۳ : ۲۰)

ترجمہ : اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض دو، اچھا قرض - اور بھلائی میں سے جو کچھ تم اپنے لیئے آگے بھیجو گے - اُسے اللہ کے ہاں پاؤ گے - وہ بہتر اور بہت زیادہ اجر دینے والا ہے -

اللہ اکبر ! زمینوں اور آسمانوں کے خزانوں کا مالک اپنے بندوں سے قرضِ حسنہ مانگ رہا ہے - اور اِس لیئے مانگ رہا ہے کہ اِسے کئی گنا کر کے اپنے بندے کو اس سے بہتر اور

بڑا اجر دے۔ بندے کی اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ حق کے اس ارشاد پر لبیک کہے۔ اس سے زیادہ نفع آور سودا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ پہلے خود ہی اپنے بندوں کو رزق دیتا ہے۔ پھر ان سے کہتا ہے اس میں سے کچھ اپنے حاجت مند بھائی بندوں پر خرچ کرو۔ اور پھر اس کے بدلہ میں اُس خرچ سے کئی گنا زیادہ اجر دیتا ہے۔

سورۂ البقرہ میں فرماتے ہیں :۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ (۲۶۱)

ترجمہ : اور وہ لوگ جو اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایک دانہ کی ہے جو سات بالیں اُگاتا ہے۔ جس کی ہر بال میں سو دانے ہوں۔

دوسری طرف بخل کی مذمت فرمائی۔ ترمذی میں ایک حدیث حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا : "مومن میں دو باتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایک بخل اور دوسرے بد خلقی"۔ ترمذی ہی میں ایک اور حدیث حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت کی گئی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا : جنت میں نہ مکار اور بخیل داخل ہوگا اور نہ وہ شخص جو خیرات دے کر احسان جتائے"۔ اسلام کا سارا مزاج ہی بخل کے خلاف ہے۔ بلکہ اسلام اور بخل دو متضاد چیزیں ہیں۔ اسلام روپے پیسے کو ایسی چیز سمجھتا ہے جس سے اپنے اور دوسروں کے لئے استعمال و ضرورت کی چیزیں حاصل کی جاتی ہیں۔ اس لئے جس روپے سے استعمال و ضرورت کی چیزیں حاصل نہ کی جائیں وہ جہنم کی آگ ہے۔ سورہ التوبہ میں فرماتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (۹ : ۳۴، ۳۵)

ترجمہ : جو لوگ سونا اور چاندی اندوختہ کر کے رکھتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری دو۔ جس روز اس سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور کمریں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا۔ اب اپنے اس اندوختہ کا مزہ چکھو۔

سورہ ہمزہ میں فرمایا

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۝ (۱۰۴ : ۱ تا ۸)

ترجمہ: ہر عیب چیں غیبت گو کے لئے بربادی ہے جس نے مال جمع کیا اور اُسے گنتا رہا گمان کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا ہرگز نہیں۔ اُسے یقیناً حطمہ میں ڈالا جائے گا۔ اور تو کیا جانے حطمہ کیا ہے؟ وہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے، جو دلوں تک چڑھ آتی ہے۔

سورۃ المعارج میں فرمایا

كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ۝ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ۝ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ۝ (۷۰ : ۱۵ تا ۱۸)

ترجمہ: یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے۔ جو چہرے کی کھال اُدھیڑ دیتی ہے۔ وہ اس شخص کو جلاتی ہے جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑلیا۔ اور مال جمع کیا اور پھر اسے بند کر کے رکھا۔

بخاری میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: "ہر صبح دو فرشتے اُترتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے: 'اے اللہ! ہر خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما'۔ اور دوسرا کہتا ہے: 'اے اللہ! ہر بخیل کو بربادی نصیب کر'۔"

حضرات! ہر اُس شخص کا جسے حق تعالیٰ نے ایمان نصیب کیا ہو، یہ فرض ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ دے اور اچھی چیز دے۔ صاف ستھری اور پاکیزہ چیز دے یعنی جو حلال طریق سے کمائی گئی ہو۔ حرام کمائی یا گندی اور ناکارہ چیز اللہ کی راہ میں دینا کوئی نیکی نہیں۔

چوتھے پارہ کی ابتدائی آیت ہے

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ (۳ : ۹۲)

ترجمہ: تم ہرگز نیکی نہیں پا سکتے جب تک اس چیز میں سے خرچ نہ کرو۔ جسے تم پسند کرتے ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا

اَنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ٥

ترجمہ: ایماندارو! جو صاف ستھری چیزیں تم کماتے ہو اور جو ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے خرچ کرو اور ان میں سے ایسی ردی چیزیں خرچ کرنے کے لئے نہ چھانٹو کہ تم خود اغماض کئے بغیر اسے لینا پسند نہ کرو۔ اور سمجھ لو کہ اللہ بے نیاز اور مستحق حمد ہے۔

صدقات کے خرچ کے متعلق ارشادِ ربانی ہے کہ

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (التوبہ ۶۰)

ترجمہ: صدقات فقراء کے لیے ہیں اور مساکین کے لئے اور جو ان پر عاملین ہوں اور وہ جن کی تالیف قلب ضروری ہو۔ اور قیدیوں کو آزاد کرانے اور قرضداروں یا تاوان والوں کی ادائیگی کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے

فقیر وہ ہے جو سخت حاجت مند ہو۔ حضور نے ایسے شخص کو جس کے پاس ایک شب و روز کا کھانا ہو، سوال سے منع فرمایا ہے۔ مسکین کے بارہ میں حضور کا یہ ارشادِ گرامی ہے ؛

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں سے مانگتا پھرے اور اُسے کہیں سے ایک لقمہ ملے اور کہیں سے دو لقمے ملیں کہیں سے ایک کھجور ملے کہیں سے دو کھجوریں ملیں۔ بلکہ مسکین وہ ہے جو اس قدر مال نہ رکھتا ہو جو اُسے دوسروں سے بے نیاز کر دے۔ نہ کسی کو اس کا محتاج ہونا معلوم ہو کہ اسے صدقہ دے۔ اور نہ وہ کسی سے مانگنے کے لیئے جائے۔

(موطا امام مالکؒ)

جنگی قیدیوں کو آزاد کرانے کے لئے خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔ اور کسی ایسے شخص کا قرضہ یا تاوان ادا کر دینا بھی صدقہ ہے جو خود ادا کرنے کے قابل نہ ہو۔ مسافر جو زادِ راہ نہ رکھتے ہوں، ان پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی جیسے جہاد اور تبلیغ پر۔ اور صدقات کی فراہمی اور ان کے حساب کتاب کے لئے جو عملہ مقرر کیا جائے، اس کے اخراجات بھی اسی مد سے ادا ہوں گے۔

لیکن صدقہ پر سب سے زیادہ حق اپنے گھر والوں کا ہے۔ وہ لوگ جن کا نان و نفقہ اپنے ذمہ ہو۔ اس کے بعد اپنے عزیز و اقربا اور دوسرے رشتہ داروں کا۔ یہ نہیں کہ اپنے گھر والے اور عزیز و

اقربا تو ضروریاتِ زندگی سے محروم بیٹھے رہیں اور انسان دوسروں پر خرچ کرتا پھرے۔
صحیح بخاری میں حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ ابن مسعودؓ کی بی بی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اجازت ملی تو انھوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے آج صدقہ دینے کا حکم دیا ہے۔ میرے پاس کچھ زیور ہے۔ میں نے چاہا اسے خیرات کر دوں۔ مگر ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے بچے سب سے زیادہ صدقہ کے مستحق ہیں۔
حضورؐ نے فرمایا: ابن مسعودؓ نے درست کہا۔ تمہارا خاوند اور تمہارے بچے اس امر کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ تم انھیں صدقہ دو۔ صدقے سے یہاں ہر کارِ خیر مراد ہے۔ اور یہ عام طور پر اس زکوٰۃ یا سرکاری ٹیکس سے الگ چیز ہے جس کا نکالنا قانوناً اور شرعاً ضروری ہوتا ہے۔ صدقہ عام طور پر خیراتی فنڈ کے معنی میں بھی بولا گیا ہے۔
حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں ابو سلمہؓ کے بچوں پر خرچ کروں تو کیا مجھے ثواب ملے گا، وہ تو میرے ہی لڑکے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم ان پر خرچ کرو۔ جو کچھ تم ان پر خرچ کرو گی تمھیں اس کا ثواب ملے گا۔ (تجرید البخاری)
حضرت زینبؓ زوجہ عبد اللہؓ ابن مسعود نے حضرت بلالؓ کی معرفت حضورؐ کی خدمت میں عرض کی۔ کیا یہ میرے لئے کافی ہے کہ میں اپنا مال اپنے شوہر پر اور ان یتیموں پر جو میری تربیت میں ہیں، خرچ کر دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اسے دوہرا اجر ملے گا۔ قرابت کا اجر اور صدقہ کا اجر۔ (تجرید البخاری)
اسی طرح حضرت ابو طلحہؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب آیت لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۔ نازل ہوئی تو انھوں نے اپنا ایک باغ جو انھیں بہت محبوب تھا۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے صدقہ میں دینا چاہا۔ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا تو آپؐ نے مسرت کا اظہار کیا۔ مگر ساتھ ہی فرمایا۔ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے قرابت والوں میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے اسے اپنے قرابت داروں اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا!
مگر صدقہ پر اس قدر زور دینے سے اسلام کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مفت خوروں اور کاہلوں کی ایک مستقل جماعت پیدا ہو جائے۔ جو معاشرہ پر محض بوجھ ہو۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جس شخص کے ہاں دو وقت کا کھانا ہو، اسے سوال کی اجازت نہیں۔ ہمارے ہاں یہ جو بے طلبیہ مانگنے اور دینے کا رواج ہے۔ یہ روح اسلام کے قطعاً منافی ہے۔ اس لیے لینے والے کی نہی

تذلیل ہے اور دینے والے کی بھی۔ ہر جمعرات کو شہروں میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں ایسے مرد و زن آتے ہیں جو کام کر سکتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود آکر پیسہ پیسہ مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ جو خاصے دولت مند ہیں، اس روز چند روپوں کی ریزگاری لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور ہر آنے والے کو ایک ایک پیسہ دیتے جاتے ہیں۔ اس سے لینے والے ذلیل ہوتے اور خودداری سے محروم ہوتے ہیں۔ دینے والے انھیں ذلیل کرتے ہیں مفت خوری اور کاہلی کا عادی بناتے ہیں اور خود اس غلط زعم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ نیکی کا کوئی بڑا کام کر رہے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا :

مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُضْغَةُ لَحْمٍ۔ (بخاری)

ترجمہ : جو شخص لوگوں سے سوال کرتا رہے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی بوٹی تک نہ ہوگی۔

امام مالکؒ کی روایت ہے حضورؐ نے صدقہ کو لوگوں کا میل کچیل فرمایا۔ میل کچیل تو وہی لے جو سخت مجبور ہو۔ جس کا گزارہ اس کے بغیر ہو سکتا ہو، اُسے اس سے بچنا ہی چاہیئے۔ یہ اسی لئے ہے کہ لوگوں کو مانگنے کی لت نہ پڑ جائے۔ حضورؐ خود کبھی صدقہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ البتہ ہدیہ لے لیتے تھے۔ اور اس کا بھی بدلہ عطا فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری روایت حضرت عائشہؓ)

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے۔ حضورؐ نے فرمایا : سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لئے جائز ہے۔ ایک تو قرض دار کے لئے۔ مگر صرف اتنا مانگے جس سے اپنا قرضہ ادا کر دے۔ دوسرے جو کسی آفت یا مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ اس کے لئے بھی اتنا ہی مانگنا جائز ہے۔ جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ تیسرے وہ جو فاقہ سے ہو۔ اس کو بھی مانگنا جائز ہے مگر صرف اس قدر جس سے وہ زندگی قائم رکھ سکے۔

اسی طرح حضورؐ نے سوال کو زخم سے تشبیہہ دی جس سے سائل اپنا چہرہ زخمی کرتا ہے نیز فرمایا جس کے پاس ایک دن رات کا کھانا ہو اور پھر مانگے تو وہ گویا آگ مانگتا ہے۔

ابوداؤد اور نسائی میں ثوبانؓ سے ایک روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا : جو شخص میرے ساتھ اس بات کا عہد کرے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا، تو میں اس کے لئے جنت

کا ضامن ہوں گا۔ حضرت ثوبانؓ نے اس کے بعد کبھی کسی سے کوئی سوال نہیں کیا۔

مشکوٰۃ میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے مجھ کو طلب فرمایا اور مجھ سے عہد لیا کہ میں کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ میں نے اقرار کیا۔ حضورؐ نے مزید فرمایا۔ یہاں تک کہ اگر تیری چابک بھی گر جائے تو سواری سے خود نیچے اتر کر اسے اٹھا۔"

حضرات! یہ ہے اسلام کے معاشی نظریہ کی صحیح تصویر۔ ایک طرف مال خرچ کرنے پر رغبت دلائی اور اس پر کئی گنا اجر کا وعدہ کیا گیا۔ نیز فرمایا کہ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (مومنوں) کے اموال میں سائل (مانگنے والے) اور محروم (نہ مانگنے والے محتاجوں) کا حق ہے۔ تاکہ ہر شخص اُن لوگوں کو جو وسائل معیشت سے محروم ہیں۔ پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے اپنے اموال میں سے خرچ کرنا اپنا فرض اور ان کا حق سمجھے۔ دوسری طرف بخل اور مال بند کر کے رکھنے کی سخت مذمت فرمائی۔ فرمایا کہ صدقات سے دولت میں اضافہ ہوتا ہے اور بخل سے دولت برباد ہوتی ہے اور یہ ہے بھی درست۔ اگر سارا معاشرہ مضبوط اقتصادی بنیادوں پر استوار ہوگا تو افراد کی حالت بھی اچھی ہوگی، خواہ وہ انفرادی لحاظ سے اتنے مالدار نہ ہوں اور اگر معاشرہ اقتصادی لحاظ سے کھوکھلا ہوگا تو انفرادی دولت کسی کام نہیں آئے گی۔ معاشرہ کی تباہی کے ساتھ ایسے افراد بھی ضرور تباہ ہو جائیں گے۔

تیسری طرف ضرورت کے بغیر سوال کرنے کو سختی سے روکا۔ تاکہ لوگوں کی خودداری ختم نہ ہو اور ان میں کاہلی اور مفت خوری فروغ نہ پائے۔

دکھاوے کے لئے صدقہ دینے، صدقہ دے کر احسان جتانے، سائل سے ترش روئی سے پیش آنے کی بھی مذمت فرمائی۔ کہ ایسے صدقہ سے شخصیت کی تعمیر و استحکام کی بجائے اُلٹا تخریب ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں حضورؐ نے خندہ روئی سے پیش آنے کو بھی صدقہ فرمایا۔ راستہ سے ضرر رساں چیز ہٹا دینے کو بھی صدقہ فرمایا۔ اور نیک بات بتانے اور بری بات سے روکنے کو بھی صدقہ فرمایا۔ غرض ہر کار خیر صدقہ ہے۔ بشرطیکہ اس میں صدق یعنی خلوص اور خوش دلانہ رضا کاری ہو اور کوئی دباؤ نہ ہو۔ (مشکوٰۃ)

دراصل اسلامی نظریہ معاشیات افراط و تفریط سے مبرّا اور صحیح معنوں میں راہِ اعتدال ہے اس میں نہ تو سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی ہے کہ چند افراد یا معاشرہ کے چند طبقے وسائل دولت پر قابض ہو کر بیٹھ جائیں اور دولت انہی کے درمیان گھومتی رہے اور عوام دولت

کے فوائد سے محروم رہیں۔ نہ اسلام کا یہ مدعا ہے کہ وسائل معیشت سرکاری طبقہ کے ہاتھ میں آجائیں۔ نہ کسی کو کاروبار کی اجازت ہو۔ نہ وہ اس کے لئے دماغ لڑائے۔ نہ وہ اُسے ترقی دینے کے لئے محنت کرے۔ اور نہ وہ اسے اپنے اور دوسروں پر خرچ کر سکے۔

اسلام بعض پابندیوں کے تحت انفرادی کاروبار کی اجازت دیتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ سرمایہ کی گردش معاشرہ میں اس طرح ہو جس طرح بدنِ انسانی میں خون کی گردش ہوتی ہے کہ اس کا اثر بدن کی پور پور اور رونئیں رونئیں تک جاتا ہے۔ اسی طرح اسلامی نظریۂ معاشیات کے مطابق معاشرہ کے غریب سے غریب فرد تک دولت کا فیض پہنچنا چاہیئے۔ نہ کوئی شخص معمولی ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو اور نہ کسی کو اس بات کی اجازت ہو کہ وہ دولت کی فراوانی کے باعث خود بھی انسانیت سے محروم ہو جائے اور معاشرہ میں بھی فتنہ و فساد کا باعث بنے۔

اِسلام نے بعض دیگر مذاہب کی طرح معاشرہ کے مالی رُخ کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ اُسے اس کا جائز مقام دیا ہے۔ قرآن پاک میں دو تین جگہ مال کو لفظ "خیر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک جگہ اُسے افراد و معاشرہ کے لئے وجہِ قیام ٹھہرایا گیا ہے۔ مگر اسلام نے مال کو بند کر کے رکھنے ناجائز طریقوں سے کمانے اور بُرائیوں پر خرچ کرنے کی سخت ممانعت کی ہے۔ اور ساتھ ہی پورے معاشرہ کی مالی حالت کو متوازن رکھنے کے لئے تمام ضروری اقدامات کئے ہیں تاکہ بعض لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد مال جمع نہ ہو۔ اور بعض اس سے بالکل محروم نہ رہ جائیں۔

ایک طرف دولت کمانے پر پابندیاں عائد کیں۔ دوسری طرف مال خرچ کرنے پر زور دیا۔ اور مال خرچ کرنے کی بعض صورتیں جیسے زکوٰۃ و صدقات کو مقرر فرما کر انھیں فرض اور عبادت کا درجہ دیا اور ان کا مقصد ہی یہ قرار دیا کہ دولت مندوں سے روپیہ لے کر غریبوں پر خرچ کر دیا جائے۔ اس کے باوجود اگر کچھ لوگ ضروریاتِ زندگی سے محروم رہ جائیں تو سب سے پہلے اسلامی مملکت کو ان کا کفیل قرار دیا۔ پھر دولت مندوں سے کہا کہ ان کے مال میں ضرورت مندوں کا حق ہے اور ان پر زور دیا کہ وہ صدقات پر دن رات خفیہ اور علانیہ خرچ کریں۔ یہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ امرا سے کہا کہ وہ معاشرہ کے ایسے افراد کو جو کسی وجہ سے راس المال سے محروم ہو چکے ہوں۔ پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے بلا سود قرضے دیں اور انھیں اس وقت تک ادائیگی کی مہلت دیں جب تک وہ اپنے پاؤں

پر کھڑے نہ ہو جائیں۔ اگر ہو سکے تو اِن سے اصل زر بھی واپس نہ لیں۔ دوسری طرف قرضہ لے کر نہ دینے والوں کے متعلق اتنا سخت رویہ اختیار کیا کہ جو قرضہ لے کر نہ دے یعنی نہ ادا کرے نہ ادائیگی کا سامان کر جائے۔ نہ وصیت کر جائے اور نہ معاف کرائے تو اس کی نمازِ جنازہ کی بھی ضرورت نہیں۔

اسلام نے ایک طرف عورتوں کو الگ حقِ ملکیت بھی دیا اور اُن کا حق مہر بھی مقرر فرمایا۔ لیکن اگر اس سب کے باوجود کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ روپیہ جمع ہو جائے تو ایسا انتظام کر دیا کہ اس کی وفات کے بعد اس کی جائداد تقسیم ہو جائے۔ میراث میں دُور کے رشتہ داروں کو بھی شریک کیا اور ہر ایک کا حصہ قرآنِ پاک نے خود مقرر فرما کر اس کے حق کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ ہمارے لئے مقامِ غور ہے کہ باوجود اس امر کے کہ کسی دوسرے مذہب میں مال خرچ کرنے کے متعلق اتنی وضاحت اور تاکید نہیں کی گئی جتنی دینِ اسلام میں ہے۔ پھر بھی پاکستان ایسی مملکت میں جو ایک نظریاتی مملکت ہے اور محض اسلام کے نام پر معرضِ ظہور میں آئی ہے۔ بہت کم ایسے ادارے ہیں جنہیں قوم کے اغنیا اور مالداروں نے اس لئے قائم کیا ہو کہ وہ اپنے مالوں کا صدقہ مستحقوں میں تقسیم کر سکیں۔ مغربی دُنیا میں کروڑوں روپیہ کے وقف قائم ہیں اور خود پاکستان میں بھی غیر مسلموں کے قائم کردہ کئی اوقاف خدمتِ خلق کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ مگر خالص اسلامی وقف خال خال ہی قائم ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دیں کہ ہم اسلام کے حیات بخش اقتصادی نظام کو نافذ کر سکیں کیونکہ اس کے بغیر اسلامی نظام کو قائم نہیں کیا جا سکتا۔

وآخر دعونا انِ الحمد للہِ رب العالمین

حُبِّ وطن

الحمدُ للہِ وکفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہِ الذین اصطفٰی۔ امابعد۔ فنا عوذ باللہِ من الشیطٰنِ الرَّجیم۔ بسمِ اللہِ الرحمٰنِ الرَّحیمِ ۝

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (۲۴ : ۵۵)

ترجمہ: اللہ نے ان سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے صالح اعمال کئے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں ضرور زمین پر جانشین بنائے گا۔ جیسے اُس نے ان سے پہلوں کو جانشین بنایا تھا۔ اور ان کے لئے اس دین کو جو وہ ان کے لئے پسند کر چکا ہے (وہاں) ضرور قائم کر دے گا۔ اور ان کے خوف کے بعد اسے ضرور امن میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد ناشکر گذاری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو فاسق ہیں۔

حضرات! اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ عمل صالح کرنے والے اہل ایمان کو ضرور زمین میں جانشین بناتا رہے گا، جیسے وہ اِس سے پہلے کرتا رہا ہے۔ اور اس خطۂ ارضی میں ان کے دین کو قائم کر دے گا۔ اور اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ شرط یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری کی جائے اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ نہ حرص کو نہ لالچ کو، نہ مال وجاہ کی محبت کو، نہ عزیز و اقربا کے لحاظ کو۔ صرف اُسی کے احکام کا خیال رکھا جائے اور اُس کے احکام کو سب پر ترجیح دی جائے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ یہ عطیات الٰہی کے ملنے کے بعد ناشکر گذاری نہ کی جائے۔ کسی چیز کا غلط استعمال ہی اس کی ناشکر گذاری ہے۔ اسی طرح اگر کوئی خطہ زمین دین اسلام کو قائم کرنے کے لئے ملے اور پھر

وہاں اسے قائم کرنے کی کوشش نہ کی جائے، بلکہ غیر اسلامی خیالات و رجحانات کو فروغ پانے کا موقع دیا جائے، تو یہ بھی اس کی ناشکر گزاری ہوگی۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ ———

کون انکار کر سکتا ہے کہ پاکستان اس لئے معرضِ وجود میں آیا کہ برصغیر ہند و پاکستان کے مسلمان اپنے لئے ایک ایسی مملکت کی بنیاد رکھنے کا عہد اور تہیہ کر چکے تھے۔ جہاں وہ اللہ کا نام بلند کر سکیں اور اسلام کا بول بالا کر سکیں۔ پاکستان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے نعرہ پر ہی وجود میں آیا تھا۔ یہ گویا بالواسطہ ایک عہد تھا ہم سب کی طرف سے حق تعالیٰ کے ساتھ کہ پاکستان اسلام کے لئے وقف ہوگا۔ اس دورِ جدید میں اسلام یہاں سے دوبارہ اُٹھے گا اور چار دانگ عالم میں پھیل جائے گا۔ اس نعرہ کی رُو سے ہم سب نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ یہ ملک قائم ہو جانے کے بعد ہم پاکستانی مسلمان اسلامی نظام کے قیام کا کام اپنے ذمہ لیں گے، جیسے قرنِ اوّل میں عربوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا تھا۔ ہم پاکستانیوں کی قومیت اسلام ہوگی۔ اور ہم اپنے وطن پاکستان سے محبت کریں گے کیونکہ یہ اسلام کا مظہر ہوگا۔ اسلام کو پھیلانے کا ذریعہ ہوگا۔

اللہ نے ہماری دُعا قبول فرمائی اور ہمیں یہ ملک عطا فرمایا۔ مادیت اور لادینیت کے اس دور میں اسلامی اقدار کی بنا پر ایک مُلک کا وجود میں آجانا ایک معجزہ تھا۔ اللہ کا خاص فضل تھا۔ پھر اس ملک کی جغرافیائی حیثیت دیکھئے۔ اس کا ایک بازو مشرق میں ہے اور دُوسرا مغرب میں اور دونوں کے درمیان غیر مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ گویا پاکستان جنوب مشرقی ایشیا کے اسلامی ممالک کو مشرقِ وسطیٰ سے ملا رہا ہے اور پھر یہ سلسلہ آگے ایک طرف ترکی کے ذریعہ مشرقی یورپ سے جا ملتا ہے اور دوسری طرف افریقہ کی آخری مغربی حدوں اور افریقہ کے وسط میں اسلامی اکثریت کے علاقوں تک چلا جاتا ہے۔ گویا جنوب مشرقی ایشیا کے اسلامی ممالک، ملایا اور انڈونیشیا اور باقی دنیائے اسلام کے درمیان جو خلیج تھی، اسے پاکستان نے پاٹ دیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ اپنے ایک بازو سے بآسانی جنوب مشرقی ایشیا میں اپنا دائرہ اثر بڑھا سکتا ہے اور دوسرے کے ذریعہ مشرقِ وسطیٰ میں

پاکستان کے وجود میں آنے پر ہر طرف سے ایک شور اُٹھا تھا کہ یہ مذہب کی بنا پر ملک وملت کی بنیاد استوار کرنا تو رجعت پسندی ہے۔ یہ تو قرونِ وسطیٰ کی طرف واپس جانا ہے۔ کیونکہ

اس لئے کہ اللہ کے نام پہ یہ ملک بنادیا گیا ہے۔ روحانی اقدار کو اس ملک کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ دشمنانِ اسلام نے طعنہ زنی کی کہ یہ ملک تو قائم نہیں رہ سکے گا جس کی بنیاد محض نظریاتی ہے۔ اور جو اقتصادی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔

اس زمانہ کے ایک مشہور مغربی مفکر اور مورخ ٹائن بی نے موجودہ مغربی تمدن کے مستقبل پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:-

اگر ہمارا موجودہ مغربی تمدن اجتماعی خودکشی کے ذریعہ گذشتہ تمدنوں کے راستہ پر (جن کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے، مگر جو اب ختم ہو چکے ہیں) گامزن ہونا چاہے، تو کوئی اُسے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتا۔ مگر ضروری نہیں کہ ہم اپنے اس تمدن کو اپنے ہاتھوں تباہ کریں بلکہ اگر ہم چاہیں تو اپنی کوششوں سے تاریخ کو ایک نئے اور اچھوتے موڑ کی طرف موڑ سکتے ہیں ....

اپنے آپ کو بچانے کے لئے ہم کیا کریں؟ سیاست میں عالمی حکومت کا آئینی اور امداد باہمی پر مبنی طریق قائم کیجئے۔ اقتصادیات میں آزاد کاروبار اور سوشلزم کے مابین قابلِ عمل درمیانی راستہ دریافت کیجئے، جو مختلف ملکوں اور زمانوں میں وہاں کی عملی ضروریات کے مطابق ہو اور رُوح کی دُنیا میں (موجودہ) لادینی ڈھانچے کو دوبارہ مذہبی بنیادوں پر استوار کیجئے۔

متذکرہ صدر تینوں امور میں سے آخرکار آخرالذکر ہی اہم ترین ثابت ہوگا"

مغربی مفکرین کے ان افکار کی روشنی میں ہی دیکھئے تو کیا پاکستان موجودہ عالمی تمدن کو بچانے کی طرف پہلا اہم ترین قدم نہیں؟ کیا پاکستان کا قیام اس جدید ترین نظریہ کے خواب کی تعبیر کا آغاز نہیں؟ پھر کیا ہم گذشتہ شب کے پرستار ہیں یا آنے والی سحر کے علمبردار؟ کیا رجعت پسند ہم ہیں یا وُہ لوگ جو ابھی تک انیسویں صدی کے لق و دق صحراؤں میں مارے مارے پھر رہے ہیں اور اپنی پیاس بجھانے کے لئے مادیت کے سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں؟ جو ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ کر اس کے پیچھے دوڑتے ہیں، کیونکہ وُہ خود بالکل تہی داماں ہیں۔

دورِ حاضر کی دُنیا اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کے علم برداروں کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام ہی اشتراکیت اور سرمایہ داری کا درمیانی جادۂ اعتدال ہے اسلام کا اقتصادی ڈھانچہ ہی عہدِ حاضر کی گتھیوں کو سلجھانے کا واحد حل ہے۔ اسی طرح عالمی حکومت کا امدادِ باہمی پر مبنی طریقہ اسلام کے فوق النسل اور فوق الممالک عالمی نظام کے علاوہ کہیں اور نہیں مل سکتا۔ ایک اور مغربی مفکر مسٹر ایچ۔ اے۔ آر گیا اپنی مشہور کتاب "اسلام کدھر؟" کے آخری باب میں لکھتا ہے:۔

"ابھی اسلام کے ذمہ بنی نوعِ انسان کی ایک اور خدمت بھی ہے۔ آخر یہ یورپ سے زیادہ اہل مشرق سے قریب ہے اور بین النسلی مفاہمت اور تعاون کی شاندار روایات کا حامل ہے۔ دُنیا کی کوئی بھی معاشرت بنی نوعِ انسان کی اتنی زیادہ اور اس قدر مختلف نسلوں کو حیثیت، مواقع اور کوششوں کے لحاظ سے متحد کرنے میں اسلام جیسا شاندار ریکارڈ نہیں رکھتی ...... ابھی تک اسلام میں اس قدر قوت موجود ہے کہ وہ نسل اور روایات کے بظاہر ناقابلِ مصالحت عناصر میں مصالحت پیدا کر سکے"۔

جب پاکستان اِسلام کا مظہر ہے۔ اسلام کی آنے والی سحر کا علمبردار ہے۔ اور موجودہ عالمی تمدن کو بچانے کے لئے پہلا قدم ہے، تو پھر ایسے پاکستان سے کیوں محبت نہ رکھی جائے۔ کیوں نہ اس کی محبت کو اللہ اور جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بعد سب سے زیادہ اہمیت دی جائے۔ کیوں نہ اسے اپنی جانوں اور مالوں سے زیادہ عزیز سمجھا جائے؟ شاید بعض لوگ خیال کریں کہ وطنیت تو اسلام کی ضد ہے۔ وطنیت ہی پچھلی دو بڑی جنگوں کا باعث ہی ہے۔ مسلمان کیسے اپنے آپ کو تنگنائے وطن میں محدود کر سکتا ہے۔ اس کی تو تربیت ہی بین الاقوامی گہوارہ میں ہوئی ہے۔ اِس کا تو مزاج ہی فوق الملکی ہے۔ یہ درست ہے۔ مگر ہمارا وطن کا تصور وہ نہیں جو دوسروں کا ہے۔ پاکستان وہ قالب ہے جسے روحِ اسلام نے وقتی طور پر اختیار کیا ہے۔ دوسروں کے وطن جسدِ بے رُوح ہیں۔ اس لئے ان کی محبتِ وطن یا وطن پرستی بت پرستی کے مترادف ہے۔ ہمارا وطن جسدِ بے رُوح نہیں ہم اپنے وطن پاکستان سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ یہ رُوحِ اسلام کا مظہر ہے۔ اس دور میں یہ اسلام کی تجربہ گاہ ہے۔ وہ مرکز ہے جہاں سے اسلام کو باقی دُنیا میں پھیلنا اور وسیع ہونا

ہے۔ آخر ہم اپنے نظریات کو خلا میں تو نافذ کر نہیں سکتے۔ نہ انھیں ابتدا ہی سے تمام دنیا میں نافذ کیا جا سکتا ہے۔ پہلے ہمیں ایک خطۂ زمین منتخب کرنا پڑے گا۔ وہاں ہم اس کا تجربہ کرینگے اور ساتھ ایک ایسی قوم تیار کریں گے جو اس نظریہ کو اپنا لے اور اسے اپنا لینے کے بعد پھر اسے پھیلانے کا کام اپنے ذمہ لے۔ تاکہ یہ اسلامی نظریہ ان لوگوں کی قومی میراث بن جائے۔ ان کی قومیت اور اسلامی نظریۂ حیات لازم و ملزوم ہو جائیں۔ بلکہ اسلامی نظریۂ حیات ہی ان کی قومیت ہو جائے۔

ابتدائے اسلام میں یہ کردار عربوں نے ادا کیا تھا۔ اس دور میں یہ کام پاکستانیوں نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ آج پاکستانی قومیت اور اسلام لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے پاکستان سے محبت، اسلام ہی کی محبت کا ایک ضروری زینہ ہے۔ پاکستان سے محبت، پاکستان پر فخر، پاکستان کو بہتر بنانے کا جنون۔ یہی وہ چیز ہے جو اس وقت ہم کو بچا سکتی ہے ہم ہر جانب سے طاقتور ممالک سے گھرے ہوئے ہیں۔ ایسے ممالک جن کے نظریاتِ حیات ہم سے مختلف ہیں۔ جو رقبہ اور آبادی میں ہم سے بہت زیادہ ہیں۔ جو مادی وسائل میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ اس وقت ان کے مقابلہ میں ہمیں صرف اپنے ملک سے والہانہ محبت ہی بچا سکتی ہے۔ ہم اپنے وطن سے محبت کریں۔ اپنے وطن کے سپاہی بنیں اور جو بھی ہمارا کام ہو اسے سچے محبِ وطن کی طرح محنت اور بے غرضی سے انجام دیں۔

ہمارے پرانے لوگوں میں حب الوطنی نہ ہونے کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے ہندوستان میں غیر مسلم اکثریت ہونے کے باعث وہ ملک ہماری اسلامی امنگوں کا مظہر نہیں بن سکتا تھا۔ ہمارے لئے اس کی حیثیت ایک جسدِ بے روح یا بت کی سی تھی غیر مسلم اس بت کی پوجا کر سکتا تھا، مگر بت شکن مسلمان کے لئے یہ ناممکن تھا۔ اس لئے ان لوگ مسلمانوں کا مرکزِ محبت ہمیشہ بیرونی دنیائے اسلام رہی۔ اس کی نظریں ہمیشہ اسی کی طرف اٹھتی رہیں۔ مگر پاکستانی نوجوانوں کو تو اپنے وطن کی محبت سے سرشار ہونا چاہیئے۔ ان کی نس نس میں وطن کی محبت رچی ہونی چاہیئے۔ کیونکہ پاکستان سے ان کی عاقبت ہی نہیں بلکہ یہ دنیا بھی وابستہ ہے۔ اس سے ان کا مستقبل وابستہ ہے۔ اس سے ان کے مال و جان اور عزت و آبرو کی حفاظت وابستہ ہے۔ ذاتی مفادات آج ہیں کل نہیں۔ مگر وطن ایک زندہ و پائندہ حقیقت ہے۔ فرد، خاندان اور قبیلہ سب کے مفادات وطن کے مفادات سے وابستہ ہیں۔ وطن سے

الگ اِن کا کوئی مفاد نہیں اور وطن کے بالمقابل ان کے مفادات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
جب تک ہم میں سے ہر ایک وطن کی خاطر ذات، خاندان اور قبیلہ کے مفادات کو قربان کرنے کا سبق نہیں سیکھے گا، وطن پروان نہیں چڑھے گا۔ ہر چیز قربانی مانگتی ہے۔ جب تک وطن کا مستقبل خطرہ میں ہے۔ ہم میں سے کسی ایک کی انفرادی ترقی اور سربلندی بھی ایک سراب اور بے معنی شے ہے۔ وطن کی خاطر ایثار اختیار کر کے وطن کا مستقبل محفوظ کر لینے سے ہی ہم اپنے خاندان، قبیلہ، اور اپنے بال بچوں کا مستقبل تابناک اور روشن بنا سکتے ہیں۔ وطن سے محبت اور اس کی خاطر ایثار کر کے ہم اپنے وطنِ عزیز کو اس قابل بنا سکتے ہیں کہ وہ اسلام کی روشنی میں عصرِ جدید کی راہ نمائی کے فرائض ادا کر سکے۔ تاکہ اس بظاہر روشن اور بباطن تاریک دُنیا کے لیے ہم نے جو شمع روشن کی ہے، وہ حقیقی روشنی کا مینار بن جائے۔
اگر پاکستان میں کچھ خامیاں ہیں، اگر یہاں بعض تکالیف ہیں، تو ان کا تدارک ہمیں خود کرنا ہے۔ کوئی باہر سے آ کر تو ان کا علاج نہیں کرے گا۔ ابھی تک ہم میں دورِ غلامی کی جو بعض عادتیں چلی آتی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم صرف ہاتھ پر ہاتھ دھرے نکتہ چینی کرتے رہیں اور کوئی باہر سے آ کر ہمارے سب کام درست کر دے۔ اب اس غلامانہ ذہنیت کو خیرباد کہنا چاہیئے۔ اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے اور باتوں کی بجائے صرف عمل اور پیہم عمل کو اپنا سرمایہ بنانا چاہیئے۔ ہم میں سے ہر شخص چاہتا تو یہ ہے کہ سب لوگ قرنِ اول کے مسلمانوں کی طرح ہو جائیں۔ وہی امانت ہو، وُہی دیانت۔ وُہی خدا ترسی ہو اور وُہی ایثار، مگر یہ صرف دوسروں سے توقع رکھتا ہے۔ اپنے آپ کو بدلنے کے لئے ہم میں سے کوئی بھی تیار نہیں، کوئی بھی کوشش نہیں کرتا۔ اصل کام اپنے آپ کو بدلنا ہے پاکستان کی حالت میں اسی دن انقلاب آئے گا، جب ہم میں سے ہر ایک پہلے اپنے اندر انقلاب لائے گا۔
قائدِ اعظم رح کے وُہ الفاظ، جو اُنھوں نے قیامِ پاکستان کے بعد فرمائے تھے، آج بھی اِس مُلک کے درو دیوار سے گُونج رہے ہیں:-
"قدرت نے آپ کو سب کچھ دیا ہے۔ اس مُلک کے وسائل لامحدود ہیں۔ آپ کی مملکت کی بنیادیں رکھی جا چکی ہیں۔ اِس بنیاد پر عمارت تعمیر کرنا اور اُسے جلدی سے اور بطریقِ احسن تعمیر کرنا آپ کا کام ہے

بسم اللہ کیجئے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو"۔
ہے کوئی جوان الفاظ پر لبیک کہے اور اپنے لئے دین و دنیا کی سرخروئی کا سامان کر جائے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی پہچان کی کتنی نشانیاں بیان فرمائی ہیں جن کی تفصیل خود
حضور کے اور خداوند تعالیٰ کے نود و نہ نام ہیں۔ یہاں مرد مومن کی چند ایک علامات بیان
کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا۔ کیوں کہ ان خصائل سے عاری رہ کر نہ تو ہم صحیح معنوں میں
مسلمان کہلا سکتے ہیں اور نہ اپنی نظریاتی اسلامی مملکت پاکستان کے محب وطن شہری۔
اصل مطلب تو ایسا قومی کردار بنانے سے ہے کہ انفرادی یا اجتماعی زندگی کے نازک مراحل
پر وہ تمام صلاحیتیں خود بخود بروئے کار آجائیں۔ جس سے ایک مومن یا اسلامی مملکت
پاکستان کے شہری اور دوسرے ممالک کے باشندوں کے درمیان امتیاز ہو سکے۔
مسلمانوں کے درمیان باہمی اتحاد اور نظم کی تاکید فرماتے ہوئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ
وسلم کا ارشاد ہے "تم مسلمانوں کو ان کی باہمی رحمدلی، دوستی اور محبت و عنایت میں ایک
جسم کی طرح دیکھو گے"۔
قومی اتحاد و یگانگت کی اس سے بہتر تمثیل کہاں مل سکتی ہے۔
انفرادی اور قومی احساس سود و زیاں کے سلسلہ میں حضور نے فرمایا ہے کہ
"مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا"۔ اس حدیث شریف سے صاف
ظاہر ہے کہ انفرادی اور قومی مفادات کے جانچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سلیم
سے کام لینا ہمارے لئے ضروری ٹھہرا دیا گیا ہے۔
قوم میں تفرقہ ڈلنے میں انسان کی زبان اور ہاتھ ہی ایسے اعضا ہیں کہ اگر ان پر قابو نہ
رکھا جائے تو تخریب اور انتشار لازمی نتیجہ ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل
مسلمان کی یہ نشانی بھی بیان فرمائی کہ "اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان ایذا نہ پائیں"۔ احساس
ذمہ داری اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم نہ صرف قومی اور ملی امور کے سلسلہ میں اپنے قول
اور فعل میں مجموعی ملی مفاد کو ملحوظِ خاطر رکھیں بلکہ انفرادی امور میں بھی غیر ذمہ دارانہ اظہار خیال
اور فعل سے اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ حضور ہی کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص مومن کہلانے
کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو وہ
اپنے لئے کرتا ہے"۔ قومی اتحاد اور یگانگت کے دوررس اثرات کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کا واضح اور یقین اعلان ہے۔ "وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے ہم پر ہتھیار اُٹھائے"۔ انہی جذبات یگانگت و اتحاد کی حضورؐ نے مزید یوں تفسیر فرمائی ہے۔

"بدگمانی سے بچو، کیونکہ یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ ٹوہ بھی نہ لیا کرو۔ باہم خود غرضی، حسد، بغض اور دشمنی نہ کیا کرو۔ اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بنے رہو۔ جیسا کہ حکم الٰہی ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ ایک مسلمان دوسرے پر ظلم نہیں کرتا۔ اسے بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا اور اس کی تحقیر نہیں کرتا۔ پھر اپنے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقویٰ اس جگہ ہوتا ہے۔ اس جگہ ہوتا ہے، کسی کی طرف سے شر ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر مسلمان کا خون، آبرو اور مال دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اللہ تمہارے جسموں، شکلوں اور عملوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے"۔

بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اسلامی مملکت پاکستان کی سالمیت اور استحکام و بقا کے لئے ان بنیادی احکامات و ہدایات پر ثابت قدم رکھے جن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے اور اس طرح ہمیں پاکستان کے محب وطن شہری بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اسلام اور اکتسابِ علوم

الحمدُ للہِ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ - امابعد - فاعوذ باللہِ من الشیطٰن الرجیم - بِسمِ اللہِ الرحمٰنِ الرحیمِ

ھُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

ترجمہ : وہی اللہ ہے جس نے مبعوث فرمایا ان پڑھوں میں ایک رسول، انہی میں سے، جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور تزکیہ کرتا ہے اُن کا اور تعلیم دیتا ہے انھیں کتاب کی اور حکمت کی۔ ورنہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ (الجمعۃ : ۲)

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (۲ : ۳۰، ۳۱)

ترجمہ : اور جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا : "میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں" - وہ بولے : کیا آپ اسے زمین میں (نائب) بنائیں گے جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم آپ کی تعریف کے ساتھ آپ کی تسبیح کرتے ہیں اور آپ کی تقدیس بیان کرتے ہیں۔ (اللہ نے) فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور سکھلائے آدمؑ کو نام سارے - پھر ان (چیزوں) کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ - اگر تم (اپنے اس دعویٰ میں) سچے ہو۔

حضرات ! پہلی آیت میں حضور اکرمؐ کی بعثت کا یہ مقصد بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ لوگوں کے قلوب کا تزکیہ کرتے ہیں اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ گویا دلوں کا تزکیہ کرنے کے ساتھ کتاب وحکمت کا علم سکھانا بھی مقاصدِ نبوت ہیں۔

سورہ البقرہ کی دوسری جو دو آیات آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہیں ان میں اس مشہور واقعہ کا بیان ہے جو صبح ازل پیش آیا تھا۔ حق تعالٰی نے جب فرشتوں کو بتایا کہ وہ انسان کو زمین پر اپنا نائب مقرر کرنا چاہتے ہیں تو فرشتوں نے اس پر حیرانگی کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ تو وہاں فساد پھیلائے گا، اور خون خرابہ کرے گا۔ اس کے مستحق تو ہم فرشتے ہو سکتے تھے جو تیری تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں اور معصوم و بے گناہ ہیں۔ حق تعالٰی نے آدمؑ کو تمام اشیائے کائنات کے نام سکھا دئیے۔ کسی چیز کا نام جاننا اس کے خواص اور استعمال سے واقف ہونا ہے۔ گویا آدمؑ کو کائنات کی ہر شے کے خواص اور اس کا استعمال بتا دیا گیا۔ پھر فرشتوں سے اس کے متعلق سوال ہوا۔ کیونکہ وہ بھی خلافت ارضی کے خواہش مند تھے۔ آخر نائب سلطنت وہی ہو سکتا ہے جو اپنی قلمرو کی جملہ اشیا کی ماہیت سمجھے اور انھیں استعمال میں لا سکے۔ مگر فرشتوں کو یہ معلوم نہ تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر وہ آدمؑ کی خلافت ارضی کے قائل ہو گئے اور اس کے سامنے بحکم الٰہی سجدے میں گر گئے۔ یعنی اس کی برتری کو تسلیم کر لیا۔ اور یہ برتری علم کے سبب سے تھی اور علم بھی اشیائے کائنات کا۔

حضور اکرمؐ کے بعض ارشادات سے بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حضورؐ مسجد میں تشریف لائے۔ جہاں دو مجلسیں منعقد تھیں ایک مجلس کے لوگ عبادت و دعا میں مصروف تھے اور دوسری مجلس میں علمی گفتگو ہو رہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دونوں مجلسیں بھلائی پر ہیں۔ مگر اہل علم کی مجلس دوسری سے بہتر ہے۔ اور میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ چنانچہ آپؐ ان ہی میں تشریف فرما ہوئے۔ (مشکوٰۃ)

اسلام نے علم کائنات کو بابرکت قرار دیا۔ قرآن پاک میں ہواؤں، سمندروں، پہاڑوں اور ستاروں وغیرہ کو آیات الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی حال دوسرے علوم کا ہے۔ تاریخ اقوام قرآن پاک کا مستقل جزو ہے۔ انسانی بدن کو بھی اپنی قدرت کاملہ کے نمونہ کے طور پر پیش فرماتے ہیں۔ اور اخلاقیات اور تزکیہ نفس تو قرآن پاک کے خاص موضوع ٹھہرے۔ اس سے پہلے دوسری اقوام میں علم کائنات کو یہ درجہ حاصل نہ تھا کیونکہ ان میں اکثر دنیا کو مایا یا فریب سمجھتے تھے۔ قدیم یونانی بھی اسے غیر حقیقی اور کسی اور دنیا کا سایہ سمجھتے تھے۔ قرآن پاک نے اسے تخلیق بالحق فرمایا اور اٹھتے بیٹھتے اللہ کی یاد کے ساتھ آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرنے کو بھی عبادت میں داخل کیا۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (۳ : ۱۹۱)

ترجمہ : وہ جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ کی یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ (کارخانہ) باطل یعنی بے مقصد نہیں پیدا کیا۔

یہی نہیں، بلکہ تجرباتی اندازِ علم جو موجودہ سائنسی تحقیقات کی بنیاد ہے، اسلام ہی کا دیا ہوا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرماتے ہیں۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۔

ترجمہ : جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ لگ۔ یقیناً سمع، بصر اور فؤاد ہر ایک کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (کہ آیا تم نے اس کا صحیح استعمال کیا تھا یا نہیں)

سورۃ الفرقان میں عباد الرحمٰن کی تعریف میں فرماتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝

ترجمہ : اور جب انھیں ان کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔

دوسری طرف کفار کے متعلق کئی جگہ فرمایا کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ ان کے کانوں میں ڈاٹ ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

تجرباتی اندازِ علم یہی ہے کہ انسان پہلے کسی چیز کے متعلق سُنتا ہے، پھر اُسے اپنے مشاہدہ سے پرکھتا ہے۔ اور پھر اس پر غور و فکر کرتا ہے۔ جو شخص بات کو سُننے کے لئے ہی تیار نہ ہو، یا سُنے تو وہی سُنے جو وہ سُننا چاہتا ہے یعنی اپنے تعصبات و اوہام کا شکار ہے وہ گویا علم کے پہلے درجہ ہی سے محروم رہا۔ علم کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ سُنی ہوئی بات کو حقائق و واقعات کی روشنی میں پرکھے۔ قرآن پاک جگہ جگہ آسمانوں اور زمین کے مشاہدات کی طرف توجہ دلاتا ہے اور خود انسان کے اپنے تاریخی واقعات اور رنگ و زبان کے اختلافات پر۔ تیسرا درجہ پھر ان پر غور و فکر کر لینے اور ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کا ہے اور یہی طریق کار موجودہ سائنس کی بنیاد ہے۔ اسی لیے علامہ اقبالؒ نے اپنے مجموعۂ خطبات میں ایک جگہ لکھا ہے کہ حضور اکرم عصرِ جدید کے دروازے پر کھڑے نظر آتے ہیں۔" نہیں، بلکہ آپؐ اس دروازہ

کے کھولنے والے ہیں۔

مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں ہم نے نہ صرف تجرباتی اندازِ علم کو خیرباد کہہ دیا، بلکہ علم الاشیائے کائنات کو بھی چھوڑ کے بیٹھ گئے۔ یہ تجربہ ہوا کہ ہماری اس میراث پر اغیار قابض ہو گئے اور ہم دُنیا کی قوموں میں سب سے پیچھے رہ گئے ہمارے اسلاف کا یہ طرزِ عمل نہ تھا۔ بلکہ یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں۔ نہ یہ محض خوش فہمی پر مبنی ہے کہ یورپ کے موجودہ علوم و فنون تمام کے تمام مسلمانوں کے مرہونِ منت ہیں۔ کئی سو برس تک یورپ تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر مسلمانوں کا نام لینے سے جھجکتا رہا ہے اور ان کا احسان تسلیم کرنے سے انکار کرتا رہا ہے۔ مگر اب ان کے علما کھلم کھلا اس حقیقت کا اعتراف کر رہے ہیں۔ بقول ایک عیسائی مصنف "عربوں نے سائنس اور فلسفہ کی قلمرو کو اسی سرعت کے ساتھ فتح کر لیا جس طرح رومۃ الکبریٰ کے علاقوں کو"۔ حضور نے ایک بار جنگی قیدیوں کا زرِ فدیہ یہ مقرر فرمایا تھا کہ ان میں سے جو پڑھے لکھے ہیں وہ مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔ اسی سے حضور کی محبتِ علم کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ دو شخصوں سے رشک کرنا روا ہے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا اور اُسے راہِ حق میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے علم دیا اور وہ اس کے مطابق عمل کرتا اور اسے دوسروں کو سکھاتا ہے۔ (صحیحین)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ انسان کے فوت ہو جانے کے ساتھ اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین کاموں کا ثواب جاری رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ۔ دوسرے علم جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ تیسرے نیک اولاد جو اس کے لئے دُعا کرتی رہے۔ (مسلم)

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص علم کی تلاش میں چلتا ہے، اللہ اس پہ بہشت کے راستہ کو آسان کر دیتا ہے۔" (مسلم)

چنانچہ حضورؐ کے ارشاداتِ گرامی اور خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہر مسلمان مبلغ ہو گیا اور اُس کا گھر تعلیم کا مرکز بن گیا۔ اموی خاندان کے پہلے چار خلفاء کے عہد میں ابتدائی تعلیم لازمی تعلیم کا مقام حاصل کر چکی تھی۔ اور مکہ، مدینہ۔ یمن۔ دمشق۔ قاہرہ۔ اسکندریہ۔ کوفہ۔ بغداد۔ بصرہ اور نیشاپور میں وہ وہ درسگاہیں مقرر ہوئیں جنھوں نے آگے جا کر علمی مراکز اور

یونیورسٹیوں کا درجہ حاصل کر لیا۔ اِس زمانہ میں کوئی گاؤں ایسا نہ تھا۔ جہاں کم ازکم ایک مسجد اور ایک مدرسہ نہ ہو۔ تمام بچوں کو تعلیم مُفت دی جاتی تھی۔ بادشاہ، وزیر۔ شاہزادے۔ حاکم اور اُمرا نیز بڑے بڑے تاجر علم کی سرپرستی کو اپنا دینی فرض سمجھتے تھے۔

۱۰۶۵ء میں نظام الملک نے درسگاہ نظامیہ کی بُنیاد رکھی۔ جو علم کی ترقی اور نئے طریقِ تعلیم کی ترویج میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہ وہی درسگاہ ہے جہاں امام غزالیؒ نے چار برس تک درس دیا۔ اِس یونیورسٹی میں تعلیم کے تمام شعبے موجود تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں نظامیہ کی طرز پر بغداد اور اسکندریہ میں تین اور موصل میں چھ ایسی درسگاہیں قائم ہو گئیں علاوہ ازیں نیشاپور، سمرقند، اصفہان، مَرو، بلخ، غزنی اور لاہور میں بھی کم ازکم ایک ایک ایسی درسگاہ قائم ہو گئی۔

ہسپانیہ کے ہر شہر اور ہر قصبہ میں لائبریریاں تھیں۔ قرطبہ کی لائبریری میں ۶ لاکھ کتابیں تھیں امیر و غریب کتابوں کی فراہمی میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے۔ اور بچہ بچہ تعلیم کے زیور سے مزین تھا۔ ہسپانیہ ہی سے یورپ میں علمی تحریک گئی۔ اور یہ ہمارا ہی ورثہ تھا جسے بعد میں یورپ نے آراستہ کر کے دوبارہ ہمارے سامنے ایک نئی صورت میں پیش کر دیا۔ ان دنوں یورپ جہالت کے تاریک پردوں میں لپٹا ہوا تھا۔ مغربی یورپ کا کوئی پادری لاطینی کا ایک فقرہ تک اپنی زبان میں ترجمہ نہیں کر سکتا تھا، حالانکہ لاطینی عیسائیوں کی مذہبی زبان تھی۔

مختلف علوم و فنون میں مسلمانوں نے ترقی کی جو نئی راہیں کھولیں اُن کی مثال اور کہیں مشکل ہی سے ملے گی۔ ریاضی میں صِفر کی اہمیت سب سے پہلے انھوں نے معلوم کی اور اس سے کسرِ اعشاریہ ایجاد کر کے حساب کو نہایت سادہ بنا دیا۔ جیومیٹری یونانیوں سے لی مگر الجبرا خود ایجاد کیا۔ محمد بن موسیٰ خوارزمی بہت بڑا ریاضی دان تھا۔ الجبر و المقابلہ اسی کی مشہور تصنیف ہے۔ فلکیات میں بھی مسلمانوں نے بہت سا کام کیا۔ اِس علم میں آج تک انہی کی اصطلاحات رائج ہیں۔ جا بجا رصدگاہیں قائم کیں اور کئی آلات ایجاد کیے۔ مسلمان علمائے فلکیات میں ابنِ یونس۔ ابو العباس الفرغانی۔ الزرقلی اور ابو عبداللہ محمد البتانی کے نام بہت مشہور ہیں۔ اہلِ یورپ کی کتابوں میں آج تک اُن کے بگڑے ہوئے ناموں الفرجینی اس، آزرے قل، ال بیگنی کے حوالے پائے جاتے ہیں۔

علم جغرافیہ میں مسعودی، مقدسی، ادریسی اور البیرونی جیسے باکمال پیدا ہوئے۔ کیمسٹری کا

موجد جابر بن حیان تھا جسے یورپ والے گیبر کہتے ہیں۔
موجودہ ڈاکٹری آج تک ابوبکر محمد ابن ذکریا رازی اور ابو علی الحسینی ابن عبداللہ ابن سینا کے احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکی۔ یورپ میں رازی کو "ریزز" اور ابن سینا کو "ایوی سینا" کہا جاتا ہے حکیم ذکریا رازی نے دو سو تینتیس ۲۳۳ کتابیں لکھی ہیں جن میں الحاوی اور منصوری بہت مشہور ہیں۔ شیخ بوعلی سینا کی القانون فی الطب اور الشفا دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں اور کوئی چھ سو برس تک یورپ کے تمام جلیل القدر ڈاکٹر صرف انہی پر اکتفا کرتے رہے ہیں۔ ہسپانیہ میں ابن زہر بہت بڑا طبیب ہوا ہے جو یورپ میں الوین زوار کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی کتاب التیسیر بہت مشہور ہے۔ ابن عباس الزہراوی قرطبہ کا مشہور سرجن تھا۔ زہراوی کی کتاب التصریف تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا آخری حصہ جراحی کے متعلق ہے۔ کئی سو برس تک اسی کتاب کو یورپ میں سرجری کی اعلیٰ ترین کتاب کا درجہ حاصل رہا۔
ابوالقاسم عمار بن علی الموصلی ایک اور ڈاکٹر تھا جو امراضِ چشم کا ماہر خصوصی تھا۔ اس کی کتاب المنتخب فی علاج امراض العین بہت مستند اور مشہور ہے۔ یہ مصر چلا گیا تھا اور الحاکم کے دربار میں بہت معزز تھا۔ یورپ کی کتابوں میں اسے "کینا موسیلی" لکھا جاتا ہے
شہرہ آفاق فلسفی ابن رشد کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یورپ اسے ابوروس کے نام سے جانتا ہے اور آج بھی وہاں اس کی کتابیں احترام سے پڑھی جاتی ہیں۔
تاریخ میں ابن خلدون کے مقدمہ نے جو جگہ حاصل کی۔ اسے سب بخوبی جانتے ہیں۔ انھوں نے تاریخ کو افراد کے واقعات کی بجائے اقوام کے اجتماعی عروج و زوال کا آئینہ بنایا۔ موجودہ دور میں ول ڈیورنٹ اور آرنلڈ ٹائن بی نے جو شہرہ آفاق کتابیں لکھی ہیں وہ ابنِ خلدون ہی کے تتبع میں لکھی گئی ہیں۔
اسی طرح علم نفسیات جو یورپ میں ایک نیا علم ہے ہمارے ہاں صدیوں پہلے سے موجود ہے اور ہمارے صوفیا اس کے متعلق بہت سی کتابیں بھی لکھ چکے ہیں۔ یورپ کے ماہرین علم نفسیات ابھی تک ذہن کو تین حصوں شعور، تحت الشعور اور لاشعور پر مبنی سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارے صوفیا انسان کے اندر جو کچھ ہے، اسے چھ حصوں نفس، قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ پر مشتمل بتا چکے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

غرض علم کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں مسلمانوں نے حیرت انگیز کام نہ کیا ہو۔ البتہ جب سے ہم پر دورِ زوال آیا ہے، ہم نے کوئی قابلِ ذکر علمی کام نہیں کیا۔ یہی قرآنِ پاک جو پہلے ہر علم و فن کے لئے سرچشمہ اور ہدایت نامہ تھا، اب اسی سے نئے علوم و فنون سیکھنے کی ممانعت کے احکام نکالے جانے لگے ہیں۔ جب ذہنیت میں پستی آجائے تو اسی طرح آنکھوں پر پردے پڑجاتے ہیں اور اندازِ فکر الٹ جاتا ہے۔

آج تمام طاقت کا دارومدار سائنسی تحقیقات پر ہے۔ مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ طاقت کو بدی کے ہاتھ میں نہ جانے دے، بلکہ اسے بدی سے چھین کر نیکی کے لئے استعمال میں لائے تاکہ یہ دنیا امن و امان کا گھر اور جنت کا ٹکڑا بن جائے۔ یہی خلافتِ ارضی کا مفہوم ہے لیکن اگر مسلمان ان علوم ہی سے دور رہے گا۔ جو طاقت کے حصول کا ذریعہ ہیں تو وہ طاقت کیسے حاصل کرے گا اور جب تک وہ طاقت حاصل نہیں کرے گا، اسے نیکی کے قدموں میں کیسے ڈالے گا؟

ضرورت ہے کہ ہم اہلِ پاکستان اپنے اس فرض کو پہچانیں۔ دورِ حاضر بیداری کا وقت ہے۔ یورپ سے اپنی علمی میراث واپس لے کر اس پر اور زیادہ کام کرنے کا وقت ہے۔ سائنسی جستجو اور تحقیق میں قدم بڑھانے کا وقت ہے۔ دنیا کی اقوام میں اپنا جائز مقام حاصل کرنے کا وقت ہے۔ لیکن یہ سب کچھ محنت سے ہوگا۔ دن رات کی ان تھک محنت سے محض باتوں اور خیال آرائی سے کچھ نہیں ہوگا۔

اسلام کی عظمت کے دنوں میں دنیوی اور مذہبی تعلیم میں کوئی تفریق نہ تھی۔ یہ اسلام کی عظمت تھی کہ اس نے مساجد میں قرآن، حدیث اور فقہ کے ساتھ ساتھ علم کیمیا، علمِ طبیعات علمِ نباتات، طب اور فلکیات پر بھی درس دیئے جانے کا انتظام کیا۔ ان دنوں کی مساجد کو بجا طور پر یونیورسٹیاں کہا جا سکتا ہے۔

اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے بانی نے علم حاصل کرنے کو ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض قرار دیا۔ حضورؐ ہی کے ارشادات میں سے ہے کہ

"عالم کے قلم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ پاکیزہ ہے"۔

"ایک گھڑی کا غور و فکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔

"جو علم حاصل کرتا ہے وہ ہرگز نہیں مرتا"۔

"جو عالم کی عزت کرتا ہے، وہ میری عزت کرتا ہے۔"

"اللہ تعالیٰ نے فہم سے بہتر کوئی چیز تخلیق نہیں فرمائی۔"

"اہلِ علم لوگوں کی باتیں سُننا اور دوسروں کو علم کی باتیں بتانا، مذہبی رسوم ادا کرنے سے بہتر ہے۔"

قرآن مجید اور سرورِ کائنات کے ارشادات کے مطابق جاہل مسلمان کا تصوّر ہی نہیں کیا جاسکتا بلکہ جہالت اور اسلام دو متضاد چیزیں نظر آتی ہیں۔ اگر ہم اپنے ماتھوں سے جہالت کے کلنک کا ٹیکا مٹانا چاہتے ہیں اور صحیح طور پر مسلمان کے لقب سے بہرہ اندوز ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں جہالت، اوہام پرستی، احمقانہ اور قوانینِ فطرت کے خلاف عقائد کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنا چاہیئے اور اللہ کی مخلوق کے ان سب گروہوں سے علم وعمل کے میدان میں سبقت لے جانا چاہیئے۔ جو قرآن حکیم کی اندازِ فکر کے مطابق افلاک پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔ اسلام جس سے زیادہ انقلاب آفریں تحریک اور طاقت نے انسانی تخیل میں جنم نہیں لیا۔ اغیار کی نگاہوں میں ہماری جہالت وپسماندگی کی وجہ سے بدنام ہے۔ حالانکہ ان افکار وحالات کا جنھیں عصرِ جدید سے تعبیر کیا جاتا ہے خود اسلام نے ہی آغاز کیا ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ علم سے وابستگی یا اس سے تہی ماندگی ہی ہمارے عروج و زوال کی داستان ہے۔ اگر ہم پھر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونا چاہتے ہیں اور عروج کی منزلیں کامیابی سے طے کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں قرآنِ پاک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر بلا تاخیر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ خداوند تعالےٰ نے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام میں سرمایہ و محنت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بعد - فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا ٥ (۲۸ : ۴۸)

ترجمہ : اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور نظامِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے پورے نظام پر غالب کرے - اور اللہ کے لئے شہادت دینا کفایت کرتا ہے -

یہی مضمون سورہ الصّف کی ایک آیت میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ فرمایا -

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۙ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ٥ (۶۱ : ۹)

ترجمہ : اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور نظامِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے پورے نظام پر غالب کرے - خواہ مشرکوں کو یہ چیز (کتنی ہی) بُری (کیوں نہ) لگے -

قرآنِ پاک میں اور جگہ بھی یہی مضمون آیا ہے - اِس لئے اِس بات میں تو شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ اسلام کسی نظام کے ایک یا چند گوشوں پر نہیں پورے نظامِ زندگی پر غالب رہنا چاہتا ہے - اس وقت تک یہ دُنیا اپنے اختتام کو نہیں پہنچ سکتی - جب تک پہلے یہاں اِسلامی نظام کا بول بالا نہ ہو جائے - چونکہ اسلام نظامِ حق ہے، اسی لئے ضروری ہے کہ وہ ہر نظامِ باطل پر غالب ہو کے رہے - یہی نہیں، بلکہ اسلام کامل ترین اور مکمل ترین نظامِ حیات بھی ہے -

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ٥

ترجمہ : آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور نظام

زندگی کی حیثیت سے تمہارے لئے اسلام کو پسند کیا۔
یہاں لفظِ دین نظامِ حیات کے معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔
چونکہ اسلام مکمل اور کامل نظامِ حیات ہے، اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ تمام دُنیا میں نافذ ہو کے رہے۔
اِسلام کے کامل اور مکمل ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ اُس نے اِنسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھی ہے اور افراط و تفریط سے بچ کر ایک متوازن اور صحت مند پروگرام دیا ہے، جس سے اِنسانوں کی انفرادی اور اجتماعی، نیز اقتصادی، ذہنی اور روحانی ترقی نہایت خوبصورت طریق سے ہوتی چلی جاتی ہے۔ نہ تو اس میں کہنہ نظاموں کی طرح معاشی اور ذہنی یا عقلی ضروریات کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اور نہ نئے نظاموں کی طرح روحانی ضروریات سے آنکھیں بند کی گئی ہیں اور بدنی سلامتی کی قیمت فکری غلامی کی صورت میں وصول کی گئی ہے جس کا نتیجہ رُوحانی افلاس میں ظاہر ہُوا ہے۔
اِسلام موجودہ دَور کی سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان واحد درمیانی راستہ ہے، جس میں ان دونوں کی خوبیاں موجود ہیں اور دونوں کی بُرائیوں سے الگ ہے۔ اِسلام میں حیوانی ضروریات کو مرکزی حیثیت نہیں دی گئی۔ مگر اس میں اِنسان کی بدنی ضروریات کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ بلکہ انہیں جائز اہمیت دی گئی ہے۔ اور انھیں پورا کرنے کا جائز انتظام بھی کیا گیا ہے۔ اسلام میں اشتراکیت کی طرح شکم کو مساوات کی بُنیاد نہیں بنایا گیا، بلکہ اِنسانوں کے معاشی اختلافات کو قدرتی سمجھ کر انہیں تسلیم کیا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ (۱۶ : ۷۱)

ترجمہ: اور اللہ نے تم میں سے بعض کو رزق کے لحاظ سے بعض پر فضیلت دی ہے
اسلام میں اِنسان کے اپنی مرضی سے کمانے اور اپنی مرضی سے خرچ کرنے کے حق سے بھی اِنکار نہیں کیا گیا۔ لیکن کمانے اور خرچ کرنے کے طریقوں پر پابندیاں ضرور عائد کی گئی ہیں تاکہ نہ تو بعض لوگوں کے پاس ضرورت سے زیادہ مال جمع ہونے پائے اور نہ بعض دوسرے ابتدائی ضروریاتِ زندگی سے محروم رہیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کی گئی۔ بلکہ اس سلسلہ میں مزید اقدام یہ کیا گیا ہے کہ ان پیش بندیوں کے باوجود اگر کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ مال جمع ہو جائے تو وہ اسی صورت میں آگے منتقل نہ ہو سکے، بلکہ تقسیم ہو جائے۔ اس کے لئے وراثت

کا قانون ہے، جسے فرض کا درجہ حاصل ہے۔
دُوسری طرف یہ کیا کہ اگر کوئی اپنی کم از کم ضروریات کے لیئے بھی مال حاصل نہ کر سکے، تو وُہ اِن ضروریات سے محروم نہ رہے۔ بلکہ اس کی ابتدائی ضروریات کے لیئے مال پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔ اِسلام نہ مال و دولت سے متنفر کرتا ہے، نہ اسے زندگی کا مقصد قرار دیتا ہے۔ نہ انفرادی ملکیت کے حق سے محروم کرتا ہے اور نہ ہر چیز کو ملکیت بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ نہ کسی کو اپنے لیئے کام انتخاب کرنے اور اسے چلانے سے روکتا ہے، اور نہ ایسے کام منتخب کرنے اور انھیں ایسے طریقوں سے چلانے کی اجازت دیتا ہے جن سے عوام غریب سے غریب تر ہوتے چلے جائیں اور تمام وسائل دولت ایک گروہ کے ہاتھ میں جمع ہوتے جائیں۔ وہ دولت کمانے اور خرچ کرنے پر بعض پابندیاں عائد کر کے، نیز جمع شدہ دولت کو تقسیم کر دینے کا حکم دے کر معاشرہ میں ایک گونہ معاشی ہمواری پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اِسلام پہلا مذہب ہے جس نے معاشی تدابیر و تحفظات کو بھی عبادات کا درجہ دیا ہے اور اِس سلسلہ میں تاکیدی احکامات جاری کیئے ہیں۔
قرآنِ پاک کتاب الہدیٰ ہے۔ اِس میں زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اشارے موجود ہیں۔ اور اِن اشاروں کی روشنی میں بآسانی راہِ عمل معین کی جا سکتی ہے۔
اِسلامی نظریۂ معیشت کا راہ نما اصول قرآنِ پاک کی ایک آیت کا یہ ٹکڑا ہے:۔
کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ (۵۹ : ۷)
ترجمہ: تاکہ (دولت) تم میں سے دولتمندوں ہی کے درمیان نہ گھومتی رہے۔
حضورؐ نے جب معاذؓ بن جبل کو یمن کی جانب حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو زکوٰۃ کے متعلق ارشاد ہوا کہ وُہ ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے ضرورت مندوں پر لوٹا دی جائے گی اغنیاء وُہ ہیں جن کے پاس ان کی ضرورت سے زیادہ ہے اور فقرا وُہ ہیں جو ضرورت مند ہوں۔ حضورؐ نے زکوٰۃ کا بنیادی فلسفہ بیان فرما دیا۔ قرآنِ پاک نے فرمایا تھا۔ دولت صرف دولت مندوں ہی میں نہ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دولت مندوں سے لے کر ضرورت مندوں پر تقسیم کر دی جاتے۔
قرآنِ پاک میں یہ جو ہر جگہ صلوٰۃ کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہے، یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ صلوٰۃ سے جس اسلامی معاشرہ کی بُنیاد پڑتی ہے اس کی تکمیل زکوٰۃ کے بغیر

اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اِس معاشرہ کے اغنیاء سے مال لے کر ضرورتمندوں کو واپس نہ دے دیا جائے۔ اِس سے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مالی معاملات کی اِصلاح اللہ کی عبادت اور اس کے سامنے جوابدہ ہونے کے احساس کے بغیر ناممکن ہے گویا عبادت اور مالی معاملات میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ معاشی ضروریات کے بغیر عبادت ممکن نہیں۔ نیز عبادت کے بغیر مالی معاملات کی اصلاح بھی ممکن نہیں۔ جیسا کہ اب اشتراکیت کا تجربہ بتا رہا ہے۔ تجارت میں قرآنِ پاک کی "تجارۃً عن تراضٍ" کی اِصطلاح بیحد جامع اور تمام تجارت پر حاوی ہے۔ تجارت ایسی ہو جو خریدار اور فروخت کنندہ کی خوشی سے ہو ان میں سے کوئی مجبور نہ کیا گیا ہو۔ اس سے ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری دونوں کی ممانعت ہو جاتی ہے۔ چیزوں کو روک کر ان کی قیمتوں میں اضافہ کرنا یا ایک قسم کی تمام چیزوں کا کاروبار اپنے قبضہ میں لے کر انھیں مُنہ مانگے داموں پر بیچنا ختم ہو جاتا ہے۔ حضورؐ نے اس سلسلہ میں یہ فرمایا کہ تجارت میں نہ نقصان پہنچاؤ، نہ نقصان اُٹھاؤ۔ یہ گویا "تجارۃً عن تراضٍ" ہی کی تفسیر ہے۔ تجارت کے متعلق حضورؐ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جو مال کسی کی ملکیت نہ ہو، وُہ اُس کا سودا نہیں کر سکتا۔ اِس سے سٹہ بازی کی ممانعت ہوتی ہے۔ کم ناپنا اور کم تولنا مالی معاملات میں بددیانتی کی ابتدائی صورتیں ہیں جن سے قرآنِ پاک میں جگہ جگہ منع کیا گیا ہے۔

دولت کو اندوختہ کر کے رکھنے سے منع فرمایا اور اس کو خرچ کر دینے پر بار بار رغبت دلائی۔ سورۃ التوبہ میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (۹: ۳۴، ۳۵)

ترجمہ: جو لوگ سونا اور چاندی اندوختہ کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اُنھیں عذاب دردناک کی خوشخبری دو۔ اس روز اس سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور کمریں داغی جائیں گی۔ (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے وُہ جو تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا۔ اب اپنے اِس اندوختہ کا مزہ چکھو۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝
(۱۰۴: ۱ تا ۳)

ترجمہ : ہر عیب چیں، غیبت گو کے لئے بُرا انجام ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اُسے گنتا رہا۔ گمان کرتا ہے کہ یہ مال اسے ہمیشہ رکھے گا۔

سُورۃ المعارج میں فرمایا :

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ تَدْعُوا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى -

ترجمہ : یقیناً وُہ شعلہ والی آگ ہے جو چہرے کی کھال اُدھیڑ دیتی ہے۔ وُہ اس شخص کو بُلاتی ہے، جس نے پیٹھ پھیری اور مُنہ موڑا اور مال جمع کیا، پھر اُسے بند کر کے رکھا"

(۲۹ : ۱۵ تا ۱۸)

سُورہ آلِ عمران میں فرمایا :

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ

ترجمہ : بخیل کا مال اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا" (۳ : ۱۸)

دُوسری طرف خرچ کرنے پر بار بار رغبت دلائی کہ اسراف و تبذیر سے بچتے ہوئے اپنے اُوپر خرچ کرو۔ اپنی اولاد، والدین، قرابتداروں اور پڑوسیوں پر خرچ کرو۔ محتاجوں پر خرچ کرو۔ مسافروں پر خرچ کرو۔ قرضداروں کے قرضے اُتارنے پر خرچ کرو۔ جو لوگ وقتی طور پر اقتصادی بدحالی کا شکار ہو چکے ہیں، انھیں پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دو۔ یتیموں کی امداد کرو۔ اجتماعی بہبودی کے معاملات مثلاً اسلامی سٹیٹ کی بقا اور دفاع کے لئے خرچ کرو۔ اسلامی نظریہ حیات کو پھیلانے (تبلیغ) کے لئے خرچ کرو۔ علم پھیلانے اور علمی تحقیقات کو بڑھانے کے لئے خرچ کرو۔ رفاہِ عامہ کے کاموں مثلاً ہسپتال ریڈنگ رُوم لائبریریاں بنانے پر خرچ کرو۔ یہاں تک فرمایا کہ اپنی ضروریات سے جو بچے (راہِ خدا میں) خرچ کر دو۔

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۭ - (۲ : ۲۱۹)

ترجمہ : آپؐ سے پُوچھتے ہیں کہ وُہ کیا خرچ کریں ؟ کہہ دیجئے : جو ضرورت سے زیادہ ہو
مُزدِ بے محنت کو ممنوع قرار دیا۔ سود حرام کیا اور سود نہ چھوڑنے کو اللہ اور رسُولِ پاکؐ (سٹیٹ) سے لڑائی کا چیلنج قرار دیا۔ (۲ : ۲۷۹)

ان کے کھڑے ہونے کو مرگی والے کے کھڑے ہونے سے تشبیہہ دی۔ کیونکہ جیسے مرگی والے کا پتہ نہیں کہ وُہ کب گر جائے اسی طرح سود خوار معاشرہ کا کچھ ٹھکانا نہیں کہ وہ کب تباہ

ہو جائے۔ اور اِس بات کی سختی سے تردید کی کہ "سُود کاروبار ہے"۔ (۲ : ۲۷۵)
دیانتدارانہ محنت کی رغبت دِلائی اور اُسے قابلِ عزت قرار دیا۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے :-

مقدام رضؓ بن معدیکرب کہتے ہیں :- حضورؐ نے فرمایا کسی نے کوئی لُقمہ ایسا نہیں کھایا جو اس کی اپنی محنت کی کمائی سے زیادہ بہتر ہو۔ اللہ کے نبی داؤدؑ اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کرنے والے کو اللہ کا دوست فرمایا۔ بے ضرورت مانگنے والے کی سخت مذمت فرمائی۔ اور پاک و حلال کمائی کمانے کو فرض قرار دیا۔

اِسلامی معاشرے میں کسبِ معاش اور اقتصادی منفعت کے حصول میں حرام اور حلال کی تفریق اور اِس کی اہمیت کو جو مرتبہ دیا گیا ہے۔ وُہ ذیل کی احادیث سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں سے ہے کہ "جس جسم کی پرورش حرام غذا سے ہو وُہ جنت میں نہیں جائے گا"۔ آپ ہی نے فرمایا ہے کہ "اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کوئی روزی نہیں"۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "پاک ترین روزی وُہ ہے جو تمہارے اپنے کسب سے حاصل ہو"۔

ارشادِ نبویؐ ہے کہ "اللہ تعالیٰ دستکاروں یعنی حرفت پیشہ مومنوں کو دوست رکھتا ہے" فرمانِ نبویؐ ہے کہ "جو شخص دن بھر اپنی قوتِ بازو سے کام کر کے تھکا ماندہ شام گذارے تو اس کی وُہ رات مغفرت میں گذرتی ہے۔

اہلِ حرفہ اور ہر طرح کے مزدُور یا کارکن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی کمائی کو کسبِ حلال کے ذریعہ پاکیزہ بنائے اور وُہ اسی طرح ممکن ہے کہ وُہ تندہی سے ان ذمہ داریوں سے عُہدہ برآ ہو جو اس کام کے سلسلے میں اس پر عائد ہوتی ہیں۔ کاہلی اور سُستی سے کام سرانجام دینا یا کارکردگی کے اوقات میں بے کار بیٹھنا یا کسی دوسرے مشاغل میں وقت گذارنا امانت داری کے اصول کے خلاف ہے اور غلط روِش۔ جس سے حلال کی کمائی میں خلل کا امکان ہے۔

خادموں اور ماتحتوں سے حُسنِ سلوک کے متعلق قرآنِ کریم اور احادیث میں تاکید آئی ہے۔ نوکروں سے درگذر کرنے کے سلسلے میں حضور کا قول ہے کہ ہر روز ستر بار

درگذر کرنا چاہیئے۔ خادموں کو کھانے میں شریک کرنے اور انھیں مار پیٹ کرنے سے ہاتھ کھینچنے کی نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے بلکہ بے جا مارنے پر کفارہ ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

حضورؐ ہی کی مشہور حدیث ہے کہ "مزدور کو اُس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دی جائے"۔ ادائیگی اُجرت کے سلسلہ میں اِس اصول سے شاید ہی کوئی بہتر اور سنہری اصول وضع کیا گیا ہو۔

جہاں مزدور اور ہر طرح کے کارکن اور اہلِ حرفہ کے لئے کسبِ حلال کی تاکید ہے وہاں ان لوگوں کے لئے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دوسروں پر فضیلت دے کر یہ مقدرت دی ہے کہ وُہ دوسرے لوگوں کو اپنے ہاں صنعت یا کاروبار میں کسی حیثیت سے شامل کریں۔ انصاف، حسنِ سلوک، رحم، محبت اور شفقت کے جذبات کو بروئے کار لانے کی ہدایت فرمائی اور روپے کو جمع کرنے سے منع فرماتے ہوئے شرعی حدود کے مطابق خرچ کرنے کا حکم دیا۔ خود کشائش روزگار کے لئے بھی یہی نسخہ تجویز فرمایا گیا ہے کہ مالدار لوگ دولت کو انسانوں کی آسودگی اور اللہ کی خوشنودی کے لئے صرف کریں۔ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جو کچھ بھی خرچ کیا جائے اسے صدقہ کا درجہ حاصل ہے۔ جہاد جو افضل ترین عبادت قرار دی گئی ہے۔ صِرف جان سے ہی نہیں بلکہ مال کے صرف کرنے سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ خود قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

ترجمہ: تم اُس وقت تک حقیقی نیکی کو نہیں پا سکو گے۔ جب تک اپنی عزیز ترین چیزیں اُس کی راہ میں خرچ نہ کرو۔

اِسلام میں انفرادیت کی بجائے اجتماعیت پر زور دیا گیا ہے۔ اسی اجتماعی تنظیم اور اتحاد کی خاطر اطاعت پر زور دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کوئی غلام بھی تم پر عامل بنا دیا جائے تو اس کی سنو اور اس کی اِطاعت کرو یعنی جب تک معصیت کا حکم نہ دے۔ جب تک امیر، حاکم یا صنعت و کاروبار میں برسرِ اقتدار طبقہ کوئی خلافِ شرع یا خلافِ قانون (خواہ وُہ مزدوروں اور سرمایہ داروں کے تعلقات کو منظم کرنے کا

قانون ہی کیوں نہ ہم حرکت نہ کرے۔ مزدوروں کارکنوں اور اہلِ حرفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ صبر و استقامت اور فرماں برداری سے کام لیں۔ بلکہ اس کی خیر خواہی کو ملحوظ رکھیں۔

باہمی سلوک کی راہوں کو اس طرح متعین اور استوار کرنے کا اصل مقصد انسانی معاشرہ کی بنیاد کو دائمی امن اور ترقی و خوش حالی کا موجب بنانا ہے۔ اور انسانی زندگی کو ایسے حسنِ اخلاق پر تعمیر کرنا ہے جس میں مزدور ہو یا سرمایہ دار امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا ماتحت سب اپنے اپنے فرائضِ منصبی کو اس لئے اور اس طرح سرانجام دے رہے ہوں کہ کسبِ معاش بھی اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کا ایک ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا جا سکے۔

اسلام میں محنت اور سرمایہ متضاد چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ انسانی تہذیب اور معاشی ارتقاء کی منازل ان دونوں کے باہمی تعاون کے بغیر کامیابی سے طے نہیں پا سکتیں۔ بالخصوص موجودہ صنعتی دور میں سرمایہ، محنت اور نظم و نسق برقرار رکھنے والے طبقہ یعنی انتظامیہ کی باہمی رواداری، ارتباط اور ایک دوسرے کی مشکلات کو سمجھے بغیر ترقی کی راہوں پر گامزن ہونا تصور میں ہی نہیں آسکتا۔

معاشیات کا انسانی زندگی اور اعمال سے گہرا تعلق ہے۔ انسان کی روزمرہ کی ضروریات کسبِ معاش کے لئے محرک ہوتی ہیں۔ لیکن کسی مہذب اور متمدن معاشرہ میں لوگوں کو حصولِ مفاد کی خاطر کھلی چھٹی نہیں دی جاتی۔ بلکہ اخلاقی پہلوؤں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہر معاشرہ کسبِ معاش کے سلسلے میں ایسے قوانین وضع کر دیتا ہے جس کے ماتحت روزی کمانا اخلاقی اور قانونی اعتبار سے ایک جائز فعل قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ عصرِ حاضر کی لادینی دنیا بھی کسبِ معاش کے اخلاقی پہلوؤں سے غافل نہیں۔ ڈکیتی، چوری، ذخیرہ اندوزی اور اس قسم کی دیگر سماج دشمن کارروائیوں کے انسداد اور استیصال کی خاطر ہر معاشرہ نے قوانین بنا رکھے ہیں گویا اکلِ حلال کے اسلامی نظریے اور اصول کو ہر جگہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔

اسلام نے معاشی الجھنوں کے حل کو نہ صرف مادی بلکہ روحانی فلاح و بہبود کا ذریعہ قرار دیا ہے اور اسی لئے اسلامی نظام میں اکلِ حلال پر بہت زور دیا گیا ہے، ایسا کرنے سے صرف دوسروں کے حقوق کا تحفظ ہی مقصود نہیں ٹھہرایا گیا بلکہ یہ تزکیہ نفس کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق کسبِ معاش صرف جسم، گوشت پوست اور تن و توش کی پرورش ہی کا واحد وسیلہ نہیں بلکہ اکلِ حلال کے ذریعے انسانی جسدِ خاکی کا ضمیر اس طرح

ابھارنا مقصود ہے کہ اسے مسجودِ ملائک اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کا جو منصب سونپا جا چکا ہے اس کے حصول کی منازل طے کرنے میں اُسے دُشواریاں پیش نہ آئیں۔

معاشرہ میں افراد اور گروہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ معاشی بندھنوں نے انھیں آپس میں اس طرح سے باندھ رکھا ہے کہ کوئی فرد یا گروہ دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا زندگی کی تلخ اور ٹھوس حقیقتیں ایسی ہیں کہ معاشرہ کے سب طبقے مجبور ہیں کہ وہ تعاون اور اشتراک کی ایسی امن پسندانہ راہیں تلاش کریں جن سے یہ رشتہ خوش گوار نتائج پیدا کرے اور سب کی آسودگی و خوش حالی کا ضامن ٹھہرایا جا سکے۔ اسلام ایک فطری نظام پیش کرتا ہے اور اس کا بعینہٖ یہی مقصد ہے۔ البتہ اسلامی نظریے کے تحت منتہائے نظر طبقاتی فلاح و بہبود ہی نہیں بلکہ رضائے الٰہی اور خوشنودیِ خداوندی بھی اس کے اعلیٰ ترین مقاصد میں اسلام میں انسانی معاشرے کی بُنیاد اس عقیدے پر قائم کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو بلا مقصد پیدا نہیں کیا اور انسان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ حقِ عبودیت ادا کرے اور بندگی و بے چارگی کی معصیت سے نکل کر اپنے منصبِ حقیقی یعنی خلیفۃ اللہ فی الارض کا مقام سنبھالے۔ اسلام میں عبادت محض صوم و صلوٰۃ کی ادائیگی کا نام ہی نہیں بلکہ روزمرہ کے فرائضِ زندگی۔ اتباعِ رسُول اور احکامِ خداوندی کے مطابق سرانجام دینے کا نام بھی عبادت ہے۔ حتیٰ کہ اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا اور کام کاج کرنا سب عبادت کا درجہ رکھتے ہیں اور موجبِ ثواب ہیں بشرطیکہ انھیں شعارِ اسلامی کے بموجب سرانجام دیا جائے۔

سرمایہ یا دولت اور علیٰ ہذا محنت یا کارکردگی محض افزائش یا حصولِ زر ہی کا دوسرا نام نہیں بلکہ سرمایہ اور محنت کا صحیح مصرف اور ان کا باہمی اشتراک و تعاون عبادت کا دوسرا نام ہے۔ اس تعاون سے انسانی زندگی کو خوش حال بنانے کے لئے اسلام نے دولت کے کمانے اور اس کے بعد صحیح صرف کرنے پر بڑا زور دیا ہے۔

ایسی دولت یا سرمایہ اپنی بربادی کا خود سامان پیدا کرتا ہے جس میں صریحاً زر اندوزی ہی کارفرما ہو اور اس کے ذریعے انسانوں بالخصوص ایسے طبقے کی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کا سامان نہ کیا گیا ہو جو خود اس سرمائے کی تخلیق یا فراہمی کا وسیلہ ہے۔ اسلام نہ تو نمائشِ زر اور فضول خرچی کی اجازت دیتا ہے نہ ایسی سرمایہ اندوزی

کی کہ اس سے عناد، دشمنی اور نفرت کے جذبات پیدا ہوں۔ وہ تو دولت کو خدا کی دی ہوئی یا سونپی ہوئی ایک امانت قرار دیتا ہے جس کے خرچ کرنے کی راہیں بھی اس نے متعین کر رکھی ہیں۔ سرمایہ دار کے لئے امن ایک انتہائی بنیادی ضرورت ہے اور خود امن کا قیام ہی اسی طرح میسّر آسکتا ہے کہ سرمایہ اور دولت کی پیداوار کے مواقع برقرار رکھنے کے لئے اروپے کو اس طرح صرف کیا جائے کہ مختلف طبقات کے درمیان باہمی تعلقات ایسی اخلاقی اقدار پر قائم رہیں جن میں انسانیت کا عنصر غالب ہو۔

باہمی رواداری حقیقی طور پر اسی طرح قائم ہو سکتی ہے کہ مختلف طبقوں کی اقتصادی اور معاشی مشکلات اور کشمکش کو دولت کی تقسیم کے ذریعہ رفع کیا جائے۔ اور اسے مجموعی ملی مفادِ عامہ کا وسیلہ بنایا جائے۔

اسلامی معاشرے میں متوسط طبقے کو اگر اعتدال کی صورت تصور کر لیا جائے تو سرمایہ اور محنت میں ایک ایسے تعلق اور رشتے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جس سے دولت کے صرف کرنے کے باعث حالات ایسے سازگار بنائے جائیں کہ جو لوگ متوسط طبقے سے پست ہیں انھیں بھی اوسط درجے کی اقتصادی سہولتیں میسّر آجائیں۔

فرائض کے ساتھ حقوق کے درمیان بھی اعتدال کی کیفیت برقرار رکھنے کی اسلام میں تاکید ہے۔ صحیح اسلامی معاشرے کی تخلیق میں مزدور کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ سرمایہ دار کا فرض۔ مزدور کے لئے بھی امن کسبِ معاش کی بنیادی شرط ہے۔ وہ اپنی محنت سے اسی طرح پھل حاصل کر سکتا ہے کہ اسے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے مواقع مہیا ہوں اور ترقی کی راہیں اس پر بھی اسی طرح سے کھلی ہوں جن کے ماتحت وہ ایک معمولی حیثیت سے ترقی کر کے بلند مرتبہ حاصل کر سکے۔ فطری صلاحیتوں کی بنا پر بعض لوگوں کو دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن یہ فضیلت ترقی کے مواقع میسّر آنے پر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ سب کو ایک ڈنڈے سے ہانکنا اسلامی تصور کے منافی ہے۔ اجتماعی ترقی میں بھی انفرادیت کو ہمارے ہاں اپنا مرتبہ اور مقام حاصل ہے۔

مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے دباؤ کے تحت صنعتی ترقی کرانے والے ممالک میں طبقاتی کشمکش کو جو حیثیت حاصل ہو چکی ہے اس کے دور رس اثرات سے ہماری ملت بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔ دوسرے ممالک میں تعلیم کی فراوانی کی وجہ سے سب طبقے اپنے

سود و زیاں سے بالعموم باخبر ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے چونکہ عوام بالخصوص مزدور طبقہ تعلیم سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر اوقات وہ دوسروں کے دامِ فریب میں آجاتا ہے۔ تعلیمی پستی کی وجہ سے رائے عامہ کا ہمارے ہاں فقدان ہے۔ ایسی حالت میں مزدور طبقے کے لئے اور بھی ضروری ہے کہ وہ نہ تو بھیڑ چال سے کام لے نہ نعروں کی گونج اور پروپیگنڈے سے متاثر ہوں۔ بلکہ ہر نازک مرحلے پر اسلام یعنی کتاب و سنت سے رجوع کریں اور ہر ایسے اقدام سے باز رہیں جو غیر اسلامی ہو یا جو ظاہری نگاہوں میں بھی اجتماعی ملی اور ملکی مفاد کو ملحوظ نہ رکھتا ہو۔ ایسے حالات میں احتیاط اور تدبر کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیئے اور ضمیر کی آواز پر کان دھرنا چاہیئے۔ انتشار کو اسلام میں کسی طرح روا نہیں رکھا گیا۔ یہاں تک کہ الفتنۃ اشد من القتل کہا گیا ہے یعنی تمام حل امن پسندی اور صلح جوئی کے ماتحت عمل میں آنے چاہئیں جو محض اصول پر مبنی ہوں۔ نہ کہ کسی جھوٹے وقار پر۔ خداوند تعالیٰ ہمارے سرمایہ دار اور محنت کرنے والے طبقوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اسلام کی مقرر کردہ راہوں پر گامزن ہو کر باہمی اعتماد اور تعاون، اشتراکِ عمل اور اخوت کا وہ مظاہرہ کرسکیں جس سے یہ واضح ہو سکے کہ صحیح اسلامی معاشرے میں اقتصادی و طبقاتی کشمکش کا کوئی امکان نہیں۔ وما توفیقی الا باللہ ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نواہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ o (۷ : ۳۳)

ترجمہ : کہہ دیجئے بے شک حرام کردی ہیں میرے رب نے بے حیائی کی باتیں جو ظاہر ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہوں اور گناہ اور سرکشی ناحق اور کہ تم شریک ٹھہراؤ اللہ کا اس کو کہ نہیں اُتاری اُس نے اس کی کوئی دلیل اور کہ تم بہتان باندھو اللہ پر جو تم نہیں جانتے۔

حضرات ! اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہم تک جو احکامات پہنچائے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک میں کچھ چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دُوسرے میں بعض چیزوں سے باز رہنے کا حکم ہے اس دوسری قسم کو نواہی کہتے ہیں۔ جو آیہ کریمہ پڑھی گئی ہے اس میں اللہ تعالیٰ ہر قسم کی بے حیائی کی باتوں اور گناہ و ناحق سرکشی سے منع فرماتا ہے۔ توحید جو اسلام کا بُنیادی رُکن ہے اس کے اقرار کے ساتھ بھی غیر خدا کو اس کا شریک ٹھہرانے سے منع کیا ہے۔ گویا کلمہ طیبہ کی ابتدا غیر خدا کی معبودیت کی نفی سے ہوتی ہے اور اثبات الوہیت اس کے بعد ہوتا ہے۔ اسلام نے جو ضابطہ حیات دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس میں ہر بُری حرکت سے اجتناب کی تاکید ہے اور معاشرہ کو بُرائیوں سے پاک وصاف رکھنے کے لیے قرآنِ کریم جا بجا نام لے لے کر ایک ایک بُرائی سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (۲۲ : ۳۰)

ترجمہ : پس بچتے رہو ناپاکی سے بتوں کی اور بچتے رہو جھوٹی بات سے

اس میں جھوٹ سے بچنے کا حکم ہے جو ہر بُرائی کی اصل ہے اور یہ حقیقت ہے کہ

ایک جھوٹ بولنے کے بعد اِسے دُرست ثابت کرنے کے لئے انسان کو کئی جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ (۳۱:۱۸)

ترجمہ : اور نہ چل زمین پر اترا کر بے شک اللہ نہیں پسند کرتا ہر متکبر شیخی خورے کو۔

اِس مقام پر رب تعالیٰ نے تکبّر اور بے جا غرور سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے اور سینہ تان کر چلنے سے بھی منع فرمایا ہے کہ اس سے بھی خود پسندی اور غرور کی بو آتی ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝ (۳۳ : ۵۸)

ترجمہ : اور جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر ان کے کسی قصور کے سو وُہ اپنے سر لیتے ہیں بہتان اور گناہِ صریح۔

وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ (۴۹ : ۱۲)

ترجمہ : اور نہ غیبت کرے تم میں سے کوئی دوسرے کی، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وُہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پس تم اس سے کراہت کرو۔

فَاجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۚ (۴۹ : ۱۲)

ترجمہ : تم گمان سے بہت بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں

اِن تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کو ایذا دینے اس کی پیٹھ پیچھے اسے بُرا کہنے اور اس کے متعلق بُرا گمان تک کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سرمایہ داروں کو مال و دولت عطا فرما کر اسے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا بھی حکم دیا ہے اور سرمایہ اندوزی کے متعلق وعید شدید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝ (۹ : ۳۴، ۳۵)

ترجمہ : اور وُہ لوگ جو گاڑ رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے خدا کی

راہ میں پس خوشخبری دیجئے انھیں دردناک عذاب کی جس دن وہ تپایا جائے گا دوزخ کی آگ میں، پھر داغ دیا جائے گا اس سے ان کے منہوں کو اور پہلوؤں اور پیٹھوں پر کہ یہ وہ ہے جو تم گاڑا کرتے تھے اپنی ذات کے لئے پس چکھو (مزا اس کا) جو تم گاڑا کرتے تھے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ (۳ : ۱۸۰)

ترجمہ : اور ہرگز نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس میں جو دیا انھیں اللہ نے اپنے فضل سے کہ وہ اچھا ہے ان کے لیے بلکہ وہ تو برا ہے ان کے لئے جلد ہی طوق پہنائے جائیں گے اس چیز کا جس میں انھوں نے بخل کیا قیامت کے دن۔

اللہ تعالیٰ نے سرمایہ اندوزی کی ممانعت کے ساتھ ناجائز طریقوں سے مال جمع کرنے کی بھی مذمت فرمائی ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (۲ : ۱۸۸)

ترجمہ : اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناجائز طور پر اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک تاکہ کھا جاؤ کچھ حصہ لوگوں کے مال کا گناہ سے (ناحق) حالانکہ تم جانتے ہو

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝ (۴ : ۱۰)

ترجمہ : بلاشک جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کے ظلم سے وہ تو کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور [illegible] داخل ہوں گے دوزخ میں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ (۴ : ۲۹)

ترجمہ : اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناجائز طور پر مگر یہ کہ ہو تجارت رضامندی سے آپس کی۔

اللہ تعالیٰ نے ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرنے سے منع فرمایا اور صرف تجارت کے ذریعے دوسرے کا مال حاصل کرنے کی اجازت عطا فرمائی جبکہ فریقین نے باہمی رضامندی سے تجارت کی ہو۔ لیکن تجارت میں ناجائز طریقوں کی پھر مذمت فرمائی اور

ناپ تول میں کمی کو ناقابلِ معافی جرم قرار دیا۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ۔

ترجمہ : پورا کرو پیمانے کو اور نہ ہو کم دینے والوں میں سے اور وزن کرو درست ترازو سے اور نہ کم دو لوگوں کو ان کی چیزیں۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ (۸۳ : ۱ تا ۳)

ترجمہ : تباہی ہے کم تولنے والوں کے لئے وہ لوگ کہ جب ماپ کرلیں لوگوں سے تو پورا لیں اور جب ماپ کردیں اُن کو یا تول کردیں تو گھٹا کردیں۔

تجارت سے ملتی جلتی صورت سُود کی بھی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سُود کے جوانے کے قائل لوگوں کا قول نقل فرمایا کہ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وہ کہتے ہیں تجارت بھی تو سُود ہی کی طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سُود لینے سے منع فرماتے ہوئے حرمتِ سُود سے قبل کے سُود کے بھی چھوڑ دینے کا حکم دیا اور فرمایا :

وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۲ : ۲۷۸)

ترجمہ : اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سُود سے اگر تم ہو مومن۔

سُود کی ممانعت میں ہی ارشاد فرمایا :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (۴ : ۱۳۰)

ترجمہ : اے ایمان والو نہ کھاؤ سُود کئی گنا اصل سے، اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم نجات پاؤ۔ (۳ - ۱۳۰)

سُورۂ بقرہ میں ہی جہاں بقایا سُود کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے اور اسے مومن ہونے کی شرط قرار دیا ہے۔ سُود نہ چھوڑنے کی صورت میں اپنے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جانے کو فرماتا ہے۔

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ۚ (۲ : ۲۷۹)

ترجمہ : پھر اگر تم ایسا نہیں کرو گے (بقایا سود کو نہ چھوڑو گے) تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ اور اُس کے رسول سے۔

سرمایہ اندوزی اور ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرنے کی ممانعت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مال کو ناجائز جگہوں پر خرچ کرنے کی بھی نہی فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥

ترجمہ : اے ایمان والو بے شک شراب اور جُوا اور بُت اور پانسے ناپاک شیطانی عمل ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے مال جمع کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔ اسے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فضول خرچی سے بھی روکا ہے بخل اور اسراف دونوں ہی کی ممانعت فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی تعریف کرتے ہوئے ان کی ایک صفت یہ بھی بیان فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ٥ (۲۵: ۶۷)

ترجمہ : اور جو لوگ کہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ زیادہ تنگی اور ہوتا ہے اُس کے درمیان اعتدال۔

اسراف کی مذمت میں ارشاد ہوتا ہے :

وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۔ (۶ : ۱۴۱)

ترجمہ : اور اسراف نہ کرو، بے شک وہ نہیں پسند کرتا اسراف کرنے والوں کو۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ٥ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۔

(۱۷ : ۲۶، ۲۷)

ترجمہ : اور نہ کر فضول خرچی بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں

اوامر اور نواہی سے جہاں ایک طرف حقوق العباد کا تحفظ مقصود ہے وہاں دوسری طرف انسانوں کے اندر حفظِ مراتب، حسنِ آداب، اچھی عادات و خصائل کے ذریعے سے انھیں باوقار اور عمدہ اخلاق کا حامل انسان بنانا مطلوب ہے اور انہی کے ذریعہ

معاشرے کی تربیت اور تنظیم عمل میں لائی جا سکتی ہے اور عوام کو آداب معاشرت سکھائے جا سکتے ہیں۔ حقیقت میں اوامر و نواہی کو ملحوظ رکھنے سے ہی افراد اچھے کردار کے حامل ہو کر قومی کردار کے بلند کرنے میں ممد و معاون ہو سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بہتر اوامر پہ پابند ہونے کی مثال میسر نہیں آ سکتی۔ قرآن مجید میں جن امور کے بجا لانے اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ ان سے اجتناب کرنے کے متعلق ہو تاکید آئی ہے۔ وہ بنیادی ہونے کی حیثیت سے فرائض کا درجہ رکھتی ہیں اور ان کی بجا آوری لازمی اور لابدی ہے۔ زندگی کو اپنے لیے اور معاشرے کے لیے خوشگوار اور لطیف بنانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار پاکیزہ ارشادات ہیں جن میں اچھی عادتیں پیدا کرنے کے لیے اظہار پسندیدگی اور بری خصلتوں (سے بچانے) کے لیے اظہار نفرت پایا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ وہ زندگی کے جملہ پہلوؤں سے تعلق رکھتی ہیں۔ جہاں کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، طہارت بدن اور لباس کے متعلق مکروہات اور فطرت سلیم پر گراں گذرنے والی مذموم حرکات و افعال سے منع فرمایا ہے۔ وہاں ایسی چیزوں سے بھی باز رہنے کی تاکید فرمائی ہے جنھیں اگر نہ ترک کیا جائے تو اس کے برے اثرات و نتائج سارے معاشرے کو متاثر کرتے ہیں۔ جن بری عادتوں سے انفرادی کردار پر آنچ آتی ہو اُن سے حضورؐ نے اِن الفاظ میں منع فرمایا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا میں تمھیں تین بڑے گناہوں کی اطلاع نہ دوں صحابہؓ نے عرض کی ہاں! یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا۔ (۱)۔ خدا کے ساتھ شرک کرنا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا آپؐ تکیہ لگائے ہوئے تھے، مگر اُٹھ بیٹھے اور فرمایا (۳) خبردار جھوٹی گواہی دینا۔ پھر آپؐ برابر اس کی تکرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں نے کہا کاش آپ بس فرماتے۔

حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اُسے چاہیئے کہ ہمسایہ کو ایذا نہ دے۔

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو دنیا میں اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے ان کی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا۔ "جس بندے کو اللہ نے رعیت کا حاکم بنایا پھر اس نے

اپنی رعیت کی خیر خواہی سے حفاظت نہ کی تو وہ جنّت کی خوشبو کو نہ پائے گا۔
دُوسری روایت میں فرمایا ! "جو شخص مسلمان رعیت پر حاکم ہُوا اور پھر اُن کے ساتھ خیانت کی حالت میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اُس پر جنّت حرام کرے گا۔
بے جا تعریف کی مذمّت میں حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک آدمی کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہُوئے سُنا تو فرمایا تم نے اُسے ہلاک کر دیا، یا اُس کی پیٹھ کاٹ ڈالی اور کسی کی بلا وجہ بُرائی کرنے کے سلسلہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے۔ " اگر کسی کو فاسق یا کافر کہا جائے اور وُہ دراصل ایسا نہ ہو تو یہ الفاظ کہنے والے پر ہی پلٹ آئیں گے۔
اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مُردوں کو بُرا نہ کہو کیونکہ وُہ جو کچھ کر چکے ہیں اس میں پہنچ چکے ہیں۔
حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔ "جنّت میں چُغل خور داخل نہ ہوگا۔ اور ایک روایت میں لفظ نمّام یعنی لگائی بُجھائی کرنے والا آیا ہے۔ یوُں ہی آپؐ نے فرمایا۔ کیا میں تم سے اہلِ دوزخ کا حال بیان نہ کروں۔
ہر سخت جھگڑالو، زبردست اور متکبّر شخص دوزخی ہے۔
دُوسری روایت جو حضرت عائشہؓ سے ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔" اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ وُہ شخص ہے جو جھگڑالو ہو"۔
آپؐ نے منافق کی تین علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ جب بات کرے تو جھُوٹ بولے۔
۲۔ امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔
۳۔ وعدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے۔

کسبِ حلال پر زور دیتے ہُوئے اور ناجائز ذرائع آمدنی سے اظہارِ بیزاری کے طور پر آپؐ ارشاد فرماتے ہیں :-

" لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لانا اور فروخت کرنا۔ اللہ اس کے ذریعے آبرو قائم رکھے تو اِس سے بہتر ہے کہ آدمی لوگوں سے سوال کرے اور وُہ اُس کو دیں یا نہ دیں"۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے"۔

حضور ہی کا ارشاد ہے۔ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ کسی کو بطور ہبہ یا عطیہ کچھ دے کر واپس لے۔ صرف باپ اپنے بیٹے سے لے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو ایسا کرے۔ اس کی مثال اس کتے کی ہے جو خوب کھا کر قے کر دے اور پھر اسی قے میں منہ ڈالے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو جو کسی علاقہ کے حاکم تھے۔ ایک خط میں لکھا۔ غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ کوئی حکم اس حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے جب کہ وہ حالت غضب میں ہو۔

بے جا تکلفات سے منع کرتے ہوئے اور سادگی کی تلقین فرماتے ہوئے آپؐ نے کھانے اور پہننے تک کی چیزوں میں بھی بعض اشیاء کی صریح ممانعت فرمائی۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں۔ اے لوگو! ریشم اور دیبا نہ پہنو۔ نہ سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پیو۔ نہ سونے چاندی کی رکابی میں کھاؤ۔ کیونکہ یہ سامان کفار کے لئے دنیا میں ہے اور ہمارے واسطے آخرت میں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا کے معاشرہ کی جو کیفیت تھی اسے لفظوں میں بیان کرنا دشوار ہے۔ وہ کون سی برائی تھی جو ساری دنیا میں بالعموم اور عربوں میں بالخصوص نہ پائی جاتی تھی۔ غیر خدا کی پرستش اور شجر و حجر کے سامنے سربسجود ہونے کے علاوہ فحاشی، عیاشی، سفاکی اور درندگی انسانوں کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ انسانی خون کی ارزانی کا یہ عالم تھا کہ معمولی سی بات پر کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہوتا تو انتقام کی آگ کئی نسلوں کو ختم کرنے کے بعد بھی ٹھنڈی نہ ہوتی تھی۔ زنا۔ شراب نوشی۔ جوا۔ بلکہ دختر کشی تک کی مذموم اور قبیح عادات بطور فخر اختیار کی جاتی تھیں۔ عورت کی عصمت و عفت کا احساس ہی نہ تھا۔ جھوٹ، فریب اور دغا معاشرہ کا جزو بن چکے تھے۔ چوری اور راہ زنی یوں شباب پر تھی کہ تنہا تو کیا قافلے تک کا بے خطر سفر کرنا دشوار تھا۔ ایسے تاریک دور میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ایسی مشعل روشن فرمائی جس نے تیئس سال کے قلیل عرصہ میں نہ صرف عرب والوں کو اس تاریکی سے باہر

نکال دیا۔ بیرونِ عرب بھی نورِ اسلام کی روشنی پھیلنے لگی نسلوں سے ایک دوسرے کے دشمن قبائل شیر و شکر ہو گئے۔ عورت کو ایک کھلونا سمجھنے والے اس کے تقدس کے محافظ و نگہبان بن گئے۔ بات بات پر مشتعل ہو کر تلواریں میان سے باہر نکالنے والے ساری دنیا کو صلح و آشتی کا درس دینے والے اور عظمتِ آدم کے پاسبان کہلانے لگے۔ یہ عدیم المثال انقلاب جسے ایک انسانِ کامل نے اتنے قلیل عرصہ میں ناممکن سے ممکن ہی نہیں بلکہ عملی طور پر کر کے دکھا دیا۔ اس ہادیٔ اعظم کی پاک تعلیمات اور عادات کا لازمی نتیجہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا جنگوں سے واپسی پر فرمایا کہ ہم ایک چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس لوٹے ہیں اور اس سے مراد یہ تھی کہ تلوار سے اپنے مخالف کو رام کر لینا اتنا کمال نہیں جتنا اپنے نفس کی بے جا خواہشات کے خلاف کرنے کے لئے آمادۂ عمل ہونا ہے۔ آپؐ نے قرآن کریم کے ارشادات اور اس کی تشریح میں اپنے عمل سے عام انسانوں کی عادات کو اس طرح بدل ڈالا کہ ان کا دل برائی سے نفرت کرنے لگا۔

اسلام صرف عباداتِ خداوندی کے مخصوص طریقے ہی بیان نہیں کرتا۔ بلکہ اسلام میں انسان کی زندگی کا ہر لمحہ عبادت بن سکتا ہے۔ جب کہ وہ احکامِ الٰہی کے خلاف نہ گزرے کسی برائی سے بچنا سب سے بڑی نیکی ہے اور انفرادی اعمال سے زیادہ ان اعمال کو اہمیت حاصل ہے۔ جن کا تعلق قوم و ملک کے دوسرے افراد سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ اس پر زور دیا ہے کہ تمہاری ذات اگر کسی کے لئے مفید نہیں ہو سکتی تو کم از کم ضرر رساں تو نہ ہو۔ جھوٹ، رشوت، بددیانتی وغیرہ افعال سے انسان اپنی ذات کے لئے کچھ فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور دوسرے کو اس کے حق سے محروم کرنے کو ان حرکات کا مرتکب ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی تمام حرکات کی مذمت فرمائی ہے اور انسان کو دوسرے انسان کے لیے مفید بنانے کے لئے اس کا احتساب فرمایا ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جانوروں تک کی جان کی حفاظت کا ذمہ دار بناتے ہوئے انسان کو ان کی ایذا رسانی سے منع فرمایا ہے۔ آپ کے مختلف ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ نے انسانی معاشرہ کی اصلاح کے سلسلے معمولی معمولی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا اور اسلام کی تعلیمات کا اکثر حصہ ان ہی احکامات پر مشتمل ہے جن کا تعلق عام انسانی

معاشرہ سے ہے۔

ہمارا معاشرہ انتہائی پستی میں چلے جانے کے باوجود قبل اسلام کی کئی مذموم و مکروہ برائیوں سے اب بھی پاک ہے۔ اگر ہم پھر نئے سرے سے پیغامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنالیں تو یقیناً ہم ساری دنیا کے لئے نمونہ بن سکتے ہیں اور منشائے خداوندی بھی یہی ہے۔ اُس نے ہمیں اُمتِ وسط قرار دیا ہے اور ہم سے ساری دنیا کی امامت و پیشوائی کا کام لینا چاہتا ہے۔ اِس منصب جلیلہ پر فائز ہونے کے لئے اور اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنے کے لئے ہمیں ہر اُس چیز سے دور رہنا ضروری ہے جس سے خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام کے اولیں قبول کرنے والوں نے راہِ حق میں جن دشواریوں اور مشکلات کا سامنا کیا ہے۔ ہماری راہ میں تو اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ ہمیں تو صرف اس عزم پر محکم ہونے کی ضرورت ہے کہ ہماری کوئی حرکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے خلاف نہ ہوگی۔ اگر روزمرہ کی زندگی میں ہم اسلام کے بتائے ہوئے صاف و سادہ اصولوں کو اپنالیں اور کوئی قدم اسلام کی تعلیم کے خلاف نہ اُٹھائیں تو دنیا امن و امان کا گہوارہ بن سکتی ہے خداوندِ کریم ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

مجالسِ خیر و برکت

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

یٰایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمؤمنین ۝ (۱۰ : ۵۷)

ترجمہ : اے لوگو! بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے موعظت آئی ہے جو شفا ہے اس (مرض) کے لئے جو سینوں میں ہوتی ہے۔ اور ہدایت اور رحمت ہے اہلِ ایمان کے لئے۔

وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظٰلمین الا خسارا ۝ (۱۷ : ۸۲)

ترجمہ : اور اُتارتے ہیں ہم قرآن سے وہ جو شفا اور رحمت ہے ماننے والوں کے لئے اور یہ نہیں زیادہ کرتا ظالموں کو مگر نقصان۔

اللہ نزل احسن الحدیث کتٰبا متشابھا مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الیٰ ذکر اللہ ذٰلک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء ومن یضلل اللہ فما لہ من ھاد ۝ (۳۹ : ۲۳)

ترجمہ : اللہ نے اُتاری ہے احسن حدیث۔ کتاب ہے جس میں ہم معنی مضامین دہرائے گئے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی خشیت رکھتے ہیں۔ اس سے ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر نرم ہو جاتے ہیں۔ ان کے بدن اور دل اللہ کے ذکر کی طرف (مائل ہو جاتے ہیں) یہ اللہ کی طرف سے ہدایت ہے۔ وہ جسے چاہتے ہیں، اس سے ہدایت دیتے ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے پھر اس کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

حضرات! قرآنِ پاک اللہ کی آخری کتاب ہے جس کے ہر لفظ، حرف، نقطہ اور شوشہ

تک کی حفاظت کا ذمہ خود حق تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ۔

ترجمہ: بے شک ہم نے نازل کیا ہے الذکر (یعنی قرآنِ پاک) اور بے شک ہم ہی ہیں اس کی حفاظت کرنے والے۔

اس چھوٹے سے فقرہ میں تین تاکیدیں ہیں اور یہ قرآنِ پاک کا اعجاز ہے کہ چودہ سو برس سے یہ لوگوں کے سینوں اور سفینوں میں محفوظ چلا آتا ہے اور امریکہ کے تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق یہ دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ ہر مسلمان بچہ کی تعلیم کی ابتدا بھی قرآنِ پاک سے ہوتی ہے اور اس کی تعلیم کی انتہا بھی یہی ہے کہ وہ اسے اپنے فہم اور بصیرت کے مطابق سمجھ لے۔

قرآنِ پاک کا یہ معجزہ آج بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ اگر کسی مجلس میں کوئی بڑے سے بڑا آدمی اس کی تلاوت میں زیر زبر کی غلطی کرے، تو اسے ضرور وہیں ٹوک دیا جاتا ہے اور ایسا اوقات ایک بچہ بھی اُٹھ کر اُس کی تصحیح کر دیتا ہے۔

قرآنِ پاک زندگی کے لئے ہدایت نامہ ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اسے پڑھا اور سمجھا جائے اور پھر اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ فنونِ لطیفہ میں ادب کو سب سے اونچا درجہ حاصل ہے

قرآنِ پاک ایک لاثانی ادبی شاہکار بھی ہے اور حضور اکرمؐ کی رسالت کا یہ زندۂ جاوید معجزہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ قرآنِ پاک نور ہے، ہدایت ہے۔ رحمت ہے اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ قرآنِ پاک پڑھنا گویا اللہ سے ہم کلام ہونا ہے۔ اور جو لوگ عربی زبان نہ جانتے ہوں وہ بھی اُس کی صوتی خوبیوں اور زیر و بم سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انھیں بھی اس کے روحانی اثرات سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور مل جاتا ہے۔ کیونکہ اثر الفاظ و معانی کے علاوہ کہنے والے کی شخصیت پر موقوف ہے۔ وہی الفاظ کسی کی زبان یا قلم سے نکلیں تو بے اثر ہوتے ہیں اور کسی اور کی زبان و قلم سے نکلیں تو دلوں کو گرما دیتے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔

مگر تلاوتِ قرآنِ پاک کے کچھ اصول ہیں، جو خود قرآنِ پاک ہی نے مقرر کر دیئے ہوئے ہیں۔ پہلا اصول تو یہ ہے:۔

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ -

ترجمہ : نہ ہاتھ لگائیں اسے مگر پاک صاف -

جس کسی کو نہانے کی حاجت ہو، وُہ قرآنِ پاک کو نہیں چھُو سکتا اور تلاوت سے پہلے باوضُو ہونا ضروری ہے۔ جہاں بیٹھے وُہ جگہ پاک صاف ہو۔ ماحول خوش گوار ہو۔ خوشبو ہو تو اور بہتر ہے۔

دُوسرا اصُول یہ ہے ———

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ (۹۸:۱۶)

ترجمہ : اور جب تُو پڑھے قرآن تو پناہ مانگ اللہ کے ساتھ شیطان سے جو راندہ ہُوا ہے -

یعنی تلاوت سے پہلے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ضرور پڑھا جائے -

تیسرا اصُول یہ ہے کہ قرآنِ پاک ترتیل سے پڑھا جائے - ارشاد ہے کہ :-

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝

ترجمہ : اور آہستہ آہستہ پڑھ قرآن کو ترتیل سے -

ترمذی - ابُوداؤد اور نسائی کی ایک حدیث ہے کہ حضُورؐ کی قرأت ایسے ہوتی تھی کہ آپؐ کا ایک ایک لفظ واضح اور جُدا ہوتا تھا -

مشکوٰۃ میں براء بن عازب سے روایت ہے۔ حضُور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا : زینت دو تم قرآن کو اپنی آواز سے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ پاک کو اچھے لہجہ میں پڑھنا چاہیئے اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیئے - ہر لفظ واضح سنائی دے۔ مطلب یہ ہے کہ محبت اور شوق سے پڑھے اس طرح نہ پڑھے کہ نہ الفاظ پُورے ادا ہوں اور نہ لہجہ میں شیرینی ہو۔ دُوسری طرف حضُورؐ نے اس طرح پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے کہ اسے محض راگ بنا دیا جائے -

حضرت حذیفہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضُور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بچاؤ اپنے آپ کو عشقیہ نغموں اور اہلِ کتاب کے طرز پر قرآن پڑھنے سے۔ میرے بعد ایک قوم آئے گی جو قرآن کو بنا بنا کر پڑھے گی، یعنی نغموں میں اور گا گا کر جیسے راگ اور نوحے گائے اور پڑھے جاتے ہیں - اور حالت ان کی یہ ہو گی کہ قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہ اُترے گا یعنی ان کے دلوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہو گا - (مشکوٰۃ)

چوتھا ادب یہ ہے کہ جتنا آسانی سے پڑھ سکے پڑھے۔ سورہ المزمل میں فرمایا۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (۲۰ : ۷۳)

ترجمہ : پس پڑھو جو آسانی سے پڑھ سکو، اس میں سے۔

صحیحین کی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قرآن مجید کو اس وقت تک پڑھو جب تک اس میں دل لگا رہے۔ جب طبیعت اکتا جائے تو اٹھ کھڑے ہو۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جس نے تین رات سے کم میں قرآن ختم کیا، اس نے قرآن کو نہیں سمجھا۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

پانچواں ادب یہ ہے کہ جب قرآن پاک پڑھا جائے، سننے والے اسے خاموشی اور توجہ سے سنیں۔ پاس قرآن پاک پڑھا جا رہا ہو تو آپس میں باتیں شروع کر دینا آدابِ قرآن پاک کے منافی ہے۔

سورۃ الاعراف میں ہے

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (۷ : ۲۰۴)

ترجمہ : اور جب پڑھا جائے قرآن تو سنو اسے اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ قرآن پاک کی طرف پیٹھ یا پاؤں نہ ہوں۔ اس سے آدمی اونچا نہ ہو۔ قرآن پاک میں یہود کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ انھوں نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔ مطلب تو یہی ہے کہ انھوں نے اس کے احکام کو بھلا دیا۔ ان کی پروا کرنا چھوڑ دیا۔ مگر ظاہر طور سے قرآن پاک کی طرف پیٹھ کرنا بھی سوءِ ادب ہے۔ اور دلی احترام کے ساتھ ظاہری ادب بھی اتنا ہی ضروری ہے۔

ساتواں ادب یہ ہے کہ قرآن پاک کو مالی منفعت کا ذریعہ نہ بنائے۔ یہود سے یہ فرمایا:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ○

ترجمہ : اور نہ خریدو میری آیات کے بدلے مال تھوڑا۔

ایک تو اس سے یہ مراد ہے کہ کسی سے رشوت لے کر غلط مسائل نہ بتاؤ۔ یا آیات کو توڑ کر اپنا مطلب نکالنے کی کوشش نہ کرے۔ لیکن پیسے لے کر قرآن خوانی کرنا یا قرآن خوانی ذریعے مانگنا بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جو شخص قرآن پڑھے اور اس کے ذریعہ لوگوں سے کھائے، وہ قیامت کے دن ایسی صورت میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت نہ ہوگا (مشکوٰۃ)

ہمارے ہاں ختم قرآن پاک کی جو مجالس منعقد کی جاتی ہیں، یہ مستحسن چیز ہے۔ ختم قرآن پاک کے ذریعے اللہ سے اپنی نیک حاجات کی دعا کرنا یا ان لوگوں کے لئے جو فوت ہو چکے ہوں اس طریق سے دعائے مغفرت کرنا، دعا کی قبولیت کا باعث ہوتا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ ایسی مجالس میں ان تمام آداب کا خیال رکھا جائے، جو ابھی بیان کئے گئے ہیں۔ خاص طور سے ترتیل سے پڑھنے کا۔ کیونکہ بالعموم یہ دیکھا گیا ہے کہ چونکہ قرآن پاک ختم کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لئے اسے جلدی سے پڑھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ سننے والا الفاظ کو سمجھ تک نہیں سکتا۔ اگر کچھ پارے پڑھنے سے رہ جائیں تو دو آدمی مل کر انھیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک ایک صفحہ پڑھتا ہے اور دوسرا اس کے مقابل کا صفحہ ایک آیت کا ایک ٹکڑا ادھر ہو اور دوسرا ادھر۔ اس کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا۔ یہ صریحاً بے ادبی ہے اور حق تعالیٰ کے حکم اور حضور اکرمؐ کے ارشاد کی خلاف ورزی ہے۔ خاص طور سے وہ لوگ جو قرآن خوانی کے لئے کرائے پر منگائے جاتے ہیں وہ تو پیشہ وروں کی طرح تمام جذبات عبودیت و عقیدت سے عاری ہو کر پڑھتے ہیں اور بسا اوقات بغیر وضو کے پڑھتے ہیں اور بیچ میں سے آیات چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔

کرائے پر قرآن پاک پڑھنا یا پڑھانا دونوں سخت ناپسندیدہ باتیں ہیں۔ یہی اللہ کی آیات کو معمولی مال کی خاطر بیچنا ہے۔ اس لئے کرایہ پر پڑھنے والوں کو بھی یہ کام چھوڑ دینا چاہیئے اور پڑھانے والوں کو بھی چاہیئے کہ وہ ایسے لوگوں کو ختم قرآن کی مجالس میں نہ بلائیں۔ اس سے قرآن خوانی کی ساری روح ہی ختم ہو جاتی ہے۔ ماہ رمضان کی تراویح میں قرآن پاک سننا بہت مستحسن ہے۔ لیکن وہاں بھی اس بات کا خیال ضروری ہے کہ قرآن پاک ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے۔ تاکہ ہر لفظ الگ الگ سنا جا سکے۔ یہ نہ ہو کہ چونکہ ختم کرنا ہے۔ اس لیے غلط یا صحیح جلدی جلدی پڑھتا چلا جائے۔ الفاظ رہ جائیں تو رہ جائیں۔ اس کی پروا نہ کی جائے نہ اوقاف کا لحاظ رکھا جائے۔ اس طرح قرآن پڑھنا اللہ کی خوشنودی کا باعث نہیں ہو سکتا۔ یہ سوء ادب ہے۔

ہمارے ہاں بعض مجالس میں تلاوت قرآن پاک کے وقت کھڑے ہو جانے کی رسم بھی

راہ پارہی ہے۔ یہ غلو ہے۔ ہر تمدن اور معاشرہ کے اپنے آداب ہوتے ہیں۔ مثلاً مغرب میں ننگے سر کھڑے ہونا ادب میں داخل ہے۔ ہمارے ہاں ننگے سر ہونا منافی ادب خیال کیا جاتا ہے۔ ہمارا یہی طریق چلا آرہا ہے۔ کہ قرآن پاک پڑھے جانے کے وقت سب لوگ اس طرف متوجہ ہو کر ادب سے بیٹھ جائیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بیٹھنے میں تکبر یا لاپرواہی کا انداز نہ ہو ٹیک لگا کر یا اکڑ کر نہ بیٹھے۔ تلاوت کے وقت کھڑا ہونے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔

بعض دیگر اسلامی ممالک کی طرح پاکستان میں بھی ختم قرآن پاک کے موقعے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے لئے مجالس میلاد منعقد کی جاتی ہیں اور ان میں نعت خوانی اور قوالی کی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام و درود بھیجنے کے متعلق خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی صلعم پر۔ اے ایمان والو! تم بھی رحمت بھیجو اور سلام جیسے سلام بھیجنے کا حق ہے۔

بالعموم قرآن پاک کے اختتام پر سورۃ اخلاص اور معوذتین کے بعد سورۃ فاتحہ اور البقرہ الف لام میم سے لے کر ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک پڑھتے ہیں۔

پھر بالعموم یہ آیت پڑھی جاتی ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ پھر یہ آیت پڑھتے ہیں۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔

موضح القرآن میں اس آیت کا یہ فائدہ لکھا ہے:۔

"یہ حکم ادا ہوتا ہے نماز میں" اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ ......" پڑھنے سے اللہ سے رحمت مانگنی۔ اپنے پیغمبر پر اور ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ ان پر ان کے لائق رحمت اترتی ہے اور دس رحمتیں اترتی ہیں مانگنے والے پر۔ جتنا چاہے اتنا حاصل کرے۔" درود شریف بلند آواز سے کم از کم تین بار، لیکن بعض اوقات گیارہ مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔ درود شریف کے بعد آیات سبحان

رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ٥ پر ختم کر دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد ختمِ قرآن کے سلسلے میں ذیل کی دعا پڑھی جاتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ٥

ترجمہ : اے اللہ مجھے قبر کی وحشت سے بچا۔ اے اللہ مجھ پر قرآنِ عظیم کی برکت کے سبب رحم فرما۔ اور اسے میرے لئے امام، نور، ہدایت اور رحمت بنا۔ اے اللہ اس میں سے میں جو بھول گیا ہوں وہ مجھے یاد دلا اور جو میں نہیں جانتا اس کا مجھے علم دے اور مجھے اس کی تلاوت دن اور رات کے وقتوں میں نصیب فرما اور اسے میرے لئے حجت بنا۔ اے جہانوں کے پروردگار!

درود کے سلسلے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتا ہے۔

حضرت ابو سلیمانؒ درانی کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ سے کسی حاجت کا طالب ہو اُسے چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجے۔ پھر اللہ سے اپنی حاجت کا سوال کرے۔ اور پھر اپنی دعا کو درود شریف پر ختم کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ درود شریف کو قبول فرماتے ہیں اور یہ ان کی شانِ کرم کے مطابق نہیں کہ وہ درمیانی سوال کو چھوڑ دیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف سے روایت ہے کہ جبریلؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جو بھی شخص آپ پر درود بھیجتا ہے، اُس پر ستر ہزار فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔

اس لئے درود شریف کی مجالس رحمت اور برکت کا باعث ہیں۔ مگر ان کے بھی آداب ہیں، جنھیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ جگہ صاف ستھری اور پاکیزہ ہو، اور شامل ہونے والے حضرات باوضو ہوں۔ خوشبو ہو تو اور بہتر ہے پھول ہوں یا عطر ہو۔

دوسری چیز یہ ہے کہ درود شریف محبت اور عقیدت سے پڑھا جائے۔ میلاد کی محفلوں میں بھی کرایہ پر پڑھنے والوں کو بلانے کا رواج عام ہے اس سے بچنا چاہیئے۔

جہاں تک نعت خوانی اور قوالی کا تعلق ہے اہلِ تصوّف بالخصوص مشائخِ چشتیہ نے سماع کو کافی اہمیت دی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید حمد و نعت اور مناقب و فضائل سُننا دلوں کو حق کی طرف مائل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حضوری کا وسیلہ اور موجب بنتا ہے۔ روح ایک لطیف چیز ہے اور عام مشاہدہ ہے کہ آواز کی لطافت سے دل حق کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور دلکش سُریلی اور سوز و گداز سے لبریز آواز دلوں کی بے قراری کو رفع کرتی ہے۔ اور رنج و غم کی کوفت اور دُنیا کی اُلجھنوں کی کثافت سے دُور کرتی ہے۔
اشعار کے متعلق بھی آیا ہے کہ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً بلاشبہ بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے۔ اشعار جب دلکش اور جاں گداز انداز میں سُنائے جائیں تو کانوں کو اُن سے لذت حاصل ہوتی ہے اور بلاغت اور سحر بیانی کے باعث اُن کے سُننے سے رقت پیدا ہوتی ہے اور دلوں پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور سُننے والوں کے دل گرویدہ ہو جاتے ہیں اور حق اور راستی دلوں میں جڑ پکڑ جاتی ہے اور اعتقادات راسخ ہو جاتے ہیں۔ دلوں میں خُدا کی وحدت، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت اور ملتِ اسلامیہ کی عظمت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ نعت خوانی کے موقعوں پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ سُننے والوں میں ہر طرح ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ نعت کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ جہاں ہم رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا اظہار کریں۔ وہاں اُن کے عظیم کردار کے مختلف پہلوؤں کا نقش بھی اپنے دلوں میں جاگزیں کریں تاکہ اُسی کردار کو شمعِ ہدایت بنا کر اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکیں۔ والہانہ پن میں حدود و ادب سے تجاوز کرنا یا ایسے اشعار پڑھنا جو عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکیں یا اُن سے ہوس انگیزی یا کراہت پیدا ہوتی ہو اور راہِ حق سے بھٹکنے اور فتنہ پیدا ہونے کا خدشہ ہو قطعی ممنوع ہیں۔
مجالسِ میلاد یا نعت خوانی اور قوالی کی تقاریب کو نو آموز شاعروں کے کلام کا تختۂ مشق بنانا خواہ اُن کے جذبات کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں ان مجالس کے وقار کے منافی ہے اور نعت خواں حضرات کو چاہیئے کہ صحیح اسلامی جذبہ پیدا کرنے والے اشعار ہی ایسے موقعے پر خوش الحانی سے پیش کریں۔ ہماری قومی زبان اردو میں تقریباً سب بلند پایہ شعراء نے انتہائی پاکیزہ اور روح کو تڑپانے اور دلوں کو گرمانے والے اشعار کے ذریعے سرورِ کائناتؐ کے فضائل و مناقب بیان کیے ہیں اور ایسی تقاریب میں انھیں کا سُنانا مستحسن ہے۔
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعائیں

سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو ہر طرح کی غلامی سے نجات دلائی، ساری دنیا کا اللہ تعالیٰ سے براہِ راست تعلق پیدا کیا۔ اور خود اپنے افعال و کردار سے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کے آداب کیا ہیں اور اپنی حاجات کی تکمیل کے لئے دستِ سوال اُسی کے سامنے پھیلانا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جامع، پُرخلوص، دل آویز، مؤثر اور یقین و سرور سے سرشار الفاظ میں اپنے پروردگار سے دعائیں اور التجائیں کی ہیں۔ وُہ انسانی قلوب اور احساسات کی صحیح ترجمانی ہی نہیں کرتیں بلکہ عربی ادب میں بھی ان کا مقام انتہائی بلند ہے اور انسان اپنے مالک سے اس کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں ہی حصولِ مقصد کے لئے التجا کرے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ خطبات کے ساتھ ان دعاؤں کو اس لئے یکجا پیش کیا جارہا ہے کہ خطیب حضرات بھی حسبِ موقع انہی کا اعادہ کریں اور عوام کو ان دعاؤں کا وقت اور موقع بتائیں۔ عربی زبان سے عوام کے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہر دعا کے ساتھ اردو ترجمہ بھی دیا جارہا ہے تاکہ دعا مانگنے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے مفہوم اور معانی کو بھی سمجھ سکے اور اپنے مقصد اور مطلب کا تصور کرکے بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو۔

(۱) اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ۔

ترجمہ: الٰہی تو میرا پروردگار ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تُو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں۔ اور اپنی طاقت کے مطابق تیرے عہد اور وعدے پر ہوں۔ تیری نعمتوں کا جو مجھ پر ہیں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں مجھے معاف فرما دے۔ تیرے سوا کوئی گناہوں کو

(۲) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ اَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ بَصَرِيْ وَجِلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ

(۳) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْعِصْمَةَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

معاف نہیں کرسکتا۔ میں اپنی برائیوں سے تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔

ترجمہ: اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں میری پیشانی تیرے قبضے میں ہے۔ میرے بارے میں تیرا حکم نافذ ہے اور میرے معاملہ میں تیرا فیصلہ عین عدل ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر اس اسم سے جس سے تو نے اپنی ذات کو موسوم کیا ہے یا اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا ہے یا اسے اپنے پاس غیب ہی میں رہنے دیا ہے" سوال کرتا ہوں کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، میری آنکھ کا نور، میرے غم کی کشائش اور میری تشویش کا دفعیہ بنا دے۔

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ حلیم و کریم ہے۔ پاک ہے اللہ کی جو عرش عظیم کا مالک ہے سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ میں تجھ سے وہ اعمال و خصائل مانگتا ہوں جو تیری رحمت کو واجب کرنے والے اور تیری مغفرت کے یقینی اسباب ہیں اور ہر گناہ سے بچاؤ اور ہر نیکی مکمل اور ہر گناہ سے سلامتی چاہتا ہوں۔ میرا کوئی گناہ ایسا نہ رہنے دے۔ جسے تو نے بخش نہ دیا ہو اور نہ ایسا غم اور پریشانی جسے تو نے دور نہ کر دیا ہو۔ اور نہ کوئی ایسی ضرورت جو تیری مرضی کے مطابق ہو جس کو پورا نہ فرمائے۔ اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان۔

④ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ وَاهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا یَهْدِیْ لِاَحْسَنِهَآ اِلَّآ اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَهَا لَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَهَآ اِلَّآ اَنْتَ لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ وَالْخَیْرُ كُلُّهٗ فِیْ یَدَیْكَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْكَ اَنَا بِكَ وَاِلَیْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَیْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ۔

ترجمہ: اے اللہ تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اپنے گناہوں کا اقرار کیا۔ پس میرے سب گناہ بخش دے۔ بے شک تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں اور مجھے اچھی عادات و اخلاق کی راہ دکھا۔ تیرے سوا کوئی اچھے اخلاق کی راہ نہیں دکھاتا۔ اور برے اخلاق مجھ سے دور کر، تیرے سوا کوئی مجھ سے برے اخلاق کو دور نہیں کرتا۔ میں تیری خدمت میں تیرا حکم بجا لانے کو حاضر ہوں۔ نیکیاں تمام کی تمام تیرے ہاتھ میں ہیں اور برائی کی تیری طرف نسبت نہیں کی جاتی میں تیرے سبب سے موجود ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں تو برکتوں والا ہے، تو بلند ہے میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں

⑤ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ جَعَلْتَهٗ عِصْمَةَ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ جَعَلْتَ فِیْهَا مَعَاشِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ نَقِمَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا رَآدَّ لِمَا قَضَیْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

ترجمہ: اے اللہ میرا دین درست رکھ جو میرے حق میں بچاؤ ہے اور میری دنیا درست رکھ جس میں میری معاش ہے۔ اے اللہ میں تیری خوشنودی کے ساتھ تیرے غضب سے پناہ پکڑتا ہوں اور تیرے عفو کے ساتھ تیرے عذاب سے پناہ پکڑتا ہوں۔ اور تیرے ساتھ تجھ سے (تیرے غضب سے) پناہ پکڑتا ہوں۔ کوئی اس کو روکنے والا نہیں جو تو نے دیا اور کوئی دینے والا نہیں جس چیز کو تو نے روکا۔ اور تیرے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں اور کسی کوشش کرنے والے کی کوشش تجھ سے (تیرے عذاب سے) نفع نہیں دیتی۔

(۶) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُ اِلٰی حُبِّكَ -

ترجمہ : اے اللہ میں تجھ سے توفیق چاہتا ہوں نیکیوں کے کرنے کی اور برائیوں کے چھوڑنے کی اور غریبوں کے ساتھ محبت کی اور یہ کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کرے اور جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھے بغیر فتنہ میں مبتلا کئے مار اور میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں ۔ اور اس کی محبت جو تجھ سے محبت رکھتا ہے اور اس کام کی محبت جو تیری محبت کے قریب کر دے ۔

(۷) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ شَكُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ كَبِیْرًا

ترجمہ : الٰہی مجھے بڑا صبر کرنے والا بنا دے اور مجھے بڑا شکر کرنے والا بنا دے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا بنا دے اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دے ۔

(۸) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُّنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ وَالْاَدْوَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ - اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ جَارِ السُّوْءِ فِیْ دَارِ الْمُقَامَةِ فَاِنَّ جَارَ الْبَادِیَةِ یَتَحَوَّلُ -

ترجمہ : اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ برے اخلاق، برے اعمال، بری خواہشوں اور بری بیماریوں سے ۔ الٰہی ہم تجھ سے اس چیز کی بھلائی مانگتے ہیں جو تیرے نبی (جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مانگی ۔ اور ہم تیری پناہ میں آتے ہیں ۔ ہر اس چیز کی برائی سے جس سے تیرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے ۔ الٰہی ہم مستقل قیام گاہ میں برے پڑوسی سے تیری پناہ میں آتے ہیں ۔ کیونکہ سفر کا ساتھی تو چل ہی دیتا ہے ۔

(۹) اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ وَمِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِیْعُ وَمِنَ الْخِیَانَةِ فَبِئْسَتِ

ترجمہ : اے اللہ ہم پناہ مانگتے ہیں تجھ سے قرض کے غلبہ اور دشمن کے غلبہ سے اور دشمنوں کے طعنے سے اور بھوک سے کہ وہ بری ہم خواب ہے اور خیانت سے کہ وہ پوشیدہ بری خصلت ہے

الْبِطَانَةُ وَنَعُوْذُ بِكَ اَنْ نَرْجِعَ عَلٰى اَعْقَابِنَا اَوْ نُفْتَنَ عَنْ دِيْنِنَا وَمِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَمِنْ يَوْمِ السُّوْءِ وَلَيْلَةِ السُّوْءِ وَمِنْ سَاعَةِ السُّوْءِ وَمِنْ صَاحِبِ السُّوْءِ

اور پناہ مانگتے ہیں تجھ سے کہ ہم پچھلے پیروں پر لوٹ جائیں یا فتنے میں پڑ کر دین سے الگ ہو جائیں اور سارے فتنوں سے ظاہری ہوں یا باطنی اور برے دن سے اور بری رات سے اور برے ساتھی سے ۔

(۱۰) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ .... وَاَنْ اُرَدَّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ

ترجمہ : اے اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں عجز، سستی، نامردی اور انتہائی کبر سنی سے اور اس سے کہ ناکارہ عمر تک پہنچوں ۔

(۱۱) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْاَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَدُعَاءٍ لَّا يُسْمَعُ

ترجمہ : اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں چار چیزوں سے۔ "ایسے علم سے جو نفع نہ دے"۔ "ایسے دل سے جو ڈرنا نہ جانے"۔ ایسے نفس سے جو آسودہ ہونا نہ جانے اور ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے ۔

(۱۲) اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهٗ

ترجمہ : اے اللہ ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی، تقویٰ اور جو کام تو پسند کرے۔ چاہتے ہیں الٰہی ہم پر یہ سفر آسان کر دے اور ہم سے اس کی درازی دفع کر دے ۔

(۱۳) اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ؕ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا بَعْدَهَا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا بَعْدَهَا ۔ اَللّٰهُمَّ

ترجمہ : یہ شام اس حالت میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ کی سلطنت ہے سب تعریف اسی کی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی سلطنت ہے۔ اسی کی تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ میرے پروردگار میں تجھ سے اس رات اور اس رات کے بعد کی خیر طلب کرتا ہوں۔ اور اس رات اور اس رات

إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ
وَسُوْءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَ
عَذَابِ الْقَبْرِ أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ
أَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَفَتْحَهُ
وَنَصْرَهُ وَنُوْرَهُ وَبَرَكَتَهُ وَهُدَاهُ
وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهِ وَ
شَرِّ مَا بَعْدَهُ

(۱۴) اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ
عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا
أَنْتَ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهُ أَعُوْذُ
بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ
الشَّيْطٰنِ وَشِرْكِهِ وَأَنْ أَقْتَرِفَ
عَلٰى نَفْسِيْ سُوْءًا أَوْ أَجُرَّهُ إِلٰى
مُسْلِمٍ۔

(۱۵) اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حُبَّكَ وَحُبَّ
مَنْ يَنْفَعُنِيْ حُبُّهُ عِنْدَكَ اَللّٰهُمَّ
فَكَمَا رَزَقْتَنِيْ مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ
قُوَّةً لِيْ فِيْمَا تُحِبُّ اَللّٰهُمَّ وَمَا
زَوَيْتَ عَنِّيْ مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ
فَرَاغًا فِيْمَا تُحِبُّ۔

(۱۶) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ
عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ

کے بعد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ میں تیری
پناہ مانگتا ہوں سستی بڑھاپے اور کبر سنی کی برائی سے
اور دنیا کے فتنے اور قبر کے عذاب سے۔
صبح اس حالت میں ہوئی کہ ہم اور سارا عالم اللہ
کی سلطنت ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔
اے اللہ میں تجھ سے اس دن کی خیر و فتح و نصرت و نور و
برکت و ہدایت مانگتا ہوں۔ اور اس دن کے شر اور
اس کے بعد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

ترجمہ : اے اللہ زمین و آسمان کے پیدا
کرنے والے۔ پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے
تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر چیز کے رب اور
مالک میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اپنے نفس کی
کی برائی سے اور شیطان کے شر اور شرکت سے
اور اس سے کہ اپنے نفس پر برائی کا ارتکاب کروں
یا اسے کسی مسلمان کی طرف پہنچاؤں۔

ترجمہ : اے اللہ مجھے اپنی محبت نصیب
کر اور اس شخص کی محبت بھی جس کی محبت تیرے
نزدیک میرے حق میں نافع ہو، یا اللہ جس طرح
نے مجھے وہ دیا جو مجھے پسند ہے۔ اسے اپنی
پسند کے مطابق میرے لئے باعثِ قوت بنا۔
اے اللہ جو دور رکھا ہے تو نے مجھ سے جسے میں
پسند کرتا ہوں۔ اسے میرے حق میں ان چیزوں کے
لئے موجب فراغ بنا دے جو تجھے پسند ہیں۔

ترجمہ : اے اللہ میری سب سے زیادہ
کشادہ روزی میرے بڑھاپے اور میرے خاتمے

عُمُرِیْ وَاجْعَلْ خَیْرَ عُمُرِیْ آخِرَہٗ وَخَیْرَ عَمَلِیْ خَوَاتِیْمَہٗ وَخَیْرَ اَیَّامِیْ یَوْمَ اَلْقَاکَ فِیْہِ

(۱۷) یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ

اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ وَمِنْ طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا بِہٖ جَنَّتَکَ وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُھَوِّنُ بِہٖ عَلَیْنَا مَصَائِبَ الدُّنْیَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَایَۃَ رَغْبَتِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا

وقت کر اور میری عمر کا بہترین حصّہ اس کا آخری حصّہ کرنا اور میرا بہترین عمل میرا آخری عمل کرنا اور میرا بہترین دن وہ کرنا جس میں تجھ سے ملوں۔

ترجمہ : اے حی وقیوم ! میں تیری رحمت کے واسطے سے تجھ سے فریاد کرتا ہوں کہ میرے حال کو درست کر دے اور مجھے ایک لمحے کے لئے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر۔

اے اللہ ہمیں اپنی خشیت سے اتنا حصّہ دے کہ ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی طاعت سے اتنا حصّہ کہ تو ہمیں اس کے ذریعے سے جنّت میں پہنچا دے اور یقین سے اتنا حصہ کہ اس سے تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے۔ اور دنیا کو ہمارا مقصودِ اعظم نہ بنا اور نہ ہمارے معلومات کی انتہا اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود اور ہم پر اس کو حاکم نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر اپنے مالک سے جو التجائیں کی ہیں اور اپنی اُمّت کو اسی طرح اپنے ربّ سے مانگنے کی تلقین کی ہے۔ اس میں سے چند یہاں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں اور قرآنی لفظوں میں جس طرح اپنے ربّ کو پکارا ہے کتبِ احادیث میں تفصیلاً موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ ہماری ان دعاؤں کو جو اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظوں میں اس کی بارگاہِ عالیہ میں پیش کی ہیں، شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور مسلمانانِ عالم بالخصوص مسلمانانِ پاکستان کی دینی و دنیوی مشکلات کو رفع فرمائے اور ہمیں اقوامِ عالم کی رہنمائی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اے ایمان والو! جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن، تو لپکو ذکر الٰہی کی طرف اور چھوڑ دو خرید و فروخت۔ یہی بات بہتر ہے تمہارے لیے، اگر تم علم رکھتے ہو۔

(سورۃ الجمعہ۔ رکوع ۲۔ آیت ۹)

6

روحِ اسلام

کتاب و سنّت کے مطابق
دینی، اخلاقی، معاشرتی اور ثقافتی موضوعات پر
بصیرت افروز مقالات

فیروز سنز ٹرسٹ

۶۰ دی مال، لاہور